
تخریب کار
انوار صدیقی

''پنخ''

''تخریب کار'' اور ''تخریب کاری'' کے سلسلے میں بھی برادرم محمد علی قریشی کا اصرار ہے کہ ''پیش لفظ'' کے طور پر کچھ نہ کچھ تحریر میں لایا جائے۔ حالانکہ ہمارے معاشرے میں یہی ایک کاروبار ایسا ہے جس کے لئے نہ کسی سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے، نہ دُکان کی، نہ تشہیر کی، نہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ قانونی لائسنس حاصل کرنے کی۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کسی سے صلاح مشورہ کریں بلکہ بزرگوں، عزیز و اقارب اور دوست احباب کو بھی جس قدر تاریکی میں رکھا جائے اسی قدر بہتر ہے۔

دنیا کے ہر کاروبار اور پیشے کی طرح ایک ''کامیاب تخریب کار'' بننے کے لئے بھی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ کا ہونا شرط ہے۔ دوسری ''اہم ضرورت'' ایک شریک کار یا ''آلہ کار'' کی ہوتی ہے جو تخریب کاری کے لئے ''خام مال'' کی فراہمی کا بندوبست کر سکے اور ''بوقت ضرورت'' ایک دوسرے کے کام آسکے۔ اس ضمن میں بھی ''بڑے تخریب کار'' کو یہ رعایت اور حق بہر حال حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو کسی ''مشن'' (MISSION) سے آگاہ کرے یا اسے بھی ''اندھیرے میں غوطہ'' کھانے دے۔

رہ گئی بات ''تجربے'' کی تو ''تخریب کار'' کو نہ تو کسی استاد کی ضرورت ہے نہ کسی ایسے مکتب یا ادارے کی جہاں معقول معاوضے کے عوض ایک محدود مدت کے بعد ''آنکھیں بند کر کے'' ہر شخص کو ''تجربے کی سند'' عنایت کر دی جاتی ہے۔ آپ ''دل گردے'' سے مضبوط ہوں، ''کل کی فکر'' نہ کریں اور ایک ماہ تک پابندی، انہماک اور توجہ سے صبح اور شام کو شائع ہونے والے اخبارات کا بغور مطالعہ جاری رکھیں اور ''بقلم خود'' سند یافتہ بن جائیں۔ ایک ماہ کی مدت بھی شرط نہیں۔ اگر آپ ''چتر، چالاک اور چنڈال'' واقع ہوئے ہیں تو دو ہفتے میں بھی مخصوص ''اخباری تراشے'' اکٹھا کر کے نہ صرف یہ کہ اپنے کاروبار کے ''اسرار و رموز'' پر ایک ''جامع کتابچہ'' تیار کر سکتے ہیں (جو بوقت ضرورت آپ کے لئے ''مشعل راہ'' ثابت ہوسکتا ہے) بلکہ ''پیرو مرشد'' کا نام لے کر اپنا ''اصل کاروبار'' بھی شروع کر سکتے ہیں۔

ایک رسم یہ بھی ہے کہ کسی کاروبار کو ''چمکانے'' کے لئے کسی صاحب اقتدار حکومتی عہدیدار، کسی مشہور کھلاڑی، مذہبی رہنما یا معروف سیاستدان (اگر سزا یافتہ ہو تو زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے) وغیرہ وغیرہ سے ''رسم افتتاح'' کرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے دن کے اخبارات میں ''فیتہ کٹنے'' کے موقع پر کھینچی گئی تصویریں بھی مفت میں شائع ہو جاتی ہیں اور کاروبار کی تشہیر

بھی ہو جاتی ہے۔ مگر ''تخریب کار'' کو اس قسم کی رسم افتتاح اور تشہیر سے یوں ''پرہیز'' کرنا چاہئے کہ ''تصویری شہادتیں'' جیل یاترا کی ''پہلی سیڑھی'' بھی ثابت ہوسکتی ہیں۔ اس ضمن میں ''مجوزہ کاروبار'' کے ''سند یافتہ'' ماہرین کا قیمتی مشورہ یہی ہے کہ ''رسم افتتاح'' کی تقریب سے جتنا دُور رہا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ کچھ ''شہرہ پشت'' اور ''ارسطوصفت'' ماہرین کا کہنا ہے کہ جس طرح شطرنج کا کھیل انسان کے ذہن کو ''جلا'' بخشتا ہے اسی طرح سانپ اور سیڑھی کا کھیل (بشرطیکہ بے ایمانی اور ہاتھ کی صفائی کے ساتھ کھیلا جائے) تخریب کاری کے کاروبار میں نہ صرف ''چشم کشا'' بلکہ نہایت ''منفعت بخش'' ثابت ہوتا ہے۔

ایک اہم بات اور بھی ہے۔ ''تخریب کار'' کے لئے ضروری نہیں کہ اپنی ''ظاہری شخصیت'' کو پس پشت ڈال دے۔ بلکہ اگر اس کی ''ظاہری حیثیت'' یا کسی ''پیشے سے وابستگی'' بے داغ ہے تو اس کی ''تخریب کاری کی ساکھ'' بھی ''ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا'' کی مثال کے مصداق ثابت ہوگی۔ ''ظاہر'' اور ''باطن'' میں ''زمین و آسمان'' کا فرق کاروبار کو ''چار چاند'' لگا دے گا۔ ''ظاہر'' کا ''نور'' تخریب کار کے ''باطن'' کی ''ظلمت'' کو اس طرح نگل جائے گا جس طرح ''رات کا اندھیرا''، ''دن کے اُجالے'' کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ دونوں حیثیتوں میں ''آمدنی ہی آمدنی'' ہوگی اور مطلوبہ تخریب کار قانون کی نظروں سے بھی ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل'' رہے گا۔

تخریب کار کے لئے کچھ ''گر کی باتیں'' جاننا بھی اشد ضروری ہے۔ ہر کاروبار کی طرح ''تخریب کاری'' کے لئے بھی ایک ''متوازن معیار'' کا ہونا شرط ہے۔ (اس معیار کا تخریب کار کے ''ذاتی معیار سے لگا کھانا'' بھی ضروری ہے) ''تخریب کاری'' کے میدان میں جن ''سورماؤں'' نے اپنے ''کارناموں'' کے سبب ''نام کمایا ہے''...... تاریخ جن کے ''چنگیزی ہنگاموں'' کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور ''متاثرین'' جن کو زندگی کی آخری سانسوں تک نہیں بھلا سکیں گے، ان کے ''کردار'' کا بھی ''اعلیٰ معیار'' تھا۔ وہ سب اپنے اپنے ''معیار کی کسوٹی'' پر پورے اُترتے تھے۔ تخریب کار اگر وہی ''زریں اصول'' اپنا لے جن کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے تو پھر بڑے کروفر کے ساتھ اور نہایت ''دیدہ دلیری'' سے اپنا ''مذموم'' کاروبار شروع کر سکتا ہے۔

......ضمیر مُردہ ہو اور ''اندر کا انسان'' بہ فضل خدا ''رحلت'' فرما چکا ہو۔ (کسی ڈاکٹر سے تصدیق کی ضرورت نہیں)

......انسانیت، محبت، اخوت اور مذہبی عقائد سے دُور کا بھی سروکار نہ ہو۔

......کسی کی غربت، عزت و آبرو اور ناموس سے ''کھل کھیلنے'' کے فن میں ''مشاق'' ہو۔

......قلبی رشتوں سے ''ناآشنا'' اور دُکھ درد کے احساسات سے ''لاعلم'' ہو۔

......خون میں لتھڑی ہوئی بے گور و کفن لاشوں پر کھڑا ہو کر قہقہہ لگانے کی ''اہلیت'' رکھتا ہو۔

......''ضمیر فروشی'' کو ''حب الوطنی'' کے جذبوں پر ترجیح دینے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرے۔

(نوٹ)...... قانون کے ساتھ ''آنکھ مچولی کھیلنے'' کا سابقہ تجربہ ایک ''اضافی معیار'' سمجھا جائے گا۔ اگر کسی تخریب کار میں مندرجہ بالا ''صلاحیتوں'' کا ''فقدان'' ہو تو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ایک بار ''کاروبار'' میں ملوث ہونے کے بعد جوں جوں آپ کا ''ہاتھ رواں ہوگا'' توں توں آپ کے ''معیار'' اور ''فنکارانہ صلاحیتوں'' میں ''نکھار'' پیدا ہوتا جائے گا۔ ''آزمائش شرط ہے۔''

محمد علی قریشی کے بے حد اصرار پر ''پیش لفظ'' کی ''ہیج'' پوری ہوئی۔ مجھے اجازت دیجئے۔ شکریہ!

انوار صدیقی

کچھ دنوں سے رحمت علی کے ساتھ عجیب وغریب حادثات پیش آ رہے تھے۔ ایک ہفتہ قبل وہ شہر کے چوٹی کے وکیل کمال احمد کی بیٹی کی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بال بال بچا تھا۔ سٹیئرنگ سیٹ پر کمال احمد کی اکلوتی لڑکی نازنین بیٹھی تھی جسے لوگ نازو کے نام سے جانتے تھے۔ غلطی اُس کی اپنی تھی لیکن اس کے باوجود اُس نے رحمت علی کو ایسی حقارت بھری نظروں سے دیکھا تھا جیسے اُس کا وجود ناقابل برداشت حد تک غیر ضروری تھا۔ منہ ہی منہ میں اُس نے یقیناً انگریزی میں کوئی گھٹیا سا جملہ بھی رحمت علی کے لئے کہا تھا جسے وہ سننے سے قاصر رہا تھا۔

چار روز قبل صدر کے بھرے بازار میں ایک لمبے تڑنگے اجنبی شخص نے اُس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ اگر لوگوں نے درمیان میں آ کر بیچ بچاؤ نہ کرایا ہوتا تو اُس کی اچھی خاصی مرمت ہو جاتی۔ اُس شخص کا خیال تھا کہ رحمت علی نے اُس کی بنی سنوری نوجوان بیوی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس رحمت علی کو یہ بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ اُس کے گرد جمع ہونے والی بھیڑ بھاڑ میں اُس اجنبی کی بیوی کون سی تھی؟ ایک شریف دُکاندار کی بروقت مداخلت پر اُس کی جان ضرور بچ گئی تھی لیکن لمبے تڑنگے آدمی کے دو چار زناٹے دار تھپڑوں ہی نے اُس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

''شرم نہیں آتی تجھے راہ چلتی لڑکیوں کا ہاتھ پکڑتے......؟'' اُس شخص نے رحمت علی کا گریبان اتنی قوت سے پکڑتے ہوئے کہا تھا کہ کپڑے کے ساتھ ساتھ خود رحمت علی کا وجود بھی لرزہ براندام ہو کر رہ گیا تھا۔ ''زمین کھود کر دفن کر دُوں گا تجھے...... سمجھتا کیا ہے؟''

''لل...... لیکن...... مجھ سے غلطی کیا سرزد ہوئی ہے؟'' رحمت علی نے احتجاج کیا تو پہلا بھرپور ہاتھ اُس کے دائیں گال پر اتنی زور سے پڑا کہ اُس کی داڑھ تک ہل کر رہ گئی۔

''حرام کے تخم...... ایک تو چوری اُوپر سے سینہ زوری۔'' اجنبی نے احتجاج کے جواب میں ایک گھونسہ اُس کی کنپٹی پر مارا تو رحمت علی کو سچ مچ دن میں تارے نظر آ گئے۔ ''میری بیوی کا ہاتھ تھام رہا تھا اور اب معصوم بن رہا ہے۔''

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی جس میں مرد و زن دونوں ہی شامل تھے...... ''صورت سے کتنا معصوم نظر آ رہا ہے۔'' ایک آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''مجھے تو کوئی جیب کترا دکھائی دے رہا ہے۔'' دوسری آواز نے اُس کے ہوش گم کر دیئے۔

''میرا خیال ہے کہ یہ پرس لے کر بھاگنے کی تاک میں تھا لیکن بروقت پکڑا گیا۔'' تیسری

آواز بھی اُس کی مخالفت میں اُبھری۔

''اسے پولیس کے حوالے کر دو!'' کسی نے تجویز پیش کی۔

''فائدہ کیا ہوگا...... چور کے بھائی گرہ کٹ......'' دوسرے نے تبصرہ کیا۔ ''کچھ دے دلا کر خلاصی حاصل کر لے گا۔''

''اب بولتا کیوں نہیں......؟'' لمبے تڑنگے آدمی نے اُسے گریبان سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''کیا دو ہی ہاتھ میں سٹی گم ہوگئی؟'' اس جملے کے ساتھ ہی اُس کا ہاتھ ایک بار پھر فضا میں پوری شدت سے لہرایا اور رحمت علی تیورا کر گرتے گرتے بچا تھا۔

''اسے چھوڑ دیجئے جناب!'' ایک قریبی ریش دراز دُکاندار نے اُس کی حمایت کی۔ ''یہ غریب تو میری دُکان سے بنیان لینے آیا تھا۔ ہوسکتا ہے آپ کا مطلوبہ مجرم بھیڑ بھاڑ میں کنی کاٹ کر نکل گیا ہو۔''

''تمہاری سفارش پر چھوڑ رہا ہوں اس...... کی اولاد کو۔ ورنہ چٹنی بنا کر رکھ دیتا۔'' لحیم شحیم آدمی نے اُس کا گریبان چھوڑتے چھوڑتے بھی چوتھا بھرپور ہاتھ اور جڑ دیا۔

پھر مجمع تو کائی کی طرح چھٹ گیا لیکن رحمت علی ہونقوں کی طرح چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا کہ آخر اسے کس جرم کی پاداش میں سزا ملی تھی؟ اُس نے آج تک اپنی عذرا بیگم کے سوا کسی غیر عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ افتاد اچانک کیسے آن پڑی......؟ اور اگر بوڑھے دُکاندار نے تصدیق نہ کی ہوتی تو اُس کا کیا حشر ہوتا......؟ مجمع تو ایک عورت کی حمایت میں اُسے پرانی رُوئی کی مانند دھن کر رکھ دیتا۔

رحمت علی بھی اچھی خاصی قد و قامت رکھتا تھا۔ اُس کی شریانوں میں بھی جوان اور گرم لہو دوڑ رہا تھا۔ جواب میں اگر چاہتا تو وہ بھی اپنے مخالف کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ اُس کا بس ایک ہی شوق تھا۔ بلاناغہ ہیلتھ کلب میں جانا اور زندگی کی حرارتوں کو برقرار رکھنے کی خاطر جان بنانا۔ ہیلتھ کلب اُس کے مکان کے قریب ہی واقع تھا جسے محلہ کمیٹی نے قائم کیا تھا۔ وہاں دیسی کشتیوں کے علاوہ جوڈو اور کراٹے کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ کسرت کے دیگر سامان بھی بکثرت موجود تھے۔ ہیلتھ کلب کا گرینڈ ماسٹر شہباز چونکہ اُس کے پرانے واقف کاروں میں سے تھا اس لئے اُسے وہاں کوئی فیس بھی ادا کرنے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑتی تھی۔ وہ تقریباً دو سال سے برابر نہایت پابندی سے ہیلتھ کلب جا رہا تھا۔ شہباز خان نے دوستی کے ناتے اُسے ہر فن میں طاق کر دیا تھا۔ ایک بار اُس نے کہا تھا۔

''رحمت علی...... تمہارے بدن کے اندر خون نہیں بلکہ پگھلا ہوا سیسہ دوڑ رہا ہے۔ تمہاری ہڈیاں لوہے سے زیادہ مضبوط ہیں۔ ایمان سے اگر ایک بار تو ضد پر آ جائے تو ہاتھی سے بھی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور پھرتی سے بازی پلٹنے میں تو تیرا کوئی جواب ہی نہیں۔''

صدر کے بھرے بازار میں وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔ پھرتی دکھا کر بازی پلٹ

سکتا تھا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتا تھا۔ لیکن جو کچھ ہوا، اتنی جلدی ہوا کہ اُسے سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اس کے علاوہ وہ بنیادی طور پر شریف واقع ہوا تھا۔ جھگڑے فساد سے دُور رہنا اُس کی عادت تھی۔ شاید اس لئے کہ وہ ایک بیٹی اور بیٹے کا باپ تھا اور اپنی طرف سے کوئی ایسا قدم اُٹھانے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا جس کا اثر اُس کے بیوی بچوں کے مستقبل کو تباہ کر دے۔ لیکن جانے کیوں وہ حالات کے بھنور میں پھنستا جا رہا تھا۔

دو روز قبل اُس کے گھر میں چوری کی واردات ہوئی تھی۔ وہ بر وقت جاگ گیا تھا اور اُس نے طے بھی کر لیا تھا کہ چوراچکوں کے مسلح ہونے کے باوجود اُن سے ٹکرا جائے گا۔ لیکن اُس کی بیوی عذرا اُس کے آڑے آ گئی تھی۔

''ٹھنڈا رہنے کی کوشش کر رحمتے! جان کا صدقہ مال سے ہوتا ہے۔ سامان چلا گیا تو دوبارہ بن جائے گا۔ لیکن اگر تو......'' اُس نے جملہ مکمل کرنے سے پہلے خود اپنے ہی ہاتھ منہ پر سختی سے جما لئے تھے۔

''میں نے کوڑی کوڑی کر کے اپنی فرزانہ کے لئے کچھ جہیز تیار کیا ہے...... کیا اسے کھلی آنکھوں کے سامنے لٹ جانے دُوں......؟'' رحمت علی دانت پیس کر بولا۔

''تیری زندگی مجھے بیٹی کے جہیز سے زیادہ عزیز ہے۔ اور پھر کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ وہ پستول تانے کھڑے ہیں۔ لبلبی پر اُن کی اُنگلیوں کا ایک معمولی سا دباؤ میرا سہاگ اُجاڑ سکتا ہے۔ اور کیا خبر کہ میں بھی کام آ جاؤں...... ذرا ہوش کر رحمتے! ہمارے بعد بچوں کو کون سنبھالے گا؟''

اور رحمت کے اندر اُٹھنے والی طوفانی موجیں جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھیں۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے اُس کی جمع پونجی سمیٹی جا رہی تھی لیکن وہ بیوی کی نصیحت پر خاموش تماشائی بنا سب کچھ دیکھتا رہا۔ البتہ اُس نے ایک بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، مال دولت، ساز و سامان کی حد تک وہ برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن اگر کسی بدمعاش نے اُس کی معصوم بچی فرزانہ کی طرف نظر اُٹھائی تو وہ اُن نگاہوں کو حلقوں سے نکال کر پیروں تلے مسل دے گا۔

ایک ایک کر کے تمام قیمتی اشیاء جمع ہوتی رہیں۔ رحمت کی نظریں سامان کی بجائے سینہ تانے سامنے کھڑے ہوئے دونوں افراد پر مرکوز تھیں جنہوں نے اپنے چہرے ڈھاٹے کے اندر چھپا رکھے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں سائلنسر لگے ریوالور موجود تھے۔ وہ اُن دونوں کو شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پستہ قد والے شخص کے بارے میں تو اُس کا شبہ تھا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ کچھ سوچ کر اُس نے بولنے کی جسارت کی۔

''دیکھو...... میں ایک شریف اور غریب آدمی ہوں۔ اپنی سفید پوشی کو برقرار رکھنے کی خاطر کس طرح زندگی گزار رہا ہوں، تم نہیں سمجھ سکو گے۔ دن بھر محنت کرتا ہوں تب کہیں جا کر کل تین ہزار تین سو روپے ملتے ہیں۔ اتنی معمولی رقم میں گھر چلانے کے ساتھ ساتھ بچوں کی

پڑھائی کے اخراجات اور بیٹی کے جہیز کے لئے کچھ پس انداز کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے لئے ہمیں اپنا پیٹ کاٹنا پڑتا ہے ورنہ مہنگائی......''

''اپنی چونچ بند ہی رکھو...... ورنہ پیٹ کے ساتھ ساتھ ہم تمہاری گردن کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔'' دراز قد والے کے لہجے میں سفاکی موجود تھی۔ اُس نے جو کچھ کہا تھا، اسے کرگزرنے کی ہمت بھی رکھتا تھا ورنہ اس طرح دندناتے ہوئے سرِشام ہی کسی کے گھر میں گھس آنا محض مذاق نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

''چپ کر جا رحمتے......!'' عذرا اُسے کہنی سے ٹھونکا لگاتے ہوئے بولی۔ ''فضول کیوں اپنی بات ضائع کر رہا ہے...... پتھر میں بھی کبھی جونک لگتی ہے؟''

''تمہاری بیوی تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ اس کی نصیحت پر عمل کرو! اسی میں تمہاری عافیت ہے۔''

''تم لوگ کسی بنگلے یا کوٹھی میں ڈاکے کیوں نہیں مارتے جہاں حرام کا بے شمار مال مل سکتا ہو؟''

''تمہاری تجویز پر بھی غور کریں گے۔ لیکن فی الحال ہمیں تمہارے گھر کا صفایا کرنا ہے۔''

''لیکن میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟'' رحمت نے ایک بار پھر پستہ قد والے کو دیکھ کر کہا۔ وہ اُس کی زبان کھلوانا چاہتا تھا۔

''تم مجرم ہو...... تمہیں تمہارے جرم کی سزا مل رہی ہے۔''

''مجرم......؟'' رحمت علی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''میں...... اور مجرم......؟''

''ہاں میری جان......!'' دراز قد والا مضحکہ اُڑانے والے انداز میں بولا۔ ''کیا تمہیں علم نہیں کہ غربت اور شرافت ہی تمہارا سب سے بڑا جرم ہے۔ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو دنیا کے آگے ہاتھ پھیلا کر نہیں، جھپٹ کر چھین لینے کی عادت ڈالو۔ پھر عیش ہی عیش ہوں گے۔''

''تم...... تم نے اپنی زبان کیوں بند کر رکھی ہے؟'' رحمت علی نے ایک بار پھر پستہ قد والے کو مخاطب کیا۔ ''تم بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لو!''

''نہیں......'' دراز قد والا تیزی سے بولا۔ ''یہ بول نہیں سکتا۔ اس لئے کہ گونگا ہے۔''

پھر وہ تمام سامان سمیٹ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ دراز قد والا سب سے آخر میں گیا تھا۔ لیکن جانے سے پیشتر اُس نے اُن دونوں کو کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی تھی...... اور......

آج جب وہ مہینے بھر کی تنخواہ لے کر گھر آ رہا تھا تو بس میں اُس کی جیب کٹ گئی۔ اُسے مہینے بھر کی اجرت اس طرح چوری ہو جانے کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ اُس نے سوچا گھر پر پہنچ کر بیوی سے کیا کہے گا؟ جن دکانداروں سے سودا سلف اُدھار لیتا رہا ہے اُنہیں کیا منہ

دکھائے گا؟ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی جیب نہیں کٹی بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے ہوں۔ دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتا گھر پہنچا تو بیوی نے حسبِ دستور مسکراتی نظروں سے اُس کا استقبال کیا۔ جواب میں اُس کے خشک ہونٹ مزید بھنچ گئے۔ اُس کا جواباً مسکرانے کو جی نہ چاہا۔ تھکا ماندہ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''خیریت تو ہے؟'' عذرا نے اُس کے قریب آ کر بڑی اپنائیت اور محبت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ آج دفتر میں کام زیادہ تھا اس لئے تھک گیا ہوں۔''

''میرا دل نہیں مانتا۔'' عذرا بولی۔ ''میری مسکراہٹ کے جواب میں تو نے ہمیشہ مسکرا کر جواب دیا ہے۔ جاڑا، گرمی، برسات، موسم تو بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن تو کبھی نہیں بدلا۔ پھر آج......''

''اچھا بابا یہ لے......'' رحمت نے زبردستی مسکرائے سبب وہ اُس اب تو خوش رکھنے سے قاصر

''کیا مطلب......؟'' عذرا کی نگاہوں کے زاویئے بدل لئے۔ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''کیا تو زور زبردستی سے مجھے خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''ایک کپ چائے پلا دے......'' رحمت نے اُسے وقتی طور پر کچھ دیر کے لئے اپنے سے دُور رکھنے کی خاطر کہا۔ ''سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا ہے۔''

''ابھی لائی بنا کر......'' وہ اُٹھتے ہوئے بدستور محبت سے بولی۔ ''ایسی ایک نمبر کی چائے پلاؤں گی کہ تیرے سر کا درد چٹکی بجاتے غائب ہو جائے گا۔''

عذرا باورچی خانے میں چلی گئی تو وہ پھر اپنی لٹی ہوئی پونجی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح یہ خبر بیوی کو سنائے؟ آج تو پہلا ہی دن تھا جس نے اُس کے وجود کو شل کر دیا تھا جیسے کسی کمزور درخت کو طوفان کی شدتوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو۔ ابھی تو اُس کے سامنے پورے تیس دن منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ اُس کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ بس ایک ہی سوال صدائے بازگشت بن کر اُس کے اُلجھے ہوئے ذہن میں گونج رہا تھا...... ''آخر قدرت نے اسی کو ہدف بنانے کے لئے کیوں چن لیا ہے......؟''

پہلے اُسے بھرے بازار میں ناکردہ گناہوں کی سزا ملی۔ پھر اُس کے گھر کا سارا قیمتی سامان، عذرا کے زیورات اور بیٹی کا تھوڑا بہت جمع کیا ہوا جہیز اُس کی کھلی نگاہوں کے سامنے لٹ گیا۔ اور اب اُس کی جیب صاف ہو گئی تھی۔

ہیلتھ کلب کے گرینڈ ماسٹر شہباز نے کہا تھا کہ وہ جوڈو کراٹے اور کشتی کے فن میں طاق ہو گیا ہے۔ اُس کے اندر بلا کی پھرتی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ اکیلا دس آدمیوں پر بھاری ہے۔ اُس کے ذہن میں شہباز کے الفاظ گونجنے لگے۔ لیکن چوروں کے ہاتھوں میں اسلحہ دیکھ کر اُس کی ساری قوت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ ایک بار اُس کے دل میں آئی بھی تھی کہ پھرتی کا مظاہرہ کر کے چوروں کی بچھائی ہوئی بساط پلٹ دے۔ وہ دو آدمیوں کو جوڈو اور

کراٹے کے داؤ آزما کر پل بھر میں پچھاڑ سکتا تھا، بے بس کر سکتا تھا۔ بس ذرا ہمت اور رسک لینے کی ضرورت تھی۔ لیکن عذرا نے اُسے بچوں کے مستقبل کا واسطہ دے کر روک دیا تھا اور اب وہ اپنی طاقت کا استعمال کر کے بھی اپنی کٹی ہوئی جیب سے نکلے ہوئے پورے تین ہزار تین سو روپے کی رقم واپس نہیں لا سکتا تھا۔ جیب کترے نے اس قدر مہارت سے اس پر ہاتھ صاف کیا تھا کہ اُسے کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اب اُس کے پاس پچھتاوؤں کے علاوہ اور کیا باقی رہ گیا تھا؟

عذرا چائے بنا کر لائی تو اُس کے خیالوں کا شیرزاہ سمٹ کر اُس کی آنکھوں میں آ گیا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر روئے، دھاڑیں مار مار کر لوگوں کو اپنی بربادی کے قصے سنائے اور منہ اُٹھا کر نیلے آسمان پر رہنے والے سے چیخ چیخ کر پوچھے...... اگر ہے۔'' [illegible] کسی ا[illegible] جس کے پاس دولت کی بہتات ہوتی، جو دو چار جھٹکوں تو برداشت کرنے [illegible] مت رکھتا۔ آخر اس کا انتخاب کس لئے عمل میں آ گیا؟ اُس کی شرافت اُس کا جرم کیوں سمجھ لی گئی؟ اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟...... وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس نے سوچا وہ مرد ہے۔ اس کی رگوں میں بقول شہباز کے خون نہیں پگھلا ہوا سیسہ دوڑ رہا تھا۔ پھر اسے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھر سکتا تھا۔ صرف ایک ہی مہینے کی تو بات تھی۔ تیس دن کسی نہ کسی طرح تو بیت ہی جائیں گے۔ وہ خود کو تسلیاں دے کر بہلا رہا تھا کہ عذرا نے کہا۔

''سچ بتا رحمتے! کیسی چائے بنائی ہے میں نے......؟''

''ایک نمبر کی۔'' وہ مسکرا دیا۔ ''بالکل فرسٹ کلاس...... نمبر ون۔''

''اب تیرے سر کا درد کیسا ہے؟''

''پہلے سے کم ہو رہا ہے۔''

تھوڑی دیر تک عذرا اُس کی دل جوئی کی باتیں کرتی رہی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''رحمتے! کیا تو نے کچھ سوچا ہے......؟''

''کس بارے میں......؟''

''یہ مہینہ کیسے گزرے گا......؟''

''کیا مطلب......؟'' وہ چونک اُٹھا۔ اُس نے سوچا کیا وہ خبر جو وہ عذرا سے چھپانا چاہ رہا تھا، اسے پہلے ہی مل چکی ہے؟

''مطلب کیا......'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اس مہینے فرزانہ اور اکبر دونوں کی امتحان کی فیس بھی جانی ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں رہا؟ اور اُوپر سے سردی بھی آ رہی ہے۔ خرچ تو بڑھ گیا نا۔''

''تو کیوں فکر کرتی ہے؟'' اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''رحمتے! ایک بات کہوں......؟''

''کیا......؟''

''میں نے سوچا ہے کہ بابر کی بیوی کے ساتھ مل کر بیسی ڈال لوں۔ سو روپے ماہوار تو ضرور دینے پڑیں گے۔ لیکن دو ہزار یکمشت ملیں گے تو کسی نہ کسی کام آ جائیں گے...... تیرا کیا خیال ہے؟''

رحمت جواب دینے کی بجائے یوں چونکا جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی ہو۔ عذرا کی زبانی بابر کا نام سنتے ہی اُس کے ذہن میں اُس پستہ قد آدمی کا تصور اُبھر آیا جو اُس کے ہاں ڈکیتی کی واردات میں ملوث تھا۔ پہلی نظر میں رحمت کو اس پر بابر ہی کا شبہ ہوا تھا۔ لیکن چہرے پر ڈھاٹا بندھا ہونے کے سبب وہ اُس کی شکل دیکھنے سے قاصر رہا تھا۔ اُس کے دوسرے ساتھی نے اُسے گونگا بتایا تھا۔ لیکن رحمت کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ کسی مصلحت کی بناء پر ہی چپ رہنے پر مجبور تھا۔

کیا بابر بھی اس گروہ میں شامل ہو سکتا ہے جس نے رحمت کو اُس کی جمع پونجی سے محروم کیا تھا......؟ رحمت نے بڑی سنجیدگی سے غور کیا۔ وہ بابر کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ رحمت کے مکان سے بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلے پر بابر کا دو کمروں اور ایک چھوٹے سے صحن پر مشتمل مکان واقع تھا۔ ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی سلام دُعا بھی تھی۔ بابر کے متعلق وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ایک سرکاری ادارے میں کلرک کی آسامی پر فائز ہے۔ اس کی تنخواہ بھی ڈھائی ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن رحمت نے اُسے ہمیشہ رئیسانہ ٹھاٹھ باٹ سے رہتے دیکھا تھا۔ اُس کے پاس سواری کے لئے جھلملاتی موٹر سائیکل بھی تھی۔ محلے میں داخل ہوتے وقت ایکسلیٹر کو گھما گھما کر شور پیدا کرنا اُس کی عادت تھی۔ شاید اس طرح وہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اچھا کھاتا پیتا تھا اور شام کو اکثر یوں سوٹ بوٹ میں بن سنور کر نکلتا تھا جیسے کسی بڑے عہدے پر تعینات ہو۔ اُس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ دوستوں کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر پچیس پچاس خرچ کر دینا اُس کے لئے بڑی معمولی بات تھی۔

رحمت نے متعدد بار بابر کے بارے میں پہلے بھی غور کیا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ بابر کا رہن سہن اور ٹھاٹھ باٹ یا تو اُس کی کرسی کو ملنے والی رشوت کا مرہون منت تھا جس پر دن بھر بیٹھا وہ بڑھیا قسم کے سگریٹ کا دُھواں اُڑاتا رہتا تھا یا پھر وہ کسی ایسے کام میں ضرور ملوث تھا جس میں اُسے ضرورت سے زیادہ فائدہ ہو رہا تھا۔ اور اب رحمت یہ سوچ رہا تھا کہ بابر کا تعلق چوروں کے ایسے گروہ سے تو نہیں جو دوسروں کا مال لوٹ کر اور گلا کاٹ کر گل چھرّے اُڑانے میں بڑا فخر سمجھتے ہیں...... رحمت کو یہ بات بھی بخوبی معلوم تھی کہ بابر کی بیوی چھوٹی بڑی بیسیاں ڈالتی رہتی ہے۔ اور شوہر کی طرح خود بھی بڑی شان و شوکت سے رہنے کی عادی تھی۔ رحمت کے علاوہ دوسروں نے بھی شاید بابر کے بارے میں ذہنی جمناسٹک کی ہو، لیکن بابر اپنے ملنے

جلنے والے افراد کے ساتھ کچھ ایسے رُعب داب سے ملتا تھا کہ آج تک کسی کو اُس سے اُس کی امارت کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ شکل وصورت سے بھی وہ بڑا تیز طرار اور چلتا پرزہ نظر آتا تھا۔ محلے والوں کے دُکھ درد میں کام آنے کے علاوہ وہ ایک دو بار اپنے مخالفین کی ایسی درگت بھی بنا چکا تھا کہ لوگ اُس سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ بہرحال! وہ بڑی پُراسرار اور پہلو دار شخصیت کا مالک تھا۔

''کیا بات ہے رحمتے...... کس سوچ میں گم ہے؟''

''ہاں......'' وہ بیوی کی آواز سن کر دوبارہ چونکا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''کچھ نہیں...... ذرا ایک کام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کس بات کا......؟'' اُس نے وضاحت طلب نظروں سے بیوی کو دیکھا۔

''بابر کی بیوی کے ساتھ مل کر بیسی ڈالنے والی بات کیا تو نے غور سے نہیں سنی تھی؟'' عذرا نے شوہر کے تاثرات کو بغور گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... خیال اچھا ہے۔ لیکن اتنی جلدی کیا پڑی ہے؟'' رحمت نے عذر پیش کیا۔ ''اس مہینے تو بچوں کی فیس بھی بھرنی ہے۔ اگلے مہینے اگر حالات نے اجازت دی تو پھر دیکھا جائے گا۔''

''سچ سچ بتا...... آج تو یوں کھویا کھویا کیوں نظر آ رہا ہے؟'' عذرا نے اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''وہم ہے تیرا......''

''دیکھ...... تجھے میری جان کی قسم۔ ٹھیک ٹھیک اُگل دے۔'' اُس نے رحمتے کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر جماتے ہوئے کہا۔ ''کھا میرے سر کی قسم! کہ تو کسی دوسری عورت سے آنکھ مٹکا تو نہیں کر رہا؟''

''دماغ چل گیا ہے تیرا......'' رحمت نے پیار سے ڈانٹا۔

''میں نے کوئی انہونی بات نہیں کہی۔'' عذرا شوخی سے بولی۔ ''تجھ جیسے گبھرو جوانوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں۔ بھلی چنگی لڑکی دیکھ کر ایسا منہ کے بل گرتے ہیں جیسے کائی پر پاؤں پڑ گیا ہو۔''

''تو یہ کیوں بھول رہی ہے پگلی! کہ میں دو بچوں کا باپ بھی ہوں۔''

''پر ہے تو مرد...... کیا بھروسہ کب طوطے کی طرح آنکھ پھیر لے؟''

''تیرا دل کیا کہتا ہے...... کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟''

''اچھا چل چھوڑ ان باتوں کو اور پہلا کام یہ کر! کہ فرزانہ اور اکبر کی فیس نکال کر الگ کر دے۔ باقی جیسے تیسے ہو گا گزارہ کر لیں گے۔'' عذرا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ پھر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''اور آج تو تیری جیب بھی گرم ہو گی۔''

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ عذرا! آج......''

''کیا ہو گیا آج؟'' اُس نے رحمت کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''آج تنخواہ نہیں ملی۔ کیشئر چھٹی پر تھا۔'' رحمت نے دیدہ دانستہ جھوٹ بولا۔ ''شاید کل مل جائے۔''

''کل سہی...... اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''پریشانی کی بات تو ہے۔'' وہ بولا۔ ''بچوں کی فیس اور دینے دلانے کا اُدھار چکانے کے بعد باقی کیا بچے گا؟''

''باقی بچیں گے رحمت صاحب اور عذرا بیگم۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور ہم دونوں مل جل کر گزارہ کر لیں گے۔ ایک مہینے کی تو بات ہے۔''

جواب میں رحمت بھی مسکرا دیا۔ لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کل عذرا کو کیا جواب دے گا؟ کس طرح بتائے گا کہ کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھا کر اُس کی جیب خالی کر دی ہے۔ پیسوں کا بندوبست تو کسی نہ کسی طرح کرنا ہی ہو گا۔ صرف گھر کے اخراجات کا معاملہ ہوتا تو وہ قرض داروں سے معافی تلافی کر کے ایک مہینے کی مہلت باآسانی لے سکتا تھا۔ مگر بچوں کی فیس کی رقم جو تقریباً ساڑھے تین سو بنتی تھی اس کا بندوبست کہیں نہ کہیں سے تو کرنا تھا۔ اس کے علاوہ گھر کے خرچ کے لئے تھوڑی بہت رقم سودا سلف کے لئے عذرا کو بھی دینی تھی۔ ایک بار تو اُس کے دل میں آئی کہ جی کڑا کر کے بتا دے کہ اُس کی جیب کٹ گئی ہے۔ لیکن اُسے عذرا کی پریشانی کا خیال لاحق تھا۔ چنانچہ بیوی سے کچھ کہنے کا ارادہ فی الحال پس پشت ڈال دیا۔ عذرا کو پریشانی میں مبتلا کرنے سے بہتر تھا کہ وہ تنہا اس پریشانی کو جھیل جاتا۔ وہ مرد تھا۔ کہیں نہ کہیں ہاتھ پیر چلا کر کچھ نہ کچھ بندوبست تو کر ہی سکتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس عذرا صرف پریشانی اور ہمدردی کے دو بول کہنے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔

''یہ تو پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا......'' عذرا نے سنجیدگی سے اُس کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کہا۔ ''تجھے میری قسم...... سچ بتا رحمتے! آخر کیا بات ہے جو تو بار بار خیالوں میں ڈوب جاتا ہے۔''

''تیرا وہم ہے۔ ورنہ......''

''جھوٹ بولے تو میرا مرا منہ دیکھے......'' وہ تیزی سے بولی۔

''بچوں کی فیس کب تک ادا کرنی ہے؟'' اُس نے بات کا رُخ بدلنے کی خاطر پوچھا۔

''دس تاریخ تک...... لیکن تجھے یہ فیس کی اتنی فکر کیوں دامن گیر ہو گئی؟''

''پورے مہینے کے خرچ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے...... کیا پہلے میں نے دُکھ درد میں تیرا ساتھ نہیں دیا؟''

عذرا نے بڑے پیار سے کہا۔ ''دو وقت نہیں، ایک وقت روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لیں گے۔ بس ایک مہینے کی تو بات ہے۔ اگر بچوں کی فیس کا معاملہ نہ ہوتا تو میں دس ضرورتوں کا گلا گھونٹ سکتی تھی۔ لیکن تو ہی سوچ رحمتے! یہ ہمارے بچوں کے مستقبل کا سوال ہے۔ کل کو پڑھ لکھ کر وہ کھانے کمانے کے قابل ہوں گے تو تیرا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ پھر ہم عیش کی زندگی گزاریں گے...... ہمارے پاس بھی بڑھیا بڑھیا چیزیں ہوں گی۔ بے فکری ہو گی تو میں بھی تمام محلے والوں کے سامنے بابر کی بیوی کی طرح شو مارتی پھروں گی...... کیا خیال ہے تیرا...... میں کوئی غلط بات تو نہیں بول گئی؟''

ایک بار پھر بیوی کی زبان سے بابر کا نام سن کر وہ اُس کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر یکلخت اُس کے ذہن میں بابر کے ساتھ ساتھ رمضان کا نام اُبھر آیا جسے اُس کے دوست راجو کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بابر اور راجو میں بہت گاڑھی چھنتی تھی۔ اس کے علاوہ راجو محلے میں سب سے زیادہ رحمت کا خیال رکھتا تھا شاید اس لئے کہ وہ دونوں پڑوسی تھے۔ کئی موقعوں پر وہ پہلے بھی رحمت کے کام آ چکا تھا۔ چار چھ گھر چھوڑ کر اُس کا دومنزلہ پکا مکان تھا۔ اس کی آمدنی بھی اچھی خاصی تھی۔ شیر شاہ میں اُس کی کباڑی کی اچھی خاصی بڑی دُکان تھی۔ کھاتا پیتا آدمی تھا۔ تھا تو کباڑیا لیکن محلے کے بیشتر لوگ صرف بنگلے والوں کو چھوڑ کر اُس کی عزت کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ سب ہی کے آڑے وقتوں میں کام آتا تھا۔ رحمت ایک آدھ بار اُس سے تھوڑے بہت روپے قرض لے چکا تھا جو اُس نے وعدے کے مطابق وقت سے پہلے ہی ادا کر دیئے تھے۔ عذرا اور راجو کی بیوی گلابو بھی ایک دوسرے کی ہمجولیاں تھیں۔

راجو کا نام ذہن میں اُبھرا تو اُس کے ذہن کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا۔ کچھ دیر وہ کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔ پانچ بجے بچے سکول سے آ گئے تو عذرا اُن میں مصروف ہو گئی۔ رحمت لیٹا آرام کرتا رہا۔ پھر آٹھ بجے اُٹھا اور راجو سے ملنے چلا گیا۔ اتفاق سے راجو اس وقت تنہا ہی مل گیا۔ کچھ دیر پہلے وہ دُکان سے لوٹا تھا۔ گلابو نے اُن دونوں کے لئے مرمرے سوندھا سوندھا ستو بنایا تھا۔ ستو پینے کے بعد رحمت نے ہمت کر کے کہا۔

''یار راجو...... اس وقت میں تیرے پاس ایک خاص ضرورت سے آیا تھا۔''

''خیریت تو ہے...... کیا وکیل کی لونڈیا نازو نے پھر تجھے گاڑی سے کچلنے کی کوشش کی تھی؟'' راجو اُسے کن انکھیوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے وہ تجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔ بڑے لوگوں کی لڑکیاں بڑی آزاد خیال ہوتی ہیں۔ کیا پتہ نازو رانی کا دل بھی تجھ پر آ گیا ہو اور وہ پریشان کرنے کی خاطر چھیڑ چھاڑ کرتی ہو...... ویسے ایک بات تو ہے رحمتے! نازو ہے بڑی زبردست چھوکری...... کار تو بالکل ہوائی جہاز کی طرح اُڑاتی ہے۔''

''باپ شہر کا سب سے بڑا وکیل ہے۔ اس لئے اُسے کیا فکر...... جو دل چاہے کر پھرے۔''

''اچھا سچ بتا...... کیا اُسے دیکھ کر تیرے من میں بھی گدگدی ہوتی ہے کہ نہیں......؟'' راجو نے بڑی رازداری سے پوچھا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''دیکھ پیارے! ہم سے اڑنے کی کوشش نہ کرنا...... اپن تو یاروں کے یار ہیں۔''

''سچ بتا دوں!'' رحمت نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے خیالی پلاؤ پکانے کی عادت نہیں ہے۔ اور پھر کہاں نازو اور کہاں میں؟''

''ایسا نہ کہہ میرے یار...... آج کل کی فیشن زدہ لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' راجو نے بڑے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ ''دو چار عشق تو یہ صرف تفریح کے لئے فرماتی ہیں۔ کیا پتہ نازو کے حق میں تیری لاٹری بھی نکل آئے۔''

رحمت نے کوئی جواب نہیں دیا، سنجیدگی سے مسکرا دیا۔

''ارے ہاں...... تو کسی کام کی بات کر رہا تھا۔'' راجو بولا۔ ''کیا تیرے دفتر میں کوئی نیلام شیلام ہونے والا ہے؟''

''گلابو اور عذرا میں بھی ہم دونوں کی طرح بہت زیادہ میل جول ہے۔ اس لئے پہلے وعدہ کر کہ تو گلابو سے کوئی ذکر نہیں کرے گا۔''

''نہیں کروں گا۔'' راجو نے رحمت کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو اچانک اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گیا...... خیر تو ہے؟''

''وہی تو نہیں ہے۔''

''بات کیا ہے...... کھل کر بتا تو سہی!''

''وہ...... میری جیب کٹ گئی۔ کسی نے بس میں پوری رقم پر ہاتھ صاف کر دیا۔''

''کتنی رقم تھی......؟''

''پورے مہینے کی تنخواہ تھی...... تین ہزار تین سو......''

''ایک نمبر کا ذلیل تھا وہ۔ سالے نے سارا مال ہی تڑی پار کر دیا۔ پر تو میرے ہوتے ہوئے فکر کیوں کرتا ہے...... بول! کتنے کی ضرورت ہے؟''

''دو ہزار مل جاتے تو کام چل جاتا۔'' رحمت نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ ''دراصل اس بار اکبر اور فرزانہ کے امتحان کی فیس بھی بھرنی ہے...... اس لئے۔''

''بس...... اتنی سی بات تھی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ نازو نے تجھے اغواء کرنے کی دھمکی دے ڈالی ہے۔'' راجو نے بڑی لاپرواہی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر قمیص اُٹھا کر بنیان کی چور جیب سے نوٹوں کی گڈی برآمد کی اور دو ہزار کی رقم گن کر رحمت کے حوالے کر دی۔

''ایک بات اور ہے۔'' رحمت نے روپے لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس بار میں پوری رقم یکمشت نہیں لوٹا سکوں گا۔ لیکن وعدہ رہا کہ چار پانچ مہینوں میں پائی پائی چکا دوں گا۔''

''اور سود کتنا ادا کرے گا؟'' راجو نے قدرے برا مانتے ہوئے کہا، پھر بولا۔ ''تو رقم کی فکر نہ کر رحمتے! یہ تو آنی جانی شے ہے۔ میری بات مان تو کسی بزرگ سے مل کر کوئی زوردار تعویذ حاصل کرنے کی کوشش کر...... برا وقت کسی پر بھی آ سکتا ہے۔ لیکن مصیبت نے تو جیسے تیرا گھر تاڑ لیا ہے۔''

''مقدر کی بات ہے راجو!'' رحمت نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''جو قسمت میں ہوتا ہے وہ تو پورا ہوتا ہی ہے۔ مقدر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے...... اور مصیبت بھگتنا تو مرد کا کام ہے۔''

''یہ کی ہے تو نے مردوں والی بات۔ انسان کے حوصلے بلند رہیں تو بقول اپنے اقبال کے زنجیریں اور شمشیریں اور نہ جانے کیا کیا کٹ جاتا ہے...... پر ایمان سے مجھے اپنی بھاوج کا خیال آتا ہے۔ گلابو بتا رہی تھی کہ تیری بیوی نے ایک ایک کوڑی جمع کر کے اپنی فرزانہ کے جہیز کے لئے ابھی سے تنکا تنکا جوڑنا شروع کیا تھا۔ اور اُن سالے چور اُچکوں نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا...... لیکن تو پرواہ نہ کر۔ تیرا یار راجو زندہ ہے۔ فرزانہ جیسی تیری بچی، ویسی ہی میری بھی ہے...... مجھے تو قدرت نے اولاد نہیں دی۔ لیکن اگر زندہ رہا تو اپنی فرزانہ کی شادی اتنی دُھوم دھام سے کروں گا کہ دشمنوں کی چھاتیوں پر سانپ لوٹیں گے۔''

''مجھے تیری دوستی پر بڑا مان ہے راجو! اور اس وقت تو، تو نے میری جو مدد کی ہے اسے تو میں ساری زندگی......''

''پھر شروع کر دیں تو نے دل پھٹنے والی باتیں...... اچھا یار ہے، دوست بھی کہتا ہے اور پھر ذلیل بھی کرتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے راجو! لیکن......''

''اس لیکن ویکن کو چھوڑ اور یہ بتا کہ تو نے چوروں کے بارے میں بھی کچھ اتہ پتہ کیا یا نہیں؟'' راجو نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا، پھر داڑھی کھجاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو یہ سب گھر کے کسی بھیدی کا چکر لگتا ہے۔ ورنہ تیرے ہاں بھلا چوروں کا کیا کام؟''

''راجو......!'' رحمت نے پہلو بدل کر کہا۔ ''ایک بات پوچھوں......؟''

''پھر وہی غیروں والی بات کی تو نے۔'' راجو تیزی سے بولا۔ ''ایک چھوڑ دس باتیں بلا تکلف پوچھ! اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟''

''پہلے وعدہ کر! کہ تو وہ بات اپنے سینے میں ہی دفن رکھے گا۔''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں...... خاص بھی اور بہت اہم بھی۔''

''پھر رہنے دے۔'' راجو نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''میں پیٹ کا ذرا ہلکا ہوں۔ بات زیادہ گمبھیر ہو تو سالی پچتی نہیں۔ کہیں نہ کہیں زبان سے پھسل کر نکل جاتی ہے۔''

''بابر کئی دنوں سے نظر نہیں آیا۔'' رحمت نے بات گھما کر پوچھا۔

''لگا ہو گا اپنے کام دھام میں۔'' راجو نے اِس بار رازداری سے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''بڑے بڑے دھندے پھیلا رکھے ہیں اس نے۔ کسی دن لپیٹ میں آ گیا تو سارا کھایا پیا ایک ہی جھٹکے میں نکل جائے گا۔''

''میں سمجھا نہیں......؟'' رحمت نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ ''کیا دھندے پال رکھے ہیں اس نے؟''

راجو جواب نہ دے سکا۔ اس لئے کہ اسی لمحے بابر نے بیٹھک میں قدم رکھا تھا۔ رحمت کو دیکھ کر بابر کی نگاہوں میں ویسی ہی چمک عود کر آئی تھی جیسے کسی شکار کو دیکھ کر شکاری کی نظروں میں اُبھرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

بابر کی نگاہوں میں اُبھرنے والی پُراسرار چمک ایک لمحے کو برقرار رہی، پھر زائل ہو گئی۔ اُس نے بڑی جلدی اپنے چہرے کے تاثرات میں نمایاں تبدیلی پیدا کر لی۔ لیکن رحمت کو وہ چمک بے معنی نہیں لگی تھی۔ اُس کا ذہن ایک بار پھر بابر کو اس گروہ سے متعلق سمجھنے پر بضد ہو رہا تھا جس نے اُس کی بیٹی کا جہیز اور بیوی کے سہاگ کی نشانیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

''کیا بات ہے راجو......؟'' بابر نے باری باری رحمت اور راجو کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ادھر تو کوئی میٹنگ شیٹنگ ہو رہی ہے۔ خیر تو ہے؟''

''بس! تیری کمی تھی سو تو بھی آن ٹپکا۔'' راجو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تو سنا رحمتے! تیرا کیا احوال ہے؟ آج بڑے دنوں بعد تیرے درشن ہو رہے ہیں۔'' بابر نے براہِ راست رحمت سے کہا۔ ''ایسا بھی کیا کہ ایک محلے میں ہوتے ہوئے بھی ہفتہ ہفتہ بھر ملاقات نہ ہو۔''

''آج کل مصیبتوں نے گھر دیکھ لیا ہے غریب کا۔'' راجو نے وضاحت کی۔ ''اسی میں اُلجھا ہوا ہے۔''

''بات کیا ہے آخر...... میں بھی تو سنوں۔'' بابر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''برا وقت کبھی کہہ کر نہیں آتا بابر......'' رحمت نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''کچھ دنوں پہلے چوروں نے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا اور آج......''

''آج کیا ہوا......؟''

''آج کسی نے بیچارے کی جیب صاف کر دی۔'' راجو نے کہا۔

''اپنے لائق کوئی خدمت ہو تو بتا...... ایسے آڑے وقتوں میں یار دوست ہی کام آتے ہیں۔'' بابر نے رحمت کو مخاطب کیا۔ ''اگر تیرا کسی پر شبہ ہو تو وہ بھی بتا دے...... بابر اُسے سمندر کی تہہ سے ڈھونڈ نکالے گا۔''

''اچھا......؟'' راجو نے مسکرا کر کہا۔ ''تیرنا آ گیا تجھے؟''

''جیسا دیس ویسا بھیس۔'' بابر نے لاپروائی سے شانے اُچکاتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہم تو ہوا کا رُخ دیکھ کر راستہ بدلتے رہنے کے عادی ہیں۔ رہا تیرنے کا سوال تو سمندر میں غوطہ لگائے بغیر موتی نہیں ملا کرتے۔ بڑا آدمی بننے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ پر تو ٹھہرا کباڑی، پرانا مال سستے داموں خرید کر مہنگے داموں ضرورتمندوں کو بھسیڑ دینا۔ بس! تجھے تو یہی

ایک دھندہ آتا ہے۔''

''اور تو نے کتنے دھندے پھیلا رکھے ہیں؟'' راجو کا لہجہ اس بار معنی خیز تھا۔

''ایک دو ہوں تو بتاؤں، یہاں تو دن رات دھندوں کے جال میں اُلجھا رہتا ہوں۔'' بابر نے بھی پُراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں تو کہتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے بابر جانی......'' راجو نے مشورہ پیش کیا۔ ''کسی ایک دھندے سے یارانہ کر لے۔ جو لوگ چاروں طرف ہاتھ پیر مارتے ہیں، وہ کبھی کبھی اوندھے منہ چکرا کر گر بھی جاتے ہیں۔''

''تو نے بس! ایک ہی کاروبار کیا ہے، اس لئے تو نہیں سمجھ سکتا کہ دنیا بہت بڑی جگہ ہے۔ یہاں قدم قدم پر لاکھوں کاروبار صبح شام چلتے رہتے ہیں۔'' بابر نے کہا، پھر رحمت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ رونی صورت بنا کر اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ملے گا پیارے...... میری مان تو ملازمت کے علاوہ کوئی اور کاروبار بھی دیکھ لے اور نیلی چھتری والے پر نظر رکھ...... وہ جب دینے پر آتا ہے تو چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔''

''اچھا، یہ بتا پئے گا کیا؟'' راجو نے پوچھا۔ پھر آواز لگا کر گلابو کو گرما گرم چائے بنانے کا حکم سنا دیا۔

رحمت خاموش بیٹھا بابر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بھی پستہ قد تھا، اُس کا چہرہ بھی گول تھا اور اُس کی آنکھوں میں بھی جنگلی چیتے جیسی چمک موجود تھی۔ اور یہ ساری علامتیں وہ ڈھاٹا باندھے ہوئے چور میں بھی دیکھ چکا تھا۔ پھر بابر کی گفتگو بھی اُسے کچھ مشکوک لگ رہی تھی۔

''تو کہاں گم ہو گیا رحمتے؟'' بابر نے اُس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''کب تک چوری اور جیب کترے جانے کا سوگ مناتا رہے گا؟ مجھے کل سترہ سو روپے ملتے ہیں، لیکن کیسی بادشاہوں والی زندگی گزار رہا ہوں۔ اکبر اور جہانگیر جیسے ظلِ سبحانی کہلانے والوں کو بھی ہر وقت کوئی نہ کوئی کھٹکا لگا رہتا تھا۔ لیکن میں نے آج تک کبھی غم کو قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں دی۔ پریشانی اور اُلجھنوں کو ایک دم گیٹ آؤٹ کر دیا اپنی زندگی سے۔''

''مجھے سچ مچ تیرے اُوپر رشک آتا ہے۔'' رحمت نے قدرے سنجیدگی اور ٹٹولنے والی نظروں سے بابر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میرا تو سوا تین ہزار میں بھی بمشکل گزارہ ہوتا ہے، اور تو......''

''میرا جیسا بننا ہے تو اسی راجو کی بیٹھک میں شاگردی کا اعلان کر دے۔ بس! ایک پگڑی اور دو سیر لڈو کا خرچ ہے۔ پھر میرا چیلا بننے کے بعد تجھے کوئی فکر نہیں ستائے گی...... بول! منظور ہے؟''

''تو کیا کرے گا رحمتے کے ساتھ؟'' راجو نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''زندہ رہنے کا گُر سکھا دوں گا۔'' بابر نے یوں ہی مونچھوں پر تاؤ دینے والا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میری مثال تیرے سامنے ہے، یقین نہیں آتا تو دفتر جا کر ٹی بی کے مریض جیسے کیشئر سے پتہ کر لے کہ مجھے سترہ سو سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہیں ملتی...... تو یہ سوچ! بھلا سترہ سو میں بابر بادشاہ کا گزارہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اتنی حقیر رقم تو میں صرف اپنی ملکہ گلنار بیگم پر صدقہ نچھاور کر دیتا ہوں۔''

''تیرے پورے مہینے کے اخراجات بھلا کتنے ہوں گے؟'' رحمت نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''کبھی اتنا حساب کتاب کرنے کی فرصت نہیں ملی۔'' بابر نے بدستور بادشاہوں جیسے لہجے میں لاپرواہی سے کہا۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ سات آٹھ ہزار تو ضرور اُٹھ جاتے ہوں گے۔''

''اور اتنی رقم آتی کہاں سے ہے؟'' رحمت نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''چھپر پھاڑ کر......'' بابر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''راجو کا خیال ٹھیک ہی ہے، میں نے چاروں طرف ہاتھ پیر پھیلا رکھے ہیں۔ بس! یہ سمجھ لے کہ میں نے مکڑی کا جالا تان رکھا ہے جس میں آئے دن کوئی نہ کوئی مکھی، مچھر پھنس ہی جاتا ہے۔''

''میں نے سنا ہے تو رشوت بھی لیتا ہے۔'' راجو نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

''ٹھیک سنا ہے تو نے......'' بابر نے شرمندہ ہونے کی بجائے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''پر قسم لے لے! میں نے آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ جس کی جو مرضی آتی ہے خود نذرانہ سمجھ کر دے جاتا ہے اور یہ اپنی جیب سے دیتے بھی کب ہیں؟ لاکھوں کا فائدہ ہوتا ہے جب ہزار پانچ سو کی رقم ڈھیلی کرتے ہیں...... تو چاہے اسے رشوت ہی سمجھ لے! لیکن میں تو اسے ہمیشہ محنت کی اُجرت سمجھتا ہوں۔ فائلوں اور کاغذات میں ہیرا پھیری کرنا بھی ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی پیارے...... یہ بھی بڑا جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔''

''اور اگر کسی دن ٹھمبو ہو گیا تو......؟'' راجو نے سوال کیا۔

''مر گئے ٹھمبو کرنے والے۔'' بابر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''یہ تو پورا سمندری نظام ہے پیارے! چھوٹی بڑی تمام مچھلیوں کو اُن کی خوراک ملتی ہے...... اگر خوراک بند ہو جائے تو سمندر بھی دو دن میں آبی جانوروں سے خشک ہو جائے گا۔''

''تو، تو بالکل فلسفیوں جیسی باتیں کرنے لگا ہے۔'' رحمت نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کہاں سے سیکھی ہیں یہ باتیں؟''

''اسی دنیا سے...... یوں سمجھ لے! کہ یہ دنیا بھی ایک مدرسہ ہے جہاں صرف وہی طالب علم کامیاب ہوتا ہے جو ذہانت سے کام لے۔''

گلابو چائے بنا کر لائی تو سب چائے پینے لگے۔ چائے کے ساتھ ساتھ اُن کے درمیان

دوستانہ باتیں بھی بڑی بے تکلفی سے چلتی رہیں۔ پھر بابر نے رحمت کو مخاطب کیا۔

''مجھے تیرے ساتھ ہمدردی ہے رحمتے! کہ برے وقت نے تیرا گھر دیکھ لیا ہے۔''

''چوری اور جیب کٹنے کی واردات نے تو غریب کی کمر ہی توڑ دی ہے۔'' راجو نے بھی اظہارِ ہمدردی کیا۔

''جیب تو آج کل نائی دھوبی بھی کاٹنے لگے ہیں۔ مہنگائی نے سب کی کمر توڑ دی ہے۔ پیٹ کا ایندھن تو کہیں نہ کہیں سے حاصل کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب رہا چوری کا سوال تو اس میں ہو سکتا ہے کہ میں تیرے کسی کام آ جاؤں۔''

''تو......؟'' رحمت چونکا۔ ''تو بھلا کس کام آ سکتا ہے؟''

''یہ سوچنا میرا کام ہے...... تو صرف اتنا بتا دے! کہ تیرا شبہ کس پر ہے؟''

''میرا شبہ تو......'' رحمت بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں بابر پر جمی رہیں۔

''تو نے کسی نہ کسی کا چہرہ تو ضرور دیکھا ہوگا۔'' بابر نے تیزی سے کہا۔ ''چوری کرنے والے برقع اوڑھ کر تو نہیں آئے ہوں گے۔''

''اُنہوں نے چہروں پر ڈھاٹے کس رکھے تھے۔'' رحمت کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں۔

''کوئی ایسی نشانی بھی تو نے نوٹ نہیں کی جس سے چوروں کو پہچانا جا سکے؟'' بابر نے کسی ماہر سراغرساں کی طرح پوچھا۔ ''کوئی ایسی خاص بات جو اُن کی نشاندہی کر سکے۔''

''اُن میں سے ایک پستہ قد تھا...... بالکل تیرے ہی قد و قامت کا۔'' رحمت نے تھوک نگل کر کہا۔ ''لیکن اُس نے اپنی زبان بند رکھی تھی، شاید اس لئے کہ بولنے سے اپنے پہچان لئے جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ میں نے کئی بار اُسے مخاطب کیا لیکن اُس نے ایک بار بھی جواب نہیں دیا۔ اُس کے دوسرے ساتھی نے کہا تھا کہ وہ گونگا ہے۔''

''گونگا......'' بابر نے اس طرح چونک کر کہا جیسے کوئی اہم بات یاد آ گئی ہو۔ ''وہ تعداد میں کل کتنے تھے؟'' اُس نے تیزی سے پوچھا۔

''چار......'' رحمت نے کہا۔ ''پستہ قد والے اور اُس کے ساتھی نے میرے اور بیوی کے اُوپر ریوالور تان رکھے تھے۔ اور اُن کے باقی ساتھی سامان اکٹھا کر رہے تھے۔''

''پوری چنڈال چوکڑی تھی گویا۔'' بابر نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''اور کوئی ایسی خاص نشانی مثلاً بالوں کی بناوٹ یا چہرے کے کھلے حصوں میں کوئی یاد رہ جانے والی علامت؟''

''نہیں......'' رحمت نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ تمہارے قد و قامت والے شخص نے آخری وقت تک کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''تمہارا شبہ کہیں میرے اُوپر تو نہیں ہے؟'' بابر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ تم نے اس لئے زبان بند رکھی ہو کہ بولنے سے تمہاری شناخت ہو جاتی۔'' راجو نے ازراہ تمسخر کہا۔

''اگر وہ پستہ قد آدمی واقعی گونگا تھا تو پھر وہ ایک ہی شخص ہو سکتا ہے۔'' بابر نے یکلخت گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے، میں چوری کا سامان واپس دلانے میں کچھ مدد کر سکوں۔''

''کیا مطلب......؟'' راجو نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا تم کسی پستہ قد گونگے سے واقف ہو؟''

''ہاں......!'' بابر بدستور سنجیدہ تھا۔

''کون ہے وہ......؟''

''انتہائی سفاک اور بے رحم...... جو انسانوں کے خون کی ہولی کھیلنے کا عادی ہے۔ اُسے خاص خاص موقعوں پر اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پکڑے جانے کی صورت میں وہ پولیس کے سامنے بھی زبان نہ کھول سکے۔''

''گویا تم اُس گونگے کے بقیہ تین ساتھیوں سے بھی واقف ہو؟'' رحمت نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

''نہیں...... میں صرف گونگے کے نام سے واقف ہوں۔'' بابر نے ہونٹ چبا کر فضا میں گھورتے ہوئے کہا، پھر براہِ راست رحمت سے بولا۔ ''تمہیں راجو کے سامنے زبان دینی ہو گی...... اگر میں تمہارا چوری شدہ سامان دلانے میں کامیاب ہو گیا تو اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھو گے، میرا مطلب ہے کہ پولیس اور تھانے کی نوبت نہیں آنی چاہئے ورنہ میری جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور میری موت بھی یقیناً بڑی عبرتناک ثابت ہو گی۔''

راجو اور رحمت بابر کو گھور رہے تھے، اور بابر کسی گہری سوچ میں غرق تھا......!

☆

وہ اپنے شاندار بنگلے سے مرسڈیز پر بیٹھ کر نکلا تو اُس کی حیثیت ہی یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔ دس منٹ پہلے وہ پستہ قد آدمی سرونٹ کوارٹر کے ایک تنگ اور نیم تاریک کمرے میں، تہمد اور بنیان پہنے بیٹھا شیو بنا رہا تھا، لیکن اب وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ اُس کے ہاتھ میں اعلیٰ قسم کا سگار تھا۔ ڈرائیور نے تیزی سے لپک کر اُس کے لئے دروازہ کھولا تھا۔ وہ بڑے کروفر کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت اُس نے اپنی دستی گھڑی پر خاص طور سے نظر ڈالی تھی۔ اس وقت رات کے نو بجے کا عمل تھا۔ اُس کی آنکھوں پر لائٹ گرے رنگ اور سنہری کمانی والی عینک موجود تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے لاکھوں میں کھیلنے کا عادی رہا ہو۔ اُس کے چہرے پر بھی رُعب و دبدبہ موجود تھا۔ پچھلی نشست پر بیٹھ کر وہ بڑی شان سے سگار کے کش لگا رہا تھا۔

اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے علاوہ ایک دراز قد شخص اور بھی موجود تھا جو بظاہر پستہ قد والے شخص کا اسسٹنٹ یا سیکرٹری ٹائپ کی کوئی چیز معلوم ہو رہا تھا۔ اُس کی مونچھیں گھنی اور خاصی دراز تھیں جنہوں ف نے اُسے بھی خاصی بارُعب شخصیت بنا رکھا تھا۔

مرسڈیز پٹرول پمپ والے موڑ پر پہنچ کر داہنی جانب گھومی تھی۔ اب اُس کا رُخ صدر کی جانب تھا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے تینوں افراد خاصے محتاط اور سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ اب تک اُن کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ پھر جب گاڑی ہلال احمر والا موڑ کاٹ کر دائیں جانب والی کشادہ روڈ پر گھومی تو پستہ قد آدمی کی نظریں سڑک کے دونوں جانب بنے ہوئے بنگلوں پر منڈلانے لگیں۔ یہ علاقہ ابھی پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ شروع میں چند تجارتی دکانوں نے چورستے کی رونق ضرور بڑھا رکھی تھی لیکن جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا، آبادی کے آثار کم ہوتے جا رہے تھے۔ پستہ قد والا شخص اب اپنے سیدھے ہاتھ پر بنے ہوئے بنگلوں کو بڑی لاپروائی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں جو جگہ صبح دکھائی ہے تم ہمارے اُترنے کے بعد گاڑی وہیں لے جا کر پارک کرو گے۔'' دراز قد آدمی نے جس کا نام واجد تھا پہلی بار ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''سیٹی والا سگنل ملتے ہی تم دوبارہ بنگلے کے صدر دروازے تک پہنچنے میں نہایت پھرتی کا مظاہرہ کرو گے، دوسری شکل میں ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔''

''مجھے آپ کے اُترنے کے کتنی دیر بعد تک سگنل کا انتظار کرنا ہو گا؟'' ڈرائیور نے سڑک پر نظر جمائے مدھم آواز میں پوچھا۔

''زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ...... ممکن ہے ہم دس منٹ کے اندر ہی فارغ ہو جائیں۔''

''آدھے گھنٹے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا......؟''

''تم غیر تعلق ہو کر بنگلے کے سامنے کا ایک چکر لگاؤ گے۔ اگر حالات میں خطرے کی بو محسوس ہو تو تم کلفٹن والی رہائش گاہ کی طرف واپس لوٹ جاؤ گے۔ بصورت دیگر تمہاری گاڑی کے انجن میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہو سکتی ہے جس کے بہانے تم بنگلے سے کچھ دُور آگے جا کر تھوڑا وقت اور لے سکتے ہو۔'' دراز قد والے شخص واجد نے بدستور لاپرواہی سے کہا۔

''لیکن آنکھیں کھلی رکھنا...... اس بار ناکامی یا پکڑے جانے کی صورت میں معاف کر دینے کا عادی نہیں ہے۔ جو ایک بار بھی پولیس کی نظر میں آ جائے یا باس کو اس بات کا شبہ بھی ہو جائے تو اس کی موت یقینی بن جاتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں جناب!'' ڈرائیور نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

گاڑی اب بڑی سبک رفتاری سے کشادہ سڑک پر چل رہی تھی۔

''مسٹر چینا......!'' ایک لمحے بعد واجد نے گھوم کر پستہ قد والے شخص کو مخاطب کیا۔ ''باس کا حکم ہے کہ تم بلاوجہ خونریزی کا مظاہرہ کرنے سے دریغ کرو گے۔ اس لئے خود کو قابو میں ہی

رکھنا...... البتہ ضرورت اور خطرے کی صورت میں ہم فرار ہوتے ہوئے تمام عینی شاہدوں اور شہادتوں کو مٹا دینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔"

پستہ قد شخص نے جسے چینا کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا، کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کے موٹے موٹے ہونٹوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ ہی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اذیت پسند واقع ہوا ہے۔

"اندر ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔" واجد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری حیثیت ایک بڑے تجارت پیشہ شخص کی ہوگی اور میں تمہارے سیکرٹری کا رول ادا کروں گا۔ اور ہاں! ایک بات کا خاص خیال رہے کہ تم وہاں اوغ یا غوں غاں کی کوئی آواز نہیں نکالو گے۔ تمہارا کام صرف ایکشن کرنا ہوگا...... کیا سمجھے؟"

چینا نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا، صرف بنگلوں کی طرف سے نظر گھما کر واجد کو سفاک نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

"ویسے میرا خیال ہے ہمیں کوئی دُشواری پیش نہیں آئے گی۔ باس کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق ڈاکٹر نادر دو تین روز کے لئے اپنی بیگم کے ساتھ بیرونِ ملک گیا ہوا ہے کسی مریض کی اہم کال پر...... گھر پر اُس کی اکلوتی لڑکی غزالہ بالکل تنہا ہوگی۔ دو چار ملازم ہوں گے جنہیں قابو کرنے میں زیادہ دُشواری نہیں ہوگی۔ باس کو یقین ہے کہ غزالہ کی واپسی کے لئے پولیس یا قانون کے محافظوں کے پاس جانے کی بجائے ڈاکٹر نادر پچاس ساٹھ لاکھ کی رقم نہایت شرافت سے چپ چپاتے ادا کر دے گا۔"

اس بار چینا نے چونک کر کچھ عجیب نظروں سے واجد کو گھورا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے واجد کے کہے ہوئے جملے پر تعجب ہوا ہو۔

"نہیں...... اس میں ایسی حیرت کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" واجد لاپرواہی سے بولا۔ "کسی بھی تنظیم کو منظّم خطوط پر آگے بڑھانے کے لئے کثیر سرمائے اور کام کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پچاس ساٹھ لاکھ کی رقم معمولی تو نہیں ہوتی۔ کام بھی کچھ اتنا زیادہ رسکی نہیں ہے۔ باس کی اطلاع کے مطابق ڈاکٹر نادر بہت ڈرپوک قسم کا آدمی ہے۔"

چینا نے اس بار بھی جواب میں کچھ نہیں کہا۔ گونگوں کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ اب اُس کی عقابی نظریں پھر عالیشان بنگلوں پر منڈلانے لگی تھیں۔ اُس کے چہرے کے تاثرات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ محض لانگ ڈرائیو کے لئے گھر سے نکلا ہو۔

دس منٹ بعد ہی مرسڈیز ایک شاندار بنگلے کے گیٹ پر پہنچ کر رُکی جس پر ڈاکٹر نادر کا نام تحریر تھا۔ گیٹ پر موجود مسلح چوکیدار بنگلے کے قریب آ گیا۔ واجد نیچے اُتر کر چینا کے لئے دروازہ کھول چکا تھا۔ چینا بڑے شاندار انداز میں گاڑی سے برآمد ہو کر پھاٹک کی طرف بڑھا جس کی دوسری جانب کھڑا مسلح چوکیدار اُنہیں شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ڈاکٹر صاحب موجود ہیں......؟" واجد نے چوکیدار سے بھاری بھرکم لہجے میں کہا۔

"ان سے کہو کہ سیٹھ خالق ملنے آئے ہیں۔"

"خود ڈاکٹر صاب اور بیگم صاب دونوں نہیں ہے۔ ملک سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"غزالہ بیٹی تو ہوں گی؟" واجد نے خود کو ڈاکٹر نادر کا پرانا واقف کار ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا نام بولا تم نے......؟"

"سیٹھ خالق......"

"آپ اِدھر ہی ٹھہرو! ام بی بی صاب سے بات کرتا ہے۔"

چوکیدار واپسی کے لئے گھوما لیکن اسی لمحے ہلکی سی "ٹچ" کی آواز اُبھری اور چوکیدار کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ واجد نے بوکھلا کر دیکھا، چینا سائلنسر لگا ہوا ریوالور جیب میں رکھتا ہوا کسی چیتے جیسی پھرتی سے آگے بڑھا۔ گیٹ کھول کر اُس نے پلک جھپکتے میں مُردہ چوکیدار کو اُس کی رائفل سمیت گھسیٹ کر گیٹ پر بنے ہوئے کمرے میں ڈالا اور واجد کی طرف یوں دیکھا جیسے اُسے آگے بڑھنے کی دعوت دے رہا ہو۔

باہر کھڑی ہوئی مرسڈیز تیزی سے فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

سب کچھ اس قدر جلدی اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ واجد کو چینا کی اس حرکت پر اعتراض کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ چار و ناچار وہ چینا کے ساتھ بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اُنہیں کسی اور کا سامنا نہیں ہوا۔ باقی ملازم شاید اپنے کوارٹروں میں جا چکے تھے۔ واجد کو غزالہ کے کمرے تک پہنچنے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی اس لئے کہ وہ کئی روز سے گھوم پھر کر ڈاکٹر نادر کی رہائش گاہ کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پیشتر چینا نے ایک ریڈی نقاب بڑی مہارت سے اپنے چہرے پر چڑھا لی تھی۔

آہٹ پا کر غزالہ نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا تو وہ انگریزی میگزین اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر پڑا جسے وہ بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

"تم......" اُس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"خبردار...... آواز نکالی تو جسم چھلنی ہو جائے گا۔" واجد نے ریوالور کا رُخ غزالہ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے کہنے پر عمل کرو گی تو تمہیں زندگی کی ضمانت مل سکتی ہے۔"

"کک...... کیا چاہتے ہو تم؟" غزالہ نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس وقت گھر پر زیادہ رقم موجود نہیں ہے۔ البتہ زیورات وغیرہ چاہو تو بڑے شوق سے لے جا سکتے ہو...... بلاوجہ کے خون خرابے سے کیا حاصل ہوگا؟"

"سمجھدار لڑکی ہو......" واجد نے بدستور ٹھوس مگر سفاک لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم یہاں ڈاکہ ڈالنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں......"

''پپ...... پھر...... تم کسی ارادے سے آئے ہو؟''

''نہیں بلا کسی چوں چرا کے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ تمہاری واپسی تمہارے ڈیڈی کے آنے کے بعد ہوگی۔ لیکن اس عرصے میں تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ہم تمہیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں۔''

''لل...... لیکن...... ڈیڈ کی واپسی تو دو تین دن بعد ہوگی۔''

''اتنے عرصے تم ہماری مہمان رہوگی۔''

''مگر تم چاہتے کیا ہو......؟''

''ہم تمہارے ساتھ زبردستی کرنا نہیں چاہتے۔'' واجد کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''اور اطلاعاً عرض ہے کہ ہمارے پاس وقت بھی بہت کم ہے۔ اگر تم نے ہمارے مشورے پر عمل کرنے سے دریغ کیا تو پھر ہمیں ٹیڑھی انگلیوں سے بھی گھی نکالنا آتا ہے۔''

''نہیں......'' غزالہ نے ہمت کر کے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں چل...... او غ...... غا......'' وہ اپنا جملہ مکمل کرنے سے قاصر رہی تھی۔ چینا جو ٹہلتا ہوا اُس کے قریب جا چکا تھا، پلک جھپکتے میں حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کے منہ پر ہاتھ جما چکا تھا۔ پھر شاید وہ خوف اور دہشت کا ملا جلا احساس ہی تھا جس نے غزالہ کو بے ہوش کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ غزالہ کو کسی شکار کی مانند کندھے پر لادے دروازے کی طرف لپکا تھا۔ واپسی پر اُن کی مڈبھیڑ ایک دوسرے ملازم سے ہوئی جس کی موت ہی اُسے سامنے لے آئی تھی۔ چینا نے واجد کی سی ہدایت کی پرواہ کئے بغیر اُسے بھی پہلی فرصت میں ٹھکانے لگا دیا۔

دس منٹ بعد ہی وہ غزالہ کو ساتھ لئے مرسڈیز میں بیٹھے ملیر کی طرف جا رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی دراز قد واجد نے اپنے چہرے سے وہ جھلی اُتار دی جو وہ خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ اب وہ بالکل کلین شیو اور سانولی رنگت کا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُس کے چہرے پر جھلاہٹ کے تاثرات بھی موجود تھے۔ بیس منٹ کی طویل خاموشی کے بعد اُس نے پلٹ کر چینا سے کہا۔

''میرے منع کرنے کے باوجود تم نے دو آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ جبکہ باس نے خونریزی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا تھا۔''

چینا نے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اُس کی للچائی ہوئی نظریں غزالہ کے خوبصورت وجود پر منڈلا رہی تھیں جو پچھلی سیٹ پر اُس کے قریب ہی بے ہوش پڑی تھی۔

''اب تم اپنی کسی اور خباثت کا ثبوت نہیں دو گے۔'' واجد کے لہجے میں درشتی تھی۔ ''باس حکم عدولی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اور خصوصاً خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں کے سلسلے میں وہ بڑے سخت اصولوں کا پابند ہے۔''

جواب میں چینا نے گھور کر واجد کو دیکھا، پھر آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا

اور ٹھنڈی سسکاری بھرنے لگا۔

☆

نازو نے آج بھی اسی سپر سٹور سے خرید وفروخت کی، جہاں سے ہمیشہ کرتی تھی۔ سپر سٹور میں کام کرنے والا بیشتر عملہ اُس سے بخوبی آشنا تھا۔ وہ روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ اپنے میک اَپ کا سامان اور مہینے کی اشیاء بھی اسی سٹور سے لیتی تھی۔ گزشتہ دو سال سے اُس کا یہی معمول تھا۔

آج بھی وہ ایک شوکیس کے قریب کھڑی میچنگ کلر کی نیل پالش اور لپ اسٹک خرید رہی تھی۔ سپر سٹور میں لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا لیکن وہ اُن لوگوں کے ہجوم اور اُن نگاہوں سے بے نیاز جو اُس کی طرف بار بار اُٹھ رہی تھیں، اپنے شغل میں مصروف تھی کہ اُس کے سامنے ایک نیلا لفافہ آ گیا جس پر محض ایک بھنورے کی اُبھری ہوئی شکل بنی ہوئی تھی۔

نیلے رنگ کا وہ لفافہ دیکھتے ہی اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ اُس نے نیل پالش کو رکھ کر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ اُٹھا لیا۔ ایک لمحے کو اُس نے سوچا کہ دائیں بائیں نظریں گھما کر اُس شخصیت کو دیکھنے کی کوشش کرے جس کے ذریعے اُسے اکثر و پیشتر اسی قسم کے نیلے لفافے موصول ہوتے رہتے تھے۔ لیکن چاہنے کے باوجود وہ ایسا کرنے سے قاصر رہی۔ اُسے صرف ایک بار فون پر بھرائی ہوئی مگر کرخت آواز میں یہی حکم ملا تھا کہ وہ کبھی نیلے لفافے کی کرید کرنے کی حماقت میں نہ پڑے ورنہ اس کا انجام اس کی توقع سے کہیں زیادہ بھیانک اور ہولناک ثابت ہوگا۔ اُس کو ابھی تک مطلق اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ پراسرار شخصیت کس کی تھی جو کسی جونک ہی کی طرح اُس کی زندگی سے چپک کر رہ گئی تھی۔ وہ مغربی تہذیب کی دلدادہ تھی۔ کھلی ہواؤں میں آزادہ گھومنے پھرنے کی عادی تھی، اسی رنگین ماحول کی سحرزدہ روشنیوں کی چمک دمک نے اُسے لوٹ کر برباد کر دیا تھا۔ وہ سنبھلنا چاہتی تھی لیکن سنبھل نہ سکی، پھر وہ اپنی کمزوری اور بدنامی ہی کے ڈر سے اِس نیلے لفافے والے کے بُنے ہوئے مکڑی کے جال میں بری طرح پھنس کر رہ گئی تھی۔ دوسری شکل میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر اُس نے کنارہ کش ہونے کی کوشش کی تو اُس کی بربادی کی کہانی کی منہ بولتی تصویریں اور تحریریں اُس کے باپ تک بھی پہنچائی جا سکتی ہیں۔ یا اگر اُس کی حماقت سنگین قسم کی ہوئی تو اُسے ہمیشہ کے لئے ٹھکانے بھی لگایا جا سکتا تھا۔ ان دھمکیوں کے ساتھ ہی اُسے خود اپنے کردار کے ان گھناؤنے لمحات کا تصویری ثبوت بھی مل گیا تھا جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر اس دلدل میں پھنستی چلی گئی۔

اُسے علم تھا کہ اُس کا باپ کمال احمد شہر کے چوٹی کے وکیلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُس کی شہرت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ کسی بھی مجبور اور مظلوم کو سہارا دینے کی خاطر ہمیشہ اپنی مفت خدمات پیش کرنے کو آمادہ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کے بے شمار رفاہی ادارے اور فلاح و

بہبود کی تنظیمیں اسی کے دم سے چل رہی تھیں۔ وہ ان تنظیموں پر بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کا عادی تھا۔ عدالت کے بعد اُس کا بیشتر وقت رفاہی کاموں میں ہی گزرتا تھا۔ ایسی صورت میں اگر اُسے نازو کی آزاد زندگی کا دوسرا تاریک رُخ نظر آ جاتا تو یا تو وہ خودکشی کر لیتا یا کوئی ایسا خطرناک قدم بھی اُٹھا سکتا تھا جو اُس کی زندگی کے باقی ماندہ دن آہنی سلاخوں کے پیچھے گزرنے کا سبب بن سکتے تھے۔ اُسے اپنے باپ سے بے پناہ محبت تھی اور اسی محبت کے پیشِ نظر وہ نیلے لفافے کے احکامات سرانجام دینے پر مجبور تھی۔ انکار کی صورت میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی اور یہ بھی عین ممکن تھا کہ اُسے خود اپنے ہاتھوں اپنے گناہوں کے ثبوت کو مٹانے کی خاطر اپنے وجود کو بھی موت کی تاریک اور بھیانک وادیوں میں گم کرنا پڑ جاتا۔

ایک لمحے وہ گنگ سی کھڑی حالات پر غور کرتی رہی، پھر اُس نے جلدی سے لفافہ اپنے پرس میں رکھا اور خریدے ہوئے سامان کی ٹرالی کو وہیں چھوڑ کر تیزی سے باہر کی سمت قدم اُٹھانے لگی۔ وہ وقت ضائع کئے بغیر اپنی گاڑی تک پہنچنا چاہتی تھی جہاں اُس کا موبائل فون موجود تھا۔

''خیریت تو ہے بیگم صاحبہ؟'' کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص نے انتہائی مہذب اور کاروباری انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا آج خالی ہاتھ واپسی کا ارادہ ہے؟''

''ہاں...... مجھے ایک بے حد ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے میں دوبارہ واپس آؤں۔''

''آپ کا ہی سٹور ہے محترمہ! اور آپ جیسے کرم فرماؤں کی خدمت کرنا تو ہمارا اولین فرض ہے۔''

''تھینکس......!'' وہ زبردستی مسکرائی اور بیگ کو لاپروائی سے گھماتی تیزی سے پارکنگ لاٹ کی سمت آ گئی جہاں اُس کی نیلے رنگ کی ہنڈا اسوک پارک تھی۔ اُس نے گاڑی میں بیٹھنے میں بڑی عجلت کا ثبوت دیا، پھر دھڑکتے ہوئے دل سے پرس سے نیلے رنگ کا لفافہ نکال کر چاک کیا۔ حسبِ معمول اندر سے ایک ٹائپ شدہ بے ربط سا پیغام موصول ہوا...... ''صدر پوسٹ آفس سے پہلی فرصت میں تار روانہ کرنے کی کوشش کرو...... مریض کی حالت نازک ہے......''

وہ اُلجھ کر رہ گئی۔ اُس کا دل چاہا کہ خود اپنے ہی بڑھے ہوئے تراشیدہ ناخنوں سے اپنا چہرہ لہولہان کر لے۔ ہمیشہ اسی قسم کی بے سروپا ہدایتیں ملتی تھیں جن کی وضاحت بعد میں کی جاتی تھی۔ لیکن ہدایت کے مطابق اُسے اس مقام تک پہنچنے میں ہمیشہ جلدی کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا جس کا ذکر ٹائپ شدہ پیغام میں موجود ہوتا تھا۔

نازو نے جلدی سے گاڑی سٹارٹ کر کے ریورس کی، پھر سٹیئرنگ کاٹتے ہوئے اُسے بڑی

مہارت سے کھلی سڑک پر لے آئی اور اُس کا رُخ صدر کی جانب موڑ دیا۔ وہ ابھی اس بے سروپا پیغام کا مفہوم سمجھنے میں ذہنی جمناسٹک میں مصروف تھی کہ موبائل فون پر جھینگر کی آواز جیسی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ نازو نے دھڑکتے دل سے ریسیور کو اُلٹے ہاتھ سے اُٹھا کر کانوں پر لگا لیا۔

''ہیلو......!'' اُس نے مُردہ سی آواز میں کہا۔

''بے بی...... ہمیں خوشی ہے کہ تم اب تک بہت اچھی جا رہی ہو...... آئندہ بھی اسی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتی رہنا ورنہ وہ تمہاری تباہی کا آغاز ہی ثابت ہو گا۔''

''جب تک تم میری نگاہوں سے اوجھل ہو، تمہارا حکم چلتا رہے گا۔ لیکن ایک بار سامنے آنے کے بعد شاید تمہارا مقصد ادھورا ہی رہ جائے۔'' اُس نے سنجیدگی اور جھلاہٹ سے جواب دیا۔ ''نازو نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔''

''تمہاری یہ حسرت تمہارے ساتھ ہی دفن ہو جائے گی۔'' حسبِ دستور بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ دوسری جانب سے بولنے والا جان بوجھ کر مگر بڑی خوش اسلوبی سے اپنی اصلی آواز کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نیلے لفافے پر موصول ہونے والے پیغام کا مقصد بیان کرو!'' نازو نے روکھی آواز میں پوچھا۔

''میں آج تمہیں اپنی زندگی کا ایک نیا رُخ دکھانا چاہتا ہوں...... اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی اسی قسم کے خطرناک کام سرانجام دینے پڑیں۔''

''کام کی نوعیت کیا ہو گی......؟''

''وقت کم ہے بے بی! تم صدر پہنچ کر اس کام سے واقف ہو جاؤ گی۔ لیکن صدر پوسٹ آفس سے آگے جا کر اپنی گاڑی بائیں ہاتھ کو موڑنے کی حماقت نہ کرنا۔ ورنہ شاید تم بھی لپیٹ میں آ جاؤ۔ اور میں کسی کو زندگی کی ضمانت دینے کا عادی نہیں ہوں۔ غلطی کرنے والے اور چالاکی دکھانے والے کو اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہونا پڑتا ہے۔''

''تم مجھ سے چاہتے کیا ہو......؟'' نازو نے بمشکل اپنے خون کی گردش پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں ایک معقول معاوضہ ادا کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے تمہارے چنگل سے گلوخلاصی حاصل کر لوں؟''

''مجھے تمہاری تیزی اور طراری پسند ہے بے بی! بہت جلد تم سے بھی کوئی اہم کام لیا جا سکتا ہے۔''

''نیلے لفافوں پر بھنوروں کی تصویر کا مقصد کیا ہے؟''

''فی الحال صدر پہنچنے کی کوشش کرو اور میری تاکید پر سختی سے عمل کرنے کا خیال رکھنا۔'' دوسری جانب سے سرد لہجے میں جواب ملا، پھر وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی تھی، دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نازو نے تلملا کر ریسیور کو دوسری سیٹ پر ڈال دیا اور گاڑی کی سپیڈ تیز کر دی۔ ریگل یٰ
سے پہلے والے چوک سے گاڑی کو بائیں جانب موڑتے ہوئے اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز
گئیں۔ صدر پوسٹ آفس کے سامنے اس وقت بھی لوگوں کا ہجوم ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا تھا۔
پوری طرح محتاط تھی۔ دوسرے چورستے سے اُسے بائیں جانب گھومنے سے منع کیا گیا تھا، ایٔ
صورت میں اُسے یا تو سیدھا جانا تھا یا داہنے ہاتھ کو مُڑنا تھا۔ ابھی وہ یہ فیصلہ کر ہی رہی تھی
جیسے قیامت آ گئی۔ کہیں قریب ہی ہونے والا دھماکہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ زمیٖ
تک لرز اُٹھی تھی۔ اُس کی گاڑی کا پچھلا شیشہ بھی چکنا چور ہو گیا، باقی شیشے بھی ہل گئے تھے
فضا میں اُبھرنے والے سیاہ دُھویں کے بادل تیزی سے اپنا حجم بڑھا رہے تھے۔ ہجوم میں
بھگدڑ مچ گئی۔ مرد، عورتیں اور معصوم بچے چیختے چلاتے اپنی زندگی بچانے کی خاطر اِدھر اُدھ
بھاگ رہے تھے۔ چیخ و پکار، آہوں اور سسکیوں کے سبب کان پڑی آواز بھی نہیں سنائی دے
رہی تھی۔

ایک لمحے کے لئے نازو کا نازک اور نرم ہاتھ بھی سٹیئرنگ پر اپنی گرفت مضبوط نہ رکھ سکا
لیکن پھر اُس نے بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔ لوگوں کے ہجوم میں گاڑ
چلانا ناممکن ہی تھا اس لئے وہ اس کی پرواہ کئے بغیر انجن بند کر کے تیزی سے باہر لپکی، پھ
حادثے کی مخالف سمت دوڑنے لگی۔

ہر طرف قیامت کا سماں تھا۔ دُھویں کے سیاہ بادلوں نے دن کے اُجالے کو بھی رات کی
تاریکی میں بدل دیا تھا اور اس گھٹن آمیز اندھیرے میں موت اور زندگی کا بھیانک رقص جاری
تھا......!

☆☆☆☆☆

دوسری صبح کا اخبار تہلکہ خیز خبروں اور سنسنی خیز سرخیوں سے بھرا پڑا تھا۔ دھماکے کے بعد اس سے ہونے والے جانی اور مالی نقصان کے بارے میں ان گنت کہانیاں لکھی گئی تھیں۔ ایک اخبار کے مطابق یہ دھماکہ ذاتی دشمنی کی بناء پر کیا گیا تھا۔ جبکہ زیادہ تر اخبارات نے تخریبی کارروائی کا ایک سنگین اور بدترین اقدام قرار دیا تھا۔

دھماکہ موچی گلی کے باہر برتن کی ایک دُکان کے سامنے ہوا تھا جس سے یکلخت خوفناک آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس دھماکے کے نتیجے کے طور پر کم از کم تیس انسانی جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی تعداد سو سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار چھوٹے بچے اور عورتیں گم ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے ہوش و حواس گم ہونے کے سبب اپنا پتہ بھول گئے تھے یا پھر اس بات کا امکان بھی تھا کہ تخریب کاروں کے کسی گروہ نے انہیں اغواء برائے تاوان کا نشانہ بنا لیا ہو۔

برتن کی دُکان جس عمارت میں واقع تھی، وہ ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ قرب و جوار کی لا تعداد عمارتوں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، کھڑکیوں اور دروازوں کے تمام شیشے ٹوٹ گئے تھے اور پھیلنے والی آگ نے زبردست تباہی مچائی تھی۔ سات گاڑیاں اور کئی موٹر سائیکلیں جل کر کوئلہ ہو گئی تھیں۔

مشترکہ رائے کے مطابق اس کارروائی کی پشت پر کسی دہشت گرد تنظیم کا ہاتھ بھی تھا۔ قرین قیاس تھا جس نے اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر نہایت بزدلانہ مگر ظالمانہ انداز میں سینکڑوں لوگوں کو متاثر کیا تھا، املاک کے ساتھ ان گنت زندگیوں سے بھی موت کا بھیانک کھیل رچایا گیا تھا۔ آگ اِس قدر خوفناک اور بھیانک تھی جس نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ شہر کے تمام فائر بریگیڈ آگ پر قابو پانے کے لئے کوشاں تھے۔ دُھویں کی گھٹن کے سبب بے شمار لوگ بے ہوش ہو گئے تھے جنہیں مختلف رفاہی تنظیموں کے لوگوں نے ہسپتالوں سے اگر بروقت طبّی امداد نہ دلائی ہوتی تو شاید ان میں سے بھی کچھ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ رفاہی اداروں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ لیکن ایک گروہ ایسے افراد کا بھی تھا جو اس قیامت صغریٰ کے موقع پر بھی دُکانوں اور عورتوں کی مدد کے بہانے اُن کی دولت اور قیمتی اشیاء پر ہاتھ صاف کرنے میں مصروف تھا۔ موچی گلی کے رہنے والے ایک بوڑھے نمازی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ جس وقت دھماکہ ہوا، وہ ایک قریبی مسجد میں موجود

تھا۔

دھماکے کی آواز سن کر لوگ بدحواس ہو گئے تھے۔ ہر شخص اپنی زندگی بچانے کی خاطر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے بھی اپنے گھر والوں کی خبر لینی چاہی لیکن آگ اِس شدت سے بھڑ رہی تھی کہ وہ اپنی عمارت میں داخل نہ ہو سکا۔ اُس نے رقت آمیز انداز میں روتے ہوئے نا نگار کو بتایا کہ آگ کی لپیٹ میں نہ صرف یہ کہ اُس کی تمام زندگی کا اثاثہ آگیا بلکہ اُس کی بوڑ بیوی اور معصوم پوتی بھی کام آ گئی۔ بہو کی حالت بھی نازک تھی۔ صرف اُس کا جوان بیٹا ملازمت پر گیا ہوا تھا، بچ سکا۔ ایک دوسرے شخص نے کہا تھا کہ مجرم یا مجرموں نے چرمی تھی کے ذریعے دو تباہ کن بم یا مادہ جائے حادثہ تک پہنچایا ہو گا جسے بھیڑ بھاڑ میں کہیں بھی با آسا رکھا جا سکتا تھا۔

بم ڈسپوزل سکواڈ کے مطابق حادثے میں استعمال ہونے والا بم غیر ملکی ساخت کا تھا او اُسے ریموٹ کے ذریعہ اُڑایا گیا تھا۔ غرضیکہ جتنی ایجنسیاں تھیں، اُتنی آراء بھی تھیں لیکن ناز کا دل اس واقعہ کے سترہ گھنٹے گزر جانے کے بعد ابھی تک کسی معصوم زخمی پرندے کی مان دھڑک رہا تھا۔ باہر لان میں اُس کے والد کمال احمد نہایت بے چینی کے ساتھ اخبار بینی میں مصروف تھے اور وہ اس نیلے رنگ کے لفافے اور اُس کے پیچھے کام کرنے والے خطرناک او دہشت گرد لوگوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جنہوں نے اُس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پوری طرح اُسے اپنے شکنجوں میں جکڑ لیا تھا۔ وہ اُن کے حکم پر عمل کرنے کو مجبور تھی۔ دوسری شکل میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاتی۔

......لیکن اُسے دُور دراز علاقے کے سپر سٹور سے ہٹا کر جائے حادثہ پر پہنچنے کو کیوں کہا گیا تھا......؟ اُس نے سوچا...... کیا جرائم پیشہ اس طرح اس پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ وہ کس قدر ظالم اور بے درد ہیں اور اُن کے کسی حکم سے انکار کرنے کی صورت میں اُسے بھی کسی ہولناک حادثے سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اُنہوں نے اُسے بھی اس دھماکے میں ایک حقیر ایندھن کی طرح جھونکنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن اُسے اپنی اس رائے کو تبدیل کرنا پڑا۔ اگر وہ اُس کی جان لینا چاہتے تو جو شخص اُسے سپر سٹور سے لفافہ پہنچا سکتا تھا، وہی چھپ کر اُسے سائلنسر لگے ہوئے آتشیں اسلحہ سے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ اُن کا مقصد تو صرف اُس کو خوفزدہ کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ اُن کے لئے ہزاروں زندگیوں سے موت اور خون کی ہولی کھیلنا کسی تفریح سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر وہ اُسے شکار کرنے کا ارادہ رکھتے تو اُسے صدر پوسٹ آفس سے آگے جا کر بائیں جانب گھومنے سے اس قدر سختی سے منع نہ کیا جاتا۔ وہ صرف اُسے یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اُن کے ہاتھ کس قدر لمبے ہیں اور وہ دن کے اُجالے میں بھی جو چاہے کر سکتے ہیں۔

......اگر......! اگر کسی روز اُس کو کسی ایسے ہی خطرناک کام کے لئے آلہ کار بنایا گیا تو وہ کیا

کرے گی؟...... اچانک نازو کے ذہن میں یہ سوال تیزی سے اُبھرا...... اور کیا وہ اِس کام کو سر انجام دے سکے گی؟...... انکار کی صورت میں اُس کا انجام کیا ہو گا؟ اور اگر وہ بروقت پکڑی گئی تو اُسے زندگی کے باقی ماندہ دن آہنی سلاخوں کے پیچھے تنگ و تاریک کوٹھری میں گزارنے ہوں گے...... اُس کے باپ کا کیا بنے گا...... کیا وہ اس صدمہ کو برداشت کر لے گا......؟

نازو کے ذہن میں بے شمار سوالات اُبھر اُبھر کر آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایک بات طے تھی...... وہ کسی خطرناک دہشت گرد تنظیم کے مضبوط ہاتھوں میں پوری طرح جکڑی جا چکی تھی...... وہ اِن ہی خیالوں میں گم تھی کہ کمال احمد نے پہلو بدلتے ہوئے کربناک لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

''نازو...... تم نے پڑھا یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ ایک مفاد پرست ٹولا حکومت کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی خاطر مجبور کرنا چاہتا ہے۔''

''کیا تم اِس المناک حادثے کے پیچھے جو ذہن کام کر رہے ہیں، اُنہیں ملک اور قوم کا ہمدرد یا خیر خواہ کہہ سکتی ہو؟''

''نہیں......'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اگر یہ سیاسی تخریبی کارروائی تھی تو میں ایسی سیاست کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''اپنے اپنے سوچنے کا انداز ہے......'' وہ پہلو بدل کر بولی۔ ''کوئی شخص خود اپنے آپ کو مجرم نہیں کہتا۔ جرم ثابت کرنے کی خاطر حقائق اور دلائل ضروری ہوتے ہیں۔ قانون جذبات کو نہیں صرف قانونی لبادے میں لپٹے ہوئے حقائق کو دیکھتا ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' کمال احمد کے تیور یکلخت بدل گئے۔ ''کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ سب کچھ جو ہوا، کسی حقائق کی صداقت پر مبنی نہیں ہے؟''

''میرا مطلب......''

''مجھے تم سے اس قدر حماقت انگیز جواب کی توقع نہیں تھی...... کیا تمہیں جواب دیتے وقت یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تم کس شخص کی بیٹی ہو؟'' کمال احمد کا چہرہ غم اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے سرخ ہو رہا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ڈیڈ......'' نازو جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ پھر اُس نے اپنے مافی الضمیر میں چھپے ہوئے خوف کو قدرے اُجاگر کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''ممکن ہے یہ حادثہ کسی مجبوری کے سبب پیش آیا ہو۔''

''مجبوری سے تمہاری کیا مراد ہے......؟'' کمال احمد نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''ہو سکتا ہے بم رکھنے والا شخص تخریب کاروں کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہو...... اُس کی کوئی کمزوری مجرموں کے ہاتھ آ گئی ہو جس سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے

ہوں......اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُسے سرے سے اِس بات کا علم ہی نہ ہو کہ جو کام اُس سے لیا جا رہا ہے وہ اس قدر ہولناک تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔''

''تمہاری گاڑی کہاں ہے؟'' کمال احمد نے گفتگو کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے جھلائے ہوئے انداز میں دریافت کیا۔

''اُسے ڈرائیور کل شام ہی جائے حادثہ سے اُٹھا کر مستری کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔''

''غریبوں میں صدقہ تقسیم کرو! کہ تمہاری جان بچ گئی ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔'' کمال احمد نے اُٹھتے ہوئے کہا۔''میں تیار ہو کر کورٹ جا رہا ہوں۔ لیکن میرا ذہن آج اس قابل نہیں ہے کہ پوری توجہ سے اپنے کسی موکل کی پیروی کر سکوں اس لئے میں منشی کو تاریخیں لینے کی ہدایت کر کے ذرا اس بات کا اندازہ بھی کروں گا کہ میری ذات اس حادثے کی زد میں آنے والوں کے لئے کس حد تک اور کس طرح کام آ سکتی ہے؟''

''کیا آپ جائے حادثہ پر بھی جائیں گے؟'' نازو نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''نہیں...... میں دکھاوے سے زیادہ عمل کو پسند کرتا ہوں۔'' کمال احمد نے کہا، پھر پلٹ کر اندر چلے گئے اور نازو دھڑکتے ہوئے دل سے اپنی جگہ بیٹھ کر اخبار کی جلی سرخیوں پر نظر دوڑانے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بھی غور کر رہی تھی۔ اُس کا مستقبل جو اُس کے ہاتھ میں نہیں تھا...... کن لوگوں نے اُسے خطرناک آکٹوپس کی طرح اپنے جال میں پھانسا تھا؟ اُسے تو اس کی بھی مطلق خبر نہیں تھی۔ ڈرائیو وے سے گزرتے ہوئے کمال احمد نے اُسے ہاتھ اُٹھا کر وِش کیا تھا۔ اُس نے بھی جواب میں ہاتھ اُٹھا دیا تھا۔ پھر وہ دوبارہ اخبارات کی طرف متوجہ ہونے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ملازم نے آ کر کہا۔

''بی بی جی...... ! آپ کا فون ہے۔''

''فون......؟'' اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ اخبار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لان پر گر چکا تھا۔ ''کون ہے؟'' اُس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ملازم سے سوال کیا۔

''میں نے پوچھا تھا لیکن دوسری طرف سے نام نہیں بتایا گیا، صرف اتنا کہا گیا کہ کلب سے کال کیا گیا ہے۔''

''کلب سے......!'' اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن اُس کا یہ سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ ریسیور اُٹھا کر اُس نے بڑی لاپروائی سے ہیلو کہا تھا، لیکن دوسری طرف سے جو آواز اُبھری وہ نیلے لفافے والے کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔

''تم......؟'' وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اُس کی نبض کی رفتار یکلخت تیز ہو گئی۔

''کیا تم ہمارے کارنامے کی کامیابی پر مبارکباد نہیں دو گی؟ اور ایسی صورت میں جبکہ تم بھی ہماری تنظیم کی ایک رُکن بن چکی ہو۔''

''نہیں......'' وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ ''میں تمہارے ہاتھوں بے بس ضرور ہوں۔ لیکن تمہاری تخریبی کارروائی کا حصہ کبھی نہیں بن سکتی۔''

''فکر مت کرو...... تمہیں بھی کسی کارنامے کے لئے بہت جلد موقع دیا جائے گا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ تم ہمارے لئے زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو گی...... اس لئے کہ تم ذہین بھی ہو اور بڑے باپ کی بیٹی بھی۔''

''یہ ناممکن ہے......'' وہ تیزی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''یہ ناممکن ہے...... میں تمہارے لئے ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دینے سے زیادہ موت کو ترجیح دوں گی۔''

''وقت آنے پر یہ بھی آزما لیا جائے گا۔''

''تم...... تم کون لوگ ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

''ہم...... ہم انقلابی لوگ ہیں۔ اور انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمیں بھی کچھ نہیں معلوم۔''

''کیا مطلب......؟'' نازو نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا تم براہِ راست اس حادثے کے ذمہ دار نہیں ہو؟''

''تم واقعی ذہین ہو'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے...... ہم بھی تمہاری طرح ایک مہرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باس کون ہے؟ یہ شاید کوئی بھی نہیں جانتا...... ہم نے کبھی اس کی کوشش بھی نہیں کی...... ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ اُس نے ہمیں جیل سے رہائی دلائی، وہ ہماری ضرورتوں کا ہماری توقع سے زیادہ خیال رکھتا ہے۔ ہم مہروں کی طرح اُس کے اشارے پر چلنے پر مجبور ہیں۔ وہ ہمیں ہماری ضرورتوں سے زیادہ دولت دیتا ہے اور ہم ٹھاٹھ کی زندگی گزارتے ہیں۔''

''کیا تمہیں اپنے جرم پر کبھی شرمندگی نہیں ہوتی؟'' نازو نے پوچھا۔

''تم نے آزاد ماحول کی جگمگاتی روشنیوں میں جو گل کھلائے ہیں کیا تمہیں اس پر کوئی شرمندگی ہے؟'' دوسری جانب سے جواب ملا۔ ''تم اب بھی اڈگر اور درانی کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو...... آخر کیوں؟''

''بکواس نہیں......'' وہ تلملا اُٹھی۔ ''فون کرنے کا مقصد بیان کرو!''

''باس نے تمہارے لئے ایک پیغام بھیجا ہے...... تمہیں بہت جلد تنظیم کے لئے ایک اہم خدمت انجام دینے کا موقع دیا جائے گا۔''

پھر نازو ماؤتھ پیس میں ہیلو...... ہیلو...... ہیلو...... کہتی رہ گئی، دوسری جانب سے رابطہ منقطع کیا جا چکا تھا۔



ڈاکٹر نادر کا شمار شہر کے بڑے اور مشہور ترین ڈاکٹروں میں ہوتا تھا۔ اُس کی آمدنی کا کوئی

حساب نہیں تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے لئے دس بارہ گارڈ بھی رکھ سکتا تھا لیکن وہ طبیعتاً بہت زیادہ سادہ مزاج واقع ہوا تھا۔ مریضوں کے علاج کے لئے وہ اکثر بیرون ملک بھی جایا کرتا تھا چنانچہ اُس نے صرف ایک ریٹائرڈ فوجی کو بحیثیت گارڈ ملازم رکھ لیا تھا جو مین گیٹ پر تعینات رہتا تھا۔ اس کے علاوہ تین ملازم اور بھی تھے جو دوسرے کام سرانجام دیتے تھے۔

ڈاکٹر نادر بہت صلح پسند اور ایماندار قسم کا آدمی تھا۔ کروڑوں کا مالک ہونے کے باوجود بہت سادہ زندگی گزارنے کا عادی تھا۔ اور خاص طور پر انکم ٹیکس کی ادائیگی ہمیشہ بروقت اور بلا کسی حیل و حجت کے کرنے کا عادی تھا۔ شہر میں مختلف علاقوں میں اُس کے تین ذاتی کلینک قائم تھے جہاں وہ ہمیشہ وقت کی پابندی سے جایا کرتا تھا۔ غزالہ اُس کی اکلوتی بیٹی تھی جسے اُس نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا اور فالتو اوقات میں وہ اُسی کے ساتھ وقت گزارنے کا عادی تھا۔

ڈاکٹر نادر لڑائی جھگڑے، دنگا فساد اور تھانہ کچہری سے ہمیشہ دُور رہنے کا عادی تھا۔ وہ جان کا صدقہ مال سمجھتا تھا اس لئے چھوٹے موٹے جھگڑے خود ہی نہایت خوش اسلوبی سے نمٹا دیا کرتا تھا۔ لیکن غزالہ کا اغواء، گارڈ اور دو ملازموں کی موت ایسی باتیں نہیں تھیں جنہیں پولیس سے پوشیدہ رکھا جاتا۔ بات اگر صرف غزالہ کے اغواء تک محدود رہتی تو شاید اُس کے ملازم اُس کی واپسی کا انتظار کرتے۔ ڈاکٹر کی یہی ہدایت تھی کہ اُلجھاوؤں سے ہمیشہ دُور رہنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن دو ملازموں کے قتل کو آسانی سے نہیں چھپایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اُن کے ڈرائیور نے پولیس کو حالات سے آگاہ کر دیا۔

پولیس نے حسبِ روایت پہلے جائے واردات کا تفصیلی معائنہ کیا، باقی تین ملازموں کے بیان قلمبند کئے، پھر لاشیں پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کر دی گئیں۔ حادثے کی اطلاع ملتے ہی علاقہ کا ایس پی رحمان جو ڈاکٹر نادر کا دوست بھی تھا، فوری طور پر جائے حادثہ پر پہنچا۔ بنگلے کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے اس واردات کو اغواء برائے تاوان کا کیس قرار دیا تھا اس لئے کہ بنگلے کی تمام قیمتی اشیاء اور نوادرات موجود تھے۔ حملہ آوروں نے کسی شے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، صرف غزالہ کو اُٹھا لے گئے تھے۔ ایس پی رحمان چونکہ ڈاکٹر نادر کے خاص دوستوں میں تھا اس لئے اُس نے کوشش کی تھی کہ غزالہ کے اغواء کی بھنک اخبار تک نہ پہنچنے پائے۔ لیکن اس کے باوجود دوسری شام کو شائع ہونے والے اخبارات نے غزالہ کے اغواء کی خبر کو خاصی تفصیل سے شائع کیا تھا۔ ایس پی رحمان ان خبروں کو دیکھ کر خاصا تلملایا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں اُس نے مزید کوئی دفتری کارروائی نہیں کی۔ اُسے اس بات کا علم تھا کہ پولیس کی نفری کے اندر بھی بے شمار کالی بھیڑیں موجود تھیں جو ایک معقول معاوضہ کے عوض کچھ بھی کر سکتی تھیں۔

اس کے علاوہ وہ یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ اخبار والوں کے اپنے ذرائع بھی لامحدود ہوتے ہیں۔ اور پھر ڈاکٹر نادر جیسی شخصیت کا تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ چنانچہ ایس پی نے خاموشی ہی

مناسب سمجھی۔ البتہ اُس نے غزالہ کے اغواء اور ملازموں کے قتل کی فائل کو براہِ راست اپنی نگرانی میں لے لیا تھا تاکہ اس میں مزید کوئی اُلجھن پیدا نہ ہو سکے۔ اُسے ڈاکٹر نادر کی واپسی کا بھی بڑی شدت سے انتظار تھا۔ بات چونکہ غزالہ کی تھی اس لئے وہ اس واقعہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر سے مشورہ کئے بغیر کوئی انتہائی قدم اُٹھانے سے گریز کر رہا تھا۔

☆

غزالہ کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ اُسے اغواء کیا گیا ہے۔ وہ کہاں تھی؟ اُسے کن لوگوں نے اغواء کیا تھا؟ اُسے ان باتوں کا مطلق علم نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ اُس کے باپ سے بھاری رقم وصول کرنے کے بعد اُسے باعزت طور پر آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اُس کا باپ اُس کی باعزت واپسی کے لئے بڑی سے بڑی رقم دینے سے بھی مطلق گریز نہیں کرے گا۔

اُسے اس کمرے میں آئے بیس گھنٹے گزر چکے تھے جہاں آرام و آسائش کی تمام چیزیں سوائے کھلی ہوا کے موجود تھیں۔ ابھی تک کسی نے اُس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ایک ملازمہ جو غالباً گونگی بہری تھی، اُسے وقت پر کھانا اور ناشتہ پہنچا کر خاموشی سے اُلٹے قدموں لوٹ جاتی تھی۔ دو بار غزالہ نے اُسے اشاروں میں بھی مخاطب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ملازمہ نے اُس کے اشاروں پر بھی اپنی خاموشی برقرار رکھی تھی۔ شاید اُسے دہشت گردوں کی طرف سے یہی ہدایت ملی تھی کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔

غزالہ کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ اُسے شہر کے کس حصے میں رکھا گیا ہے؟ لیکن اُس نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ اُسے کسی عمارت کے زمین دوز حصے میں قید کیا گیا ہے۔ جب وہ ہوش میں آئی، اُس وقت بھی گاڑی کا سفر جاری تھا۔ اُس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے اور آنکھوں پر بلائنڈر لگا ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے باوجود اُس نے اغواء کرنے والوں پر اس کا ایک ذرہ برابر شبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن اُس کا ذہن جاگ رہا تھا۔ گاڑی اچھا خاصا طویل سفر طے کرنے کے بعد کسی عمارت کے اندر جا کر رُکی تھی۔ پھر کسی نے اُسے بدستور بے ہوش سمجھ کر کندھوں پر اُٹھا لیا تھا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد اُسے کھٹکے کی ایک مدھم آواز سنائی دی۔ پھر وہ جس شخص کے کندھوں پر تھی، وہ سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اُتر رہا تھا۔ وہ کسی ماہر سراغرساں کی طرح سیڑھیوں کی تعداد گنتی رہی۔ پھر سیڑھیوں کا سفر ختم ہونے کے بعد قفل اور دروازہ کھلنے کی آوازیں اُس کی قوت سماعت سے ٹکرائیں۔ اس کے کچھ دیر بعد اُسے بڑی احتیاط سے کسی نرم بستر پر لٹا دیا گیا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' ایک مرد کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ ''ایک گھنٹے کی طویل بے ہوشی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' دوسرے مرد نے سرد لہجے میں پوچھا۔

’’میرے خیال میں فوری طور پر ڈاکٹر کو طلب کر لینا چاہئے اس لئے کہ یہ لڑکی ہمارے لئے بہت اہم بھی ہے اور منافع بخش بھی۔‘‘

’’نہیں...... باس نے سختی سے منع کیا تھا کہ اسے بڑی حفاظت اور احتیاط سے رکھا جائے اور جب تک اُوپر سے دوسری ہدایت نہ ملے، ہماری طرف سے کوئی مزید قدم نہ اُٹھایا جائے۔‘‘

’’تمہاری مرضی...... لیکن یہ بھی غور کر لو! کہ اگر لڑکی کو کچھ ہو گیا تو اس صورت میں بھی ہمیں باس کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔‘‘

’’صبح تک انتظار کرو! اس کے بعد دیکھا جائے گا۔‘‘ دوسرے نے کہا۔ ’’ممکن ہے اس عرصے میں باس کی جانب سے کوئی ہدایت موصول ہو جائے۔ وہ حالات سے بے خبر تو نہ ہو گا۔‘‘ جملے کی ادائیگی کے ساتھ ہی غزالہ کا ہاتھ رسیوں کی قید سے آزاد کر دیا گیا تھا۔

پھر اُن کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ قدموں کی آوازیں اُبھر کر دُور ہونے لگیں۔ پھر دروازے کے کھلنے اور بند ہونے اور قفل لگائے جانے کی آوازیں اُس کے کانوں سے ٹکراتی رہیں۔ کچھ دیر بعد غزالہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک اچھے خاصے کمرے میں تھی جہاں سامان زیادہ نہیں تھا۔ مگر جو کچھ تھا، اُسے سلیقہ سے رکھا گیا تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی اٹیچ باتھ بھی تھا لیکن وہاں کھڑکی نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ دیوار میں اُوپر کی جانب محض ایک روشندان تھا جو اس انداز میں نصف وا رکھا گیا تھا کہ کمرے کے اندر سے باہر کا کوئی منظر نظر نہ آ سکے۔

بڑی دیر تک وہ ذہنی جمناسٹک میں مصروف رہی۔ وہ اغواء کرنے والوں کے بارے میں غور کر رہی تھی، جس کے صرف دو پہلو ہی ہو سکتے تھے۔ اُسے محض برائے تاوان اُٹھایا گیا تھا یا پھر کسی دشمنی کا بدلہ لینے کی خاطر انتقامی کارروائی عمل میں لائی گئی ہے؟ دوسری صورت میں اغواء کرنے والوں کا رویہ اُس کے ساتھ دوستانہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ خیالات کی رو میں اچانک ایک تیسرا پوائنٹ بھی اُس کے ذہن میں دھماکہ بن کر اُبھرا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ اغواء کرنے والے افراد اُس کے خلاف بلیک میلنگ کرنے کا گھناؤنا مواد اکٹھا کرنے کے بعد اُسے اپنا آلہ کار بنانا چاہتے ہوں......؟ شہر میں اب تک بے شمار ایسی وارداتیں ہو چکی تھیں جن میں بڑے اور اثر و رسوخ رکھنے والے خاندانوں کی لڑکیوں کو غلط راہ پر لگانے اور اپنی مرضی اور اشاروں پر نچانے کی خاطر اُن کے خلاف دہشت گردوں کی تنظیم نے غیر مہذب مواد جمع کرنے کے بعد اُنہیں آزاد کر دیا تھا جس کے بعد وہ اُن نامعلوم افراد کے ہر حکم کی پیروی کرنے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ انکار کی صورت میں اُن کو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ اُس کا ذہن برابر مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور شام کی چائے اُسے نہایت سلیقے کے ساتھ مہذب انداز میں

گونگی اور بہری عورت کے ذریعے ملی تھی جس نے غزالہ کے ہر سوال کے جواب میں اپنے ہونٹ بڑی ہوشیاری سے سی رکھے تھے۔ اُس نے ایک بار نظر اُٹھا کر بھی اُس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ اپنا فرض پورا کرنے کے بعد جس خاموشی سے وہ اندر داخل ہوتی تھی، اُسی پُراسرار خاموشی کے ساتھ نظر جھکائے واپس بھی لوٹ جاتی تھی۔

اس وقت شام کے آٹھ بجے کا عمل رہا ہو گا جب باہر سے قفل کھلنے کی آواز سنائی دی اور غزالہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ فوری طور پر اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جان دیدے گی لیکن مجرموں کے ہاتھوں میں کھلونا بننا پسند نہیں کرے گی۔ اُس کی نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں جو آہستہ آہستہ غالباً کسی برقی نظام کے ذریعے کھل رہا تھا۔ اس بار دو مرد اندر داخل ہوئے۔ دونوں ہی درمیانہ قد کے تھے لیکن اُنہوں نے اپنا چہرہ اس طرح نقاب میں چھپایا تھا کہ سر کے بال بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ صرف اُن کی خوفناک آنکھیں نقاب کے سوراخ سے جھانک رہی تھیں۔ دونوں ہی کی آنکھوں سے درندگی اور سفاکی مترشح تھی۔ وہ یقیناً مہذب لوگ نہیں تھے۔ غزالہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

’’کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارا باپ کب واپس آئے گا؟‘‘ ایک نقاب پوش نے اُکھڑے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

’’میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں بتا سکتی۔ ہو سکتا ہے وہ کل ہی واپس پہنچ جائیں۔‘‘ غزالہ نے کہا۔

’’کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارے باپ نے کتنی دولت جمع کر رکھی ہے؟ اور وہ تمہاری واپسی کا کیا معاوضہ ادا کر سکتے ہیں؟‘‘

’’حالات پر منحصر ہے۔‘‘ غزالہ نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ’’میں اس سلسلے میں پورے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں بتا سکتی۔‘‘

’’مگر میں تمہیں ایک بات پورے وثوق اور یقین کے ساتھ بتا سکتا ہوں کہ فی الحال تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔‘‘

اُس شخص کے لہجے میں یکلخت سفاکی آ گئی۔ ’’اگر گھی سیدھی اُنگلیوں سے نہ نکلا تو پھر ہمیں دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم تمام عمر ہمارے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ ہم تمہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں چھوڑیں گے۔‘‘

’’میرا خیال ہے کہ تم اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہو۔‘‘ غزالہ کے تیور بھی بدل گئے۔ وہ تیزی سے بولی۔ ’’ممکن ہے اب تک تمہارا واسطہ جن لڑکیوں سے پڑا ہو وہ دوسرے ہی ٹائپ کی ہوں۔‘‘

’’کسی گھمنڈ میں مت رہنا۔‘‘ بولنے والے نے قدرے فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔ ’’کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں تمہاری پوری فلم ہی تیار کرنی پڑے۔ کچھ پڑوسی ملکوں میں ایسی فلمیں منہ

مانگے داموں میں فروخت ہوتی ہیں۔ اور ایک بات یاد رکھو مس غزالہ نادر! اگر تم نے زیادہ تیزی وطراری دکھانے کی کوشش کی تو ہمیں رسی کے بل ڈھیلے کرنے بھی آتے ہیں۔ اب تک تمہارے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ رکھا گیا ہے۔ اگر ہم نے تمہیں اپنا اصلی رُوپ دکھا دیا تو تم چوں بھی نہ کرسکو گی۔ تمہارا حال بھی قربانی کی بکری سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم درندہ صفت لوگ ہو اور مجھے بہن بنا کر یہاں مہمان رکھنے کے لئے نہیں لائے۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کرلو! اگر تم نے زیادہ سمارٹ بننے کی کوشش کی تو تمہارا انجام تمہاری توقع سے بھی زیادہ اذیت ناک اور بھیانک ثابت ہوگا۔"

"تم...... جنگلی بلی!" وہی شخص عجیب خونخوار لہجے میں حقارت سے بولا۔ "بڑے دنوں بعد آج مجھے کسی جنگلی جانور کا شکار کھیلنے کا موقع ملا ہے۔ اب تمہارے باپ کو تمہاری واپسی کی منہ مانگی قیمت بھی ادا کرنی پڑے گی اور تم ہمارے اشاروں پر ناچنے پر بھی مجبور کر دی جاؤ گی۔"

پھر اُس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اُس کے دوسرے ساتھی نے جو اَب تک خاموش کھڑا تھا، اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں...... جب تک باس کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے، ہمیں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ باس اپنی بات منوائے بغیر اس ہرنی کو واپس نہیں چھوڑے گا۔" پہلے شخص نے بدستور غزالہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سرد آواز میں کہا۔ "لیکن جو جانور شیر کی کچھار میں آجائے، اُس پر دوسرے درندوں کو بھی دانت تیز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔"

"نہیں...... تم میری موجودگی میں ایسا نہیں کرسکو گے۔ کم از کم تمہیں باس کی کال تک صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔"

"اور اگر میں تمہارا فیصلہ ماننے سے انکار کر دُوں تو......؟"

"تو...... تم خود اپنے کئے کے ذمہ دار ہو گے۔" دوسرے شخص نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "مگر میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دُوں گا۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ تنظیم میں تمہاری حیثیت مجھ سے زیادہ نہیں ہے۔" پہلے نے ترش انداز میں کہا۔ "تمہیں اگر موت سے خوف آتا ہے تو تم یہاں سے جا سکتے ہو۔ لیکن میں ایک بار جو فیصلہ کرلیتا ہوں، اُسے بدلا نہیں کرتا۔"

پھر اس سے پیشتر کہ پہلا شخص کوئی جواب دیتا یا دوسرا فرد اپنی جگہ سے جنبش کرتا، کمرے میں خفیہ طور پر نصب کئے گئے سپیکر جو بظاہر دکھائی نہیں دے رہے تھے یکلخت جاگ اُٹھے۔ ایک بھرائی ہوئی آواز کمرے میں اُبھری۔

"نمبر تین...... تم شاید یہ فراموش کر چکے تھے کہ تمہارا کوئی باس بھی ہے۔ اور باس کے حکم

کے بغیر کوئی قدم اُٹھانا تنظیم سے غداری کے مترادف ہوتا ہے۔ بولو! تم اپنے لئے کیا سزا تجویز کرتے ہو؟"

"بب...... با...... س...... رر...... رحم......" اپنی حیثیت کا احساس دلانے والا شخص پوری جان سے کانپ اُٹھا۔ اب اُس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"رحم کا لفظ میری ڈکشنری میں تھا لیکن میں نے اسے کاٹ دیا ہے...... کیا تم واقف نہیں ہو کہ میں نے تم لوگوں کو عورتوں، بچوں اور لڑکیوں کے سلسلے میں کیا ہدایت دے رکھی ہے؟"

"مم...... مجھ...... سے غلطی ہو گئی باس!" اُس نے چھت کی جانب چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے مُردہ لہجے میں کہا۔ "ایک موقع اور دیا جائے۔"

"کیا تم نہیں جانتے نمبر تین! کہ تمہارا باس ہر وقت تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب رہتا ہے وہ تمہیں ہر وقت دیکھ سکتا ہے اور تمہاری سرگوشیوں کو بھی سن سکتا ہے......"

"مجھ سے غلطی ہو گئی تھی باس!" وہ گڑگڑانے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا گوشت ہمارے شکاری کتوں کو ضرور پسند آئے گا۔"

یہ غالباً کسی قسم کا اشارہ ہی تھا۔ نمبر تین نے جواب دینے کی کوشش میں زبان کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے شخص نے نہایت پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کے جسم میں پے در پے تین گولیاں داغ دیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ اُس کے مُردہ جسم کو نہایت بیدردی کے ساتھ باہر کی جانب گھسیٹے لئے جا رہا تھا۔ غزالہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی خوفناک فلم کا کوئی بھیانک سین دیکھ رہی ہو......!

☆

رات کے تقریباً گیارہ بجے کسی نے اُس کے مکان کے دروازے پر دستک دی تھی۔ دو دستک تک رحمت اور عذرا ایک دوسرے کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتے رہے، پھر تیسری آواز پر عذرا نے کہا۔

"اتنی رات گئے کون ہوسکتا ہے......؟"

"یہ تو دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا۔" رحمت اُٹھ بیٹھا۔

"نہیں رحمتے!" عذرا نے اُس کا ہاتھ تھام کر خوفزدہ آواز میں سرگوشی کی۔ "چپ چاپ پڑا رہ! جو بھی ہوگا، ایک دو دستک دے کر خود ہی واپس لوٹ جائے گا۔"

"کیوں...... آخر تجھے خوف کس بات کا ہے؟"

"مجھے تیری زندگی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔" عذرا نے بدستور گھبرائی ہوئی آواز میں

کہا۔ ''کون جانے کون ہو...... اور اب تو ہمارے گھر میں ایسا کوئی قیمتی سامان بھی نہیں گیا۔''

''گھبرانے سے کیا فائدہ ہوگا نیک بخت...... اتنی رات گئے کوئی ضرورت مند بھی آ سکتا ہے۔''

''اُسی وقت باہر سے اُسے بابر کی آواز سنائی دی۔ ''رحمت بھائی! کیا آج سر شام ہی سو گئے؟''

''سنا تو نے...... بابر آیا ہے۔ اب تو میرا ہاتھ چھوڑ!''

عذرا نے رحمت کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن اُس کا دل نہ جانے کیوں کسی نادیدہ خطرے کے احساس سے دھڑک رہا تھا۔ بابر کے بارے میں اُس کی ذاتی رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی غیر قانونی حرکت میں ضرور ملوث ہے ورنہ اتنی شاہ خرچی کہاں سے کرتا؟ رحمت اور بابر کی شناسائی تھی اس لئے اُس نے کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ لیکن اندرونی طور پر وہ اُسے پسند نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ رحمت کے جاتے ہی وہ بھی اُٹھ کر دبے قدموں ڈیوڑھی تک آ گئی۔

دروازہ کھلتے ہی پہلے رحمت کی آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔

''اتنی رات گئے...... خیریت تو ہے؟''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تجھے ایک خوشخبری سنانے چلا آیا تھا۔''

''کیا......؟''

''آہستہ بول!'' بابر نے کہا۔ ''میں جو بات کرنے آیا ہوں اس کی بھنک بھی کسی کو کانوں کان نہیں ہونی چاہئے۔''

''کیا تجھے میری ذات پر بھروسہ نہیں ہے؟''

''بات بھروسے کی نہیں رحمتے! ...... رازداری کی ہے۔'' بابر نے بدستور مدھم لہجے میں کہا، پھر پوچھا۔ ''بھابی تو سو چکی ہوگی۔''

''ہاں...... اُس کی آنکھ لگ چکی ہے۔'' رحمت نے جھوٹ بولا۔ ''تو یہ بتا! کہ اس وقت کون سی خوشخبری سنانے آیا ہے...... کیا......؟''

''میں نے تجھ سے ایک وعدہ کیا تھا...... یاد ہے تجھے؟''

''کون سا وعدہ......؟''

''تو بھی شاید نیند میں جھکولے کھا رہا ہے۔'' بابر نے کہا۔ ''یاد نہیں تجھے، میں نے تیرے گھر سے چوری ہونے والے مال کی واپسی کی بات کی تھی۔''

''ہاں ہاں......'' رحمت نے تیزی سے پوچھا۔ ''کیا رہا......؟''

''تجھے زیورات واپس مل جائیں گے، لیکن ایک شرط پر۔''

''وہ کیا......؟''

''تو یا بھابی اس کا تذکرہ کسی دوسرے سے نہیں کرو گے...... راجو سے بھی نہیں۔''

''میں تیری بات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن وہ کون لوگ تھے اور تو اُنہیں کس طرح جانتا ہے؟'' رحمت نے آہستہ سے دریافت کیا۔

''تجھے آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟'' بابر کی آواز سنائی دی۔ ''ذرا بھابی کو اچھی طرح سمجھا دینا کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔ زیورات تجھے کل اسی وقت تک واپس مل جائیں گے...... لیکن صرف زیورات۔ کوئی نقدی یا سامان نہیں واپس ہوگا۔''

''یہ بھی تیرا احسان ہوگا بابر!'' رحمت بولا۔ ''عذرا نے بڑی مشکل سے پیٹ کاٹ کر فرزانہ کے لئے اپنی پسند کے زیور بنوائے تھے۔ لیکن تجھے ان لوگوں کا پتہ کس طرح چل گیا؟''

''بس! یہ سمجھ لے کہ کئی مرحلے طے کرنے کے بعد وہاں تک رسائی ہوئی ہے۔'' بابر نے جواب دیا۔ ''جب انسان کے کئی دھندے ہوں تو یاری دوستی بھی مختلف لوگوں سے رکھنی پڑتی ہے۔ وقت پڑنے پر تو سوکھی ہوئی ٹہنی بھی کسی زہریلے ناگ کا سر کچلنے کے کام آ جاتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں۔ اس وقت تیری کوئی خاطر مدارت......''

''چھوڑ اِن باتوں کو...... ہم تو یاروں کے یار ہیں رحمتے! ہم سے بنا کر رکھے گا اور ساتھ قدم ملا کر چلے گا تو تیرے بھی وارے نیارے ہو جائیں گے۔'' بابر نے معنی خیز انداز میں جواب دیا، پھر جمائی لیتا ہوا بولا۔ ''اب چلتا ہوں۔ مجھے بھی نیند ستا رہی ہے۔ کل ملاقات ہو گی لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا خیال رکھنا...... اگر تیری یا بھابی کی زبان کھل گئی تو میں بلا موت مارا جاؤں گا۔ تو نہیں جانتا وہ بڑے خطرناک اور شاطر لوگ ہیں۔ دو چار خون تو وہ ریوالور اور پستول کی نال صاف کرنے کے لئے کر دیتے ہیں۔''

پھر رحمت دروازہ بند کر کے پلٹا تو عذرا سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گیا۔

''سچ بتا رحمتے! یہ سب کیا چکر ہے؟'' اُس نے رحمت کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں تیری اور بابر کی تمام گفتگو سن چکی ہوں۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ چوری کسی گھر کے بھیدی نے کی ہوگی یا پھر اُس کا ہاتھ ضرور شامل ہوگا...... میرا دل یہی گواہی دیتا تھا کہ بابر اچھے قماش کا آدمی نہیں ہے۔ زیورات گئے چولہے بھاڑ میں۔ مجھ سے وعدہ کر رحمتے! کہ آئندہ تو بابر سے نہیں ملے گا اور مجھے چوری کے زیورات بھی واپس نہیں چاہئیں۔''

''اتنی بھری ہوئی کیوں ہے بھاگوان...... ؟ اندر چل! میں تجھے آرام سے سب کچھ بتاتا ہوں۔'' رحمت نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ باہر تڑاتڑ گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی...... اس کے ساتھ ہی کسی کی ''بچاؤ بچاؤ......'' کی کربناک آواز بھی رات کے سناٹے میں اُبھری تھی۔

رحمت نے تیزی سے پلٹ کر دروازے کی جھری سے آنکھ لگا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اُ
سینے میں اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔

سامنے لیمپ پوسٹ کے نیچے بابر خون میں لت پت پڑا زندگی کی آخری سانسیں پوری
رہا تھا......!!

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر نادر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کسی زخمی شیر کی مانند ڈرائنگ رُوم کے دبیز قالین پر ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر گہرے غور وفکر کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ ایس پی رحمان ایک صوفے پر خاموش بیٹھا ڈاکٹر کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک ڈاکٹر کے چہرے پر رنج وغم کے تاثرات نہیں دیکھ سکا تھا۔ اُسے اس بات پر حیرت بھی ہوئی تھی لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نادر ایک کامیاب اور مشہور ڈاکٹر اور سرجن ہے۔ اور سرجنوں کے دل انسانی جسم کے بخیے اُدھیڑتے اُدھیڑتے سنگ وخشت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ غزالہ اُس کی اکلوتی بیٹی ضرور تھی لیکن اُس کے اغواء ہو جانے پر وہ سوائے تلملانے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا؟

''غزالہ کو اغواء ہوئے دو روز ہو گئے لیکن ابھی تک اُس کا کوئی پتہ نہیں چلا'' نادر نے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے رحمان سے کہا۔ ''اخبارات تک بات پہنچ جانے سے جو بدنامی کا داغ لگا ہے، وہ الگ ہے۔''

''میں چاہتا تو ہسٹری شیٹرس کو ٹٹول سکتا تھا۔ لیکن میں نے کسی مصلحت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔'' رحمان نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''اس میں مصلحت کی کیا بات ہے؟''

''مجھے اندیشہ تھا کہ اگر ہمارا ہاتھ غلط پڑا تو اصل مجرم نہ صرف یہ کہ محتاط ہو جائیں گے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گھبرا کر کوئی خطرناک اقدام کر بیٹھیں۔ میں نے خاموش رہ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ پولیس اس سلسلے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' نادر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''کیا پولیس کی خاموشی غزالہ کی واپسی میں معاون ثابت ہو سکتی ہے؟''

''ہاں...... میرا اندازہ ہے کہ مجرموں کو تمہاری واپسی کا انتظار ہو گا۔ ہو سکتا ہے اُنہیں تمہاری واپسی کی اطلاع مل چکی ہو۔'' ایس پی رحمان نے پہلو بدل کر ٹھوس آواز میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ کیس سیدھا سادہ اغواء برائے تاوان کا ہے۔ اور ایسی صورت میں مجرم اب تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

''تمہارا کیا مشورہ ہے...... کیا مجھے غزالہ کی واپسی کے سلسلے میں اُن کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے؟''

''شکار کو جال میں پھانسنے کے لئے ہمیں چارہ تو بہر حال! ڈالنا پڑے گا۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ظالم اُسے ٹھکانے بھی لگا چکے ہوں۔'' ڈاکٹر نادر کی آواز میں پہلی بار لرزش پیدا ہوئی۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''تم اتنے وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو؟''

''ہم تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں سوچنے کے عادی ہیں۔'' رحمان نے کہا۔ ''اگر اُنہیں غزالہ کو ٹھکانے لگانا ہی مقصود ہوتا تو جس طرح اُنہوں نے تمہارے دو ملازموں کا قتل کیا تھا اُسی طرح غزالہ کو بھی شوٹ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے گھر سے کوئی قیمتی شے بھی لے جانے کی کوشش نہیں کی۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ مجرموں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہوتا تو اب تک اُس کی لاش ضرور برآمد ہو چکی ہوتی۔ میں نے اپنے خاص اور قابل اعتماد آدمیوں کو کام پر لگا رکھا ہے، وہ پوری طرح محتاط ہیں۔''

''خدا کرے تمہارا اندازہ درست ثابت ہو۔ لیکن اخبارات میں شائع ہونے والی خبریں......''

''فی الحال ان باتوں میں اُلجھنا بیکار ہے۔'' رحمان نے مشورہ دیا۔ ''اب ہم کو ٹھنڈے دل سے از سرِ نو پیش آنے والے متوقع حالات کے بارے میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے...... مجرموں کو ٹریپ کرنے کے لئے ہمیں انتہائی مہارت کا ثبوت دینا پڑے گا۔''

''یہ لوگ جو اتنی بڑی واردات کر سکتے ہیں، وہ چوہوں کی طرح پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہونا پسند نہیں کریں گے۔''

''یہ تمہارا ذاتی خیال ہے۔'' رحمان نے مسکرا کر جواب دیا، پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''مجرم خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن قانون کے شکنجوں میں ضرور پھنس جاتا ہے...... یہی قانونِ قدرت بھی ہے۔''

''میرا خیال اس کے برعکس ہے۔'' ڈاکٹر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''اب تک ہزاروں بے گناہ ظالم درندوں کے ہاتھوں بے کسی اور بے بسی کی موت مر چکے ہیں۔ لیکن قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔''

''اس کا سبب وہ کالی بھیڑیں ہیں جو پولیس کی وردی پہن کر ہمارے درمیان موجود رہ کر جرائم پیشہ افراد کی پشت پناہی کرنے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کی عادی ہیں۔''

''کیا ان لوگوں کو بے نقاب نہیں کیا جا سکتا؟ یا حکام بالا کی نظریں ابھی تک اُن کے مکروہ چہروں کو نہیں دیکھ سکیں؟''

ایس پی رحمان کوئی جواب دینا چاہتا تھا، لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور ڈاکٹر نادر نے تیزی سے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو...... ڈاکٹر نادر سپیکنگ!'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ہمیں تمہاری واپسی کی اطلاع چار گھنٹے پہلے ہی مل چکی تھی......''

''کون ہو تم......؟'' نادر کی پیشانی پر لکیریں اُبھر آئیں۔

''کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ہم کون بول رہے ہیں؟'' دوسری جانب سے لاپروائی کا مظاہرہ کیا گیا۔ ''کیا تمہیں ابھی تک ملازموں کی موت اور غزالہ کے اغواء کی اطلاع نہیں ملی؟''

''تم اپنا مطالبہ بیان کرو!'' نادر نے رحمان کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بات کو طول دینے کا عادی نہیں ہوں۔''

ایس پی رحمان نے تیزی سے اُٹھ کر دوسرا فون اُٹھا لیا جو ایکسٹینشن تھا۔

''بری بات ہے ڈاکٹر! اس طرح تو تم غزالہ کی زندگی سے ہاتھ دھونے کی حماقت کر رہے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''ہم غیب داں تو نہیں ہیں لیکن ہمارے اندازے ذرا مشکل ہی سے غلط ثابت ہوتے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب بہت صاف ہے ڈاکٹر نادر!'' اس بار سرد آواز میں جواب ملا۔ ''تمہارے پاس اس وقت غالباً تمہارے دوست ایس پی رحمان صاحب بھی موجود ہیں جو ایکسٹینشن پر ہماری گفتگو سن رہے ہیں۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے اس لئے کہ میں اس وقت ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔''

''غلط خیال ہے تمہارا۔'' ڈاکٹر نادر نے تیزی سے کہا۔ ''مجھے بتاؤ! کہ تم غزالہ کی واپسی کن شرائط پر کرو گے؟''

''پہلی شرط یہ ہے کہ تم پولیس کو اس معاملے سے دُور ہی رکھو! ورنہ مجبوراً ہمیں تمہاری خدمت میں تمہاری بیٹی کی لاش کا تحفہ پارسل کرنا پڑے گا۔ کیا تم غزالہ کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو پارسل کی صورت میں وصول کرنے میں خوشی محسوس کرو گے۔''

''نہیں...... تم...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''یہ وہم دل سے نکال دو ڈاکٹر......! ہم حصولِ مقصد کی خاطر سب کچھ کر سکتے ہیں۔''

''م...... میں...... تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔'' ڈاکٹر نادر نے جلدی سے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''پہلے یہ بتاؤ! کہ کیا اس وقت رحمان صاحب تمہارے سامنے موجود ہیں؟''

''ہاں......!'' ڈاکٹر نادر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''ایس پی رحمان اس وقت میرے

قریب ہی ہیں لیکن صرف ایک دوست اور ہمدردی کی حیثیت سے۔''

''پولیس والوں سے دوستی اور ہمدردی کی توقع...... کیا یہ احمقانہ سوچ نہیں؟''

''غزالہ کیسی ہے؟'' ڈاکٹر نے جھلا کر پوچھا۔ ''تم نے اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کی؟''

''ابھی تک تو نہیں کی۔ لیکن اگر تم نے ہمارا کہنا نہ مانا تو پھر حالات کی ذمہ داری تم پر ہی ہو گی ایک کروڑ روپے کیش......!''

''مجھے منظور ہے۔'' ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔ ''واپسی کا طریقہ اور رقم کی ادائیگی کیسے ہو گی؟''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے مسٹر نادر! کیا تم ہمیں اتنا احمق سمجھتے ہو کہ ہم رحمان صاحب کو بھی اپنے پلان سے آگاہ کر دیں گے؟''

''میری بات سنو......'' نادر نے تلملا کر کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ پولیس اور اپنے دوستوں کو اِس معاملے سے دُور رکھوں گا۔''

''اور صرف ہمارے اشاروں پر بلا چوں و چرا عمل کرو گے۔''

''آل رائٹ...... تم جس طرح چاہو گے، سب اُسی طرح ہو گا'' ڈاکٹر نے مٹھی بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ اُس کے چہرے پر بے بسی اور جھلاہٹ کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ پیشانی کی شریانیں بھی زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔

''گڈ...... ہمیں یہی توقع تھی کہ تم ایک فرمانبردار بچے کی طرح ہمارے احکامات پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ گے۔''

''ون منٹ...... کیا تم غزالہ سے میری بات کرا سکتے ہو؟''

''اس وقت ممکن نہیں ہے...... پھر سوچیں گے کسی وقت۔'' دوسری طرف سے فیصلہ کن لہجے میں کہا گیا۔ ''ہمارے دوسرے فون کا انتظار کرنا اور ہماری ہدایت کو بھولنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ اس کا انجام بھیانک ہو گا۔ ہم جو کہتے ہیں اسے کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔''

پھر دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ ڈاکٹر کچھ دیر تک خاموش کھڑا نچلا ہونٹ چباتا رہا، پھر اُس نے ایس پی رحمان سے کہا۔ ''مجرم ہمارے مقابلے میں زیادہ محتاط اور باخبر معلوم ہوتے ہیں۔''

''تم فکر نہ کرو! اب کی بار میں براہِ راست ایکسچینج سے تمہاری کالیں ٹیپ کراؤں گا۔'' رحمان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اگر دوسری بار بھی اُنہوں نے فون بوتھ ہی سے کیا تو کیا حاصل ہو گا؟''

''ہمیں کم از کم یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس علاقے میں موجود ہیں۔''

''ضروری تو نہیں ہے کہ وہ جس علاقہ میں ہیں، اُسی کے کسی بوتھ کا استعمال کریں۔'' ڈاکٹر بے حد سنجیدہ تھا۔ ''دوسری بار وہ موبائل پر بھی بات کر سکتے ہیں۔ تم کہاں کہاں سے کال ٹیپ کراتے پھرو گے؟''

''پھر...... تم نے کیا سوچا ہے؟''

''غزالہ کی واپسی کی کارروائی مکمل ہونے تک مجھے بہرحال! پولیس سے دُور رہنا ہو گا۔''

''اس طرح تو قانون بالکل ہی تاریکی میں رہے گا۔''

''مجبوری کے سوا میرے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں رہ گیا...... تم اپنے کانوں سے تمام باتیں سن چکے ہو۔''

''ڈاکٹر...... کیا تم میری ذات پر بھی اعتماد نہیں کرو گے؟'' ایس پی رحمان نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس کا جواب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

''جو حالات میرے ساتھ درپیش ہیں اگر یہی تمہارے ساتھ ہوتے اور معاملہ غزالہ کی بجائے تمہاری اپنی بیٹی کا ہوتا تو کیا ان حالات کی روشنی میں تم اپنی بیٹی کے تحفظ کو میری دوستی پر قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے؟''

''یو آر رائٹ۔'' ایس پی رحمان نے جواب دیا، پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ڈاکٹر نادر کے چہرے سے اب بیزاری مترشح تھی۔

☆

دوسری بار اُسے انسپکٹر زیدی کے روبرو پیش کیا گیا تو اُس کے پاؤں اُس کا بوجھ سہارتے ہوئے ڈگمگا رہے تھے۔ اُس کی حالت نہایت ابتر تھی۔ پولیس کے ''ڈرائنگ رُوم ٹریٹمنٹ'' نے اُس کے جسم کے ایک ایک جوڑ کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ سب اُس کے جواب کا معاوضہ تھا۔ پولیس والوں نے شروع میں اُس سے انتہائی محبت سے صرف ایک بات کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ بابر کے خون کو اپنے سر لینے میں کوئی حیل و حجت نہ کرے۔ عدالت میں پیشیاں بھگتاتے وقت بے شک وہ اپنا بیان تبدیل کرنے کا حق رکھتا تھا۔

عادی مجرموں کو چونکہ پولیس کے ذاتی قواعد وضوابط کا علم ہوتا ہے اس لئے وہ بلاوجہ اپنی ہڈیاں سرمہ کرانے اور جسم اُدھڑوانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہر الزام کو مسکراتے ہوئے بڑی دیدہ دلیری سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ پھر پولیس لاک اَپ سے گلوخلاصی پانے کے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے وہ خود مختار ہو جاتے اور عدالت میں پہلی ہی پیشی پر وہ اپنے سابقہ بیان سے یہ کہہ کر منکر ہو جاتے ہیں کہ وہ بیان پولیس نے ڈنڈے کے زور پر جبر وتشدد کے بعد اُن کے منہ سے اُگلوایا تھا۔ دس بارہ پیشیوں تک پولیس کے عملے اور عدالتی کارروائی کے مابین آنکھ

مچولی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد یا تو عادی مجرم کو اُس کا قابل وکیل اپنی دُھواں دھار بحث و دلائل کے بعد بے گناہ ثابت کر کے آزاد کرا لیتا ہے یا پھر ناکردہ گناہوں کے باوجود اُسے سابقہ ریکارڈ کے پیشِ نظر سال دو سال کے لئے دوبارہ جیل کی ہوا کھانے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف پولیس کی کارکردگی کاغذی کارروائی کی حد تک مکمل ہو جاتی تھی بلکہ قانونی تقاضے بھی پورے ہو جاتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اس تمام ڈرامے کے درمیان اصل مجرم نہایت آزادی کے ساتھ کھلی فضا میں دندناتا پھرتا، عادی مجرم جیل جانے کو تبدیلی آب و ہوا کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ لیکن رحمت نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ وہ بے قصور تھا۔ اس بات کا علم اُس کے فرشتوں کو بھی نہیں ہو سکا تھا کہ بابر کو قتل کرنے کا سبب کیا تھا اور قاتل کون تھے؟ بہرحال! اُس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات گونج رہی تھی، ممکن ہے بابر کو ان ہی لوگوں نے اپنے راستے سے ہٹا دیا ہو جنہوں نے اُس کے گھر چوری کی تھی۔ بابر چونکہ اُن کے جرم سے واقف ہو چکا تھا اس لئے ظاہر تھا کہ وہ اُس کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک طرف اُنہوں نے بابر کو زیورات کی واپسی کا یقین دلایا ہوگا اور دوسری طرف اُسے قتل کرنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے اور موقع ملتے ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔

رحمت کا کوئی قصور تھا تو بس اتنا کہ بابر اُس سے رات کے گیارہ بجے کسی مقصد سے ملنے آیا تھا اور وہاں سے روانہ ہوتے ہی وہ نامعلوم قاتلوں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ پولیس نے تفتیش کی غرض سے محلے کے دو چار آدمیوں کو اور بھی اُٹھایا تھا لیکن رحمت کی اہمیت اس لئے زیادہ تھی کہ وہ آخری شخص تھا جس سے بابر نے ملاقات کی تھی اور دوسرے اُس کی بیوی گلابو کا وہ بیان تھا جو اُس نے پولیس کو دیا تھا۔ گلابو نے کہا تھا کہ اُس کا شوہر ’’ایک ضروری کام‘‘ کا بتا کر رحمت سے ملنے نکلا تھا۔ اور اب پولیس کے چاق و چوبند کارندے رحمت کے حلق سے اُس ’’ضروری کام‘‘ کو اُگلوانے کی کوشش میں لگے تھے۔ اور اسی غرض سے اُس کے بار بار کے انکار سے کہ وہ قاتل نہیں ہے، اُسے پولیس لاک اپ کے ’’ڈرائنگ رُوم ٹریٹمنٹ‘‘ سے گزار کر ایک بار پھر انسپکٹر زیدی کے روبرو پیش کیا گیا تھا جو ہاتھ میں بید تھامے اپنی کرسی پر بیٹھا اُسے پھاڑ کھانے والی خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

رحمت بار بار لڑکھڑا رہا تھا۔ پیاس کی شدت سے اُس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ نگاہوں کے نیچے بار بار اندھیرے کے بادل رقص کرنے لگتے تھے۔ اُس نے کراہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھنے کی حماقت کی تھی جس کی پاداش میں پشت سے کسی سپاہی نے اپنے باس کو خوش کرنے کی خاطر اُس کی کمر پر ایک زوردار ٹھوکر لگاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تھا۔

’’سیدھا کھڑا رہ اوئے! یہ تیری سسرال نہیں ہے جہاں تو بر دکھوے کے لئے آیا ہے۔‘‘

جواب میں رحمت صرف کراہ کر رہ گیا۔ اُس کا پورا جسم بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔

انسپکٹر زیدی کی عقابی نظریں اُسے اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایک لمحے تک وہ خاموش کھڑا رہا، پھر انسپکٹر زیدی نے مدھم مگر سرد آواز میں پوچھا۔

’’اب تمہارا کیا بیان ہے؟‘‘

’’مم...... مم...... میں نے بابر کو قتل نہیں کیا۔‘‘ رحمت نے ہانپتے ہوئے ملتجی انداز میں جواب دیا۔ ’’وہ...... وہ میرا دوست تھا، ہمدرد تھا۔ پھر بھلا میں اُسے قتل کس طرح کر سکتا تھا؟‘‘

’’چلو! تمہاری بات مانے لیتا ہوں......‘‘ انسپکٹر زیدی نے بید کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ’’تم نے اپنے دوست کو قتل نہیں کیا۔ لیکن کم از کم قاتلوں کا نام ہی بتا دو! ہم تمہیں سلطانی گواہ بنا کر سزا سے بچا لیں گے۔‘‘

’’میں قاتلوں کو بھی نہیں جانتا جی......‘‘

’’پھر بکواس شروع کر دی۔‘‘ انسپکٹر زیدی کی کرخت آواز یکلخت تیز ہو گئی۔

رحمت نے صرف ہانپنے پر اکتفا کیا۔ پیاس کی شدت سے اُس کے گلے میں کانٹے سے پڑنے لگے تھے۔

’’تجھے معلوم ہے نا کہ مقتول کی بیوی نے کیا بیان دیا ہے؟‘‘

رحمت بدستور خاموش رہا۔ اُس کی رحم طلب نظریں بدستور انسپکٹر زیدی کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھیں۔ اُس نے ایک تلخ اور اذیت ناک تجربے سے گزرنے کے بعد طے کر لیا تھا کہ اب سوچنے اور سمجھنے کے بعد ہی زبان کھولے گا۔ شاید اُس میں دوبارہ اس تجربے سے گزرنے کی ہمت نہیں تھی۔

’’گلابو کے بیان کے مطابق مقتول کسی ضروری کام کے سلسلے میں تم سے ملنے آیا تھا...... رات کے گیارہ بجے۔‘‘ انسپکٹر زیدی نے سرد آواز میں رات کے گیارہ بجے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

’’جی...... جی ہاں!‘‘ رحمت نے مختصر جواب دیا۔

’’اور تمہارے گھر سے واپسی پر وہ بیس قدم بھی نہیں چلا تھا کہ قاتلوں نے اُسے خون میں نہلا دیا۔‘‘

’’جی......‘‘

’’وہ ضروری کام کیا تھا جس کے لئے مقتول تمہارے پاس آیا تھا؟‘‘

’’میں نے بابر سے اپنی ضرورتوں کی خاطر کچھ رقم اُدھار مانگی تھی۔‘‘ رحمت نے چونکہ ابھی تک رپورٹ کی چوری کا معاملہ درمیان میں لانے سے گریز کیا تھا، اس لئے بات بناتے ہوئے بولا۔ ’’وہ اسی لئے مجھ سے ملنے آیا تھا۔‘‘

’’کیا اُس نے تمہیں کوئی رقم بھی دی تھی؟‘‘ انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک اُبھری تھی۔

"نہیں....." رحمت نے جلدی سے کہا۔ "البتہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ دو چار روز میں کچھ نہ کچھ انتظام کر دے گا۔"

"تمہیں رقم کی ضرورت کس لئے پیش آئی تھی؟"

"میری جیب کسی نے پہلی تاریخ کو کاٹ لی تھی جناب!" رحمت نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

"کتے! تو ہمیں پٹی پڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔" انسپکٹر زیدی کے تیور خطرناک ہو گئے۔ اس کے ساتھ وہ بید لہراتا ہوا کسی فوجی جنرل جیسے انداز میں اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا..... "کیا تو شرافت سے اپنی زبان نہیں کھولے گا؟"

"خ..... خو..... دا..... کی قسم جناب!" رحمت پوری جان سے کانپتے ہوئے بولا۔ "میں نے کوئی غلط بیان دینے کی کوشش....."

پھر وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے تڑپ کر رہ گیا۔ پے در پے بے دردی سے جسم پر پڑنے والے بیدوں نے اُس کے جسم کے زخموں کو ایک بار پھر اُدھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ انسپکٹر زیدی کے ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے چل رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رحمت کی چیخوں کی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں۔ اسی وقت باہر سے ایک سپاہی دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"سر..... وہ ایس پی رحمان صاحب کمال احمد وکیل کے ساتھ آ رہے ہیں۔"

"اس کمینے کو اندر لے جاؤ!" انسپکٹر زیدی نے جلدی سے کہا۔ پھر وہ اپنی وردی درست کرتا اور سر پر ٹوپی جماتا ہوا جلدی سے قدم اُٹھاتا باہر کی جانب لپکا۔ ایس پی رحمان کو دیکھتے ہی اُس نے ایک دم اٹینشن ہو کر زوردار سلوٹ مارا تھا۔

ایس پی نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا، پھر وہ کمال احمد اور انسپکٹر زیدی کے ہمراہ اندر کمرے میں آ گئے۔

"مقتول بابر کے سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہوئی ہے؟" رحمان صاحب نے زیدی سے دریافت کیا۔ لیکن انسپکٹر زیدی کی تجربہ کار نظریں بھانپ چکی تھیں کہ اس وقت ایس پی کا کمال احمد وکیل کے ہمراہ آمد خالی از علت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اُس نے سنبھل کر جواب دیا۔

"ابھی تفتیش اور پوچھ گچھ ہو رہی ہے سر..... ہم نے کچھ مشکوک افراد کو بھی اُٹھایا ہے..... کل تک عدالت میں چالان پیش کر دیا جائے گا۔"

"ایف آئی آر میں کیا درج کیا گیا ہے؟"

"چونکہ کوئی عینی شاہد نہیں تھا اس لئے ہم نے یہی درج کیا ہے کہ نامعلوم قاتل یا قاتلوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔"

"اب تک کی تفتیش سے آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟"

"مجرم نے اپنے پیچھے کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا جناب! جس سے ہمیں تفتیش میں مدد

سکے۔" زیدی نے جلدی سے کہا۔ "ہم نے جائے حادثہ کو پوری طرح کھنگالا ہے لیکن گولیوں کے خالی خول بھی نہیں مل سکے لیکن پولیس ڈاکٹر کا خیال ہے کہ مقتول کو کلاشنکوف کا برسٹ مار کر موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے۔"

"آپ نے جن مشکوک افراد کو تفتیش کی غرض سے اُٹھایا ہے کیا ان میں رحمت علی نامی کوئی شخص بھی شامل ہے؟"

"جی ہاں جناب!" زیدی نے تیزی سے جواب دیا۔

"وہ آخری شخص ہے جس سے مقتول رات کو گیارہ بجے ملا تھا۔ اور اس کے بعد اُسے فوراً ہی ہلاک کر دیا گیا تھا....."

"آپ کا کیا اندازہ ہے..... کیا رحمت علی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے؟" اس بار ایس پی کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ کمال احمد وکیل ابھی تک خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

"مم..... میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا سر! لیکن کاغذی کارروائی مکمل کرنے کی خاطر....."

"نان سینس.....!" ایس پی نے جھلا کر قدرے درشت لہجے میں کہا۔ "آپ کا خیال ہے کہ رحمت علی نے مقتول کو فوراً ہی قتل کر کے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈالنے کی حماقت کی ہو گی؟ جبکہ اُس کا سابقہ کردار محلے کے لوگوں کے بیان کی روشنی میں بے داغ رہا ہے۔"

انسپکٹر زیدی جواب دینے کی بجائے بوکھلاہٹ میں صرف "لیس سر" کہہ سکا۔

"رحمت علی کو بلوائیے..... ہری اَپ!"

اور جب رحمت علی سامنے آیا تو ایک لمحے کے لئے کمال احمد کے چہرے پر غصے کی بجائے مسرت کا سایہ لہرا گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی اُس نے سنجیدگی سے ایس پی کو مخاطب کیا۔

"رحمان صاحب..... کیا اب بھی آپ مجھے عدالتی کارروائی سے باز رہنے کی تلقین کریں گے؟ یہ کھلا ہوا تھرڈ ڈگری کا کیس ہے جسے دنیا کی کسی بھی عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اور کسی بھی مستند ڈاکٹر کا ایک سرٹیفکیٹ تھانے کے پورے عملے کو ہلا کر رکھ دے گا..... کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس غریب کو بلا کسی جرم کے کس قدر ظلم کا نشانہ بنایا گیا ہے؟" اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد کمال احمد نے انسپکٹر زیدی کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ اُسے باور کرانا چاہتا ہو کہ اگر وہ چاہے تو کھڑے کھڑے اُس کی وردی اُتروا دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

جواب میں انسپکٹر زیدی نے صرف ہاتھ ملنے پر اکتفا کی۔ وہ کمال احمد کی شہرت کے علاوہ ایس پی رحمان سے اُس کے تعلقات کے بارے میں بخوبی علم رکھتا تھا۔

"آئی ایم سوری کمال!" رحمان صاحب نے وکیل کمال احمد سے کہا۔ "ہماری بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے۔"

کمال احمد نے ایک بار پھر انسپکٹر زیدی کو ناپسندیدہ نظروں سے گھورا، پھر وہ رحمت علی کو ساتھ لے کر ہی تھانے سے رُخصت ہوا تھا۔

☆

نازو کی نیلے رنگ کی ہنڈا سوک اس وقت ایئر پورٹ کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔ ائیر کنڈیشن آن ہونے کے باوجود اُس کی خوبصورت پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلک رہے تھے۔ ہاتھ مضبوطی سے سٹیئرنگ پر جما ہوا تھا لیکن اُس کا دل کسی انجانے خوف سے بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ آنکھوں سے خوف مترشح تھا اور اس خوف کی وجہ وہ چرمی بیگ تھا جو پچھلی نشست پر موجود تھا۔

بیگ اُسے کچھ دیر پہلے کلب میں اڈگر کے ہاتھوں ملا تھا۔ اس کے ساتھ وہی نیلے رنگ کا لفافہ تھا جس پر ایک جانب بھنورے کی اُبھری ہوئی تصویر موجود تھی۔ لفافہ اور چرمی بیگ دونوں ہی بند حالت میں موصول ہوئے تھے۔ اڈگر نے دونوں چیزیں اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے صرف یہ حکم ملا تھا کہ یہ دونوں چیزیں تم تک پہنچا دوں۔ باقی ہدایت لفافے کے اندر موجود ہوگی۔''

''گویا تم بھی اُسی گینگ کے ایک فرد ہو؟'' نازو نے زخم خوردہ لہجے میں کہا۔

''تمہاری عنایت ہے نازو ڈارلنگ!'' اڈگر بے غیرتی سے مسکرایا۔ ''جس طرح تمہیں اپنی زندگی اور عزت عزیز ہے، اُسی طرح مجھے بھی ہے۔''

نازو نفرت سے ہونٹ چباتی کلب سے باہر آ گئی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ہی اُس نے لفافے کو کھولا تھا۔ اندر اُس کے لئے ایک ٹائپ شدہ حکم موجود تھا۔

''تمہیں یہ چرمی بیگ ٹرمینل تھری کے پسنجر لاؤنج میں اس طرح رکھنا ہے کہ کسی کو تمہارے اُوپر شبہ نہ ہو سکے۔ بیگ کو کھولنے کی کوشش کی تو تمہارے جسم کے اعضاء تلاش کرنے میں بھی پولیس کے محکمے کو مہینوں لگ سکتے ہیں۔ حکم سے انکار کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ ہم ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اس آتشی مادے کو بلاسٹ کر سکتے ہیں جو بیگ میں موجود ہے۔ ٹرمینل تھری پر گاڑی پارک کرنے کے بعد تمہیں ہماری سمت سے دوسری ہدایت موبائل فون پر موصول ہوگی...... ایک بات کا خیال رکھنا، ہماری نگاہیں اپنے کارندوں کی ایک ایک جنبش پر ہر وقت رہتی ہیں۔ جس لمحے تم نے حکم عدولی کی، حماقت کی، وہی لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوگا۔''

اس ہدایت کو پڑھنے کے بعد ایک ثانیے کو اُس کا پورا وجود چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک بار اُس کے دل میں آئی کہ گاڑی سے اُتر کر بھاگ لے۔ لیکن پھر اُس نے ایسا قدم اُٹھانے کی حماقت نہیں کی۔ وہ تنظیم کی طاقت کا اندازہ پہلے بھی لگا چکی تھی۔ ممکن ہے اس وقت بھی کوئی نگاہ اُس کی حرکتوں کا جائزہ لے رہی ہو اور فرار ہونے کی صورت میں کسی بھی انجانی سمت سے آنے والی گولی اُسے موت کے گھاٹ اُتار سکتی تھی۔ اسی احساس نے اُسے حکم کی پیروی پر مجبور کر

دیا تھا۔ اُس نے بڑی بوکھلاہٹ میں انجن سٹارٹ کیا، تیزی سے گاڑی ریورس کر کے کلب کے احاطے سے باہر آئی اور اُس کا رُخ ایئر پورٹ کی سمت موڑ دیا۔

نازو کے دل میں بس! ایک ہی نکتہ بار بار اُبھر رہا تھا۔ چرمی بیگ میں یقیناً کوئی آتشیں مادہ موجود ہوگا جسے پسنجر لاؤنج میں رکھے جانے کے بعد کسی بھی لمحے ریموٹ کے ذریعے اُڑا دیا جائے گا۔ اور اس دھماکے کے ساتھ ہی سینکڑوں بے گناہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے جسم بھی اُڑ جائیں گے۔ قومی ملکیت کو جو نقصان ہوگا وہ علیحدہ بات ہے، لیکن اپنی زندگی بچانے کی خاطر اُس نے ایئر پورٹ پہنچنے میں بڑی برق رفتاری کا مظاہرہ کیا۔ اور اب وہ پارکنگ لاٹ میں اپنی سیٹ پر بیٹھی موبائل فون کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک بار پھر اُس کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ اُبھرا۔ اُس نے سوچا کہ اُس کی ایک جان ہزاروں جانوں کے نقصان کا تحفظ کر سکتی ہے۔ اس خیال کے تحت اُس نے پلٹ کر پچھلی نشست پر رکھے ہوئے چرمی بیگ کی سمت دیکھا لیکن موت کے بھیانک تصور سے کانپ کر رہ گئی۔ ابھی وہ کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ گھنٹی کی آواز اُبھری اور وہ اس طرح چونکی جیسے چوری کرتے ہوئے اچانک پکڑ لی گئی ہو۔ اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا اور بڑی نحیف آواز میں کہا۔

''ہیلو...... نازو سپیکنگ!''

''ہمیں خوشی ہے بے بی! کہ تم نے ہمارے حکم سے انحراف نہیں کیا۔''

''یس......'' نازو نے ہونٹ بھینچ کر مختصراً کہا۔

''جانتی ہو تمہیں پارکنگ لاٹ میں فون کال کا انتظار کرنے کو کیوں کہا گیا تھا؟''

''نہیں......''

''ہم اس وقت پسنجروں کو نہیں بلکہ صرف گاڑیوں کو تباہ کن نقصان پہنچا کر اپنی طاقت کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔''

''اس سے فائدہ کیا ہوگا؟''

''ہماری تنظیم میں فائدہ اور نقصان کا حساب کتاب نہیں ہوتا۔'' بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ ''آج جو فائدہ اُٹھا رہا ہے، کل اُسے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے ایجنٹ خود اپنی زندگی کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ موت اُن کے لئے ایک دلچسپ کھیل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ سب اپنے آپ کو شطرنج کا بے جان مہرہ سمجھتے ہیں جو اصل کھلاڑیوں کی مرضی ہی سے حرکت کر سکتے ہیں۔ کسی چال میں اُن کی اپنی کسی مرضی کا عمل دخل نہیں ہوتا۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' نازو تلملا کر بولی۔

''اس وقت جو آتشیں مادہ بلاسٹ ہوگا وہ پلاٹ میں موجود تمام گاڑیوں کو اُڑا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ باس ایک سیکنڈ بعد ہی بٹن دبا دے۔ ایسی صورت میں تمہیں بھی ہمارے لئے

قربان ہونا پڑے گا۔ کیا ایسی سچویشن میں تم گاڑی سے اُتر کر بھاگنے کی احمقانہ کوشش کر کرو گی؟''

''نہیں......'' نازو نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ ''بزدلوں کی طرح بھاگ پشت پر گولی کھانے سے تو بہتر ہے کہ انسان مردانہ وار مقابلہ کر کے جان دے دے۔''

''گڈ...... ہماری تنظیم اپنے ایجنٹوں سے اسی جواب کی توقع رکھتی ہے۔ اور تمہارے جواب کی خوشی میں تنظیم تمہیں بیس ہزار کی خطیر رقم سے نوازنا چاہتی ہے۔''

''لیکن مجھے دولت کی کوئی کمی نہیں......''

''نو بے بی...... نو!'' دوسری جانب سے تحکمانہ انداز اختیار کیا گیا۔ ''باس انکار کے عادی نہیں ہے۔''

''مجھے اب کیا کرنا ہے؟'' نازو نے برا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

''تم رحمت علی کو ضرور جانتی ہو گی۔ وہی جسے تم نے ایک دو بار اپنی ریش ڈرائیونگ سے پریشان کرنے کی کوشش کی تھی، تمہارے قریب ہی بستی میں رہتا ہے۔ لیکن آدمی ہمارے کا ہے، تھوڑی سی تراش خراش کے بعد وہ ہماری تنظیم کے لئے ایک انمول اثاثہ ثابت ہو سکتا ہے۔ تمہیں اُس کے ساتھ راہ و رسم بڑھانی ہو گی...... اور دوسری بات غور سے سنو! تم اب پشت رکھے ہوئے چرمی بیگ کو کھول سکتی ہو، اس میں تنظیم کی طرف سے تمہیں ''ایکشن ٹیم'' کا بنائے جانے کی خوشی میں بیس ہزار کی رقم موجود ہے۔ تم اسے بلا کسی حساب کتاب کے مرضی سے خرچ کرنے کی مجاز ہو...... دیٹ اِز آل!''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ نازو نے خوفزدہ نظروں سے چرمی بیگ کو د کچھ دیر ٹکٹکی باندھے گھورتی رہی، پھر اُس نے ڈرتے ڈرتے اُسے دھڑکتے دل سے کھ اُس میں بیس ہزار کی رقم کے ساتھ کچھ قیمتی تحائف بھی موجود تھے۔ وقتی طور پر اُس کو اطمینا احساس ہوا۔ پھر وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر سکون کے لمبے لمبے سانس لینے لگی......!!

☆

آٹھ اذیت ناک دن گزارنے کے بعد رحمت علی آج کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے پہنچا تھا۔ اُسے اپنے بیوی بچوں کی خاطر اپنی ملازمت زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔ اُسے علم تھا کہ اس دور میں کسی ملازمت کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہیں اُس کی چھٹیاں تھیں اور وہ بروقت اپنی درخواست بھی بھیج چکا تھا۔ لیکن سیٹ پر کمر ٹکاتے ہی چپڑاسی نے بڑے صاحب کی طرف سے طلبی کا ناخوشگوار حکم سنایا۔ وہ سہما سہما اُٹھا اور بڑے صاحب کمرے کا دروازہ کھول کر ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ بڑے صاحب نے اُس کو سر تا پا غور سے دیکھا، پھر خشک لہجے میں پوچھا۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ قتل کی کسی واردات کے سلسلے میں چوبیس گھنٹوں تک پولیس مہمان خانے میں بھی رہ چکے ہیں جہاں حسب حیثیت آپ کی اچھی خاصی تواضع بھی ہو چکی ہے۔''

''بس...... سر! وہ بات دراصل یہ ہے کہ پولیس نے مجھے بے گناہ پکڑا تھا۔'' اُس نے جلدی سے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ ''ایف آئی آر میں بھی میرا نام نہیں ہے۔''

''ہمیں آپ کے سلسلے میں تفتیش کرنے سے زیادہ اپنی کمپنی کی ساکھ زیادہ عزیز ہے۔ اس لئے آپ کو ملازمت سے برطرف کیا جاتا ہے۔'' بڑے صاحب نے اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے نفرت سے جواب دیا۔ ''آپ کو پورے مہینے کی تنخواہ مل جائے گی۔ جا کر کیشئر سے حساب کر لیجئے، میں نے اُسے ہدایات جاری کر دی ہیں۔''

''سر......'' رحمت علی نے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔ ''میں ایک بیٹے اور ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔ پچھلے دنوں میری جیب بھی کٹ چکی ہے۔ اگر آپ نے ملازمت سے نکال دیا تو میں بھوکوں مر جاؤں گا۔ میرے معصوم اور بے گناہ بچوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا......''

''آپ میرا اور اپنا دونوں کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں احکامات واپس لینے کا عادی نہیں ہوں۔'' بڑے صاحب نے بڑی رعونت سے جواب دیا۔

''لیکن سر...... وہ......''

''گیٹ آؤٹ فرام مائی آفس!'' بڑے صاحب نے گرج کر کہا۔ ''جا کر چوری کرو، قتل کرو، ڈاکے مارو! میں نے تمہارا یا تمہارے بیوی بچوں کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے...... آؤٹ!''

رحمت علی کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ وہ ڈگمگاتے قدموں سے باہر نکلا۔ اُس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا، اب اُس کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا؟ کیا وہ بغیر جہیز اکٹھا کئے خالی ہاتھوں سے فرزانہ کو اپنے گھر سے رُخصت کرے گا؟ اُسے کون بیاہے گا؟ کیا ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں اور پولیس کے ڈرائنگ رُوم ٹریٹمنٹ نے اُس کے چہرے اور پیشانی پر جا بجا قاتل اور ڈاکو کی ان مٹ مہریں لگا دی تھیں؟

رحمت علی کو اپنا وجود گھومتا نظر آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اُسے اپنی کم مائیگی اور غربت کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ بڑے صاحب کا غیر منصفانہ حکم سننے کے بعد اُسے یوں لگا تھا، جیسے عین رُخصتی کے وقت کسی دشمن نے اُس کی بیٹی کے سر سے دوپٹہ کھینچ لیا ہو۔ پھر کسی خیال کے تحت اُس نے بڑی سختی سے اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لئے اور قدم اُٹھاتا آفس سے باہر آ گیا جہاں دنیا کے نئے ہنگامے اُس کے منتظر تھے۔

☆☆☆☆☆

آخری مریض کے اُٹھنے کے بعد ڈاکٹر نادر کے اسسٹنٹ نے اُسے ایک بند لفافہ لاکر
کیا تو ڈاکٹر نے اُسے گھور کر دیکھا اور پوچھا۔ ''یہ کیا ہے......؟''

''تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ایک مریض دے گیا تھا جناب! وہ بہت جلدی میں معلوم
تھا۔'' اسسٹنٹ بولا۔ ''فوری طور پر آپ کو دکھانا چاہ رہا تھا لیکن اُس کا نمبر آنے میں دیر
چنانچہ وہ یہ لفافہ دے کر چلا گیا۔''

ڈاکٹر بڑی حیرت اور تعجب سے اُس بند لفافے کو گھورتا رہا، پھر اُس نے لفافہ چاک
اندر ایک ٹائپ شدہ مضمون تھا۔

''مسٹر نادر......

ہم تم سے دو بدو بات کرنے آئے تھے لیکن تمہارے دوست ایس پی رحمان صاحب
مہربانی سے واپس جا رہے ہیں، اُنہوں نے تمہارے کلینک پر سادہ لباس والوں کو تعینات
رکھا ہے۔ لیکن ہمارے آدمی بھی اندھے نہیں ہیں۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔ لیکن ایک با
ذہن نشین کرلو! ہم تمہیں ایک ہفتے سے زیادہ کی مہلت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد غزالہ
ساتھ جو سلوک ہوگا اُس کی تمام تر ذمہ داری تمہارے اور ایس پی رحمان صاحب کے اوپر
گی۔ ہماری کال کا انتظار کرنا! ٹھیک سات بج کر دس منٹ پر ہم تمہیں فون کریں گے...... تمہ
بہی خواہ۔''

ڈاکٹر نادر کسی چوٹ کھائے ہوئے زخمی شیر کی طرح تڑپ کر رہ گیا۔ اُس کی پیشانی
آلود ہوگئی۔ نظریں گھما کر اُس نے دیوار گیر گھڑی دیکھی۔ اس وقت ٹھیک چھ بج کر
منٹ ہوئے تھے۔

''خیریت تو ہے سر...... کیا کسی اہم مریض کا کیس ہے؟'' اسسٹنٹ نے ڈاکٹر کی پر
کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... تم جا سکتے ہو...... لیکن ٹھہرو!'' ڈاکٹر اُلجھتے ہوئے بولا۔ ''جس شخص نے تمہیں
لفافہ دیا تھا، کیا تم اُسے شناخت کر سکتے ہو؟''

''سوری سر...... میں نے اُس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ میرا خیال ہے کہ وہ
پہلی بار آیا تھا۔ پہلے میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

''اور یہ لفافہ...... کیا اُسی کے پاس تھا یا کسی اور نے لاکر دیا تھا؟ خوب سوچ کر جوا

دینا۔''

''وہ...... وہ ایک اٹھارہ بیس سال کا نوجوان تھا سر! جس نے ایک دو بار مریض سے آکر
کوئی بات کی تھی۔ بظاہر ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ اُس کا کوئی عزیز رہا ہو...... ممکن ہے اُس کا اپنا
بیٹا ہو۔''

''پہناوے اور صورت و شکل کے اعتبار سے وہ مریض کیسا لگتا تھا؟'' ڈاکٹر نے ہونٹ
چباتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اس پر بھی غور نہیں کیا جناب! اُس وقت باہر مریضوں کی خاصی بھیڑ تھی۔ کچھ
نئے مریض اپائنٹمنٹ کے لئے آئے تھے۔ اسی دوران مجھے آپ کی کالیں بھی اٹینڈ کرنی پڑ رہی
تھیں۔'' اسسٹنٹ نے اپنی مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ
وہ شخص سوٹ بوٹ میں تھا اور اُس کا تعلق کسی اعلیٰ طبقے سے ہی لگ رہا تھا......''

''ٹھیک ہے...... تم باہر میرا ویٹ کرو! اور فون میری طرف ڈائریکٹ کردو!''

پھر اسسٹنٹ کے جانے کے بعد ڈاکٹر چند لمحے اُس ٹائپ شدہ پیغام کو پڑھتا رہا، پھر اُس
نے ریسیور اُٹھا کر ایس پی رحمان کے گھر نمبر ڈائل کئے۔ اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ فون خود
رحمان صاحب ہی نے ریسیو کیا تھا۔

''میں نادر بول رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا تم نے اپنے کچھ
سادہ لباس والوں کو میرے کلینک پر تعینات کر رکھا ہے؟''

''خیریت...... ؟ تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو...... بات کیا ہے؟''

''آج اُن کا کوئی آدمی مریض بن کر آیا تھا۔ لیکن تمہارے آدمیوں کو دیکھ کر واپس چلا
گیا۔''

''تمہیں اس کی خبر کیسے ملی؟''

''مجھے ابھی ابھی ایک ٹائپ شدہ لفافہ ملا ہے جس کے اندر سے پیغام بھی ٹائپ شدہ برآمد ہوا
ہے......'' ڈاکٹر نے پیغام پڑھتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہارے محکمے کا کوئی آدمی بھی
ضرور اُن کے ساتھ شامل ہے ورنہ......'' ڈاکٹر نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ اُس نے اغواء
کرنے والوں کی جانب سے آنے والی کال کا ذکر بھی حذف کر دیا تھا۔

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔''

''میرا خیال ہے اب تم اپنے تمام قابل بھروسہ آدمیوں کو بھی اس معاملے سے الگ کر
دو...... یہ میری درخواست ہے رحمان! میں غزالہ کی موت نہیں اُس کی زندگی چاہتا ہوں...... وہ
میری اکلوتی اولاد ہے...... دولت تو آنی جانی شے ہے۔''

''میں تمہاری پریشانی سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن قانون کا کسی جرم کے ارتکاب سے آنکھ بند کر
لینا بھی......''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے رحمان!'' ڈاکٹر تلملا کر بولا۔ ''کیا تم غزالہ کی مسخ شدہ لاش قا
کے سامنے پیش کر کے کوئی گولڈ میڈل حاصل کرنا چاہتے ہو۔''

''آل رائٹ......'' دوسری جانب سے کچھ تامل کے بعد جواب ملا۔ ''اگر تمہاری یہی م
ہے تو پھر میں غزالہ کی واپسی تک آنکھ بند کئے لیتا ہوں۔ لیکن میری بھی ایک شرط ہے......''

''بولو......''

''غزالہ کی بازیابی کے بعد تم پوری طرح مجھ سے تعاون کرو گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر نے دوبارہ گھڑی کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس وقت سات بج کر چھ منٹ ہوئے تھے۔

رحمان سے سلسلہ منقطع کر کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے چہرے پر غور و فکر کے گہرے تاثرات موجود تھے۔ وہ ہر قیمت پر غزالہ کی جلد از جلد واپسی کا خواہشمند تھا، کسی زخمی شیر کی مانند وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور بار بار ایک ہاتھ کا مُکا بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر رہا تھا۔ پھر ٹھیک سات بج کر دس منٹ پر فون کی گھنٹی بجی اور اُس نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو......'' وہ دھڑکتے دل سے بولا۔ ''ڈاکٹر نادر دِس اینڈ۔''

''گڈ...... مجھے یقین تھا کہ تم نے فون کی لائن ڈائریکٹ کر لی ہو گی۔''

''کون ہو تم......؟''

''وہی جس کا لفافہ پانے کے بعد تم نے رحمان صاحب کو فون کر کے درمیان سے ہٹ جانے کی درخواست کی ہے۔''

''ڈاکٹر چونکا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُس کے اور رحمان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا دوسری پارٹی کو کس طرح ہو گیا؟''

''پریشان مت ہو ڈاکٹر...... ہم نے تمہاری کال ٹیپ نہیں کرائی۔ ہمارے پاس دوسرے طریقے بھی ہیں۔ کیا تم اِس بات کی تردید کر سکتے ہو کہ آج کی دنیا میں سائنس نے کس ترقی کر لی ہے؟''

''میں تم سے سائنس کی ترقی کی نہیں، صرف غزالہ کی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی تک وہ خیریت ہی سے ہے...... ہم زبان کے دھنی لوگ ہیں جو کہتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں۔''

''مم...... میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔''

''ایس پی رحمان نے تمہاری درخواست پر کیا جواب دیا ہے؟'' دوسری جانب لاپ سے کہا گیا۔ ''ہم صرف تمہاری آواز سن سکتے تھے، اُس کا جواب ہمارے علم میں نہیں ہے۔''

''رحمان نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ اپنے آدمیوں کو دُور ہی رکھے گا۔''

''اسی میں غزالہ کی بہتری ہے۔'' دوسری طرف سے بولنے والے نے سرد لہجے میں کہا۔

سنجیدگی سے بولا۔ ''تم مطلوبہ رقم ایک خوبصورت گفٹ پارسل کی صورت میں اپنے ڈیفنس والے کلینک میں کل تیار رکھنا۔ ہمارا کوئی آدمی کسی بھی وقت تم سے وہ رقم وصول کر لے گا۔ اور رقم کی وصولی کے بارہ گھنٹے بعد غزالہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ لیکن ایک بار پھر ذہن نشین کر لو...... ہمارا آدمی پھنس جانے کی صورت میں ایک پل میں اپنی زندگی موت کے حوالے کر دے گا۔ پولیس کے فرشتے بھی اُس کی زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔ لیکن اس کے بعد تمہاری بیٹی کا کیا حشر ہو گا......''

''تم میری زبان پر اعتبار کرو......'' ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔ ''تمہارے آدمی کو کچھ نہیں ہو گا۔ لیکن وہ مجھ تک پہنچے گا کس طرح؟ میرا مطلب ہے کہ ہر مریض اپنے نمبر پر ہی مجھ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔''

''ہم ایک بار اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔ تم اطمینان رکھو! دوسری بار مریض اپنے نمبر ہی پر تم سے ملے گا۔''

''لیکن میں اُسے شناخت کس طرح کروں گا؟''

''ایک پاس ورڈ یاد رکھو! ہمارا شخص تم سے صرف نیلے لفافے کے الفاظ دُہرائے گا اور تم وہ گفٹ پیک بلا جھجک اُس کے حوالے کر دو گے۔''

''ٹھیک ہے...... لیکن کیا بارہ گھنٹے کچھ زیادہ نہیں ہوتے؟''

''تمہاری بے صبری اور بے چینی درست ہے ڈاکٹر...... لیکن چھیڑ خانی کی ابتداء بھی تمہاری جانب سے ہوئی ہے۔''

''او کے...... جس طرح تم چاہو گے، ویسا ہی ہو گا۔''

''ہم تمہارے ایک اور اصول سے بھی واقف ہیں۔ تم ایک وقت میں صرف ایک مریض کو دیکھنا پسند کرتے ہو۔ اس وقت ڈیفنس والے کلینک میں تمہاری ہیلپر روبینہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا۔''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ تم اطمینان رکھو! اس بار ہمارے درمیان فیئر ڈیل ہو گی۔''

''گڈ...... اور ہاں! ایک بات اور...... گفٹ پیک اگر کسی سفری بیگ میں ہو تو مناسب ہو گا۔''

''مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔''

''آل رائٹ...... اب تم ہمارے آدمی کا انتظار کرو...... وہ ایک ہفتے کے اندر اندر کسی وقت بھی تم سے ملنے ضرور آئے گا...... دیٹ اِز آل!''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نادر کی نظر اچانک اُس لفافے پر پڑی جس میں پیغام موصول ہوا تھا، اُس لفافے کا رنگ بھی نیلا ہی تھا......!

☆

نیلے رنگ کی ہنڈا سوک اُس کے قریب پہنچ کر رُکی تو وہ یوں چونکا جیسے کسی بڑے حادثے سے دوچار ہوتے ہوئے بال بال بچا ہو۔ اس وقت وہ ملازمت چلے جانے کے غم سے دوچار تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کر سکے گا؟ اُس کا ذہن خالی خالی سا ہو رہا تھا۔ ایسے میں اُس کی نگاہ نازو پر پڑی تو اُس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ آج اُس نے نازو کی اس حرکت پر ناک اور بھنویں چڑھانے کی جسارت نہیں کی تھی اس لئے کہ اب وہ کمال احمد کی بیٹی تھی۔ وہی کمال احمد جس نے اگر اُسے پولیس کے شکنجے سے آزاد نہ کرایا ہوتا تو شاید وہ اس وقت آہنی سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔

"میں اِدھر سے گزر رہی تھی...... آپ پر نگاہ پڑی تو گاڑی روک لی۔ کہاں جائیں گے آپ؟ اگر گھر جا رہے ہیں تو وہ میرے راستے میں ہے۔ میں آپ کو ڈراپ کر دوں گی۔" نازو نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ اُسے نامعلوم تنظیم کی جانب سے رحمت علیؔ سے دوستی استوار کرنے کا حکم ملا تھا اور یہ خبر کہ رحمت علی کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے، اُسے صرف آدھ گھنٹہ پہلے موبائل فون پر ملی تھی جس کے ساتھ یہ مشورہ بھی ملا تھا کہ ایسے موقع پر اگر رحمت علی سے ہمدردی سے پیش آئے تو وہ بہت جلد ٹریپ ہو سکتا ہے۔ پیغام میں کہا گیا تھا اگر گرتے ہوئے درخت کو بروقت سنبھال لیا جائے تو وہ اپنی جڑیں اور زیادہ مضبوط کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے رحمت علی کے لئے ایک نئی اور زیادہ بہتر ملازمت کے لئے ہدایت بھی ملی تھی۔

رحمت علی نے نازو کو ایک نظر غور سے دیکھا، آج اُس کے چہرے پر خلافِ توقع سنجیدگی تھی۔ عام حالات میں وہ نازو کی اس آفر کو شاید رد کر دیتا۔ لیکن اُس کی حیثیت اب بدل گئی تھی۔ اب وہ اُس کے محسن کی بیٹی تھی۔

"آپ کو زحمت ہوگی۔" رحمت علی نے کہا۔ "بس سے گھر جانا میرے روزمرہ کے معمول میں داخل ہے۔"

"پریشان مت ہوں...... میں روز روز آپ کو چھوڑنے کی ضد بھی نہیں کروں گی۔"

رحمت علی نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا، پھر کھلے دروازے سے گزر کر اگلی سیٹ پر نازو کے برابر بیٹھ گیا۔ گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔ نازو کے جسم اور لباس سے پھوٹنے والی مہک اُسے ایک نئی دُنیا سے روشناس کرا رہی تھی۔

چند ثانئے کی خاموشی کے بعد اُس نے نازو سے کہا۔ "میں آپ کے والد کا شکر گزار ہوں۔ اگر اُنہوں نے میری مدد نہ کی ہوتی......"

"بہتر ہے کہ اِس کا ذکر آپ ڈیڈی سے کریں جنہوں نے آپ کو یاد کیا ہے۔"

"مجھے یاد کیا ہے......؟" رحمت علی چونکا۔

"جی ہاں...... اس وقت میں ڈیڈی ہی کے حکم پر آپ کو لینے آئی تھی۔" نازو نے ایک خاص ادا سے اُس کی سمت دیکھا، پھر معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔ "آپ کیا سمجھ رہے تھے؟"

"جی...... کچھ بھی نہیں۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"چلئے! اسی بہانے مجھے آپ سے معذرت کرنے کا موقع بھی مل گیا۔"

"معذرت...... مجھ سے؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔ "کس بات کی......؟"

"ریش ڈرائیونگ کے ذریعے آپ کو پریشان کرنے کی۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" رحمت علی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے اِس قسم کے حادثوں سے اکثر دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں...... کوئی خاص بات؟"

"کچھ نہیں...... یوں ہی ایک مسئلے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔"

"کوئی خاص مسئلہ؟" نازو نے اُسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ "کوئی ایسی بات جو آپ مجھے نہیں بتا سکتے؟"

"جی نہیں......" رحمت علی کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "ہم غریبوں کے پاس سوائے پیٹ کے مسئلے کے اور کسی مسئلے کی گنجائش نہیں ہوتی۔"

"میں کبھی نہیں...... آپ تو خدا کے فضل و کرم سے برسرِروزگار ہیں۔"

"ہوں نہیں، بلکہ تھا......" رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے آج ملازمت سے جواب مل گیا ہے۔"

"اوہ...... اور آپ اتنی سی بات سے پریشان ہو گئے۔"

"آپ جسے اتنی سی بات سمجھ رہی ہیں، وہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال بن جاتا ہے۔"

"آپ چاہیں تو آپ کو اِس سے بہتر ملازمت مل سکتی ہے۔" نازو نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا، پھر پرس سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر رحمت علی کی سمت بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ میری ایک واقف کار کی فرم ہے۔ آپ نے شاید آئی جی برلاس صاحب کا نام سنا ہو گا۔ یہ اُن ہی کی بیوہ کی فرم ہے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے کام ہیں۔ بیگم برلاس سے میری اچھی خاصی دوستی بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ کارڈ میرے حوالے سے پیش کیا جائے گا تو آپ کو پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ملازمت مل سکتی ہے۔ دو روز پہلے ہی کی بات ہے جب بیگم برلاس نے مجھے بتایا تھا کہ اُنہیں اپنے لئے ایک قابلِ اعتماد پرسنل سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ آپ کل ہی اُن سے مل لیں! میں فون پر اُن سے بات کر لوں گی۔"

''میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں......؟''

''وہی زبان جو دوست، دوست کے لئے استعمال کرتا ہے۔'' نازو نے ایک ادا سے گر
جھٹک کر اپنے بال پشت کی جانب اُچھالتے ہوئے رحمت علی کی نگاہوں میں جھانکا۔''کیا آ
مجھے دوستی کے قابل نہیں سمجھیں گے؟''

''آ......آپ......شاید مذاق کر رہی ہیں، ورنہ کہاں میں اور کہاں آپ؟'' رحمت علی
سنبھل کر جواب دیا، پھر گفتگو کا رُخ جلدی سے بدلتے ہوئے بولا۔''وکیل صاحب نے مجھے
کس لئے یاد کیا ہے؟''

''ہوگی کوئی ضروری بات۔'' نازو نے لاپرواہی سے کہا، پھر گاڑی ایک سائیڈ میں کر کے
روک دی۔ گاڑی روک کر اُس نے پرس کھولا اور اُس میں سے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نکا
کر رحمت علی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔''اگر مجھے دوستی کے قابل سمجھتے ہیں تو اسے
حیل وحجت کے رکھ لیں......ہاں! یہ وعدہ رہا کہ جب آپ کو بہتر ملازمت مل جائے تو آپ
مجھے یہ رقم واپس کر سکتے ہیں۔ لیکن کم از کم ایک سال بعد۔''

''جی......وہ......'' رحمت علی عجیب تذبذب کی کیفیت سے دوچار تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ پچھلے کچھ عرصے سے پریشانیوں نے آپ کا گھر دیکھ لیا ہے۔ ایسے
موقعوں پر دوست ہی دوست کے کام آتا ہے۔'' نازو نے بڑے پیار سے کہا۔''رکھ لیجئے
پلیز!''

''لیکن......'' رحمت نے کچھ کہنا چاہا۔

''آپ کو میری قسم جو اب انکار کریں۔'' نازو نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر وہ بڑے بڑے
نوٹ بڑی بے تکلفی سے اُس کی جیب میں رکھ دیئے، پھر گاڑی کا سٹیئرنگ سنبھال کر اُسے
دوبارہ بیچ سڑک پر لے آئی۔

بات اگر کسی مرد کی ہوتی تو رحمت علی زبردستی وہ رقم واپس کر دیتا۔ لیکن اس وقت وہ عجیب
مخمصے میں گرفتار تھا۔ وہ شادی شدہ تھا، عذرا کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، دو بچوں کا باپ
تھا، غریب تھا پھر وہ نازو جیسی حسین وجمیل اور بڑے گھرانے کی لڑکی کی طرف دوستی کا ہاتھ کس
طرح بڑھا سکتا تھا؟ اور اچانک نازو کو اُس کے اندر کیا بات نظر آگئی تھی جو وہ اُس کی ذات
سے وابستگی کا مظاہرہ کر رہی تھی؟ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اُسے اِس بات کا احساس بھی
ہو رہا تھا کہ دنیا میں شاید دولت سے زیادہ طاقت اور کسی شے میں نہیں ہے، جس کے ذریعے
ہر شے منہ مانگی قیمت لگا کر خریدی جاسکتی تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں مصروف تھا کہ نازو کی مدھم
آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔

''برلاس کمپنی سے رابطہ ہونے کے بعد آپ بھی بہت جلد بڑے آدمی بن جائیں گے۔
اس کے بعد شاید آپ ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں۔''

''جی نہیں......انسان سب کچھ بھول سکتا ہے، لیکن اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔''

''وہاٹ نان سنس!'' نازو نے محبوبانہ انداز اختیار کیا۔''یہ کیا تم نے محسن محسن کی رٹ لگا رکھی ہے۔ کیا ہم ایک دوسرے سے محض اچھے دوستوں کی حد تک بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتے؟''

''ایک بات پوچھوں......اگر آپ برا نہ مانیں۔''

''پوچھو......!'' نازو نے بے تکلفی سے کہا۔

''آپ نے مجھے یہ پانچ ہزار کی رقم کیوں دی؟ میرا مطلب ہے کہ اتنی بڑی رقم......''

''تمہیں ایک اچھا دوست بنانے کی خاطر......ناؤ سٹاپ اِٹ......اب ہمارے درمیان محسن اور احسان کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔''

رحمت علی کوئی جواب نہ دے سکا۔ نازو اس کے سلسلے میں اچانک اتنی مہربان ہو جائے گی، اُس نے یہ بات کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ ابھی وہ ان باتوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ نازو کی کوٹھی آگئی۔ کمال احمد وکیل لان پر ہی بیٹھے غالباً اُسی کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر اس سے پیشتر کہ وہ گاڑی سے اُتر کر اُن کے قریب جا سکتا، کمال احمد خود تیز تیز قدم اُٹھاتے اُس کے قریب آگئے۔ رحمت علی نے گاڑی سے اُترنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' کمال احمد نے بڑی سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا۔''مجھے تم سے چند ایک بہت ضروری اور اہم باتیں کرنی ہیں۔''

''ڈیڈ......!'' نازو نے باپ سے اِٹھلاتے ہوئے کہا۔''پہلے ایک کپ چائے نہ پی لیں؟''

''نو بے بی......میرا کام زیادہ اہم ہے۔'' کمال احمد نے جواب دیا، پھر رحمت علی کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے قدم اُٹھانے لگا۔ ڈرائنگ رُوم اور پھر ایک وارنڈے سے گزرنے کے بعد وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جسے کمال احمد کی لائبریری ہی کہا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف شیشے کی قد آدم الماریوں میں خوبصورت جلدوں والی کتابیں نہایت سلیقے سے جمی نظر آ رہی تھیں۔ بیٹھنے کے لئے قیمتی صوفے موجود تھے۔ ایک کونے میں ایک بڑا ٹی وی اور اُس کے ساتھ ہی وی سی آر موجود تھا۔

لائبریری میں داخل ہونے کے بعد کمال احمد نے اُسے اندر سے بولٹ کر دیا، پھر رحمت علی کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اُس نے گول میز سے ایک سگار اُٹھا کر اُسے سلگایا اور دو تین طویل کش لینے کے بعد ٹھوس لہجے میں بولا۔

''کیا تم مجھے بتاؤ گے رحمت علی! کہ تم نے بابر کو کس مقصد کے تحت قتل کیا تھا؟''

''کیا......؟'' رحمت علی کو ایک دھچکا لگا۔''یہ غلط ہے جناب! میں نے اُسے قتل نہیں کیا تھا۔''

''دیکھو رحمت علی! دائی سے پیٹ چھپانا اور ڈاکٹر سے غلط بیانی کرنا اور بات ہے لیکن وکیل سے حقیقت کو پوشیدہ رکھنا بے حد نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ مجھ سے صاف صاف بیان کر دو! یہی صورت تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوگی۔ رہا پچاس ہزار روپے کے مطالبے کا مسئلہ تو وہ تم مجھ پر چھوڑ دو! کسی بے گناہ کو بچانے کی خاطر میں اس سے بڑی رقم بھی خرچ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں اور پھانسی کے پھندے سے بچنے کی خاطر پچاس ہزار کی رقم کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔''

''آپ میرا یقین کریں کمال صاحب!'' رحمت علی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا ''آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

''ٹھیک ہے...... پھر وہ ثبوت مجھے تمہیں بھی دکھانا پڑے گا۔ اس کے بعد تم خود ہی فیصلہ کر لینا۔''

کمال احمد نے اُٹھ کر ٹی وی اور وی سی آر چلا دیا۔ پھر جو کچھ رحمت علی کی نگاہوں نے دیکھا، وہ ناقابل یقین ہی تھا۔ فلم میں اُسے بہت واضح طور پر دکھایا گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کلاشنکوف بھی تھی، بابر کے پلٹنے کے بعد اُسے اپنے دروازے کے قریب دکھایا گیا تھا، پھر اُس نے ایک مکان کی آڑ لے کر بابر پر برسٹ مارا تھا اور بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے کوٹ کے کالروں میں اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کئی سین میں اُس کا پورا چہرہ موجود تھا۔ ہر چند کہ وہ سب جھوٹ تھا لیکن رحمت کو پسینہ آ گیا۔ ایک جج کی کرسی پر بیٹھ کر اگر وہ خود بھی انصاف کرتا تو کم از کم پھانسی کی سزا سنانے میں دیر نہ لگاتا۔ جس شخص نے بھی رحمت علی کا رول ادا کیا تھا، وہ گیٹ اَپ کے اعتبار سے اس قدر بھرپور اور مکمل تھا کہ خود رحمت علی بھی اسے چیلنج نہیں کرسکتا تھا۔

''اب بتاؤ......'' کمال احمد نے فلم بند کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ سب جھوٹ ہے؟''

''میں اپنے بچوں اور خدا کی قسم کھاتا ہوں کمال صاحب! کہ کسی نے مجھے پھنسانے کے لئے یہ سب ڈرامہ کیا ہے۔''

''لیکن کیا تم اس ڈرامے میں کہیں بھی کوئی جھول نکال سکتے ہو......؟'' کمال احمد نے رحمت علی کو گھورتے ہوئے سگار کا ایک لمبا کش لگایا۔

''نن...... نہیں...... لل...... لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ......''

''او کے...... او کے...... ناؤ ریلیکس!'' کمال احمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ غلط نہیں ہے۔ لیکن یہ کیسٹ اگر پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو تمہارا انجام اچھا نہیں ہوگا۔''

''مم...... میں پچاس ہزار کہاں سے لاؤں گا وکیل صاحب؟'' رحمت علی رو پڑا۔ ''میری ملازمت بھی جاتی رہی اور بیٹی کے زیورات اور جمع پونجی بھی لٹ چکی ہے۔ آپ مجھے پھانسی

کے پھندے سے بچا لیجئے کمال صاحب! میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔''

''پریشان مت ہو رحمت علی! جب تک تمہیں میری حمایت حاصل ہے، قانون تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔'' کمال احمد نے پورے وثوق سے کہا۔ ''میں ہر جوڑ کا توڑ بھی نکال سکتا ہوں......''

''لل...... لیکن یہ کیسٹ؟''

''تم اسے بھول جاؤ!'' کمال احمد نے اس بار معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے رابطہ رکھنا...... اب تمہاری زندگی کا دارومدار میرے ہاتھ میں ہے۔''

''مم...... میں سمجھا نہیں۔'' رحمت علی نے بسورتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ لیکن دوستی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ذرا سوچو! اگر تم پھانسی کے پھندے پر لٹک گئے تو تمہارے بیوی بچوں کا کیا بنے گا......؟'' کمال احمد نے بدستور معنی خیز انداز میں کہا۔ ''مجھے اِس بات کا احساس بھی ہے کہ نازو نے تمہارے لئے خصوصی سفارش کی ہے اور میں نازو کی کسی بات کو نہیں ٹالتا...... کوشش یہی کرنا رحمت! کہ نازو کے ساتھ تمہاری ان بن نہ ہونے پائے۔''

رحمت علی نے رحم طلب نظروں سے کمال احمد کو دیکھا، پھر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر کسی بچے ہی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس کے ذہن میں بس ایک ہی بات صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھی...... ''وہ کسی گہری اور خطرناک سازش کے جال میں گلے گلے پھنس چکا ہے......''

☆

وہ بوڑھا بڑی دیر سے بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ وقت گزاری کی خاطر اُس نے گول میز پر بکھرے ہوئے انگریزی اور اُردو میگزین میں سے ٹائمز کو ترجیح دی تھی اور اس وقت بظاہر وہ ایک سیاسی مضمون کو پڑھنے میں ہمہ تن مشغول تھا۔ ویٹنگ رُوم میں اُس کے علاوہ پندرہ بیس مریض اور بھی تھے لیکن اُن میں بیشتر خاصے تندرست اور چاق و چوبند دکھائی دے رہے تھے۔ خواتین سب ہی ماڈرن تھیں جنہوں نے اپنے مرض سے زیادہ میک اَپ پر توجہ دے رکھی تھی۔ ایک دو بار بوڑھے نے میگزین چہرے سے ہٹا کر رُومال سے چہرہ اور عینک صاف کی، پھر دوبارہ مطالعہ میں غرق نظر آنے لگا۔ لیکن عینک صاف کرتے ہوئے اُس نے وہاں موجود تمام افراد کا ہی سرسری جائزہ بھی لے ڈالا تھا۔ پھر کوئی ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر کے اسسٹنٹ نے اُس کا نام بڑے مہذب انداز میں لیا۔

''آفاق صاحب......''

''یس سر......'' بوڑھے نے مسکرا کر کہا، پھر میگزین گول میز پر اُچھال کر اُس نے اپنا سفری بیگ اُٹھایا اور اُس کمرے میں داخل ہوگیا جس کے باہر پیتل کے جلی حروف میں ڈاکٹر نادر

تحریر تھا۔

ڈاکٹر نے مسکراتی نظروں سے اُس کا استقبال کیا، لیکن پھر مریض کے کندھے پر لٹکے ہوئے سفری بیگ کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر یکلخت سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اتنی دیر میں ڈاکٹر نادر کی اٹینڈنٹ روبینہ بوڑھے کی رہنمائی اُس کرسی تک کر چکی تھی جس پر مریض بیٹھتے تھے۔

''میرا نام آفاق ہے۔'' بوڑھے نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔''میں پہلی بار آیا ہوں ڈاکٹر، بڑی شہرت سن رکھی تھی آپ کی۔''

''کیا تکلیف ہے جناب کو؟'' نادر نے اپنی اُلجھن کو اپنی پیشہ وارانہ مسکراہٹ میں دفن کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ غالباً کوئی دس سال پہلے ہی کی بات ہے جب میں ایک کار کے حادثے میں زخمی ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں کے علاج کے بعد مجھے ہسپتال سے رُخصت مل گئی لیکن میری ریڑھ کی ہڈی میں اکثر بڑی شدید درد کی لہر اُٹھتی ہے اتنی زیادہ کہ میں تڑپ اُٹھتا ہوں۔''

''اس سے پہلے آپ کا کوئی ایکسرے وغیرہ ہوا ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''جی نہیں.....لیکن آپ چاہیں گے تو ایکسرے بھی ہو جائے گا۔'' بوڑھا بڑے اطمینان سے بولا۔ بظاہر وہ بہت لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔

''درد کہاں ہوتا ہے.....میرا مطلب ہے کس جگہ؟''

جواب میں بوڑھے نے پشت پر ایک جگہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔''یہ ہے وہ مہرہ جو غالباً فریکچر ہو گیا ہے۔ اور خاص طور پر سردیوں میں میرے لئے پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔''

ڈاکٹر نادر نے اشارہ کیا تو اٹینڈنٹ روبینہ نے بوڑھے کو کلینک ہی کے ایک گوشے کی سمت اشارہ کیا جہاں ڈاکٹر معائنہ کیا کرتا تھا۔ جواب میں اُس نے کسی سمجھدار بچے کی طرح گردن ہلائی، پھر اُٹھ کر بڑے اطمینان سے اُس حصے کی طرف چلا گیا جہاں ہر شے بڑی نفاست سے موجود تھی۔ سامنے وہ اُونچا بیڈ تھا جس پر غالباً اُسے لیٹنا تھا۔ لیکن بوڑھے نے اُس کرسی کو ترجیح دی جو بائیں جانب بیڈ کے ساتھ ہی موجود تھی۔ روبینہ پلاسٹک کا پردہ کھینچ کر جا چکی تھی جو اس حصے کو وقتی طور پر کلینک سے پوشیدہ کر دیتا تھا۔ ایک منٹ بعد ڈاکٹر نادر اندر داخل ہوا۔ اُس نے بوڑھے کو کرسی پر دیکھ کر بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اِس پر لیٹنا ہے۔''

''کیوں.....؟'' بوڑھے نے عجیب مضحکہ خیز انداز میں سوال کیا۔

''میں اِس جگہ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں جہاں آپ نے درد کی شکایت کی ہے۔''

''میں تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں ڈاکٹر!'' بوڑھے نے ڈاکٹر کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''کام کے دوران میں کبھی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں رہا۔ دراصل ہمارے کام میں صرف وہی لوگ چل سکتے ہیں جو ذہن اور دماغ سے ایک ساتھ کام لینے کے عادی ہوں۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں کسی مہم میں ناکام نہیں ہوا.....دو چار معرکے تو ایسے تھے جنہیں سرانجام دینے پر مجھے کمپنی کی جانب سے انعامات اور تمغوں سے بھی نوازا گیا۔''

''گڈ.....لیکن آپ یہاں اپنے مرض کے علاج کی خاطر تشریف لائے ہیں۔'' ڈاکٹر نادر نے قدرے بیزاری سے کہا۔

''مخصوص قسم کے کام سرانجام دینے کی خاطر صرف ایسے ہی آدمیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جانے کے عادی ہوں۔'' بوڑھے نے پھر ڈاکٹر کے جملے کو نظر انداز کر کے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔''صرف ایسے آدمی جنہیں اپنی زندگی سے زیادہ اپنا کام عزیز ہو اور جو دشمن کے قبضے میں جانے سے پہلے اپنی جان قربان کر دینے کی ہمت رکھتے ہوں۔''

''آئی سی.....'' ڈاکٹر نادر نے کسی خیال کے تحت چونکتے ہوئے بوڑھے کو بہت غور سے دیکھا۔ اگر اُس کے چہرے پر میک اَپ بھی تھا تو اتنے غضب کا تھا کہ اس پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو ڈاکٹر.....؟'' بوڑھے نے بڑی معصومیت سے کہا۔''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟''

''گڈ.....کیا تم ہر مہم میں سفری بیگ ہی استعمال کرنے کے عادی ہو.....؟'' ڈاکٹر نے مدھم لہجہ اختیار کیا۔

''یہ سب کچھ کمپنی کے احکامات پر منحصر ہوتا ہے.....کبھی ہمیں صرف نیلے لفافہ کا حوالہ دینا پڑتا ہے اور کام چل جاتا ہے۔''

''تم یہیں رُکو.....میں تمہارا مطلوبہ بیگ لاتا ہوں۔'' ڈاکٹر نادر اب اُس مریض کی آمد کا اصل مقصد سمجھ چکا تھا۔

''ڈاکٹر نادر.....'' بوڑھے کے لہجے میں یکلخت سفاکی آ گئی، نیچی آواز میں بولا۔''اِس بات کا خیال رہے کہ ہم کسی مہم کو سرانجام دیتے وقت اپنی زندگی کی کوئی خاص اہمیت نہیں سمجھتے لیکن ہماری موت کے عوض.....'' اس بار بوڑھے کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

''نہیں.....'' ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔''ایسا نہیں ہوگا، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔''

اس کے بعد ڈاکٹر نادر تیزی سے باہر نکل گیا، پھر اُس کی آواز سنائی دی۔ اُس نے روبینہ کو کسی کام کے بہانے سے باہر بھیجا تھا۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ بوڑھے کے پاس آیا تو اُس کے ہاتھ میں بیگ تھا جس میں غزالہ کی رہائی کا پورا معاوضہ موجود تھا۔ بوڑھے نے اس بار بھی لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر والا بیگ اُس نے ہاتھ میں لیا، پھر اپنا بیگ اُس کے حوالے کر دیا۔

''تم چاہو تو رقم گن سکتے ہو.....'' ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

’’بارہ گھنٹے بہت ہوتے ہیں ڈاکٹر! اس دوران ہم رقم بھی گن لیں گے اور تمہارے کیے ہوئے وعدوں کا امتحان بھی ہو جائے گا۔‘‘

’’میں نے فیئر ڈیل کا وعدہ کیا ہے۔‘‘ ڈاکٹر نے بے چینی سے کہا۔ ’’تمہیں بھی اپنے وعدے کا پاس رکھنا ہوگا۔‘‘

’’گھبراؤ مت...... ہم نے آج تک کبھی وعدہ خلافی نہیں کی...... ہمارا کاروبار صرف وعدوں کے بھروسے پر ہی قائم ہے۔‘‘ بوڑھے نے ٹھوس آواز میں کہا، پھر بڑی لاپرواہی سے اُٹھ کر باہر آ گیا۔ ڈاکٹر نادر نے خالی بیگ ایک الماری کے اندر رکھنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

’’اوکے ڈاکٹر! تمہاری مطلوبہ چیز ٹھیک بارہ گھنٹے بعد...... یعنی کل صبح آٹھ بجے تک تمہارے بنگلے پر پہنچا دی جائے گی۔ بشرطیکہ تم نے کوئی حماقت کرنے کی کوشش نہ کی تو۔‘‘

اُسی وقت روبینہ کمرے میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر کا کوئی جواب اُس کے حلق کے اندر ہی گھٹ کر رہ گیا۔ بوڑھے نے موقع کی مناسبت سے ایک بار پھر اپنی آواز حیرت انگیز طور پر بدلتے ہوئے کہا۔ ’’میں تمہاری ہدایت پر بہت جلد ایکسرے کرا کے دوبارہ حاضر ہوں گا۔‘‘

’’آل رائٹ آفاق صاحب...... بائی بائی!‘‘ ڈاکٹر نادر کو مجبوراً بوڑھے کا ساتھ دینا پڑا تاکہ روبینہ کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔

بوڑھے نے باہر آ کر اسسٹنٹ کو فیس ادا کی، پھر پندرہ روز بعد کا دوسرا اپائنٹمنٹ لے کر باہر آ گیا جہاں اُس کی گاڑی موجود تھی۔ اُس نے اندر بیٹھ کر بڑی لاپرواہی سے بیگ پچھلی سیٹ پر ڈالا، پھر انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو کھلی سڑک پر لے آیا۔ پھر اُس کی گاڑی اگلے موڑ پر پہنچ کر جیسے ہی بائیں جانب گھومی، اُسی لمحے ایک دوسری کار جو ڈاکٹر کے کلینک سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی، حرکت میں آ گئی...... موڑ پر پہنچ کر دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے بھی اُسے بائیں کی طرف ٹرن کیا تھا......

کچھ دیر بعد دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ پچیس تیس گز سے زیادہ نہیں رہ گیا تھا......

☆☆☆☆☆

دونوں گاڑیاں ایک مخصوص فاصلے سے آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔ پچھلی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باوردی ڈرائیور موجود تھا۔ وہ اڈگر تھا جو بہترین سوٹ میں ملبوس تھا۔ دوسری نشست پر واجد تھا اور پچھلی نشست پر چینا تھری پیس میں بڑی شان سے بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اُن کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی، پھر پچھلی گاڑی کے ڈرائیور نے واجد سے کہا۔

’’میرا خیال ہے کہ ہمارا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے۔‘‘

’’اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے سے پرہیز کیا کرو! باس نے ہمیں فارم ہاؤس کی مین روڈ تک جانے کا حکم دیا ہے۔‘‘ واجد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

’’بوڑھے کا میک اَپ کس نے کیا ہے...... میرا خیال ہے کہ وہ سردار خان کے علاوہ......‘‘

’’اڈگر!‘‘ واجد نے ڈرائیور کو تیز نظروں سے گھورا۔ ’’جتنا حکم ملے صرف اُسی حد تک محدود رہا کرو! باس حدود کو پھلانگنے والوں کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اور باس کی ناپسندیدگی کا مطلب تم بھی بخوبی جانتے ہو۔‘‘

’’موت......؟‘‘ اڈگر نے لاپرواہی سے مسکراتے ہوئے کہا، پھر تلخ آواز میں بولا۔ ’’ہم جس لائن پر دوڑ رہے ہیں، اس کی سرحدیں ہمیشہ موت پر ہی جا کر ختم ہوتی ہیں۔ خواہ وہ باس کی گولی سے واقع ہو یا کسی پولیس مقابلے میں کوئی سنسناتی ہوئی بلٹ ہمارے جسم میں خونی روشندان بنا دے...... کیا فرق پڑتا ہے؟‘‘

’’میں تمہیں ایک بار پھر محتاط رہنے کا مشورہ دُوں گا۔‘‘ واجد نے سنجیدگی برقرار رکھی۔

’’عجیب بات ہے۔‘‘ اڈگر نے جواب دیا۔ ’’تم مجھے محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہو اور باس ہمیشہ کھل کھیلنے کا موقع دیتا ہے۔‘‘

’’کوئی نیا اسائنمنٹ......؟‘‘

’’یس......!‘‘ اڈگر نے معنی خیز انداز میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ’’اس بار مجھے ایک تاجر کی بیٹی پر دانت تیز کرنے کی ہدایت ملی ہے۔‘‘

’’تنظیم کے بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ تم لیڈی کلر کے نام سے مشہور ہو۔‘‘

’’یہ اعزاز بھی صرف ان ہی لوگوں کو ملتا ہے جو صلاحیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔‘‘ اڈگر مسکرایا۔

''اور ایسے لوگوں کی زندگی کا عبرتناک خاتمہ بھی کسی حسین لڑکی ہی کے ہاتھوں ہوتا ہے۔''

''وہ موت کتنی حسین ہوتی ہوگی......؟'' اڈگر نے سرد آہ بھری، لیکن پھر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

اچانک ایک برق رفتار موٹر سائیکل سوار نے اُسے اوور ٹیک کیا تھا۔ ہجوم زیادہ نہ ہونے کے باوجود اُس نے جس تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا، وہ کسی خطرناک حادثے کا سبب بھی بن سکتی تھی۔ مگر وہ پوری طرح ماہر نظر آرہا تھا۔ جس رفتار سے اُس نے موٹر سائیکل کو آگے نکالا تھا، اگر اسی رفتار کو برقرار رکھتا تو وہ اگلی گاڑی کو بھی بہت جلد پیچھے چھوڑ سکتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ نہایت ہوشیاری سے اُس نے رفتار بتدریج کم کردی اور اب وہ تقریباً دس گز کے فاصلے سے بوڑھے کی گاڑی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

''غوں......غوں......'' چینا نے پہلی بار حلق سے ایسی آواز نکالی جیسے اُس نے کسی آدم خور درندے کی طرح خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ اُس کی آواز بھی کسی برفانی ریچھ سے ملتی جلتی تھی۔

''میں سمجھا نہیں......؟'' واجد نے آہستہ سے پلٹ کر چینا کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھوں کی دس اُنگلیوں کے مخصوص اشارے کی زبان میں اُسے بتا رہا تھا......

''موٹر سائیکل کا اس طرح درمیان میں آجانا خالی از علت نہیں ہوسکتا۔''

''ہمیں کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔'' واجد سنجیدگی سے بولا۔ ''فارم ہاؤس ابھی پندرہ میل دُور ہے۔ اس دوران اگر اس نے تعاقب کا سلسلہ جاری رکھا تو پھر ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔''

''غوغ......غاں......غاں......'' چینا نے بپھرے ہوئے انداز میں اُنگلیوں کی زبان میں کہا۔ ''زیادہ احتیاط خطرے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ گاڑی کا نمبر اور دوسری ضروری چیزیں نوٹ کر کے آگے نکل جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم بھی اُس کی نظر میں آچکے ہوں۔''

''پھر......تمہارا کیا خیال ہے؟''

''اوغ......غوں......'' چینا نے اُسے ہاتھ کے اشاروں سے سمجھایا۔ ''ہمیں اسے فوری طور پر ختم کردینا چاہئے۔'' اُس کے چہرے پر اب خوفناک درندگی کے تاثرات مچل رہے تھے۔ جبکہ موٹر سائیکل سوار کے سامنے سے گزرنے سے پہلے وہ دنیا کا سب سے بے ضرر انسان معلوم ہو رہا تھا۔

''ہمیں کچھ سوچنا پڑے گا۔'' اڈگر نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ پھر کن انکھیوں سے واجد کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا خیال ہے......کیا ہماری گاڑی کے بریک اتفاقیہ طور پر فیل نہیں ہوسکتے؟''

''نہیں......یہ حماقت ہوگی۔'' واجد نے تیزی سے کہا۔ ''باس نے ہمیشہ یہی حکم دیا ہے کہ ہمیں پولیس کی نظروں میں آئے بغیر ایکشن کر گزرنا چاہئے۔''

''کیا باس کو اس وقت کی صورتِ حال سے آگاہ نہیں کیا جاسکتا؟'' اڈگر نے سوال کیا۔

''نہیں......ہمیں اتنی چھوٹی باتوں کے لئے باس کو پریشان نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں سچویشن کو اپنے طور پر ہینڈل کرنا پڑے گا۔''

تینوں کی نظریں موٹر سائیکل سوار پر مرکوز تھیں جو اپنی جگہ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔ اُس نے جینز کے اُوپر چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ وہ چھریرے بدن اور درمیانہ قد کا مالک تھا۔ پندرہ بیس منٹ تک تینوں گاڑیاں ایک دوسرے سے محدود فاصلہ برقرار رکھے آگے پیچھے دوڑتی رہیں، پھر جب وہ ایک قدرے کم رش والی روڈ پر پہنچے تو موٹر سائیکل سوار کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔

''اوغ......اوغ......'' چینا خوفناک لہجے میں غرایا۔

''جلد بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' واجد نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''باس غزالہ والے کیس میں بھی تمہیں گارڈ اور ایک ملازم کا خون کرنے پر وارننگ دے چکا ہے۔''

''غوں......غاں......!'' چینا کی اُنگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ وہ اشاروں کی زبان میں کہہ رہا تھا۔ ''ہمیں فوری طور پر ایکشن کر گزرنا چاہئے۔ دوسری صورت میں اگر اُس نے اگلی گاڑی کو روک لیا تو ہمارے لئے سچویشن کو کنٹرول کرنا زیادہ مشکل ہوگا۔''

''اُس کے فرشتے بھی ہمارے پُراسرار بوڑھے کی زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔'' واجد بولا۔ ''اُس کی جیب میں وہ کیپسول موجود ہے جسے منہ میں رکھ کر چباتے ہی انسان لمحوں میں موت کی نیند سو جاتا ہے۔ پکڑے جانے کی صورت میں وہ بھی یہی کرے گا۔''

''غوغ......!'' چینا نے نفرت کا اظہار کیا۔ پھر اُس نے اڈگر کی پشت پر ہاتھ مار کر اُسے گاڑی تیزی سے آگے نکالنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی چینا نے اپنا مخصوص سائلنسر لگا ہوا پستول بھی نکال لیا تھا۔

''مسٹر واجد!'' اڈگر نے تیزی سے دریافت کیا۔ ''تمہارا کیا حکم ہے؟''

''چینا کے حکم پر عمل کرو......وہ خود اپنی حرکت کا جوابدہ ہوگا۔''

اڈگر نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ اسی لمحے ڈیش بورڈ کے قریب لگے ہوئے خفیہ مائیک پر بوڑھے کی آواز اُبھری۔ ''میرا خیال ہے کہ موٹر سائیکل والا میرا تعاقب کر رہا ہے۔''

''ڈونٹ وری!'' واجد نے کہا۔ ''وہ ہماری نظروں میں آچکا ہے۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

''کیوں......کیا تم خوفزدہ ہو؟''

''شٹ اپ!'' اس بار کرخت آواز میں جواب ملا۔ ''سردار خان موت سے نہیں ڈرتا۔ مجھے اپنی زندگی سے زیادہ باس کی رقم کا خیال ہے۔''

"ڈونٹ وری مائی ڈیئر! تم اپنی رفتار تھوڑی سی تیز کرلو...... چینا نے اپنا آپریشن طے کر
ہے۔"

"تھینکس!"

"ون منٹ!" واجد نے تیزی سے کہا۔ "تم گاڑی کو روکنے کی حماقت نہ کرنا! ہم بہت ہ
ایکشن کرلیں گے۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ شخص تمہارا ہی تعاقب......"

"تم سردار خان سے مخاطب ہو میری جان! اور سردار خان کی آنکھیں چوکھی کھیلنے کی عا
ہیں۔" دوسری جانب سے بڑے اعتماد سے جواب ملا۔ "جو شخص میرا تعاقب کر رہا ہے وہ ا
وقت ہلکے میک اپ میں ہے۔ لیکن میری عقابی نظروں نے اُسے پہچان لیا ہے، وہ سپیشل پولیـ
کا سب انسپکٹر بلوچ ہے...... بڑا اجیدار بندہ ہے...... مجھے اس کی بے وقت موت پر تھوڑا صدم
بھی ہوگا۔"

"ایکشن کمیٹی کے رُکن نفع اور نقصان کا خیال نہیں رکھتے...... دیٹ از آل!"

بوڑھے نے جسے سردار خان کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا، اپنی کار کی رفتار بتدریج
کرنی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ لیکن اڈگر
پیر سپیڈ لیور پر کچھ زیادہ ہی دبتا چلا گیا۔ چینا کسی خون آشام چیتے کی مانند ہوشیار تھا۔ اُس نے
بائیں جانب کا شیشہ نیچے کرلیا تھا۔ پھر اڈگر نے طوفانی انداز میں اپنی گاڑی کو موٹر سائیکل
والے کے دائیں جانب سے اوورٹیک کیا، اُسی لمحے چینا کے آٹو میٹک ریوالور سے یکے بعد
دیگرے "چٹ، چٹ"...... کی مدھم آوازیں اُبھریں اور اس کے ساتھ ہی موٹر سائیکل سوار کے
بازو اور چھاتی سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ موٹر سائیکل ڈس بیلنس ہوکر سڑک پر لہرائی، پھر
دندناتی ہوئی فٹ پاتھ سے ٹکرانے کے بعد اُچھل کر گری اور اچانک آگ کے شعلے بھڑک
اُٹھے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ اُسے اتفاقیہ حادثہ ہی سمجھے تھے۔

سردار خان اور اڈگر کی گاڑیاں پھر ایک محدود فاصلے سے آگے پیچھے دوڑنے لگیں۔ اب
اُن کی رفتار پہلے سے بہت زیادہ تیز تھی۔ اور چینا...... وہ اتنے آرام سے بیٹھا پائپ پینے میں
مشغول تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ سڑک پر موجود افراد موٹر سائیکل سوار کو بچانے کی خاطر اُس کی
جانب دوڑ پڑے تھے۔ گاڑیوں کی طرف کسی کی توجہ نہ گئی تھی۔

☆

رات کے تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ کمال احمد وکیل اس وقت بھی لائبریری میں موجود
بظاہر ایک کتاب کے مطالعے میں غرق تھے لیکن اُن کی بے چین نظریں بار بار فون کی جانب
اُٹھ رہی تھیں۔ شاید اُنہیں کسی فون کا انتظار تھا۔ اس فون کا واحد کنکشن اُن کی لائبریری میں
تھا۔ گھر کے استعمال کے لئے دو علیحدہ فون تھے۔

اُن کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ لیکن فون کی گھنٹی جیسے ہی بجی، وہ اس طرح

چونک اُٹھے جیسے کچی نیند میں کوئی خواب دیکھتے اچانک آنکھ کھل گئی ہو۔ کتاب ایک طرف رکھ کر
وہ تیزی سے اُٹھے، پھر ریسیور اُٹھالیا۔

"کمال احمد......" اُنہوں نے ماؤتھ پیس میں بڑے اطمینان سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری ذہانت آج کل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے...... کیوں؟" دوسری
جانب سے بولنے والے کا لہجہ خشک اور ناگوار تھا۔

"ب...... باس!" کمال احمد کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"آج کے آپریشن میں چینا کے ہاتھوں ایک پولیس آفیسر اور کام آ گیا۔"

"مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے۔" کمال احمد نے جلدی سے کہا۔ اُس کے چہرے پر
بوکھلاہٹ کے تاثرات نمایاں تھے۔

"اس سے پیشتر غزالہ کے اغواء والے کیس میں بھی وہ دو آدمیوں کے خون کی ہولی کھیل
چکا ہے۔"

"یس سر......!"

"تمہارے خیال میں کیا چینا تنظیم کے اصولوں پر چل رہا ہے؟" تحکمانہ آواز میں سوال
کیا گیا۔

"وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے سر...... کسی شکاری جانور ہی کی طرح وہ خطرے کی
بو سونگھنے میں جواب نہیں رکھتا۔ اب تک ہمارے تمام آپریشن میں اُسی کی کارکردگی سب سے
بہتر اور نمایاں رہی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ایک شخص کو کھلی چھٹی دی جائے اور باقی افراد ہمارے اصولوں
کی پابندی کریں۔"

"م...... میں سمجھ رہا ہوں باس!"

"پولیس آفیسر کی گاڑی کو سائیڈ مار کر روکا بھی جا سکتا تھا۔"

"ج...... جی...... ہاں!"

"پھر تم نے چینا کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں واجد سے بات کروں گا جناب!" کمال احمد نے کہا۔ "اشاروں کی زبان صرف
وہی سمجھ سکتا ہے۔"

"میں نے تمہارے فیصلے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ چینا کو اُس کی سابقہ کارکردگی کے پیش نظر ایک موقع اور دینا چاہئے۔"

"اس فیصلے کی وجہ؟"

"وہ ہماری تنظیم کا سب سے اہم رُکن ہے۔"

"نہیں......" اس بار سرد لہجے میں جواب ملا۔ "انسان جب خودسری پر آمادہ ہو جائے تو

اُس کی سرکوبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں چینا کی دیکھا دیکھی دوسرے
پر بھی خودسری کا جنون سوار ہوسکتا ہے۔''

''جو آپ کا حکم ہو۔''

''چینا کو ایک آخری موقع اور دے دو! لیکن ساتھ ہی اس بات کی تنبیہ بھی ضروری
آئندہ اُسے سخت سزا کا مستحق بھی سمجھا جا سکتا ہے۔''

''آل رائٹ سر......!'' کمال احمد نے کسی فرمانبردار ملازم کی طرح جواب دیا۔''ایسا
ہو گا۔''

''غزالہ کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے...... کیا حالات کے پیش نظر اُسے واپس
دینا مناسب ہو گا؟''

''ہمیں فل پے منٹ کر چکا ہے جناب!''

''لیکن ڈاکٹر نادر نے وعدہ کی خلاف ورزی بھی کی ہے۔'' دوسری سمت سے بدستور
لہجے میں جواب ملا۔

''ہوسکتا ہے ہمارا تعاقب ایس پی رحمان کے ذاتی حکم پر کیا گیا ہو اور ڈاکٹر نادر کو
سرے سے علم ہی نہ ہو۔''

''تمہاری دلیل معقول ہے لیکن......''

''ڈاکٹر ہمارے لئے بعد میں بھی کارآمد ثابت ہوسکتا ہے جناب!''

''کمال احمد......!'' اِس بار ریسیور پر چنگھاڑتی ہوئی آواز اُبھری۔''دوبارہ میری بات
کاٹنے کی جسارت کبھی نہ کرنا۔ میں کسی بھی ماتحت کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا
ڈسپلن میرے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔''

''سوری سر...... آئندہ خیال رکھوں گا۔'' کمال احمد تلملا کر رہ گیا۔

''ویسے ڈاکٹر نادر کے سلسلے میں تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔''

''تھینکس!''

''لیکن تم نے رحمت علی کے سلسلے میں حماقت کا ثبوت دیا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں جناب!''

''سمجھنے کی کوشش کرو کمال احمد!'' خشک آواز میں جواب ملا۔''تمہیں وہ فلم اُسے خود
دکھانی چاہئے تھی۔ اس کے لئے تم ایکشن ٹیم کے کسی اور آدمی کی خدمت بھی حاصل کر
تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی بھی معاملے میں کھل کر سامنے آؤ۔''

''آئندہ احتیاط رکھوں گا۔''

''میری طرف سے اسے پہلی وارننگ سمجھو...... تم میرے لئے دست راست کی حیثیت
ضرور رکھتے ہو لیکن تمہاری جگہ اور بھی کوئی لے سکتا ہے۔ تم نے جو حماقت کی ہے، وہ تنظیم

سلسلے میں نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ ماہر سراغرساں کو اگر رسّی کا ایک سرا مل جائے تو وہ
دوسرے سرے کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔''

کمال احمد نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا، ہونٹ چباتا رہا۔

''کیوں...... تم چپ کیوں ہو گئے؟'' دوسری جانب سے کہا گیا۔''کیا تمہیں میری بات
ناگوار گزری ہے؟''

''نو سر...... لیکن دراصل......''

''نو آرگومنٹس......'' اس بار سفاک آواز میں جواب ملا۔''تم شاید مجھے اپنی شہرت اور
حیثیت کا احساس دلانا چاہتے ہو۔ لیکن یہ بات بھول رہے ہو کہ تم اس مقام تک کس طرح
پہنچے ہو......؟ تم نے ریت کے اُوپر جو محل تعمیر کیا ہے، وہ میرے ایک اشارے پر زمین بوس بھی
ہوسکتا ہے۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ نازو کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اُس کا
باپ......''

''نو سر!'' کمال احمد تڑپ اُٹھا۔''میں آئندہ سے زیادہ محتاط رہنے کی کوشش کروں گا۔''

''گڈ...... مجھے اپنے ماتحتوں سے اِسی جواب کی توقع رہتی ہے۔'' اس بار پھر تحقیر آمیز
انداز میں جواب ملا۔''کتا جب تک دُم ہلاتا رہے، مالک کا وفادار رہتا ہے۔ لیکن جب بھونکنا
شروع کر دے تو اسے پہلی فرصت میں بے دریغ گولی مار دینی چاہئے۔''

''یو آر رائٹ سر......'' کمال احمد نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔''اُس کے چہرے
کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس وقت وہ بڑی مشکل سے اپنی رگوں میں کھولتے ہوئے خون پر
قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

''غزالہ کی واپسی وقت پر ہونی چاہئے۔ لیکن تم ڈاکٹر کو باور کراؤ گے کہ ہم نے اُس کی
جانب سے ہونے والی خلاف ورزی کے باوجود اُس پر احسان کیا ہے...... کوشش کرو! کہ وہ
ہمارے احسان کے بوجھ تلے دبا رہے۔''

''میں نے بھی یہی سوچ رکھا ہے جناب!''

''تمہارے لئے ایک اہم اطلاع اور بھی ہے۔''

''وہ کیا جناب؟''

''ہم نے بہت غور و خوض کے بعد نازو کو بھی اپنی ایکشن ٹیم کا ممبر بنا لیا ہے۔ لیکن تم اس
سلسلے میں اپنی زبان قطعی طور پر بند رکھو گے۔ تمہاری کسی حرکت سے نازو کو اِس بات کا احساس
نہیں ہونا چاہئے کہ تمہیں اس کی نجی زندگی اور مصروفیات کے بارے میں علم ہو چکا ہے۔''

''ایسا ہی ہو گا جناب!'' کمال احمد نے مٹھی بھینچ کر جواب دیا۔

''اور کوئی بات پوچھنی ہے؟''

''نو سر......!'' کمال احمد نے جواب دیا، پھر دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہونے کے بعد

اُس نے بڑے غصے سے ریسیور کریڈل پر رکھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال لگا۔ اُس کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسے کوئی شخص گھپ اندھیرے کے سبب دلدل میں پھنس کر بچاؤ کی خاطر ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔ اُس کا چہرہ خون کی تیز گردش کے سبب سرخ ہو رہا نازو کے ایکشن ٹیم میں شمولیت کی خبر اُس کے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھی۔

☆

ڈاکٹر نادر بڑی بے چینی کے عالم میں اپنے لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں گھڑی پر اُٹھ رہی تھیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، اُس کے اضطراب میں اضافہ رہا تھا۔ غزالہ کی خاطر وہ پورے ایک کروڑ ادا کر چکا تھا۔ یرغمالیوں نے ٹھیک بارہ گھنٹے کی واپسی کا وعدہ کیا تھا اور اِس مدت کو پورا ہونے میں پورے پینتالیس منٹ باقی تھے۔ کو غزالہ کی واپسی کا مکمل یقین نہیں تھا۔ ایک پولیس آفیسر کے درمیان میں آ جانے سے معاملہ کھٹائی میں بھی پڑ سکتا تھا۔ اس لئے ایس پی رحمان سے شکوہ بھی کیا تھا کہ اُس نے آدمی یرغمالیوں کے پیچھے لگا کر اچھا نہیں کیا۔ لیکن ایس پی کو ڈاکٹر کے شکوہ سے زیادہ ایک ذہین آفیسر کی موت کا صدمہ تھا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ حق بجانب تھے۔ ایک ذمہ آفیسر کی حیثیت سے ایس پی رحمان کے لئے مجرموں کی سرکوبی ضروری تھی۔ اُسے یقین تھا صدر کے علاقے میں ہونے والے دھماکے اور غزالہ کے اغواء میں کسی ایک ہی تنظیم کا ہاتھ اسی غرض سے اُس نے ڈاکٹر کے تمام کلینک پر اپنے خفیہ لوگوں کو تعینات کر دیا تھا۔ دوسری جانب ڈاکٹر نادر کو قانون کے تقاضوں سے اپنی اکلوتی بیٹی کی زندگی زیادہ عزیز تھی۔

ڈاکٹر کے چہرے کے تاثرات سے اُس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ لیکن کی آنکھوں میں ایک خاص وحشت مچل رہی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور اُس نے لپک ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری جانب سے ایس پی رحمان بول رہا تھا۔

"ڈاکٹر...... میرے عزیز! کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ غزالہ کی واپسی کا کیا طریقہ طے ہوا ہے؟"

"سوری رحمان!" ڈاکٹر نادر نے ناگواری سے کہا۔ "مجھے تو شبہ ہے کہ کہیں وہ اپنے ہوئے وعدوں ہی سے نہ مکر جائیں۔ تمہارے آدمی نے درمیان میں آ کر سارا بنا بنایا کھیل دیا ہے۔"

"کیا تمہیں قانون کا کوئی احترام نہیں ہے؟"

"مجھے ایک کروڑ روپے جانے کا بھی کوئی غم نہیں ہے۔ لیکن غزالہ کو اگر کچھ ہو گیا تو میں اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکوں گا۔"

"تم مجھے کیا اتنا بھی نہیں بتا سکتے کہ واپسی کا کیا وقت مقرر کیا گیا ہے؟"

"یہ یرغمالیوں کے صوابدید پر منحصر ہے۔"

"اور ایک کروڑ روپے کیا تم نے کسی بات کے طے ہوئے بغیر ہی ادا کر دیئے؟" ایس پی رحمان کے لہجے سے شک کا اظہار ہوا۔

"ہاں...... میں یہ جواء کھیلنے پر مجبور تھا۔" ڈاکٹر نادر نے دیدہ دلیری سے جواب دیا۔

"گویا تم میری رہنمائی کرنے سے انکار کر رہے ہو؟"

"تم جو چاہو، سمجھ لو!" ڈاکٹر نے عاجزی سے کہا۔ "وعدہ خلافی تم نے کی ہے۔ اور ممکن ہے اس کا خمیازہ مجھے اور غزالہ کو بھگتنا پڑے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میری بیٹی کی واپسی تک تمہاری جانب سے کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوگی جو غزالہ کی واپسی کے راستے میں حائل ہو سکے۔ اس کے جواب میں، میں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ غزالہ کی واپسی کے بعد تم سے تعاون کروں گا۔"

"کیا مطلب...... کیا تم اب مجھ سے تعاون نہیں کرو گے؟"

"یہ سب آئندہ پیش آنے والے حالات پر منحصر ہوگا۔ فی الحال میں ذہنی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب ہوں۔" ڈاکٹر نے اُلجھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ اُس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ فون کے قریب سے اُٹھتا، اُس کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ اُس کا خیال تھا کہ ایس پی رحمان کی کال ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"ڈاکٹر نادر......" ریسیور پر ایک سرد آواز اُبھری۔ "مجھے یقین ہے کہ تم غزالہ کی واپسی کے سلسلے میں بہت زیادہ فکر مند ہو گے۔"

"تمہارا وعدہ پورا ہونے کی مدت میں اب صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔" ڈاکٹر نے گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم اپنے وعدے سے منکر بھی ہو سکتے ہیں۔"

"نہیں...... تم ایسا نہیں کرو گے۔" ڈاکٹر رحمان نے احتجاج کیا۔

"کیوں...... کیا تم نے وعدہ خلافی نہیں کی ہے؟ اگر ہمارا آدمی پکڑا جاتا تو کیا تم اُسے رہائی دلوا سکتے تھے؟"

"میری بات کا یقین کرو! ایس پی رحمان نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔" ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔ "اُس نے یقین دلایا تھا کہ غزالہ کی واپسی تک وہ کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔"

"اور واپسی کے بعد وہ کیا کرے گا؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن ہم تمہیں ایک بات کا یقین دلا سکتے ہیں......" دوسری جانب سے بڑے وثوق اور اطمینان سے جواب ملا۔ "ایس پی رحمان کو اپنے محکمے میں عزت اور شہرت دونوں حاصل ہیں۔

اُس کا سابقہ ریکارڈ بھی اچھا ہے۔ لیکن ہمارے سلسلے میں وہ سوائے گھپ اندھیروں میں آنکھ مچولی کھیلنے کے اور کوئی قدم نہیں اُٹھا سکے گا۔ ہماری تنظیم کے سامنے اُس کی حیثیت کسی طفلِ مکتب سے بھی زیادہ گئی گزری ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے غزالہ کی فکر لاحق ہے۔"

"وہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ لیکن اب ہماری ایک شرط اور بھی ہے۔"

"وہ کیا ہے......؟" ڈاکٹر نے گھبرا کر سوال کیا۔

"وقت پڑنے پر تم ہمارے کسی زخمی آدمی کی مرہم پٹی اور علاج سے انکار نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن میں تمہارے آدمی کو شناخت کس طرح کروں گا؟"

"نیلے لفافے کے حوالے سے...... مگر ایک بات کا خیال رہے، اگر تم نے کبھی ہمارے کام سے انکار کیا تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

"کیا مطلب......؟" ڈاکٹر چونکا۔

"ہم نے غزالہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ البتہ نیند کا انجکشن دینے کے بعد ہم نے کچھ ایسی تصویریں محفوظ کر لی ہیں جو تمہیں ہمارے کام آنے پر مجبور کرتی رہیں گی۔"

ڈاکٹر نے جواب دینے کی بجائے سختی سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے بھینچ لیا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے ڈاکٹر...... کیا تمہیں ہماری دوسری شرط منظور نہیں ہے؟"

"مجھے تمہاری تمام شرائط منظور ہیں۔ لیکن غزالہ......"

"وہ تمہیں حسب وعدہ واپس مل جائے گی۔ تم چاہو تو اس سے تصدیق بھی کر سکتے ہو کہ ہم نے نہ صرف ہر طرح سے اُس کا خیال رکھا بلکہ اُس کی عزت کی خاطر اپنے ایک کارکن کو گولی بھی مار دی تھی۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں، لیکن......" ڈاکٹر کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہو کر ہونٹ کاٹنے لگا۔

"تمہیں ہمارا ایک کام اور کرنا ہوگا" اِس بار سفاک لہجے میں کہا گیا۔ "اپنے دوست ایس پی رحمان سے کہنا! کہ ہم کل شام ٹھیک پانچ بج کر بیس منٹ پر کلفٹن پر واقع اُس سپر سٹور کو اُڑا دیں گے جو ہمارے مخالف گروہ کا ہے۔ اُس سے کہنا کہ وہ قبل از وقت جتنی فورس لگا دے، لیکن ہمارا ایکشن ضرور ہوگا۔"

"نام کیا ہے اُس کا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"نام کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں تمہارا یہ پیغام ایس پی رحمان تک ضرور پہنچا دوں گا۔ لیکن غزالہ......" ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔

"وہ ٹھیک وقت پر پہنچ جائے گی۔ ابھی دو منٹ باقی ہیں۔ ہم وقت کی پابندی اور اپنے

وعدوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔" دوسری جانب سے سپاٹ آواز میں جواب ملا، اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

ڈاکٹر نادر فون بند ہونے کے بعد بھی ریسیور کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر کسی خیال کے تحت چونک کر اُٹھا اور تیزی سے بنگلے کے باہر کی جانب لپکا۔ پورٹیکو میں قدم رکھتے ہی اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اُس کی بیٹی غزالہ ایک ٹیکسی کو کرائے کی ادائیگی کر رہی تھی......!

☆

عذرا نے شوہر کی قمیض جھٹک کر اُسے کھونٹی سے لٹکایا، پھر واپسی کے ارادے سے پلٹی ہی تھی کہ اُس کی آنکھیں جیسے چندھیا کر رہ گئی تھیں۔ اُسے اپنی قوتِ بصارت پر ایک لمحے کو شبہ ہوا۔ زمین پر اُس کی نظروں کے سامنے ہزار ہزار کے پانچ بڑے بڑے نوٹ پڑے تھے۔ اتنی رقم یکمشت دیکھ کر اُسے خوشی نہیں ہوئی، بلکہ یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی کوئی عزیز شے کہیں گم ہو گئی ہو، جیسے کوئی اُس کے پُرسکون گھر میں نقب لگا کر گھس آیا ہو۔ وہ بڑی دیر تک اُن نوٹوں کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی، پھر کپکپاتے ہاتھوں سے اُنہیں اُٹھا کر واپس رحمت علی کی قمیض کی جیب میں رکھ دیا۔ لیکن اُس کے دل کی دھڑکنیں کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

اُسے یاد آیا، رحمت جب گھر واپس آیا تھا تو کچھ تھکا تھکا اور اُلجھا اُلجھا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ اتنے دنوں بعد پلنگ سے اُٹھ کر وہ آفس گیا تھا۔ ممکن ہے یہی اُس کی تکان کی وجہ ہو جو وہ چپ چپ تھا۔ کھانا کھاتے وقت اُس نے دبی زبان میں پوچھا بھی تھا۔

"کیا بات ہے رحمتے...... آج تو نے ابھی تک مجھ سے ہنس کر بات نہیں کی؟"

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اور کوئی بات تو نہیں ہے؟"

"اور کیا بات ہو سکتی ہے؟" رحمت جھلا گیا۔ "تو ذرا ذرا سی بات کی کھال ادھیڑنے بیٹھ جاتی ہے۔ سکون سے دو نوالے حلق کے نیچے تو اُتار لینے دے۔"

اور وہ رحمت کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔ لیکن اُس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس نے رحمت کو اُلجھا رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو ہر حال میں گھر میں داخل ہونے کے بعد عذرا کو ضرور پیار بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔ گرفتاری کے بعد جب وہ گلابو کے ساتھ اُس کو تھانے دیکھنے گئی تھی، اُس وقت بھی رحمت نے اُسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا۔ پولیس والوں نے اُسے رحمت کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن رحمت نے ہنس کر اُسے نگاہوں ہی نگاہوں میں یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بے قصور ہے۔ اُس نے بابر کو قتل نہیں کیا۔ پولیس اسے محض شبہ کی بنیاد پر اُٹھا لائی ہے۔ اُس روز وہ پولیس کے نرغے

میں پھنسنے ہونے کے بعد عذرا کو اپنی بے گناہی کا ثبوت مسکراتی نظروں سے دے رہا تھا۔ یہ آج کیا بات تھی جس نے رحمت کو اُلجھا رکھا تھا؟ وہ بڑی دیر تک اس گتھی کو سلجھاتی رہی۔ یہ کھانے کے دوران ہی رمضان آ گیا تھا اور وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر ہی اُس سے ملنے باہر نکل گیا۔ عذرا اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ وہ جس گتھی کو سلجھا رہی تھی، وہ پانچ ہزار کی رقم دیکھ کر کچھ اور اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ اتنی ڈھیر ساری رقم تو اُس نے شادی کے بعد سے اب تک رحمت کے پاس کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر وہ رقم کہاں سے آئی؟ کہیں رحمت کسی غلط راستے پر تو نہیں پڑ گیا؟ اُس کے ذہن میں اچانک مرحوم بابر کی بیوی گلنار کا خیال اُبھرا۔ اُس نے ایک بار عذرا سے کہا تھا، میرے شوہر کی جیب تو ہر وقت بڑے بڑے نوٹوں سے بھری رہتی ہے۔ روپیہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ اسی لئے تو لوگ اس سے آنکھ ملاتے ہوئے کتراتے ہیں۔

''نہیں...... نہیں...... رحمت بابر جیسا کبھی نہیں ہوسکتا۔'' عذرا نے خود کو سمجھایا، پھر معاً اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال تیزی سے اُبھرا...... ہوسکتا ہے رحمت نے وہ رقم فرزانہ کا جہیز جمع کرنے کی خاطر کسی سے اُدھار پکڑ لی ہو۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس کے دل کی دھڑکنیں کہیں گم ہوگئیں۔ پھر بھی اُس نے سوچا تھا کہ وہ رحمت کو سمجھائے گی کہ قرض، اُدھار کی لعنت سے دُور ہی رہے تو اچھا ہے۔

عذرا کو معلوم تھا کہ رحمت اور راجو ڈیوڑھی کے باہر پتھر کے بینچ پر بیٹھے باتوں میں لگے ہوں گے۔ رحمت کھانے کے بعد ہمیشہ چائے پینے کا عادی تھا۔ یہی پوچھنے کی خاطر وہ ڈیوڑھی تک گئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ باہر کتنے آدمی ہیں۔ لیکن دروازے کے قریب آ کر وہ چپ رہ گئی۔ رحمت کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''تو سچ کہتا ہے راجو! اس دنیا میں سب سے بڑی طاقت پیسہ ہے۔ پیسے کی مار تو پتھر کو بھی موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ اگر شبہ میں گرفتاری کے بعد میں اُس تھانے دار کی مٹھی گرم کرنے کے قابل ہوتا تو وہ ہاتھ باندھ کر مجھے گھر تک چھوڑنے آتا۔''

''میری مان تو، تو اب کوئی کاروبار کر لے...... ہزاروں دھندے ہیں دنیا میں۔ البتہ محنت کرنی پڑتی ہے۔'' راجو نے اُسے مشورہ دیا۔ ''بابر ہی کی مثال لے لے! کہنے کو بس دو ڈھائی ہزار کا ملازم تھا۔ لیکن اُس نے ہر طرف دھندے پھیلا رکھے تھے۔ میں نے اُس کی جیب خالی نہیں دیکھی۔ ہر وقت بڑے بڑے اور کرارے نوٹوں سے بھری رہتی تھی۔''

''وہ ناجائز کام بھی تو کرتا تھا۔'' رحمت نے مدھم لہجے میں کہا۔

''مگر تو نے تو ہمیشہ حلال کی کھائی ہے، پھر پولیس نے مار مار کر تیرا بھرکس کیوں نکال دیا؟'' راجو نے کہا۔ ''شکر کر! کہ کمال احمد وکیل کے دل میں نیلی چھتری والے نے رحم ڈال دیا۔ وہ نہ بچاتا تو شاید اب تک تیرے اُوپر قتل کرنے کا کیس چل رہا ہوتا۔''

رحمت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

''یہ جو بڑے بڑے نوٹ ہوتے ہیں نا...... یہ سالے ہارس پاور کی طرح ہوتے ہیں۔'' راجو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''ہارس پاور جتنی زیادہ ہوگی، زندگی کی گاڑی اُتنی ہی روانی اور تیزی سے چلتی ہے۔ مجھے ہی دیکھ لے! کہنے کو کباڑی ہوں۔ لیکن روز کے ہزار پندرہ سو روپے پیٹ لیتا ہوں۔ کسی دن تو آٹھ دس ہزار کا چکر بھی چل جاتا ہے۔ نئے کو پرانا اور پرانے کو نیا کرنا یہ بھی حلال کام نہیں ہے۔ لیکن زندگی کی گاڑی کو گھسیٹنے کی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ حلال وحرام کا چکر تو سب کتابی باتیں ہیں۔''

''تو شاید ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔'' رحمت نے کہا۔ پھر تیزی سے بولا۔ ''میں نے تجھ سے جو رقم لی تھی، وہ کل تک ضرور لوٹا دُوں گا۔''

''کیا مطلب......؟'' راجو نے سرگوشی کی۔ ''کیا تو نے بھی کوئی چکر چلا دیا ہے؟''

''ابھی تک تو ایسی بات نہیں، لیکن......''

''لیکن ویکن چھوڑ رحمتے! یہ دولت تو بہتی گنگا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتی۔ البتہ انسان کو تیرنا آتا ہو، ورنہ کبھی کبھی بیچ منجدھار میں غوطے کھانے لگتا ہے۔''

''تو، تو میرا یار ہے راجو......'' رحمت نے جوش میں کہا۔ ''کیا تو مجھے تیرنا سکھا دے گا؟''

''اب کی ہے نا تو نے مردوں والی بات۔'' راجو بولا۔ ''کل شام ہی دُکان پر آ جانا۔ تو، تو خیر سے پڑھا لکھا بھی ہے، دو چار دنوں میں ہی دھندے کے سارے گُر سیکھ جائے گا۔''

''دو تین دن رُک جا راجو......'' رحمت نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میں نے ایک لاٹری ڈالی ہے۔ ہوسکتا ہے ایک دو دن میں وہی نکل آئے۔''

''لاٹری...... میں سمجھا نہیں۔'' راجو کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''ابھی تو میں بھی نہیں سمجھ سکا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب میرے پاس بھی ہارس پاور کی کمی نہیں ہوگی۔''

''کہیں لمبا ہاتھ مارنے کا خیال ہے؟''

''یہی سمجھ لے......'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''پھر میری ایک بات بھی دھیان سے سن لے!'' راجو نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''کسی طرح سے کمال احمد سے پکی دوستی گانٹھ لے...... یہ بڑے بڑے وکیل ہر پیچیدہ مرض کا علاج ہوتے ہیں۔ مجرم کو مظلوم اور مظلوم کو مجرم ثابت کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ اُلٹ پلٹ کرنے کے دو چار نسخے میں بھی دے دُوں گا۔ کام آئیں گے تیرے۔''

عذرا کو اپنی قوتِ سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا شوہر جس نے ہمیشہ رُوکھی سوکھی کھا کر گزارہ کیا تھا، آزمائش کے ایک ہی جھٹکے کے بعد اُونچی اُڑان کی سوچ رہا تھا۔ اور راجو اُسے سمجھانے کی بجائے اُکسا رہا تھا۔ بڑی دیر تک وہ اپنی جگہ گنگ سی کھڑی بدلتے حالات کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرتی رہی، پھر جب رحمت علی کی آواز اُس کی قوتِ سماعت سے

ٹکرائی تو وہ چونک اُٹھی۔

''تو......؟'' رحمت علی نے اُسے حیرت سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تو یہاں کھڑی ک رہی تھی؟''

''تیری اور راجو کی لچھے دار باتیں سن رہی تھیں۔'' عذرا نے دل کڑا کر کے کہا۔ '' وقت ہے رحمتے! واپس لوٹ آ...... لاٹری کھیلنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔''

''رہنے دے اپنی نصیحت...... بہت سن رکھی ہیں میں نے تیری باتیں۔ لیکن ان پر عم کے مجھے کیا ملا؟ پولیس کی سڑی سڑی گالیاں اور جوتے؟''

''وہ تو تیری آزمائش تھی رحمتے!'' عذرا نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''یہ جو ہار کی بات کرتے ہیں، اُن کی تیز رفتار گاڑیاں دوڑتے دوڑتے اچانک ٹھپ ہو جاتی ہیں۔ کی مثال تیرے سامنے ہے۔''

''اچھا، چھوڑ اِن باتوں کو......'' رحمت علی جماہی لیتے ہوئے بولا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''چل...... میں تیرا سر دبا کر سلائے دیتی ہوں۔ لیکن مجھ سے وعدہ کر رحمتے! تو ملازم کے سوا کوئی اور کام نہیں کرے گا۔''

''کس ملازمت کی بات کر رہی ہے؟'' رحمت علی چوٹ کھائے درندے کی مانند غر ''مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔ مجھے مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی جرائم پیشہ افراد کی لا میں زبردستی کھڑا کر دیا گیا ہے۔ مجھ سے جینے کا حق چھینا جا رہا ہے۔ لیکن اب میری با ہے۔ اب میں ہاتھ پھیلا کر نہیں، جھپٹ کر اپنا حق واپس حاصل کروں گا۔ بہت ہو چکیں ناجائز اور حرام حلال کی باتیں۔''

رحمت علی تیز تیز قدم اُٹھاتا اندر چلا گیا اور عذرا...... اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُ پورا وجود بال بچوں سمیت کسی بھنور میں پھنس کر تیزی سے چکرا رہا ہو۔ طوفان اتنی شدت اچانک سر اُبھارے گا، یہ تو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

''نہیں رحمتے نہیں...... میں مرتے دم تک تجھے غلط راستوں پر نہیں چلنے دُوں گی......'' نے اپنے آپ ہی ایک فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆☆☆

برلاس انٹر پرائزز کا دفتر تین فلور پر پھیلا ہوا تھا۔ میڈم برلاس تیسرے فلور پر بیٹھتی تھی۔ اُس فلور پر اُس کے عملے کے افسران اور پرسنل سٹاف والے بیٹھتے تھے۔ رحمت علی کو فرسٹ فلور پر پہنچتے ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ یہاں اس کی یاوری نہیں ہو گی۔ لیکن وہ میڈم برلاس سے ملے بغیر واپس لوٹنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری منزل تک جانے میں اُسے کوئی دُشواری پیش نہیں آئی، لیکن تھرڈ فلور میں لفٹ سے باہر آتے ہی ایک مسلح گارڈ تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔ غالباً وہ اُس فلور پر کام کرنے والے عملے سے واقف تھا اس لئے ایک اجنبی کو چیک کر اُس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' گارڈ نے اُس سے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔ لیکن و پوری طرح چوکس نظر آ رہا تھا۔ رحمت علی کی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے نہایت پھرتی سے رائفل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اُس کی چمکدار آنکھیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ کسی آدم خور چیتے ہی کی مانند چالاک اور پھرتیلا واقع ہوا ہے۔ رحمت علی کو مخاطب کرتے ہوئے بھی اُس نے اپنے اور رحمت علی کے درمیان اتنا فاصلہ برقرار رکھا تھا کہ وقت پڑنے پر کسی ہنگامی صورتِ حال کے پیش نظر جوابی کارروائی کر سکے۔

''مجھے میڈم برلاس سے ملنا ہے۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کام کی نوعیت کیا ہے؟'' گارڈ نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔

''میں ملازمت کی غرض سے آیا ہوں۔'' رحمت علی نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ وہ گارڈ کو باور کرانا چاہتا تھا کہ اُس کی کلف شدہ وردی یا اُس کے ڈیل ڈول اور شخصیت سے وہ متاثر نہیں ہوا ہے۔

''ملازمت......'' گارڈ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''آپ غلط جگہ آ گئے ہیں جناب! اور شاید آپ نے عمارت میں داخل ہوتے وقت وہ بورڈ بھی نہیں پڑھا جس پر جلی حروف میں درج ہے کہ یہاں کوئی آسامی خالی نہیں ہے۔''

''میں کسی خاص حوالے سے یہاں آیا ہوں۔'' رحمت علی نے نازو کا دیا ہوا کارڈ نکال کر گارڈ کی سمت بڑھایا۔ ''تم اسے میڈم برلاس تک پہنچا دو! ہو سکتا ہے کہ اس کارڈ کو دیکھنے کے بعد کوئی آسامی خالی نکل آئے۔''

''سوری سر!'' گارڈ نے بدستور مہذب لہجے میں کہا۔ ''میں اپنی ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا۔''

''دوسری صورت میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' رحمت علی نے ٹھوس آواز میں دریافت کیا۔

''آپ سردار خان صاحب سے ملاقات کریں۔ اُن کا کمرہ نمبر دو ہے۔ سیدھے ہاتھ راہداری۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کارڈ ہاتھ میں لئے وہ گارڈ کے بتائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک درمیانہ قد اور دوہرے بدن کا سوٹڈ بوٹڈ آدمی بڑے اور دبدبے کے ساتھ بیٹھا فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ کمرے کے باہر اُس کے کے ساتھ ہی پی آر او (پبلک ریلیشنگ آفیسر) کی تختی بھی آویزاں تھی۔ فون کے دوران سردار خان نے اُس کا جائزہ لینے کے بعد ایک خالی صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ رحمت خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں برلاس انٹر پرائز کے دفتر میں اپنی ملازمت دُعائیں مانگ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ جس دفتر کی سج دھج اتنی شاندار ہے، وہاں عملے کی بھی بہت معقول ہوگی۔ وہاں آرائش پر دل کھول کر روپے خرچ کیے گئے تھے۔ ہر چیز قیمتی اعلیٰ نظر آ رہی تھی۔

''جی...... فرمائیے!'' سردار خان جو بڑے کروفر سے بہترین سوٹ میں اپنی ریوالونگ چ پر بیٹھا تھا، فون سے فارغ ہو کر بولا۔

''مجھے میڈم سے ملنا ہے۔'' رحمت علی نے سنبھل کر نپے تلے جملے بولے۔ ''ملازمت سلسلے میں۔''

''آئی سی...... لیکن یہاں تو فی الحال......''

''مجھے کمال احمد وکیل صاحب کی صاحبزادی نازنین صاحبہ نے بھیجا ہے۔'' رحمت علی جلدی سے کہا، پھر نازو کا دیا ہوا وزیٹنگ کارڈ نکال کر سردار خان کے سامنے رکھ دیا۔ جواب میں سردار خان نے وزیٹنگ کارڈ پر نظر ڈالنے کی بجائے رحمت علی کو کچھ ایسی نگاہوں سے دیکھ جیسے اُس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''آپ کا نام؟'' سردار خان نے کچھ توقف کے بعد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''رحمت علی۔'' اُس نے جواب دیا۔

اس بار سردار خان نے انٹر کام پر کسی سے گفتگو کی، پھر رحمت علی سے بولا۔ ''سیدھے ہ کا آخری کمرہ میڈم کا ہے۔ آپ اُن سے ملاقات کر سکتے ہیں۔''

رحمت علی شکریہ ادا کر کے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھا۔ سردار خان کے انٹر کا بات کرنے کے بعد اُسے اُمید کی ایک کرن نظر آنے لگی تھی۔ وہ محتاط انداز میں قدم اُٹھا باہر نکلا اور راہداری میں سیدھے ہاتھ کو چل پڑا جہاں سردار خان کے کہنے کے مطابق آخ کمرے کے باہر میڈ برلاس کی جگمگ کرتی ہوئی نیم پلیٹ آویزاں تھی۔ یہاں اُس کا وا میڈم کی پرسنل سیکرٹری سے پڑا۔ اُس کا لہجہ سردار خان کے مقابلے میں زیادہ شستہ اور مہذ

تھا لیکن اُس نے بھی رحمت علی کو کچھ ایسے ہی انداز میں دیکھا تھا جیسے کوئی قربانی کے جانور کو دیکھتا ہو۔

''مسٹر رحمت علی؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی......''

''آپ کو مس کمال احمد نے ریفر کیا ہے؟''

''جی ہاں......!''

جواب میں اُس خوبصورت اور حسین خاتون نے بھی انٹر کام پر میڈم سے بات کی، پھر رائٹ میڈم کہتے ہوئے ریسیور رکھ کر بولی۔

''یو آر لکی مسٹر رحمت...... میڈم بغیر وقت دیئے کسی سے ملاقات نہیں کرتیں۔ لیکن آپ اُن سے مل سکتے ہیں۔''

''شکریہ......''

''ون منٹ......'' خوبصورت لڑکی نے رحمت علی کو اُٹھتا دیکھ کر کہا۔ ''میں میڈم کی پرسنل سیکرٹری ہوں، اس لئے آپ کو اندر جانے سے بیشتر کچھ ضروری باتیں بتا دینا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔''

رحمت علی کوئی جواب دینے کی بجائے دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

''آپ شاید ملازمت کے لئے آئے ہیں۔'' پرسنل سیکرٹری جس کا نام مونیکا تھا، بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''میڈم بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہونے کے باوجود کسی بات میں انکار سننے کو پسند نہیں کرتیں۔ اُنہیں بولڈ اور آؤٹ سپوکن لوگ زیادہ پسند آتے ہیں۔ وہ اپنے عملے کے تمام افراد کو خوش اور تندرست دیکھنے کی عادی ہیں۔ ڈسپلن کے معاملے میں وہ ہمیشہ بہت سخت واقع ہوئی ہیں۔''

''میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے قبل از وقت معلومات سے میری رہنمائی کر دی۔''

''اس سے پہلے آپ جہاں ملازمت کرتے تھے، وہاں سے آپ نے خود استعفیٰ دیا تھا یا......؟''

''یہ بات مس کمال احمد نے میڈم کو بتا دی ہوگی۔'' رحمت علی نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''ایک خاص بات اور...... میڈم اپنے ملازمین کو تنخواہ دینے کے معاملے میں بے حد فیاض واقع ہوئی ہیں۔ لیکن پھر کام بھی اسی مناسبت سے لیا جاتا ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ میڈم کو میری ذات سے شکایت کا کوئی موقع نہ ملے۔''

''گڈ...... اب آپ جا سکتے ہیں۔'' مونیکا نے جو عیسائی ہونے کے باوجود شلوار سوٹ میں ملبوس تھی اور بڑی روانی سے اُردو بول رہی تھی میڈم کے کمرے کی سمت اشارہ کیا۔

رحمت علی آہستہ سے اُٹھا اور اپنے لباس کو درست کرتا ہوا میڈم کے کمرے میں داخل گیا۔ اُسے اندر داخل ہوتے ہی ایسا لگا تھا جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہو۔ وہ کمرہ بلکہ پورا ہال تھا جہاں جدید الیکٹرونک کے تمام نظام کو بڑے سلیقے اور خوبصورتی سے آراستہ گیا تھا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے تینوں فلور کے ہر کمرے کو ٹی وی سکرین پر دیکھا جا سکتا تھا۔ ٹی وی اس وقت بھی آن تھے۔ کمرے کے دونوں اطراف شیشے کی الماریاں اور شوکیس تھے میں کتابیں اور ڈیکوریشن کی نہایت اعلیٰ قسم کی اشیاء اور شاہکار موجود تھے۔ ہال میں زیادہ روشنی نہیں تھی اس لئے باہر سے اندر آنے والے کو ایک لمحے کے لئے خود کو وہاں کے ماحول کے مطابق ایڈجسٹ کرنا پڑتا تھا۔

میڈم برلاس کی بڑی میز بالکل سامنے ہی تھی۔ لیکن اُس میز سے اندر داخل ہونے والے دروازے کا فاصلہ کسی طرح بھی پچاس پچپن فٹ سے کم نہیں تھا۔ آبنوسی لکڑی کی وہ میز بھی کسی شاہکار سے کم نہیں تھی۔ میڈم برلاس اس وقت بھی کسی فائل کے مطالعہ میں محو تھی۔ رحمت علی نے غور سے اُس کا جائزہ لیا، بظاہر وہ اڑتیس اور چالیس کے درمیان نظر آ رہی تھی۔ اُس رنگ سرخ گلاب کی مانند تھا اور چہرے کے خدوخال بھی بے حد پُرکشش تھے۔ چہرے بظاہر رُعب یا دبدبہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

رحمت علی تقریباً پانچ منٹ تک دروازے کے قریب ہی کھڑا ہر چیز کا اندازہ لگاتا رہا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا میڈم برلاس کی میز کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ حالات پیش نظر اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ خود میڈم کو اپنی آمد سے باخبر کرسکتا۔ لیکن پھر اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میڈم نے فائل بند کر کے اُس کی جانب غور سے دیکھا، پھر ٹھہرے اور گمبھیر لہجے میں بولی۔

''تشریف رکھیں!''

رحمت علی تھوک نگلتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''نازو نے آپ کی سفارش کی ہے۔'' میڈم نے اُسے عقابی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں سفارش کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن نازو کے والد کمال احمد چونکہ ہمارے قانونی مشیر ہیں اس لئے میں اُن کا اور نازو کا ہمیشہ خیال رکھتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے پچھلی ملاقات میں غالباً نازو سے کہا بھی تھا کہ مجھے ایک قابل اعتماد اور باہمت سیکرٹری کی ضرورت ہے۔''

''اگر مجھے خدمت کا موقع ملا تو میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

''کیا آپ انٹرویو کے لئے سوٹ میں نہیں آ سکتے تھے؟'' میڈم نے اچانک اُس کے لباس پر ناپسندیدہ انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ اپنی سابقہ ملازمت میں بھی ایسا لباس پہنتے تھے؟''

''جی ہاں......'' رحمت علی نے مونیکا کی بتائی ہوئی باتوں کے پیش نظر بڑی صاف گوئی سے کہا۔

''تو کیا تمہارے پاس کوئی سوٹ نہیں ہے؟'' اس بار اُسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا گیا۔

''جی نہیں......''

''ڈونٹ وری...... اگر تمہیں سلیکٹ کر لیا گیا تو پھر ان سب باتوں کا خیال رکھنا ہمارا کام ہوگا۔''

رحمت علی خاموش رہا۔ ویسے اس وقت اُسے اپنی کم مائیگی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

''تمہیں پچھلی ملازمت میں کیا تنخواہ ملتی تھی؟'' میڈم برلاس نے ایک نہایت اعلیٰ قسم کے ڈبے سے چاکلیٹ کلر کا ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے پوچھا۔

''تین ہزار تین سو۔''

''نان سینس!'' ایک لمحے کو میڈم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ''اس سے زیادہ تنخواہ تو ہمارے ہاں بہت معمولی درجے کے ملازمین کو ملتی ہے۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کے ذہن میں راجو کے جملے گونجنے لگے، جس نے کہا تھا کہ روپے کے اندر ہارس پاور جیسی قوت ہوتی ہے، جو جتنا دولت مند ہوتا ہے اُتنا ہی طاقتور بھی ہوتا ہے۔

''کیا تم میری حفاظت کی خاطر کسی خطرے کی صورت میں میرے لئے کسی دشمن کو گولی مار دینے کی صلاحیت رکھتے ہو؟''

''جی......'' رحمت علی ایک لمحے کو چونکا، پھر جلدی سے بولا۔ ''اگر آپ کی حفاظت میرے فرائض منصبی میں ہوئی تو میں آپ کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔''

''کیا تم نے آتشیں اسلحے کا استعمال کبھی کیا ہے؟''

''جی نہیں......''

''ڈونٹ وری...... ملازمت مل جانے کی صورت میں تمہیں ہر قسم کی جدید ٹریننگ بھی دی جائے گی۔'' میڈم نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا، پھر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''دراصل مجھے اپنے بزنس میں اکثر مخالفین کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ مر جانے یا مار دینے کی حد تک گھٹیا پن پر اُتر آتے ہیں۔ اسی لئے مجھے خاص اپنے لئے ایک مہذب، باصلاحیت اسسٹنٹ کی ضرورت ہے جو میرے پرسنل گارڈ کے فرائض بھی بخوبی انجام دے سکے۔''

’’آپ مجھے کسی میدان میں دوسروں سے پیچھے نہیں پائیں گی۔‘‘

’’گڈ...... مجھے تمہارا جواب پسند آیا۔ ون منٹ! میں یہ تو پوچھنا بھول ہی گئی کہ تم نے ملازمت کیوں چھوڑ دی؟‘‘ میڈم نے ایک طویل کش لگا کر سگریٹ کا نہایت خوشبودار دُھواں اُڑاتے ہوئے کہا۔ ’’کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔‘‘

’’جی ہاں......‘‘ رحمت علی نے سنبھل کر جواب دیا۔ ’’پولیس نے مجھے ایک جھوٹے قتل کے مقدمے میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔ بعد میں کمال احمد صاحب نے مجھے چھڑا لیا۔ میں تقریباً چار چھ گھنٹے پولیس کی تحویل میں رہا تھا، مجھے بری طرح ٹارچر بھی کیا گیا تھا۔ اس بات پر مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔‘‘

’’تم رہتے کہاں ہو؟‘‘

’’کمال احمد صاحب کے پڑوس والی بستی میں۔‘‘

’’شادی شدہ ہو؟‘‘

’’جی ہاں......‘‘ رحمت علی نے کہا۔ ’’ایک بیٹی اور ایک بیٹے کا باپ بھی ہوں۔‘‘

’’لیکن میرے ہاں ملازمت کرنے کی صورت میں تمہیں اُس بستی سے منتقل ہو کر کسی اچھے علاقے میں رہائش اختیار کرنا ہوگی۔ کیا تمہیں یہ شرط منظور ہے؟‘‘

’’جج...... جی...... ہاں...... لیکن......‘‘

’’تم صرف اپنی مرضی سے مجھے آگاہ کرو!‘‘ میڈم نے اس بار بڑی فیاضی سے کہا۔ ’’رہائش اور لباس وغیرہ کا بندوبست کرنا برلاس انٹرپرائزز کی ذمہ داری ہوگی۔‘‘

’’مجھے منظور ہے۔‘‘ رحمت علی نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔ اُسے اپنی قوت سماعت پر شبہ ہو رہا تھا۔

’’ملازمت سے بیشتر تمہیں پندرہ روز کی ٹریننگ سے گزرنا ہوگا۔ اس کے بعد تمہاری رہائش گاہ، تمہارے معقول لباس کا بندوبست اور کار کی فراہمی ہمارے ذمے ہوگی۔‘‘

’’میں ہر قسم کی ٹریننگ کرنے کو تیار ہوں۔‘‘ رحمت علی نے ٹھوس آواز میں کہا۔ کار کا سنتے ہی وہ جیسے ہواؤں میں اُڑنے لگا تھا۔

’’تم تنخواہ کے بارے میں خود فیصلہ کرو گے یا......‘‘

’’مجھے آپ کا ہر فیصلہ قابل قبول ہوگا۔‘‘ رحمت علی نے تیزی سے جواب دیا۔

’’تم چونکہ میرے خاص آدمی ہو گے اس لئے تمہیں دوسروں سے سبقت دی جائے گی۔‘‘ میڈم نے لاپرواہی سے کہا۔ ’’تمہاری تنخواہ شروع شروع میں دیگر ضروریات کے علاوہ دس ہزار ہوگی۔ اور اس میں اضافہ تمہاری ذاتی صلاحیتوں پر منحصر ہوگا۔‘‘

’’مجھے آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔‘‘

’’ایک خاص بات کا خیال رکھنا!‘‘ اس بار میڈم کا لہجہ بدل گیا۔ ’’تم کبھی بھی میرے

حکم سے انکار نہیں کرو گے۔ اور ایک بار ملازمت میں آ جانے کے بعد تمہیں بغیر کسی معقول وجہ کے اسے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوگی۔‘‘

’’میں تیار ہوں......‘‘

’’گڈ......‘‘ میڈم نے سگریٹ کا دُھواں اُڑاتے ہوئے کہا، پھر مونیکا کو انٹرکام پر ہدایت کی کہ سردار خان کو اندر بھیج دیا جائے۔ دو منٹ بعد ہی سردار خان اُس کے روبرو موجود تھا۔

’’یس میڈم......؟‘‘ اُس نے بڑے ادب سے کھڑے کھڑے پوچھا۔

’’یہ مسٹر رحمت علی ہیں...... میں انہیں اکرم کی جگہ دینا چاہتی ہوں تم انہیں پندرہ روز کی خاص ٹریننگ دو گے جس میں اسلحہ کا استعمال اور کسی خاص کام سے نمٹنے کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر سچویشن سے مقابلہ کرنے کی تربیت بھی شامل ہوگی۔ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟‘‘ میڈم نے اُسے بیٹھنے کو کہے بغیر بڑے ٹھوس اور سرد لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

’’یس میڈم...... میں سمجھ رہا ہوں۔‘‘

’’تربیت کا تمام انتظام تمہاری نگرانی میں فرم کے اکاؤنٹ سے ہوگا۔‘‘

’’رائٹ میڈم......‘‘ سردار خان نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

’’دیگر ضروری ہدایات میں تمہیں بعد میں دُوں گی۔‘‘ میڈم نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ’’فی الحال تم کیشئر سے کہہ کر مسٹر رحمت علی کو دس ہزار روپے ایڈوانس دلوا دو! اس رقم کا اندراج میرے پرسنل اکاؤنٹ میں ہوگا۔‘‘

’’اوکے میڈم!‘‘

’’تم اب جا سکتے ہو......‘‘ اس بار رحمت علی سے کہا گیا اور وہ بالکل مشینی انداز میں ہدایت کے مطابق اُٹھ کھڑا ہوا اور سردار خان کے اشارے پر اُس کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔

’’آئی وِش یو گڈ لک مسٹر رحمت!‘‘ سردار خان نے کمرے سے باہر نکل کر اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے مبارکباد دی۔

’’شکریہ......‘‘ رحمت علی نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یکدم فرش سے اُڑ کر عرش پر پہنچ گیا ہو اور اُس کے اندر پہلے سے دس گنا زیادہ ہارس پاور کا اضافہ ہو گیا ہو......

☆

نازو کو اس وقت بحالت مجبوری ہی اڈگر کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔ اُوپر سے ملنے والے احکامات بھی یہی تھے کہ اُسے اڈگر کے ساتھ ایک خاص مہم پر جانا ہے۔ مہم کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ اُسے دوپہر بارہ بجے سے لے کر شام چھ بجے تک اڈگر کے ساتھ وقت گزارنا ہے۔ نازو نے اس حکم پر دبی زبان میں احتجاج کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اُس کی درخواست بڑی سختی سے رد کر دی گئی تھی۔

دوپہر کا کھانا اُن دونوں نے شیرٹن میں ایک ساتھ ہی کھایا تھا۔ کھانے کے دوران نازو خاموش ہی رہی تھی۔ اُسے اڈگر کے قرب سے نفرت کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ جس ماحول میں پلی بڑھی تھی وہاں اُسے ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس بڑھی ہوئی آزادی اور مغربی کے گھٹن آمیز اندھیروں میں اڈگر اور درانی نے اُسے بڑی خوبصورتی سے شکار کر لیا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی اُس کے شناساؤں کی فہرست میں شامل تھے لیکن اڈگر اور درانی کی کمینگی کے سبب وہ نیلے لفافے کے جال میں گلے گلے تک پھنس گئی تھی۔ وہ اُن کی جانب سے ماننے پر مجبور تھی۔ انکار کی صورت میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک بار اُس نے خاص طور پر اڈگر سے اُس کی کمینگی کا شکوہ کیا تھا اور جواب میں اُس نے بڑی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا کہ اُس کی خفیہ تصویروں کے عوض اڈگر کو تنظیم کی طرف سے جس رقم کی ادائیگی کی گئی تھی، وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ البتہ درانی نے صرف اتنا کہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کیا وہ اسے کرنے پر مجبور تھا۔ مگر اڈگر نے اپنی غیر اخلاقی حرکت کو کامیاب بزنس کا گر قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے درانی کے مقابلے میں اڈگر سے شدید نفرت ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس وقت اڈگر کے ساتھ ہی اُس کی کار میں اگلی نشست پر بیٹھی تھی۔ اس وقت شام کے چار بجے کا عمل تھا اور اڈگر کی گاڑی کیفے براڈوے کے سامنے پہنچ کر رک گئی تھی۔

"یہاں کیا کرنا ہے......؟" اُس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں...... کیا تم شام کا ناشتہ کرنا پسند نہیں کرو گی؟"

"میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ بھی گزارنا پسند نہ کرتی۔" نازو نے حقارت سے جواب دیا۔

"اتنی بیزاری کیوں......؟" اڈگر نے اُسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"اس کی وجہ اپنے دل سے پوچھو......" وہ گاڑی سے اُترتے ہوئے بولی، پھر اڈگر کے ساتھ ہی اُسے ایک میز پر بیٹھ کر چائے اور اس کے ساتھ طلب کئے جانے والے لوازمات کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اب بھی پرانے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کی ضرورت کا خیال رکھیں؟" اڈگر نے ایک پیسٹری پر منہ مارتے ہوئے بے تکلفی سے دریافت کیا۔

"سوری...... صرف اپنے کام سے کام رکھو!" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کام ہماری نہیں، باس کی مرضی سے ہوتا ہے۔"

"کیا اس وقت براڈوے میں ہماری آمد بھی باس کے حکم کا ایک حصہ ہے؟"

"تمہیں چھ گھنٹوں کے لئے میرے ڈسپوزل پر دیا گیا ہے۔ اس عرصے میں تم میرے کسی بھی حکم سے انکار نہیں کر سکو گی۔ دوسری صورت میں تمہیں باس کے سامنے

ہونا ہوگا۔"

نازو نے نظریں اُٹھا کر اڈگر کو گھورا، پھر حقارت سے نظریں پھیر لیں۔ وہ کیفے کے جس گوشے میں بیٹھے تھے، وہاں اس وقت اُن کے سوا قرب و جوار میں کوئی اور نہیں تھا۔

"جانتی ہو باس نے تمہیں میرے ساتھ وقت گزارنے پر کیوں مجبور کیا ہے؟"

"نہیں......" نازو کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آج باس تمہارا پہلا امتحان لینا چاہتا ہے۔"

"امتحان......؟" وہ یکلخت چونک اُٹھی۔

"تم نے زیڈ سپر سٹور کا نام سنا ہے؟" اڈگر نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مدہم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں...... کلفٹن پر واقع ہے۔"

"اور وہاں جتنا سامان ہوتا ہے، وہ ناجائز ذریعوں سے ہمارے ملک میں لایا جاتا ہے اور بڑے دھڑلے سے بکتا ہے۔ قانون کے محافظ اور متعلقہ محکمے کے عملے کے ذمہ دار افسران بھی اُس کے مالک کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے سکتے۔"

"پھر......؟"

"آج صبح سے ایس پی رحمٰن اور پولیس کی بھاری نفری نے اُسے محاصرے میں لے رکھا ہے۔" اڈگر نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ "بم ڈسپوزل سکواڈ کے اعلیٰ افسران صبح سے وہاں ایک ایک کونے کی چھان بین کرنے میں مصروف ہیں۔ پولیس اور متعلقہ محکمے کی نفری ٹڈی دل کی طرح سپر سٹور کے اِرد گرد منڈلا رہی ہے۔ کچھ سڑکوں کا ٹریفک بھی معطل کر دیا گیا ہے۔ قرب و جوار کے دُکانداروں کو دُکانیں بند رکھنے کا حکم ہے۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ہجوم کی شکل میں بار بار وہاں جمع ہوتی ہے اور منتشر ہوتی رہتی ہے۔ خاص طور پر ایس پی رحمان کی حالت قابل دید ہے۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگ بھاگ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایت دے رہا ہے۔ شہر کے تمام فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی موجود ہیں۔"

"تم نے بم ڈسپوزل سکواڈ کا حوالہ دیا تھا؟" نازو نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا وہاں کوئی بم رکھنے کی اطلاع ملی ہے؟"

"ہاں...... کسی نے ایس پی رحمٰن کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اپنی طاقت اور تجربے کو آزما لے مگر تمام حفاظتی کارروائی کے باوجود سپر سٹور کو ایک مقررہ وقت پر بم سے اُڑا دیا جائے گا۔"

"تمہارا اشارہ باس کی سمت ہے؟" نازو چونکی۔

"ہاں...... میری اطلاع کے مطابق اس سپر سٹور کا مالک زاہد خان ہمارے مخالف گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے خلاف اُس کے دُھواں دار بیانات اکثر اخبارات میں پہلے صفحے کی زینت بنتے رہتے ہیں۔" اڈگر نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ آج کے

بعد اُسے اپنی زبان پر قابو رکھنا پڑے۔''

''تم نے میرے امتحان کا ذکر کیا تھا؟'' نازو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں...... تمہیں ایک بم لے کر ہوا میں اُڑتے ہوئے سپر سٹور کی عمارت سے ٹکرانا ہے اور اس کے بعد میرے دل میں صرف تمہاری حسین یاد اور ساتھ گزارے ہوئے لمحات یادگار بن کر رہ جائیں گے۔''

''تم پھر بہکنے لگے؟'' نازو نے اُسے سنجیدگی سے ٹوکتے ہوئے پوچھا۔ ''ہمارے ذمہ کیا سونپا گیا ہے؟''

''سوری......'' اِس بار اڈگر کا لہجہ سپاٹ اور خشک تھا۔ ''مجھے قبل از وقت زبان کھولنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور حکم عدولی کی سزا بڑی سخت ہوتی ہے۔''

نازو نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اُس کے دل کی دھڑکنیں ضرور تیز ہونے لگی تھیں۔ براڈوے سے نکل کر اڈگر اِدھر اُدھر سے شاپنگ کرتا رہا، پھر ٹھیک سوا پانچ بجے اُس نے گاڑی زیڈ سپر سٹور سے تقریباً چار فرلانگ دُور روکی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح رُک کر سپر سٹور کے سامنے لوگوں کے ہجوم جمع ہونے کی وجہ معلوم کرنے کا خواہاں ہو۔ لیکن اُس کی نظر دستی گھڑی کی ایک مخصوص سرخ رنگ کی سوئی پر تھی جو بار بار حرکت کر کے اڈگر کو بتا رہی تھی کہ زیڈ سپر سٹور اُس کی رینج کے اندر ہے۔ پھر ٹھیک پانچ بج کر اکیس منٹ پر اُس نے ایک چھوٹا ریموٹ کنٹرول نکال کر نازو کو دیتے ہوئے کہا۔

''اس کے سرخ رنگ کے پُش بٹن کو دبا دو!''

''کیوں......؟''

''بحث مت کرو!'' اِس وقت اڈگر نے غراتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ ''یہ ہمارا امتحان ہے۔''

نازو نے ایک لمحے کو سوچا، پھر آنکھ بند کر کے سرخ بٹن کو دبا دیا...... اور دوسرے ہی لمحے ہونے والے خطرناک دھماکے نے اُسے دوبارہ آنکھ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے زیڈ سپر سٹور کی سمت دیکھ رہی تھی، جہاں لوگوں کے درمیان بھگدڑ مچ گئی تھی اور [illegible] کے اُوپر دُھویں کے سیاہ بادل منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔

''مبارک ہو سویٹ ہارٹ......'' اڈگر نے ریموٹ واپس لے کر جیب میں رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا۔ ''تم پہلے امتحان میں کامیاب رہیں۔'' پھر اُس نے گاڑی کو آگے بڑھا دیا، پولیس کی سیٹیوں کی آواز اور لوگوں کی چیخ و پکار نے دُور تک اُن کا پیچھا کیا تھا۔

ٹھیک چھ بجے اڈگر نے نازو کو اُس کے بنگلے کے قریب اُتارتے ہوئے ایک بار پھر [illegible] تھا۔

☆

زاہد خان اس وقت ایس پی رحمان کے آفس میں بیٹھے بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ کمرے میں اُن دونوں کے علاوہ بم ڈسپوزل سکواڈ کے سربراہ ابرار احمد بھی موجود تھے۔ ایس پی رحمان نے بیرونی دروازے کا سرخ بلب روشن کر دیا تھا تا کہ کوئی اندر نہ آ سکے۔ اہم قسم کی میٹنگ کے دوران وہ لائٹ اس وقت تک آن رہتی تھی، جب تک میٹنگ برخواست نہ ہو جائے۔

''مسٹر ابرار......'' اچانک خان صاحب نے ابرار کو تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ اور آپ کے عملے نے تو پورے سپر سٹور کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ پھر وہ دھماکہ کس نوعیت کا تھا؟''

''وہ بم ہی کا دھماکہ تھا جناب!'' ابرار احمد نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''سٹور سے جو ٹکڑے برآمد ہوئے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رُوسی ساخت کا تھا اور......''

''وہ کس ساخت اور کس ملک کا تھا مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن آپ کی جانب سے کلیرنس کے بعد وہ دھماکہ اس بات کی یقین دہانی کرانے کے لئے کافی ہے کہ آپ لوگ بالکل نااہل ثابت ہوئے ہیں۔''

''مجھے خود تعجب ہے جناب!''

''آپ کے تعجب سے میرے اتنے بڑے نقصان کی تلافی تو نہیں ہو سکتی۔'' خان صاحب نے تلملا کر کہا، پھر رحمان صاحب کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں......؟''

''میں ابرار احمد صاحب کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ جو حادثہ رونما ہوا، اس پر مجھے بھی تعجب ہے۔ ہم نے ہر طرح سے اطمینان کر لیا تھا۔''

''پھر...... اِس اطمینان کا نتیجہ کیا نکلا...... صفر۔'' خان صاحب نے غصے میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولے۔ ''مسٹر رحمان! آپ کو اس بات کی اطلاع کس ذریعہ سے ملی تھی کہ ایک مقررہ وقت پر سپر سٹور کو اُڑا دیا جائے گا؟''

''ڈاکٹر نادر کے ذریعے۔'' رحمان صاحب نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''غزالہ کی بازیابی کے سلسلے میں میں نے ذاتی طور پر کچھ خفیہ انتظامات کر رکھے تھے۔ اس ضمن میں میرا ایک قابلِ اعتماد آفیسر بھی مجرموں کی نظر میں آ کر مارا گیا تھا۔ ڈاکٹر نادر کا خیال تھا کہ غزالہ کی واپسی اس صورت حال کے بعد مشکل ہو گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، غزالہ واپس آ گئی تھی اور اس سے پیشتر اغوا کنندگان نے فون پر میرے لئے یہ چیلنج بھیجا تھا کہ آپ کا سپر سٹور......''

''نان سینس......'' خان صاحب جھلا کر بولے۔ ''بھلا ڈاکٹر کی بیٹی کے اغواء سے میری ذات کا کیا تعلق؟''

''فون کرنے والے نے کہا تھا کہ وہ کسی مخالف گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔'' رحمان صاحب

نے دبی زبان میں جواب دیا۔

''آئی سی......'' زاہد خان کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا، پھر اس سے پیشتر کہ وہ کچھ فون کی گھنٹی بجی اور رحمان صاحب نے فون اُٹھا لیا۔

''ہیلو مسٹر رحمان!'' دوسری جانب سے ایک سرد آواز سنائی دی۔ ''تم سپر سٹور کے مو میں ناکام رہے، مجھے افسوس ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں ہماری طاقت اور صلاحیت کا اندازہ بخوبی ہو گیا ہو گا۔''

''اور میرا خیال ہے کہ تم قانون کی نظروں سے نہیں بچ سکو گے۔ ہمیں کچھ اہم ثبوت شہادتیں مل چکی ہیں۔'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اُن کا جواب سن کر صاحب بھی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔

''تمہاری بات پر میرا دل قہقہہ بلند کرنے کو چاہتا ہے۔ تمہارے فرشتے بھی ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ویسے کیا تم کو اس بات پر حیرت نہیں کہ تمام حفاظتی انتظامات کے با وہ دھماکہ کیونکر ہوا؟ میرا خیال ہے کہ میں خود ہی تمہیں آگاہ کر دوں۔ دراصل ہم نے اُس ایسی مخصوص دھات کے ایئر ٹائٹ ڈبے میں بند کیا تھا جس کی نشاندہی فی الحال دنیا کی مشین نہیں کر سکتی۔ اور اس اقسام کے بے شمار ڈبے لیبل سمیت سپر سٹور میں پہلے سے مو تھے۔ ہمیں اپنا چیلنج جیتنے کے لئے اور تمہیں نیچا دکھانے کی خاطر صرف ریموٹ کا ایک سر دبانا پڑا تھا۔''

''کون ہے مسٹر رحمان...... میرا مطلب ہے کہ کس کی کال ہے؟'' خان صاحب نے سے سوال کیا، لیکن اس سے پیشتر کہ ایس پی رحمان کوئی جواب دیتا، دوسری طرف سے کہا

''بہت خوب...... گویا اس وقت مسٹر خان بھی تمہارے دفتر میں بیٹھے کف افسوس مل ہیں۔ ذرا فون اُن کو بھی دو!''

''کوئی آپ سے بھی بات کرنا چاہتا ہے۔'' ایس پی رحمان نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ ر آہستہ سے کہا، پھر خان صاحب کے اشارے پر ریسیور اُن کے حوالے کر دیا۔

''یس...... زاہد خان سپیکنگ!'' خان صاحب نے دبنگ آواز میں کہا۔

''تعجب ہے......'' دوسری طرف سے مضحکہ اُڑانے والا لہجہ اختیار کیا گیا۔ ''تمہار کی گھن گرج اب بھی برقرار ہے۔''

''فون کرنے کا مقصد بیان کرو!''

''تمہیں اس بات کا احساس دلانا ہے کہ سپر سٹور کی تباہی سے تمہارا اپنا کوئی نقصان ن ہوا۔ اس لئے کہ تم نے ساری دولت عوام کا خون چوس کر جمع کی تھی اور ناجائز تجارت ذریعے کروڑ پتی بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔'' دوسری جانب سے سرد اور سخت آواز جواب ملا۔ ''ہر برے کام کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم آئندہ محتاط روی اختیار

کرنے کی کوشش کرو گے اور ہمارے سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھو گے۔''

''کتے کے بچے! کیا تو نے صرف یہی کہنے کو فون کیا تھا؟'' خان صاحب نے گرج کر کہا۔

''ایک بات اور بھی کہنی ہے میری جان...... اگر تمہاری دُم اب بھی ٹیڑھی رہی تو پھر تم بڑے خسارے میں رہو گے۔'' اس بار سفاک لہجے میں کہا گیا۔ ''یہ مت بھولو! کہ تمہارے تین بچے اسی شہر میں اور ایک بچہ بیرونِ ملک تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ہم اُنہیں بھی اغواء کر کے تمہیں سبق سکھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پاؤڈر اور سفوف کا کاروبار کرنے والوں کو ایک دوسرے کے معاملے میں ٹانگ نہیں پھنسانی چاہئے ورنہ کسی ایک کا بیڑہ غرق ضرور ہوتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش ترک کر دو! ورنہ حالات کی ذمہ داری تمہارے اُوپر ہو گی۔ سپر سٹور کا دھماکہ محض ایک کھیل سمجھو! ہم تمہیں اس سے کہیں بڑے حادثے سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔''

''کون بول رہے ہو تم......؟''

''میرا کوئی نام نہیں ہے...... ویسے کیا تمہارے لئے نیلے رنگ کے لفافے کا حوالہ کافی نہیں ہو گا؟'' اس بار بے حد سفاک لہجے میں جواب ملا اور خان صاحب کا ہاتھ ریسیور پر لرز کر رہ گیا۔

ایس پی رحمان بڑے غور سے خان صاحب کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

☆☆☆☆☆

پندرہ دن کی جان لیوا ٹریننگ کے بعد رحمت علی پوری طرح کندن بن چکا تھا۔ ٹریننگ کے دوران اُسے ایسا آتشیں اسلحہ بھی استعمال کرنا پڑا تھا جسے اُس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ تیراکی کے علاوہ اُسے ڈرائیونگ میں بھی مشاق کر دیا گیا تھا۔ جان لیوا اور سخت ٹریننگ کے دوران اُس نے اکثر سوچا تھا کہ محض دس ہزار روپے کی ملازمت کی خاطر اُسے اس قدر خطرناک تربیت کیوں دی جا رہی ہے؟ سردار سائے کی طرح اُس کے ساتھ برابر لگا رہتا تھا۔ ایک بار اُس نے پوچھا بھی تھا۔

''سردار...... یہ اتنی جان لیوا ٹریننگ کا آخر کیا مقصد ہے؟''

''تم خوش قسمت ہو میری جان! جو میڈم نے تمہیں اپنے سیکرٹری کے طور پر منتخب کیا ہے۔'' سردار نے جو چند روز کے اندر ہی رحمت علی سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا، مسکرا کر کہا۔ ''نازو اور اُس کے باپ کو دُعا دو! ورنہ اس آسامی کے لئے تو لوگ دن میں بھی سنہرے سنہرے خواب دیکھتے ہیں۔ مجھ ہی کو لے لو! گزشتہ چھ سال سے میڈم کی خدمت کر رہا ہوں لیکن مجھے یہ اعزاز نہیں ملا جو تمہیں حاصل ہے۔''

''اب مجھے کیا کرنا ہے؟'' رحمت علی نے سردار سے پوچھا۔

''اپنے نئے بنگلے میں منتقل ہونا ہے جس کا انتخاب بھی خود میڈم ہی نے کیا ہے۔ وہاں تمہارے آرام و آسائش کا ہر سامان موجود ہو گا۔ نئے ماڈل کی کار بھی ہو گی اور اس کے علاوہ تمہیں ہر وقت سوتے جاگتے مشین پسٹل سے لیس بھی رہنا ہو گا۔''

''کوئی خاص وجہ......؟''

''ہاں......'' اس بار سردار نے گہری سنجیدگی کے ساتھ ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میڈم کے کاروباری حریف اُسے نیچا دکھانے کی خاطر ہر وقت اُس کی گھات میں رہتے ہیں۔ تمہیں میڈم کی حفاظت کرنی ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کی حفاظت کرتے کرتے کسی دن تم اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔''

''موت برحق ہے مائی ڈیئر!'' رحمت علی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''اس لئے میں نے موت سے کبھی خوفزدہ ہونے کی حماقت نہیں کی لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' سردار نے اُسے وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

''اگر کچھ لوگ میڈم کی جان کے لاگو ہیں تو وہ یقیناً اتنے احمق بھی نہیں ہوں گے کہ اس کھلے عام حملہ آور ہونے کی حماقت کریں۔ میرا مطلب ہے کہ متوقع حملہ کسی خاص وقت پر

ہو سکتا ہے۔''

''میڈم اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کی عادی ہے۔ اُس نے یقیناً ان خطوط پر بھی غور کر کے اپنی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہو گا۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں اکثر رات کو بھی ڈیوٹی دینی پڑے۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے سردار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھری تھی، پھر اُس نے جلدی سے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ایسا روز روز نہیں ہو گا۔ البتہ میڈم جب چاہے گی، تمہیں رات کو اپنے بنگلے پر رہنے کا حکم دے سکتی ہے۔''

''بائی دی وے...... میڈم کو اپنی جان کا خطرہ کیوں لاحق ہے؟ میرا مطلب ہے کہ بات صرف کاروبار کی حد تک محدود ہے تو مخالف گروہ اور پارٹیاں اس میں جوڑ توڑ ضرور کرتی ہیں لیکن کسی کو جان سے مروا دینے سے اُس کی کاروباری ساکھ کو زیادہ منافع نہیں پہنچ سکتا۔''

''ایک نصیحت کر رہا ہوں رحمت علی!'' سردار نے تیزی سے کہا۔ ''ہمیشہ صرف اپنے کام سے کام رکھنے کی کوشش کرنا۔ کسی بات کی کھوج لگانے کی حماقت خود تمہارے حق میں بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ میڈم کے خاص لوگ جو ہمارے درمیان ہی موجود ہیں، اُسے عملے کے ایک ایک شخص کے بارے میں پل پل کی خبر دیتے رہتے ہیں۔ تمہیں بھی کئی امتحانوں سے گزرنے کے بعد ہی میڈم کا بھرپور اعتماد حاصل ہو گا۔''

''وہ امتحان کس نوعیت کے ہوں گے؟''

''اس کا فیصلہ میڈم کی اپنی مرضی پر منحصر ہے...... یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''مجھ سے پہلے اس عہدے پر کوئی اکرم نامی شخص تعینات تھا؟''

''ہاں......'' سردار کا جواب بہت مختصر تھا۔

''پھر اُسے ملازمت سے سبکدوش کیوں کر دیا گیا؟ میرا مطلب ہے کہ کیا اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تھی؟''

''غلطی تم سے بھی سرزد ہو رہی ہے رحمت علی!'' سردار نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''میں نے ابھی تم سے کہا تھا، کسی بات کی کھوج لگانے کی کوشش کبھی نہ کرنا۔ ایک بات اور ذہن نشین کر لو! میڈم کا عتاب اندھیرے کے زہریلے تیر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ابھی تمہاری ابتداء ہے اس لئے میں تم کو مشورہ دے رہا ہوں کہ خود کو محتاط رکھنے کی عادت ڈالو! ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا بتا دوں کہ میڈم اکرم پر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مہربان تھی۔ صرف ایک سال کے اندر اندر اُس کی تنخواہ میں پندرہ ہزار روپے کا اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر ایک معمولی سی غلطی نے اُسے دوبارہ پستیوں کی طرف دھکیل دیا۔ مگر تم کو ان باتوں سے کبھی کوئی سروکار نہیں ہو گا۔''

''گویا میڈم کی شخصیت بڑی پراسرار واقع ہوئی ہے۔''

''ہاں...... پراسرار بھی اور خطرناک بھی۔ اسی لئے میں نے تمہیں اپنی ذات تک محدود

رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"ایک سوال پوچھوں......؟"

"پوچھو!"

"تم بھی میڈم کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتے ہو گے، جو میری ٹریننگ تمہارے ذ سونپی گئی ہے؟"

"نہیں......" سردار نے جلدی سے جواب دیا۔"یہ پہلا اتفاق ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا میڈم نے صرف نازو کی سفارش پر مجھے اتنی بڑی ذمہ دار سونپنے کا رِسک لیا ہے؟"

"نہیں......" سردار نے سنجیدگی سے کہا۔"میڈم کی نگاہیں کسی عقاب سے بھی زیادہ ہیں۔ وہ صرف اپنی نگاہوں سے انسان کی صلاحیتوں کا ایکسرے کرنے کی صلاحیت رکھ ہے۔ ورنہ اتنا بڑا کاروبار نہیں چلا سکتی تھی۔"

"صرف ایک بات اور......"

"وہ بھی پوچھ لو!"

"کیا میرے اُوپر کوئی آفیسر بھی ہوگا؟"

"نہیں...... تمہیں صرف میڈم کو جواب دینا ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دوسروں کو بالکل ہی خاطر میں نہ لاؤ...... بحیثیت سٹاف ممبر کے تمہیں دکھاوے کے لئے دوسروں سے بھی ربط رکھنا ہوگا اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا ہوگا کہ تمہاری اصل حیثیت اندازہ کسی اور کو نہ ہو۔میڈم رازداری کو پسند کرتی ہے۔"

"لیکن تم......؟" رحمت علی مسکرایا۔"تمہیں تو میری حیثیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ کیا دوسروں سے اس کا ذکر نہیں کر سکتے؟"

"وہ دن میری زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔" سردار سنجیدگی سے بولا۔"میڈم کے گر اُس کے سراغرسانوں کا جال بنا ہوا ہے جس میں بڑے سے بڑا شاطر بھی با آسانی پھنس جا ہے۔"

"لیکن میری ٹریننگ اور ٹریننگ دینے والے...... کیا وہ بھی اپنی زبان بند رکھنے کے پابند ہیں؟"

"تم نے غلط اندازہ قائم کر لیا ہے۔" سردار مسکرایا۔"میڈم جس فلور پر بیٹھتی ہے اُس کے تمام عملے کو اسی ٹریننگ سے گزرنا پڑتا ہے، کسی شخص کی اصلیت کے بارے میں صرف میڈم ہی بہتر جانتی ہے۔"

"لیکن میرے سلسلے میں تو اُس نے بطور خاص اکرم کا حوالہ دیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اُس نے مجھے آزمانے کی خاطر کہا ہو...... وہ دیکھنا چاہتی ہو کہ میں کس

تک رازداری برت سکتا ہوں۔"

"مجھے خود پر بھروسہ ہے......" رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔"میڈم کو اپنے انتخاب پر کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔"

"گڈ...... مجھے بھی تمہاری ذات سے یہی توقع ہے۔ لیکن ایک خاص بات کا اور خیال رکھنا!"

"وہ کیا......؟"

"کیا میں اُمید رکھوں کہ جو بات میں تم کو بتانا چاہتا ہوں، تم اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے؟"

"سردار خان......!" رحمت نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔"تم میرے دوست بھی ہو اور محسن بھی۔ اس لئے کم از کم تم میرے اُوپر بھروسہ کر سکتے ہو۔"

"مونیکا کی شخصیت سے ہمیشہ محتاط رہنا۔ وہ کسی ناگن سے بھی زیادہ زہریلی ہے۔ اُس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس کے باوجود میڈم اُس کی ذات پر آنکھ بند کر کے یقین رکھتی ہے۔"

"شکریہ...... میں اس کا خیال رکھوں گا۔" رحمت علی نے کہا، پھر کچھ سوچ کر بولا۔"کیا قانون نافذ کرنے والے اداروں میں بھی میڈم کی پہنچ اُوپر تک ہے؟"

"اس سوال کا مقصد......؟" سردار نے رحمت علی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"انٹرویو کے دوران میڈم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں اُس کی خاطر آنکھ بند کر کے کسی کو شوٹ بھی کر سکتا ہوں؟"

"تم نے کیا جواب دیا تھا؟"

"میں نے حالات کے پیش نظر ایسا کر گزرنے کی حامی بھر لی تھی۔"

"گڈ......" سردار نے کہا۔"مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد ترقی کرو گے...... ویسے تمہاری خاص اطلاع کے لئے بتاؤں کہ میڈم ایک ریٹائرڈ آئی جی کی بیوہ ہے۔ پولیس اسے ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی میڈم کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ پولیس کے محکمے کے علاوہ بھی بیشتر ذمہ دار افراد میڈم کے خاص واقف کاروں میں سے ہیں۔"

"شکریہ میرے عزیز...... میں تمہاری ایک ایک نصیحت کا خیال رکھوں گا۔"

پھر جس روز وہ نئے گھر میں جانے کی تیاری کر رہا تھا، اُس روز عذرا نے ایک بار پھر اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"اب بھی وقت ہے رحمتے! میری بات مان لے...... جو پرندے زیادہ اُونچا اُڑنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بہت جلد تھک ہار کر نیچے بھی آ جاتے ہیں۔"

"میں ملازمت کر رہا ہوں عذرا! کوئی جرم تو نہیں کر رہا۔" رحمت علی نے کہا۔"مجھے قسمت

سے ایک ایسی ملازمت ملی ہے جس میں ترقی کرنے کے بے شمار مواقع ہیں۔ اور تو گھر آئی ہوئی لکشمی کو ٹھکرانا چاہتی ہے؟"

"ممکن ہے تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہو...... لیکن نہ جانے کیوں اس ملازمت پر میرا دل نہیں ٹک رہا۔ اور تیرا یہ نیا دوست سردار خان ...... یہ بھی مجھے زیادہ اچھا آدمی دکھائی نہیں دیتا۔"

"تجھے کیسے علم ہو گیا کہ وہ جو میری ترقی کا خواہاں ہے، میرا دشمن ہو سکتا ہے؟"

"تو نہیں سمجھے گا رحمتے! لیکن عورت کی نظریں مرد کی ذات کو پہلی ہی نظر میں پرکھ لیتی ہیں۔" عذرا نے کہا۔ "سردار کو پہلی بار دیکھتے ہی میری اُلٹی آنکھ پھڑکی تھی اور اُلٹی آنکھ کا پھڑکنا اچھا شگون نہیں ہو سکتا۔"

"حماقت کی باتیں مت کر عذرا!" رحمت علی نے اُکتا کر کہا۔ "یہ سب روایتی باتیں ہیں۔"

"پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل تیری اس ملازمت سے دھڑکتا رہتا ہے...... ہم اپنے چھوٹے سے گھر میں کس قدر سکون سے رہتے ہیں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" عذرا نے کہا۔ "جو مزہ روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرنے میں ہے وہ......"

"فضول بات مت کر!" رحمت علی تلملا کر بولا۔ "میں اپنی غربت اور روکھی سوکھی پر قناعت کرنے کا نتیجہ تھانے میں بھگت چکا ہوں۔ بول...... جواب دے! کیا میں نے کوئی جرم کیا تھا جو مجھے رُوئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا گیا۔ اور اسی ناکردہ گناہ کی پاداش میں مجھے لگی بندھی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔"

"میں تیری بات مانتی ہوں رحمتے! لیکن بابر کی مثال بھی تیرے سامنے ہے۔ اُس نے بھی چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی تھی اور......"

"اور اب تو اپنی منحوس زبان بند کر لے! اور نئی زندگی میں قدم رکھنے کی تیاری کر۔"

جواب میں عذرا نے مجبور نگاہوں سے رحمت علی کو دیکھا، پھر رختِ سفر باندھنے میں مصروف ہو گئی۔

☆

میجر عاطف ملٹری سیکرٹریٹ سروس میں ایک اہم عہدے پر فائز تھا۔ وہ ایک فرض شناس ذمہ دار آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ جذبہ حب الوطنی سے پوری طرح سرشار تھا اور ان خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اُسے ملٹری سیکرٹریٹ سروس میں ٹرانسفر کیا گیا تھا جہاں وہ ڈیڑھ سال سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ اُس میں بس ایک ہی کمزوری تھی کہ وہ خوبصورت ماحول کا دلدادہ تھا۔ لیکن اُس نے اپنی ان کمزوریوں کو کبھی وطن کی حفاظت کے جذبے پر غالب آنے دیا تھا۔ اُسے متعدد بار ملک دشمن عناصر نے فون پر بڑی لمبی لمبی رقوم کی آفرز دی تھیں اس کے عوض وہ اُس سے خفیہ رازوں کی فائل کی مائیکرو فلم کے طلبگار تھے لیکن میجر عاطف کسی

چٹان کی طرح اپنی جگہ جما رہا۔ اُس نے فون کرنے والوں کو ہمیشہ ذلیل کر کے ایسی حرکتوں سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ خوبصورت ماحول میں بیٹھ کر خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ صرف وقت گزارنے کی حد تک عادی تھا اس سے آگے اُس نے کبھی قدم اُٹھانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ خوبصورت لڑکیاں مردوں کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہیں۔ اور وہ اس کمزوری پر مرتے دم تک غلبہ پانے کا عہد کر چکا تھا۔

جب کیپٹن کے عہدے سے ترقی پا کر وہ میجر ہوا تھا، اُس وقت اُس کی ملاقات شمائلہ نامی ایک حسین لڑکی سے ہوئی تھی۔ میجر عاطف شمائلہ کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں اپنا دل ہار بیٹھا۔ شمائلہ نے بھی اُس کی جانب محبت سے ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ کھلی فضا میں پرواز کرنے والی ایک خوبصورت تتلی تھی جس کے کئی رنگ تھے۔ عاطف چاہتا تو اُسے پل بھر میں کسی کچی ٹہنی کی طرح توڑ کر پامال کر سکتا تھا لیکن وہ اُن اوباش لوگوں میں سے نہیں تھا جو صرف پھل کھانے کے عادی ہوتے ہیں، درختوں کو شمار نہیں کیا کرتے۔ میجر عاطف نے دو چار حسین ملاقاتوں کے بعد ہی شمائلہ سے شادی کے لئے کہا اور شمائلہ نے اس کی آفر کو بلا جھجک قبول کر لیا اور جلد ہی دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

شمائلہ سے شادی کے بعد عاطف نے خود کو صرف اُسی کی حد تک محدود کر لیا تھا، کوئی دوسری لڑکی شمائلہ کے بعد اُس کی زندگی میں داخل نہیں ہو سکی۔ وہ اُسے بے پناہ چاہتا تھا۔ اُس کی جا بیجا کسی فرمائش کو رد نہیں کرتا تھا اور اسی بے جا لاڈ پیار نے شمائلہ کو خود سر بنا دیا تھا۔ وہ کسی خوبصورت تتلی کی طرح آزاد ماحول میں گھومنے پھرنے کی عادی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ وہ عاطف کو بھی خوش رکھتی تھی۔

میجر عاطف اس وقت دفتر میں بیٹھا ایک ضروری فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اور ٹھیک اُسی وقت شمائلہ ایک قدرے سنسان بیچ پر اڈگر کے ساتھ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ اڈگر سے اُس کی پہلی ملاقات کلب میں ہوئی تھی۔ کلب کی بیشتر لڑکیاں اڈگر کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ چنانچہ چار پانچ ملاقاتوں میں اڈگر نے اُسے بھی شیشے میں اُتار لیا اور اب تو اُسے نیلے لفافے کی تنظیم کے سربراہ کی طرف سے یہ بھی ہدایت ملی تھی کہ شمائلہ کو پوری طرح اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کرے۔ اڈگر اس حکم کو اپنا فرض سمجھ کر قبول کرنے پر مجبور تھا۔ اُسے بخوبی علم تھا کہ اس وقت بھی کہیں قریب یا دُور سے کسی کیمرے کی خفیہ آنکھیں زوم لینس کے ذریعہ اُس کے اور شمائلہ کے قرب کو عکس بند کر رہی ہوں گی۔ لہٰذا وہ شمائلہ کو شیشے میں اُتارنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے تم سے ملنے کے بعد تو میں خود اپنے آپ کو بھولتا جا رہا ہوں۔"

"مجھے اُکسانے کی کوشش مت کرو مائی ڈیئر!" شمائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم کلب کے سرکل میں لیڈی کلر کے نام سے مشہور ہو۔ اس لئے ایک بات کا ہمیشہ خیال

رکھنا! کہ میں میجر عاطف کی امانت ہوں اور اگر اُسے تمہارے بارے میں ذرا سا شک بھی گیا تو وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن بھی ہو سکتا ہے۔“

”کیا تم صرف یہی کہنے کے لئے اس وقت میرے ساتھ یہاں تک آئی تھیں؟“ اڈگر ایک ماہر شکاری کی طرح کہا۔ ”یہ بات تم کلب میں بھی کہہ سکتی تھیں۔“

”ہاں...... لیکن مجھے سمندر کے خوبصورت کناروں سے عشق ہے...... جنون کی حد تک۔“

”اس عشق کا ثبوت تم تنہا بھی دے سکتی تھیں۔“ اڈگر نے خشک لہجے میں کہا۔ ”بلاوجہ مجھے بور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ڈونٹ بی سلی۔ بیچ پر تنہا گھومنے کا لطف نہیں آتا، کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”گویا میں ہی ایک بیوقوف تم کو ملا تھا؟“

”نہیں......“ شمائلہ نے شوخی سے جواب دیا۔ ”تم سے پہلے اور بھی بہت مل چکے ہیں۔“

”میجر عاطف کا شمار کس نمبر پر ہوتا ہے؟“

”اڈگر......“ وہ یکلخت سنجیدہ ہوگئی۔ ”عاطف میرا دوست نہیں، میرا شوہر ہے۔“

”اور میں صرف شوفر ہوں جسے گاڑی ڈرائیو کرنے کی حد تک محدود کر دیا گیا ہے۔ کیوں؟“

”ہم ایک دوست کی حیثیت سے بھی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں...... ایک حد تک۔“ شمائلہ نے سمندر کی موجوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں اس بات پر فخر محسوس نہیں ہو رہا کہ میں نے اپنے دوسرے تمام دوستوں پر تمہیں ترجیح دی ہے؟“

”پیاسا کنوئیں کے قریب رہے اور پھر بھی پیاسا رہے...... یہ کہاں کا انصاف ہے؟“ اڈگر نے بے تکلفی سے کہا، پھر شمائلہ کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”بہرحال! مجھے صرف تمہارا قرب بھی گوارا ہے۔“

”لیکن تمہیں انتہائی شرافت اور سچے دل سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔“

”وہ کیا......؟“ اس بار اڈگر نے اُس کی حسین زلفوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

”تم دوستی کی حد کو کبھی پھلانگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”اور اگر میں نے ایسا کیا تو میجر عاطف مجھے موت کے گھاٹ اُتار دیں گے...... کیوں؟“

”ہاں...... میں نے غلط نہیں کہا تھا۔“ شمائلہ سنجیدگی سے بولی۔ ”وہ مجھے جنون کی حد تک پیار کرتا ہے۔“

”اور میں کیا تم سے صرف فلرٹ کر رہا ہوں؟“

”بکواس نہیں...... ہم صرف اچھے واقف کاروں کی طرح ہمیشہ ملتے رہیں گے۔“

”اور اگر کسی دن تمہاری آغوش میں سر رکھے رکھے مجھے موت آ گئی تو......؟“ اڈگر نے اُس کے قریب جاتے ہوئے کہا۔ وہ عکس بند ہونے والی فلم کے لئے زیادہ سے زیادہ بلیک

میلنگ کا مواد فراہم کرنے میں مشغول تھا اور اُسے ہدایت بھی یہی تھی کہ وہ شمائلہ کے سلسلے میں کسی جذباتی حماقت سے پرہیز ہی کرے گا۔ اس وقت بھی اُس نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا، وہ شمائلہ کو اپنی گاڑی میں بیچ تک لایا تھا اور اُسے مکمل یقین تھا کہ یہ منظر بھی محفوظ ہو چکا ہو گا۔

”فکر مت کرو...... میں تمہاری تجہیز و تکفین میں شریک ہو کر عاطف کو اپنی طرف سے بد گمان ہونے کا موقع نہیں دوں گی۔“ شمائلہ نے مسکرا کر کہا۔ ”تمہاری میت کو کندھا دینے والے اور بہت ہیں۔“

”کیا خیال ہے، ہم کچھ دیر ننگے پاؤں ساحل کی نرم ریت پر چہل قدمی نہ کریں؟“

”اب تم نے پہلی بار میرے دل کی بات کہی ہے۔“ شمائلہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اڈگر نے اُس کا ہاتھ تھام کر اُس کو اُٹھنے میں مدد کی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ساحل پر ٹہلنے لگے۔

”اڈگر...... ایک بات پوچھوں؟“

”اس خوبصورت اور حسین ماحول میں بھی کیا تم کسی اجازت کی ضرورت محسوس کر رہی ہو؟“ اڈگر نے بے تکلفی سے کہا۔

”تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟“

”کئی بار ارادہ کر چکا ہوں۔ لیکن شاید میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر سرے سے نہیں ہے۔“

”یہ کیوں نہیں کہتے کہ جسے ہوٹلوں میں کھانے کی عادت پڑ جائے اُسے گھر کا صاف ستھرا کھانا بھی پسند نہیں آتا۔“

”یہ بھی اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔“ اڈگر کھنکھارتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر وہ دونوں بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے، پھر شمائلہ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ اڈگر نے انکار نہیں کیا۔ روانگی سے قبل شمائلہ نے پاؤں صاف کر کے سینڈل پہنے پھر وہ اپنا پرس کھول کر چہرہ صاف کرنے کے لئے ٹشو نکالنا چاہتی تھی کہ اڈگر کی ہلکی سی کراہ سن کر چونک اُٹھی۔ اُس نے نظر اُٹھا کر اڈگر کی طرف دیکھا، پھر اُس کے حلق سے بھی ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل پڑی......

اڈگر کے سینے پر عین دل کے مقام سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھا۔ دو چار منٹ تڑپنے کے بعد اُس نے دم توڑ دیا۔ شمائلہ نے جلدی سے ادھر اُدھر خوفزدہ نظروں سے دیکھا، پھر پرس بند کیا اور تیزی سے اُٹھ کر لپکتی ہوئی اڈگر کی کار تک آئی، دوسرے ہی لمحے وہ پوری رفتار سے کلب کی طرف جا رہی تھی جہاں اُس کی اپنی گاڑی کھڑی تھی۔ اڈگر کی موت کی وجہ سے اُس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ وہ سہم گئی

تھی۔ اُس کے دل میں متعدد سوالات گونج رہے تھے...... اڈگر کو گولی مارنے والا کون تھا؟ کوئی دشمن یا وہ محض ساحل پر شکار کرنے والوں میں سے کسی ایک کے اناڑی پن کا شکار تھا؟ قرب و جوار میں کسی کے نظر نہ آنے کا مقصد کیا تھا؟...... کیا اڈگر کسی انتقامی کارروائی کا شکار ہوا تھا؟...... وہ لوگ کون تھے جنہوں نے چھپ کر اُسے موت کے گھاٹ اُتارا تھا؟ اور اگر اُن کا نشانہ خطا ہو جاتا تو......؟ شمائلہ کے دل کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں۔ پھر ایک پریشان کن خیال اُس کے ذہن میں بڑی سرعت سے اُبھرا اور وہ اس تصور ہی سے کانپ گئی۔

......اگر عاطف کو تمام صورت حال کا علم ہو گیا تو اس کی اپنی پوزیشن کیا ہو گی......؟؟

☆

فون کی گھنٹی بجی تو کمال احمد نے ریسیور اُٹھا لیا۔ اس وقت وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھا لیکن دوسری جانب سے اُبھرنے والی آواز سنتے ہی وہ یکلخت سنبھل کر محتاط انداز میں بیٹھ گیا۔

''کیا تمہارے علم میں ہے کہ اڈگر پر کیا گزری ہے؟''

''نو...... نو سر!'' کمال احمد نے چونک کر کہا۔ ''کوئی خاص حادثہ؟''

''ہاں...... اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' کمال احمد نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''اُس کی موت میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟''

''اُسے میں نے خود آدمیوں کے ذریعے مروا دیا ہے۔''

''کوئی خاص وجہ؟''

''ہاں...... کسی بڑے مہرے کو پیٹنے کی خاطر شاطر کھلاڑیوں کو ایک دو چھوٹے مہروں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔'' لاپرواہی سے جواب ملا۔

''میری آخری اطلاع کے مطابق اڈگر میجر عاطف کی بیوی کے ساتھ بیچ کے ایک قدرے ویران ساحلی حصہ میں اپنے مشن پر کام کر رہا تھا۔''

''تمہاری اطلاع غلط نہیں ہے۔ لیکن اُس کی موت نے شمائلہ کو ہمارے بچھائے ہوئے جال میں پوری طرح پھڑ پھڑانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب وہ ہماری مٹھی میں ہو گی۔ میرا فون اُسے اڈگر کا قاتل بھی قرار دے سکتا ہے۔ میرے مخصوص آدمیوں نے وہ خوبصورت رومانی مناظر بھی محفوظ کر لئے ہیں جو بیچ پر دیکھنے میں آئے تھے۔''

''یو آر گریٹ سر...... لیکن کیا میجر عاطف کو حالات کا علم ہو چکا ہے؟...... میرا مطلب ہے کہ کہیں خود شمائلہ حالات کو ایک نیا رنگ دے کر اپنی پوزیشن بچانے کی کوشش نہ کرے۔''

''نہیں...... وہ اس کی حماقت نہیں کرے گی۔'' دوسری جانب سے بڑے اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ''شمائلہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ دلدل میں پھنسنے والے

اپنے بچاؤ کی خاطر جس قدر ہاتھ پیر مارتے ہیں، موت اُن کے اتنے ہی قریب ہوتی جاتی ہے۔''

''میرے لئے اب کیا حکم ہے سر؟''

''واجد سے کہو! کہ اب وہ شمائلہ کے قریب جانے کی کوشش کرے۔'' خشک لہجے میں جواب ملا۔ ''فی الحال چینا کو تمام معاملات سے دُور ہی رکھو! ہمیں کچھ دنوں تک خاموش رہنا ضروری ہے۔ خان کے آدمی سپر سٹور کی تباہی کے بعد سے شکاری کتوں کی طرح ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں...... کیا خان کے آدمی ہمارے مقابلے میں......''

''بات مقابلے کی نہیں، دُور اندیشی کی ہے کمال احمد!'' دوسری جانب سے سپاٹ آواز میں کہا گیا۔ ''بھونکتے ہوئے کتوں پر پتھر مارنا عقلمندی کے منافی ہے۔ البتہ جب وہ بھونکنا بند کر دیں تو انہیں نہایت آسانی اور خاموشی سے گولی مار کر ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔''

''آپ کے لئے ایک اور اطلاع بھی ہے جناب!'' کمال احمد نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ ''رحمت علی نے برلاس انٹر پرائزز میں ملازمت حاصل کر لی ہے۔''

''پرانی اطلاع ہے...... بہر حال! میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ میڈم برلاس کے قریب پہنچ جائے۔''

''کیا سردار ناکافی تھا سر؟ میرے خیال میں تو وہ رحمت علی کے مقابلے میں ہمارے لئے زیادہ سود مند ثابت ہو رہا تھا۔''

''غیر ضروری سوالات سے پرہیز کی عادت ڈالو...... ضروری نہیں کہ تم کو قبل از وقت سارے حالات سے آگاہ کیا جائے۔''

''آئی ایم سوری سر......!'' کمال احمد نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

''فی الحال ہمارے سارے آدمیوں کو آنکھ کھلی رکھنے کی ضرورت ہے۔ میں ایک معمولی سی غلطی بھی برداشت نہیں کروں گا۔''

''ایسا ہی ہو گا جناب!''

''نازو کی پہلی کامیابی کے سلسلے میں میری مبارکباد قبول کرو! اُس نے زاہد خان کے سپر سٹور کو تباہ کرنے میں کسی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔''

''شکریہ سر!'' کمال احمد نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا، پھر اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔

☆

رحمت علی اپنی نئی کار سے اُترا اور گیٹ پر موجود چپڑاسی نے بڑھ کر اُس سے بریف کیس لیا

تو اُسے اپنا قد خاصا بڑا محسوس ہوا۔ پندرہ دن پیشتر دفتر کے عملے نے جس سردمہری کا مظاہرہ کیا تھا، آج وہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ تیسری منزل پر موجود گارڈ نے باقاعدہ رائفل کے دستے پر ہاتھ مار کر سلامی پیش کی تھی۔ سب سے پہلے سردار خان نے آگے بڑھ کر اُس کا استقبال کیا۔

''میں تمہیں اس نئی زندگی میں پہلے قدم پر مبارکباد پیش کرتا ہوں رحمت علی!'' اُس نے بڑے خلوص سے کہا۔

''مجھے شرمندہ مت کرو سردار!'' رحمت علی بے تکلفی سے بولا۔ ''تم میرے استاد ہو، تم نے مجھے میری صلاحیتوں سے آگاہ کیا ہے، ایک پتھر کو تراش کر ہیرے کی شکل دی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کروں گا۔''

سردار خان ہاتھ تھام کر گفتگو کرتا ہوا اُسے اُس کے کمرے تک لے آیا جو مونیکا کے کمرے کے برابر تھا۔ کمرہ خاصا کشادہ اور تمام ضروری سامان سے پوری طرح آراستہ تھا۔ ایک جانب اُس کی بڑی میز تھی جسے بڑی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ میز کے سامنے دو کرسیاں تھیں اور اُس کے بالکل عقب میں دیوار کے ساتھ قیمتی صوفہ موجود تھا۔ باہر اُس کے نام کی بجائے صرف سیکرٹری کی تختی آویزاں تھی۔

''کیا تمہیں اپنا کمرہ پسند آیا؟'' سردار نے دریافت کیا۔

''کیوں نہیں...... میری حیثیت سے بڑھ کر ہے۔''

''نو......'' سردار نے اُسے ٹوکا۔ ''آج کے بعد سے تم پرانی زندگی اور سابقہ حیثیت کو بھول جاؤ! ابھی تو تمہیں بہت آگے جانا ہے۔ صرف مستقبل پر نظر رکھو!''

پھر وہ بات کر ہی رہے تھے کہ ایک ملازم نے آ کر رحمت علی کو بتایا کہ میڈم نے اُسے طلب کیا ہے۔

''میری باتوں کا خاص خیال رکھنا!'' سردار نے سرگوشی کی۔ ''میڈم بڑی پہلو دار شخصیت کی مالک ہے۔ جتنی جلدی کسی پر مہربان ہوتی ہے، اس سے کہیں جلدی اپنی نگاہیں پھیر لینے کی عادی ہے۔ تمہیں ہر قدم پر اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا ہوگا۔''

رحمت علی نے سر کی خفیف جنبش سے سردار کے مشورے کو قبول کیا، پھر قدم بڑھاتا ہوا میڈم کے خوابناک کمرے میں داخل ہو گیا۔ میڈم برلاس اس وقت اپنی کرسی کی بجائے آرام دہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ رحمت علی نے قریب جا کر اُسے سلام کیا۔ میڈم نے جو اس وقت ایک سگار کا کش لگا رہی تھی، آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔

''کیا سردار نے تمہیں سب کچھ ٹھیک ٹھیک سمجھا دیا ہے؟''

''یس میڈم......'' اُس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

''گاڑی کے مکینزم کا خاص خیال رکھنا! جہاں وہ تمہارے لئے ایک مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے، وہیں موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ ایک مخصوص لیور کو کھینچتے ہی وہ چیتھڑوں کی شکل میں

فضا میں بکھرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔''

''میں اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوں گا۔'' رحمت علی نے ٹھوس اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''سردار خان نے مجھے ہر شے سے آگاہ کر دیا ہے۔''

''گڈ...... آؤ بیٹھو!''

رحمت علی نے برابر والے صوفے پر بیٹھنے کی کوشش کی تو میڈم کا لہجہ یکلخت تلخ ہو گیا۔

''کیوں...... کیا میرے برابر بیٹھنا تمہاری شان کے خلاف ہے؟''

''سوری میڈم......!'' رحمت علی نے بوکھلا کر جواب دیا، پھر اُٹھ کر اُسی صوفے کے دوسرے سرے پر بیٹھ گیا جس پر میڈم بیٹھی تھی۔ اُس کے جسم اور لباس سے اُٹھنے والی خوشبو رحمت علی کے دل و دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ تربوزی رنگ کی ساڑھی میں وہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔

''ایک بات کا خیال رکھنا رحمت علی!'' میڈم نے حیرت انگیز طور پر اپنے لہجے میں یکلخت پیار کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ ''یو آر مائی اون چوائس۔ اس لئے تم تنہائی میں میرے دوست رہو گے، لیکن دوسروں کی موجودگی میں تمہاری حیثیت ایک ملازم جیسی ہوگی۔ لیکن دونوں ہی صورتوں میں میری اجازت کے بغیر تم کبھی لمٹ کراس کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''اوکے میڈم!'' رحمت علی نے بظاہر بڑے سکون سے جواب دیا لیکن اس وقت اُسے اپنے جسم پر ان گنت چیونٹیاں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میڈم کا موڈ آج خلافِ توقع کچھ زیادہ ہی رومانٹک ہو رہا تھا۔

''گناہ کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟'' میڈم نے نشیلی آنکھوں سے رحمت علی کی جانب دیکھا تو جواب میں وہ صرف کسمسا کر رہ گیا۔ ''میں بتاتی ہوں۔'' میڈم نے خود ہی اُس کی مشکل آسان کر دی۔ ''جو کام دوسروں کی نگاہوں میں آ جائے، میرے نزدیک بدترین گناہ ہے۔ کیا تم میری رائے سے اتفاق کرتے ہو؟''

''یس میڈم......!'' اُس نے زبردستی تائید کر دی۔

''تم نے کبھی سگار پیا ہے؟'' میڈم نے اُسے شوخی سے گھورا۔

''جی نہیں...... میں تمباکو نوشی سے پرہیز کرتا ہوں۔''

''اور اگر میں تمہیں سگار پیش کروں تو......؟''

''تو...... تو میں انکار کی جرات نہیں کروں گا۔'' رحمت علی نے کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح جواب دیا۔

''گڈ، مجھے ایسے ہی لوگ پسند ہیں جو میری کسی بات سے انکار نہ کریں۔ اسی خوشی میں آج میں تمہیں ایک قیمتی اور نایاب سگار پیش کرتی ہوں۔'' میڈم اُٹھ کر اپنی میز تک گئی، پھر

دراز سے ایک سگار نکال کر اُس کے قریب آ کر بولی۔ ''میں نے آج تک سگار کسی کو پیش نہیں کیا، لیکن نہ جانے کیوں تمہارے اُوپر اعتماد کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ آج سے یہ سگار تمہاری امانت ہوگا۔''

رحمت علی نے گردن کی جنبش سے شکریہ کا اظہار کیا۔

''کیا تم میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے کو غائب کر سکتے ہو؟'' اُس نے رحمت علی کو دوربین نگاہوں سے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ اُس کا لہجہ پُراسرار اور معنی خیز تھا۔

''مم...... میں سمجھا نہیں۔'' رحمت علی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''نو مائی ڈیئر...... نو!'' بیگم برلاس نے تیزی سے کہا۔ ''انسان کو کسی ایک اور آخری نتیجے پر پہنچنے میں کسی ہچکچاہٹ کا ثبوت نہیں دینا چاہئے۔ میرے نزدیک یہ بزدلی کی علامت ہے۔ مجھے دوٹوک فیصلے زیادہ پسند آتے ہیں۔ ہاں یا نہیں......؟''

''آئی ایم سوری میڈم!'' رحمت علی نے پہلی بار قدرے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ ''میں کوئی شعبدہ باز نہیں ہوں جو متعدد کبوتروں کو اپنی لمبی ہیٹ کے اندر چھپا کر غائب کر دیتے ہیں۔''

''لیکن سائنس نے اب شعبدے بازی کو بھی حقیقت کا رنگ دے دیا ہے۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اگر چاہوں تو اس شیشے کی ٹھوس ایش ٹرے کو پلک جھپکتے میں ہاتھ لگائے بغیر غائب کر سکتی ہوں۔ کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟''

''آپ باہمت اور مضبوط ارادوں کی مالک ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں اسے عملی طور پر کر گزرنے کی صلاحیت بھی ضرور رکھتی ہوں گی۔ ایک عورت ہو کر اتنے بڑے ادارے کو چلانا اور سٹاف کو کنٹرول کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔''

''مجھے تمہاری صاف گوئی پسند آئی۔'' میڈم نے کہا، پھر ایش ٹرے کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''اب میں تمہیں اسے غائب کر کے دکھاتی ہوں۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کی نظریں میڈم پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اُس کی باتوں کو دل ہی دل میں محض مذاق کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے جو کچھ پیش آیا، اُسے دیکھ کر اور محسوس کر کے اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میڈم نے بغیر جلے سگار کا رُخ ایش ٹرے کی جانب کر کے ایک مخصوص حصے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا، جس سے بڑی مدھم سی کھٹ کی آواز سنائی دی، پھر ایش ٹرے دُھواں بن کر پلک جھپکتے ہی نظروں سے غائب ہوگئی......

''اب تمہارا کیا خیال ہے؟''

''حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین۔'' رحمت علی نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''سائنس کے کمالات نے اب سب کچھ ممکن بنا دیا ہے۔'' میڈم نے کہا، پھر اُس سگار کے خاص مکینزم کو سمجھاتے ہوئے رحمت علی سے کہا۔ ''میں نے اس قسم کے صرف دو

تنی بھاری رقم خرچ کر کے حاصل کیئے ہیں، تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج ان میں سے ایک میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔''

''شکریہ میڈم!'' رحمت علی نے سگار لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اس کے بارے میں تم دوسرے عملے کے سامنے اپنی زبان ہمیشہ بند رکھو گے اور اس کا استعمال صرف ایسے موقعوں پر کرو گے جب تمہیں زندگی بچانے کا کوئی اور راستہ نظر نہ آئے۔''

''ایسا ہی ہوگا میڈم!''

''دفتر میں تمہاری حیثیت میرے سیکرٹری کی ہوگی۔ لیکن تمہیں میری جانب سے لامحدود اختیارات حاصل ہوں گے۔'' میڈم برلاس نے دوبارہ بڑی لاپرواہی سے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری کار کے گیئر سسٹم کے باٹم پر ایک مختصر سا بٹن موجود ہے جس کا علم خود سردار کو بھی نہیں ہے۔ تم اس بٹن کو دبا کر جب چاہو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا سختی سے خیال رہے تم بلاوجہ مجھے پریشان کرنے کی کوشش سے پرہیز کرو گے۔''

''آپ کو میری جانب سے کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تم ہر معاملے میں صرف مجھے جواب دہ ہو گے اس لئے دوسروں کی جانب سے ملنے والے احکامات کو اگر چاہو تو خوبصورتی سے ٹال بھی سکتے ہو۔''

''شکریہ میڈم!''

''ایک بات کا خاص خیال رکھنا!'' میڈم برلاس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''دوسروں کے سامنے اپنی عزت اور وقار کا ہمیشہ خیال رکھنا اور موت سے کبھی ہراساں ہونے کی کوشش نہ کرنا۔''

''موت برحق ہے میڈم! اس لئے اس سے صرف بزدل ہی خوف زدہ نظر آتے ہیں۔''

''گڈ...... مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔'' میڈم نے کہا، پھر اچانک اُس کا لہجہ سپاٹ ہوگیا۔ وہ پل بھر میں کسی ناگن ہی کی طرح رُوپ بدلنے پر پوری طرح قادر نظر آتی تھی۔ ''تم اب جا سکتے ہو۔''

''میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں میڈم!'' رحمت علی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟''

''کیا آپ مجھے اپنے دشمنوں کی فہرست دینا پسند کریں گی؟''

''کیوں......؟''

''میں پہلی فرصت میں اُن لوگوں کو نیست و نابود کرنا پسند کروں گا۔'' رحمت علی کا لہجہ ٹھوس اور پُراعتماد تھا۔

''گھبراؤ نہیں۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں بہت جلد خدمت کا موقع دُوں۔''

رحمت علی نے اس بار خاموشی اختیار رکھی اور اُلٹے قدموں میڈم کے کمرے سے باہر آ

گیا۔ لیکن راہداری میں دوسری جانب نظر پڑتے ہی اُس کی پیشانی پر آڑی ترچھی ان گنت سلوٹیں نمودار ہونے لگیں۔

راہداری کے آخری سرے پر لفٹ کے قریب وہی لحیم شحیم آدمی کھڑا گارڈ آن ڈیوٹی سے باتیں کر رہا تھا، جس نے ایک بار رحمت علی کو صدر کے بھرے بازار میں تھپڑ مارا تھا۔ رحمت علی کی مٹھیاں غیر ارادی طور پر بھنچ گئیں۔ اُس کا خون شریانوں میں جوش مارنے لگا......!!

☆☆☆☆☆

اُس کی خونخوار نگاہیں اس طرح لحیم شحیم شخص پر مرکوز تھیں جیسے وہ اُسے کسی خون آشام درندے کی مانند پھاڑ کھانے پر سنجیدگی سے غور کر رہا ہو۔ اُس کے دل میں یہی آئی تھی کہ جیب سے مشین پسٹل نکالے اور ایک ہی وار میں نو وارد کا کام تمام کر دے۔ لیکن پھر اُس کے دل نے اُسے سمجھایا۔ ''نہیں رحمت علی...... تم اب ایک ذمہ دار آفیسر ہو۔ میڈم نے تمہاری ذات پر پورا اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنے دفتر میں کسی ہنگامے کو پسند نہیں کرے گی۔ تمہیں کسی مناسب وقت اور موقع کا انتظار کرنا ہو گا۔ دفتر میں کھلے عام ہنگامہ کرنے پر شاید میڈم بھی تمہاری طرف سے نگاہِ التفات پھیر لے۔ مونیکا اور سردار خان دونوں نے تمہیں یہی سمجھایا تھا کہ میڈم ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت واقع ہوئی ہے...... اور ممکن ہے کہ اکرم بھی کسی ایسی ہی حماقت اور جلد بازی کے مظاہرے کے بعد میڈم کی نگاہوں سے گر کر اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو...... تمہیں فی الحال صبر و سکون کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔

رحمت علی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے بڑی سختی سے بھینچ لیا۔ پھر تیزی سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا کہ ڈیوٹی گارڈ اس شخص سے واقف ہے تو وہ بعد میں بھی اس کا پتہ دریافت کر سکتا تھا اور پچھلا حساب بے باق کر سکتا تھا۔ پھر رحمت علی نے خود کو مصروف رکھنے کے لئے ایک کاغذ اُٹھا کر یونہی آڑھی ترچھی لکیریں کھینچنی شروع کر دیں اور اپنی ملازمت کے پیشِ نظر خود کو سمجھانے لگا۔ اُسے ڈوبتے ڈوبتے ایک مضبوط درخت کا سہارا مل گیا تھا۔ اس سہارے سے پہلے ہی دن کنارہ کش ہو جانے کی صورت میں وہ تباہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی غرق ہو سکتا تھا۔ اُس کے سنہرے خواب، بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اور زندگی میں آگے بڑھنے کی خواہش سب کچھ ایک پل میں ختم ہو سکتا تھا۔

رحمت علی بڑی کوششوں سے اپنے غصے پر قابو پانے میں مصروف تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُس کا وہی لحیم شحیم دشمن اُس کے سامنے موجود تھا۔ اب شاید اُس کی بدنصیبی ہی اُسے رحمت علی کے دفتر تک کھینچ لائی تھی۔

''مجھے میڈم سے بات کرنی ہے۔'' آنے والے نے لاپرواہی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس طرح سگریٹ کے کش لگا رہا تھا جیسے وہ دفتر اُس کے باپ کی ملکیت ہو۔

''میڈم کی پرسنل سیکرٹری مس مونیکا سے ملاقات کریں!'' رحمت علی نے اپنی کنپٹی کی پھڑکتی

ہوئی نسوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ اپنی سیٹ پر نہیں ہے۔" اُس کا لہجہ کھردرا اور سخت تھا۔

"پھر تمہیں اس کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"تم شاید نئے پکھیرو ہو، اس لئے شیرا کو نہیں جانتے۔"

"تم نے درست کہا...... یہ نام آج میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" رحمت نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"فون اُٹھاؤ اور میڈم سے کہو! کہ شیرا آیا ہے۔" اُس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

"سوری...... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" رحمت علی نے حقارت سے جواب دیا۔

"پھر...... تم کس مرض کی دوا ہو؟" شیرا نے اُسے کرخت نظروں سے گھورا۔ "کیا میڈم نے تمہیں محض کسی شوپیس کی طرح پال رکھا ہے؟"

"شیرا......!" یکلخت رحمت علی کے تیور بدل گئے۔ "تم اب اپنی لمٹ کو کراس کر رہے ہو اور میں اس کی اجازت کسی کو نہیں دیا کرتا۔"

"اچھا...... تمہیں بولنا بھی آتا ہے۔" شیرا نے اُس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ آتا ہے۔ لیکن افسوس! کہ اس وقت میں آن ڈیوٹی ہوں۔ بہتر ہوگا کہ تم مس مونیکا کے کمرے میں بیٹھ کر اُس کا انتظار کرو!" رحمت علی نے اُسے بدلی ہوئی نگاہوں سے گھورا۔ وہ خود کو بڑی مشکل سے کنٹرول کر رہا تھا۔

"بکومت!" یکلخت شیرا کے تیور خطرناک ہو گئے۔ "جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر خاموشی سے عمل کرو! اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ میڈم کو بتاؤ! کہ اس سے ملنے کون آیا ہے؟"

"اور اگر میں تمہاری فضول بات سننے سے انکار کر دوں تو......؟" رحمت علی نے لاپرواہی سے اُسے اُکسانے کی کوشش کی تھی۔ اُسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی۔ شیرا کسی چوٹ کھائے ہوئے ناگ کی مانند بل کھاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ رحمت علی بھی یہی چاہتا تھا کہ پہل شیرا کی جانب سے ہو۔

"تم نے صرف شیرا کا نام سنا ہے بچے...... میرے بارے میں اگر تمہیں تفصیل معلوم ہوتی تو اُٹھ کر میرا استقبال کرتے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے شیرا!" رحمت علی نے زہر خند سے جواب دیا۔ "دفتر استقبالیہ کا کمرہ بھی یہ نہیں ہے۔ لیکن ون منٹ...... میرا خیال ہے کہ تمہاری تعلیم صفر کی حد تک محدود ہے۔ ویسے تم اگر درخواست کرو تو میں تمہیں ریسپشن تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تم...... تم شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو۔" شیرا گرج اُٹھا۔

"اور بالکل یہی خیال میرا تمہارے بارے میں ہے۔" رحمت علی کندھے اُچکا کر بولا۔ "اگر تم ہوش میں ہوتے تو کم از کم میڈم کے کسی عملے سے بازاری زبان میں گفتگو کرنے

سے پرہیز کرتے۔"

"بچے......" شیرا بپھر کر بولا۔ "جس دن تم شیرا سے واقف ہو گئے اس دن کے بعد سے میری موجودگی میں تمہاری یہ زبان تالو سے چپکی رہے گی۔"

"شیرا......!" اس بار رحمت علی کا لہجہ سرد ہو گیا۔ "اب تم اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں آخری بار پھر تم سے درخواست کروں گا کہ خود کو اپنی کھال کے اندر ہی رکھنے کی کوشش کرو...... تم نے شاید ابھی تک مجھے پہچانا بھی نہیں۔"

"کون ہو تم......؟" شیرا نے نفرت سے سوال کیا۔ وہ کسی فاتح پہلوان کی طرح رحمت کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا، دونوں ہاتھ اُس نے پتلون کی جیب میں ڈال رکھے تھے۔ شاید وہ مسلح بھی تھا۔

"میں......" رحمت علی نے شیرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "مجھے غور سے دیکھو شیرا...... ہو سکتا ہے کہ تمہیں یاد آ جائے کہ ہم ایک بار پہلے بھی مل چکے ہیں۔"

"مل چکے ہیں؟" شیرا نے اُسے حقارت سے گھورتے ہوئے تعجب سے کہا۔ "کیا تم بتانا پسند کرو گے کہ ہماری ملاقات کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی تھی؟"

"ہم صدر میں ملے تھے...... تم اُس وقت اپنی کسی داشتہ کے ساتھ تھے اور تم نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا تھا۔" رحمت علی نے کسی ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاہا...... ہاہا...... تھپڑ مارا تھا۔" شیرا نے نفرت سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا جرم زیادہ سنگین نہیں ہوگا میرے بچے! ورنہ شیرا تھپڑ نہیں بلکہ ایک معقول معاوضہ کے عوض کسی کو گولی بھی مار سکتا ہے...... تم خوش قسمت ہو جو میں نے صرف تھپڑ پر اکتفا کیا تھا۔"

"اُس وقت میں نے جوابی کارروائی کی کوشش نہیں کی تھی شیرا! جس کی دو وجوہات تھیں...... ایک تو یہ کہ میں صدر جیسے علاقے میں دنگا فساد کر کے تماشہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ تم ایک بازاری عورت کے ساتھ تھے۔ جھگڑا ہونے کی صورت میں لوگوں کی ہمدردیاں محض اُس حسین ناگن کی خاطر تمہارے حق میں جا سکتی تھیں۔ میں ایسی سچویشن میں خاص طور پر اپنی کھوپڑی ٹھنڈی رکھنے کا عادی ہوں۔ اور یہی ایک فرق ہے جو شریف اور بدمعاش کی شناخت کے لئے بہت کافی ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارا......؟" شیرا بجلی کی طرح کڑک کر بولا۔ اُس کی آنکھوں میں تازہ خون کی سرخیاں تیرنے لگی تھیں۔

"خادم کو رحمت علی کہتے ہیں۔"

"کیا زندگی سے تمہارا دل بھر چکا ہے بچے......؟" شیرا کے تیور خطرناک سے خطرناک تر ہوتے جا رہے تھے۔ رحمت علی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹھے رہنے کی صورت میں شیرا کی جانب

سے متوقع حملے کی صورت میں وہ زیادہ بہتر طور پر اپنا دفاع نہ کر سکتا تھا، نہ کسی جوابی کا مظاہرہ۔ شیرا کے ہاتھ جیب ہی میں تھے جس کا مطلب صاف ظاہر تھا، بات بڑھ صورت میں وہ چاقو یا پھر ریوالور ہی کا سہارا لے سکتا تھا۔ خود کو محفوظ پوزیشن میں کر لینے بعد اُس نے سنجیدگی سے شیرا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے معلوم ہے شیرا! کہ میں تم سے کسی شرافت کے برتاؤ کی توقع نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی یہ باور کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ میڈم کا آفس ہے اور میڈم اپنے دفتر میں ہنگامے کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"یو ڈرٹی ڈاگ:...... میڈم نے شاید تجھے بہت زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔" شیرا نے پیستے ہوئے کہا، پھر اُس کا سیدھا ہاتھ باہر آ گیا جس میں کھٹکے والا چاقو موجود تھا۔ کھٹکا ہی اُس کا خطرناک اور چمکدار پھل باہر نکل آیا تھا۔ "آج میں تجھے بتاؤں گا کہ شیرا سے لینے کا انجام کتنا مہنگا پڑتا ہے۔"

"شیرا......!" رحمت علی نے اپنی پوزیشن ذرا سی تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک پھر تمہیں شرافت کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کروں گا۔"

شیرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بس اچانک ہی جنگلی بھینسے کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ وہ چاقو کا پھل اُس کے پیٹ میں اُتارنے کو لپکا تھا۔ رحمت علی اپنی جگہ پوری طرح تیار تھا۔ ایک ذرا سا سنبھل کر اُس نے پوزیشن بنائی اور شیرا سیدھے ہاتھ کو اپنے بازو اور پسلی کے درمیان لیتے ہوئے پوری شدت سے گھٹنے کی ضرب کے پیٹ پر لگائی، پھر جیسے ہی شیرا چوٹ کھا کر تھوڑا سا جھکا، رحمت علی نے بجلی کی سی تیزی سیدھا ہاتھ بلند کر کے اُس کے ہاتھ پر اتنی شدت سے نپی تلی ضرب لگائی کہ چٹ کی آواز ساتھ ہی شیرا کا سیدھا ہاتھ جھول کر رہ گیا۔ چاقو پہلے ہی جھٹکے میں اُس کے ہاتھ سے نکل کر جا گرا تھا۔

شیرا درد سے کراہ اُٹھا۔ کہنی کے پاس سے اُس کے سیدھے ہاتھ کی ہڈی غالباً چٹخ گئی لیکن وہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا اُس نے بڑی تیزی سے جوابی حملہ کرنے کے لئے خود کو لیکن اسی لمحے رحمت علی نے دو قدم دُور ہو کر ایک فلائنگ کک لگائی اور شیرا کی ٹھوڑی بائیں جانب کی کھال اُدھڑ گئی۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر اُس کی گردن سے اُبھر کر سینے تک گئی۔ شیرا لڑکھڑا گیا اور ٹھیک اُسی وقت رحمت علی کا گھونسہ پوری قوت اور شدت سے شیرا پیٹ پر پڑا اور وہ "اوغ" کی آواز نکالتا ہوا دُہرا ہو گیا۔ رحمت علی نے بالکل مشینی انداز اُچھل کر کسی کراٹے کے گرینڈ ماسٹر کی طرح پوزیشن تبدیل کی مگر دل کی دل ہی میں دفتر کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور دو مسلح گارڈ رائفلیں تانے اندر آ گئے۔

"مسٹر شیرا......!" اُن میں سے ایک نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میڈم کا حکم ہے

فوری طور پر مرہم پٹی کے لئے کسی ہسپتال تک پہنچا دیا جائے۔"

"نہیں......" شیرا ہانپتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود میڈم کا حکم بجا لانا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔" دوسرے گارڈ نے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہیں بہرحال! ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

شیرا نے سیدھے ہاتھ سے ٹھوڑی سے بہتا ہوا خون آستین سے صاف کیا، پھر اُلٹے ہاتھ کو سنبھالتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن جاتے جاتے اُس نے رحمت علی کو ایسی ہی نظروں سے گھورا تھا جیسے وہ بہت جلد انتقامی کارروائی کے لئے اُسے چیلنج کر رہا ہو۔

اُس کے جانے کے بعد رحمت علی نے کوٹ کی آستین درست کی، پھر وہ کرسی پر پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ انٹرکام کا بزر بول اُٹھا۔ دوسری جانب سے میڈم ہی تھی۔ اس لئے کہ جس انٹرکام پر اُسے کال کیا گیا تھا اُس کا کنکشن اس کے اور میڈم کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں تھا۔

"یس میڈم......" رحمت علی نے ریسیور اُٹھا کر سہمے سہمے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں شیرا جیسے خطرناک آدمی کو شکست دینے پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔"

"شکریہ میڈم! لیکن مجھے افسوس ہے کہ جو کچھ یہاں دفتر میں ہوا، وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔"

"گھبراؤ نہیں...... میں جانتی ہوں کہ پہل شیرا ہی کی جانب سے ہوئی تھی۔ تم ایک حد تک ہی برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن اب میں تمہیں ایک ضروری مشورہ دینا چاہتی ہوں...... تمہیں اب بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ شیرا اپنی بے عزتی کا انتقام لئے بغیر نچلا نہیں بیٹھے گا۔" میڈم نے کہا۔ "وہ بہادر ضرور ہے لیکن اُس کی خصلت میں کمینگی بھی رچی بسی ہے۔ وہ چھپ کر پشت سے بھی وار کرنے کو بہادری ہی سمجھتا ہے۔"

"شکریہ میڈم! کہ آپ نے وقت سے پہلے آگاہ کر دیا۔ مگر میں اُس سے خوفزدہ بھی نہیں ہوں۔"

"ایک خوشخبری اور بھی ہے تمہارے لئے...... کل میں تمہارے ذمہ ایک اہم کام سونپ رہی ہوں۔"

"آپ کے حکم کو بجا لانا میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگا۔"

"گڈ......" میڈم کی ٹھوس آواز اُبھری، پھر سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور رحمت علی نے سکون کا سانس لے کر اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا۔ اُسے اس بات کی خوشی تھی کہ میڈم نے اُس کی حرکت کا برا ماننے کی بجائے اُسے مبارکباد سے نوازا تھا۔



ایک ایک کر کے اُس نے صبح اور شام کے تمام اخبارات چھان مارے تھے، لیکن اڈگر کے

قتل یا موت کی اطلاع اُسے کہیں نظر نہیں آئی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، اُس کی تشویش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ لاش کو کسی نہ کسی کی نگاہوں میں تو ضرور آنا تھا، یا ابھی تک وہ بے مددگار کینن بیچ کے کنارے ہی بے گور و کفن پڑی ہوگی؟

پانچ بجے کا گجر بجا تو اُس نے جلدی جلدی تمام اخبار سمیٹنے شروع کر دیئے۔ عاطف کے آنے سے پہلے پہلے وہ ان تمام اخبارات کو جلا ڈالنا چاہتی تھی۔ وہ ملٹری سیکرٹریٹ میں ایک ذہین اور ذمہ دار آفیسر تھا۔ اتنے سارے اخبارات دیکھ کر اُس کا ماتھا ٹھنک بھی سکتا تھا۔ شمائلہ کسی قیمت پر خود کو شوہر کی نگاہوں سے گرانا نہیں چاہتی تھی۔

اخبارات کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی۔ اُس کا چہرہ اندرونی خوف کی وجہ سے زرد ہو رہا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی ہلکا سا میک اَپ کیا، پھر باہر آ کر لان میں بیٹھ گئی۔ عاطف کے ہمراہ شام کی چائے وہ ہمیشہ لان پر ہی پینے کی عادی تھی۔ ساڑھے پانچ بجے تک عاطف نہیں آیا تو شمائلہ کے ذہن میں ایک بار پھر وسوسے جاگ اُٹھے۔ اس سے پہلے عاطف کو کبھی دیر نہیں ہوئی تھی۔ وہ وقت کی پابندی میں بڑے سخت اصولوں کا مالک تھا۔ پھر آج اُس کے دیر تک نہ آنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ کہیں اُسے تو حالات سے آگاہی نہیں ہو گئی؟...... وہ کرسی پر بیٹھی پہلو بدلتی رہی، پھر فون کی گھنٹی بجی تو وہ اس طرح چونکی جیسے کوئی بھیانک اور ہولناک خواب دیکھتے دیکھتے اچانک جاگ اُٹھی ہو۔ اُس نے قریب ہی بید کے میز پر رکھے ہوئے ریسیور کو لرزتے ہاتھوں سے اُٹھا لیا۔

''ہیلو......'' اُس کی آواز میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

''خیریت تو ہے سوئٹ ہارٹ......؟'' ریسیور پر عاطف کی مانوس آواز سنائی دی۔

''میں نہیں بولتی تم سے......'' شمائلہ نے اچانک رُوٹھے ہوئے لہجے میں کہا، پھر دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''اس وقت پانچ بج کر چالیس منٹ ہو چکے ہیں اور میں نے تمہارے انتظار میں اب تک چائے بھی نہیں پی۔''

''آئی ایم رئیلی سوری مائی ڈیئر......''

''واپس کب تک آ رہے ہو؟''

''میں نے یہی بتانے کے لئے فون کیا تھا۔'' اس بار عاطف نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آج ایک اہم میٹنگ شیڈول ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رات ہو جائے، اس لئے تم چائے پی کر کلب چلی جاؤ...... اب رات ہی کو ملاقات ہوگی۔''

''اندازاً واپسی کب تک ہوگی؟'' شمائلہ نے پوچھا۔

''رات کے دس بھی بج سکتے ہیں۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟''

''ڈونٹ وری ڈارلنگ! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے...... او کے!''

''بائی......'' شمائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا، پھر ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا۔

چائے منگوا کر اُس نے چائے پی، پھر کلب جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اُس کا ذہن ایک بار پھر اڈگر کے معمہ میں اُلجھ گیا تھا۔ اُس کی لاش کے سلسلے میں اخبار کی خاموشی خالی از مصلحت نہیں ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ جن لوگوں نے اُسے ہلاک کیا ہو، ان ہی لوگوں نے اُس کی لاش بھی ٹھکانے لگا دی ہو۔ ورنہ بعد میں ہونے والی پولیس تفتیش کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور برآمد ہو سکتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے اڈگر کو کس مقصد کے تحت مارا تھا؟ کیا وہ محض اتفاق تھا یا کسی سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا...... اُس کی موت کے ذمہ دار کون لوگ تھے؟

شمائلہ کا ذہن گونج رہا تھا۔ مختلف سوالات آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایک لمحے کو اُس نے سوچا کہ کلب جانے کا ارادہ ترک کر دے، لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ کلب جا کر دیکھنا چاہتی تھی کہ اڈگر کی گمشدگی کا ردِعمل دوسروں پر کیا ہوا ہے؟ ممکن ہے اس طرح ڈور کا کوئی سرا اُس کے ہاتھ آ جاتا۔ اس کے علاوہ وہ تقریباً روز ہی کلب جانے کی عادی تھی۔ اُس کی غیر حاضری کو اڈگر کی گمشدگی کے ساتھ بھی نتھی کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ گزشتہ روز کچھ نہ کچھ لوگوں نے اُسے اڈگر کے ساتھ اُس کی گاڑی میں جاتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ کم از کم کلب کے چوکیدار نے تو اُسے بہرحال دیکھا تھا۔

کلب پہنچ کر وہ سیدھی اُس میز کی جانب بڑھتی چلی گئی جس پر نازو اور درانی بیٹھے تھے۔ وہ اُن دونوں ہی سے واقفیت رکھتی تھی۔ اُسے نازو کے بارے میں اس بات کا شبہ بھی تھا کہ وہ نادر میں دلچسپی رکھتی ہے۔ ہائے اور ہیلو کے بعد وہ بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گئی لیکن اُس نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اُس کے آتے ہی نازو اور نادر درانی کے درمیان راز و نیاز کی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

''مسٹر نادر...... اس وقت کہیں میں کباب میں ہڈی تو ثابت نہیں ہوئی؟''

''جی نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' درانی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اور سناؤ نازو! تمہارا کیا حال ہے؟'' شمائلہ نے نازو سے پوچھا۔

''تمہارے سامنے بیٹھی ہوں، خود ہی دیکھ لو......'' نازو شوخی سے بولی۔

''مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔'' شمائلہ نے بے تکلفی سے کہا۔ ''شاید میرے آ جانے سے تمہاری پرائیویسی ختم ہو گئی۔''

ٹھیک اُسی وقت واجد قریب کی ایک خالی میز پر کرسچین لڑکی کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ نادر درانی نے بس ایک نظر اُسے دیکھا، پھر اس طرح نگاہیں پھیر لیں جیسے سرے سے اُسے جانتا ہی نہ ہو۔ درانی نے نگاہوں نگاہوں میں اُسے بے تعلق ہی رہنے کا اشارہ کیا تھا، پھر وہ چائے منگوا کر پینے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اُس کے کان بدستور درانی کی میز پر ہی لگے ہوئے تھے۔

نازو کی پریشانی کی وجہ میں آپ کو بتا سکتا ہوں۔'' درانی شمائلہ سے مخاطب ہوا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں اُٹھ کر کسی اور میز پر چلی جاتی ہوں۔" شمائلہ نے معنی خیز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... آپ کے آنے کے بعد ہی نازو نے گفتگو کا رُخ اچانک بدل دیا تھا ورنہ سے پیشتر یہ اپنے پرانے دوست اڈگر کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔"

"اڈگر......" شمائلہ نے دل ہی دل میں کہا، پھر پہلو بدل کر رہ گئی اور نازو نے در ایسی تیز اور خطرناک نگاہوں سے دیکھا تھا جیسے اُسے اُس کے جھوٹ بولنے پر شدید غصہ ہو اس لئے کہ وہ اڈگر کے نام ہی سے نفرت کرنے لگی تھی۔ لیکن اس وقت وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

"اگر آپ مس نازو کو اڈگر کے بارے میں کچھ بتا سکیں تو آپ کی بڑی نوازش ہوگی" درانی نے دوبارہ شمائلہ کو مخاطب کیا۔

"مم...... میں؟" شمائلہ ایک ثانئے کو گڑبڑا گئی۔ "میں بھلا اڈگر کے بارے میں کیا ... ہوں؟"

"کیوں......؟" درانی نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ "کیا کل آپ ا... کے ساتھ اُسی کی گاڑی میں نہیں گئی تھیں؟"

"اوہ..... وہ......!" شمائلہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے بات بناتے ہوئے جھوٹ ب... "دراصل اڈگر کو مجھ سے ایک ضروری کام تھا۔ میں اُس کا کام کرانے کے بعد آدھے گھنٹے... اندر واپس آ گئی تھی۔"

"اور اڈگر......؟" درانی نے مسکراتے ہوئے کہا، پھر جلدی سے معنی خیز انداز میں ب... "میں نے جب آپ کو اڈگر کی گاڑی سے اُتر کر اپنی گاڑی کی جانب جاتے دیکھا تھا ... وقت تو اڈگر کی کار خالی تھی۔ کیا آپ اسے ڈرائیو کر رہی تھیں؟"

"جج...... جی ہاں!" شمائلہ نے جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بات بنائی۔ "در... اُس کی درخواست بھی مجھ سے اڈگر ہی نے کی تھی۔ راستے میں اُس کا ایک بے تکلف دو... مل گیا جس نے اڈگر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں ... کی گاڑی کلب کے پارکنگ لاٹ تک چھوڑ دوں۔"

"حیرت ہے......" درانی نے بڑی گمبھیر تلخی سے کہا۔ "کلب آنے سے پہلے میں اڈگر... گھر بھی گیا تھا لیکن اُس کے ملازم نے بتایا کہ وہ رات بھی گھر نہیں پہنچا تھا۔ اور تعج... بات کا ہے کہ کلب میں اُس کی گاڑی بھی موجود نہیں ہے۔"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" اس بار نازو نے حقارت سے کہا۔ "اڈگر جیسے ... افراد اپنی اکثر راتیں گھر سے باہر ہی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"کیوں مسز عاطف؟" درانی نے موقع کی رعایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شم...

مخاطب کیا۔ "کیا نازو ٹھیک کہہ رہی ہیں؟"

"بھلا میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" شمائلہ نے بظاہر بڑے سکون سے جواب دیا، لیکن اُس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ اندرونی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب ہے۔

واجد کی نگاہیں شمائلہ کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا باقاعدہ جائزہ لے رہی تھیں۔

"اڈگر جیسے لوگوں کا حال تو ضرور رنگین ہوتا ہے لیکن اُن کا مستقبل......" نازو روانی میں کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گئی۔

"لیکن اُن کا مستقبل یعنی انجام بڑا بھیانک اور ہولناک ہوتا ہے۔" درانی نے بدستور معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم شاید یہی کہنا چاہ رہی تھیں۔"

"کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟" نازو تلملا کر بولی۔

"تم خواہ مخواہ مجھ پر کیوں خفا ہو رہی ہو......؟" درانی نے تیزی سے کہا۔ "اڈگر کے بارے میں تمہیں مسز عاطف سے شکوہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ آخری بار وہ ان ہی کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ جس کی گواہی کلب کا چوکیدار بھی دے سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا مسٹر درانی؟" شمائلہ نے سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔ "میں اڈگر کو صرف کلب کے ممبر کی حیثیت سے جانتی ہوں۔"

"میرا مطلب بھی یہی تھا کہ آپ......"

"سوری......!" شمائلہ جھلا گئی۔ "میں ہر کس و ناکس سے بے تکلف ہونے کی عادی نہیں ہوں۔" پھر جملے کے اختتام پر وہ اپنا پرس سنبھالتی تیزی سے اُٹھی اور لمبے لمبے قدم اُٹھاتی باہر نکل گئی۔

"کبھی کبھی تمہاری عقل بھی گھوم جاتی ہے۔" شمائلہ کے جانے کے بعد نازو نے درانی سے شکایت کی۔ "یہ تم نے اس وقت اڈگر کا ذکر کیوں نکالا تھا؟ اور میں تم سے اڈگر کے بارے میں کب گفتگو کر رہی تھی؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ شمائلہ عاطف کی بیوی ہے اور شاید اڈگر نے تم سے ذکر بھی کیا تھا کہ اسے اُوپر سے مسز عاطف کی خوبصورت بیوی کو شیشے میں اُتارنے کا حکم ملا ہے۔"

"پھر...... تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟"

"یہی کہ اڈگر کو آخری بار بیگم عاطف ہی کے ساتھ دیکھا گیا تھا اور......" درانی اپنا جملہ چھوڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"اور کیا......؟"

"اور یہ کہ اب اڈگر اس دنیا میں نہیں ہے۔" درانی نے اس بار اتنی مدھم آواز میں کہا کہ واجد بھی اُس کی بات نہیں سن سکا تھا۔

"نہیں......" نازو حیرت سے اُچھل پڑی۔ "کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ راستے کا ایک کانٹا نکل جانے کے بعد تم یقیناً خوش ہو رہی ہو گی۔ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا! ورنہ پاس تمہارا پتا بھی صاف کرنے سے دریغ نہ کرے گا۔" اس بار درانی کے لہجے میں سفاکی بھی شامل تھی۔ جواب میں نازو اپنی کرسی صرف کسمسا کر رہ گئی۔ اور ٹھیک اسی وقت واجد بھی اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ اُٹھ کھڑا تھا......!!

☆

رات کے نو بجے کا عمل تھا۔ ابھی تک عاطف واپس نہیں لوٹا تھا۔ شمائلہ نائٹ سوٹ میں ملبوس اپنے بیڈ روم میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی، جب فون کی گھنٹی بجی اور اُس نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو......!" اُس نے تیزی سے ماؤتھ پیس میں کہا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ کال عاطف کی ہو گی۔ اُسے اس وقت عاطف کی غیر موجودگی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

"درانی اور نازو کو کب سے جانتی ہو......؟"

"کون ہو تم......؟"

"تمہارا دشمن...... لیکن اگر تم عقلمندی کا مظاہرہ کرو تو تمہارا دوست بھی بن سکتا ہوں۔"

"درانی اور نازو بھی میری ہی طرح کلب کے ممبر ہیں اور کلب کے ممبروں کا آپس میں ملنا جلنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔" اُس نے قدرے ترش لہجے میں جواب دیا۔

"اور کسی عاشق سے بیچ پر تنہائی میں ملنا، اسے تم کیا کہو گی بے بی؟"

"تم کیا چاہتے ہو......؟" اُس نے ہچکچاتے ہوئے دریافت کیا۔

"فی الحال تمہیں یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ تم اس وقت میری مٹھی میں ہو۔" دوسری جانب سے سرد لہجے میں جواب ملا۔ "پولیس کو اڈگر کی لاش کی تلاش ہے اور یہ بات صرف میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں چھپائی گئی ہے؟ ویسے پولیس نے اُس کی گاڑی کے سٹیئرنگ سے فنگر پرنٹ حاصل کر لئے ہیں۔ اب اُنہیں اصل قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔"

"نن نہیں......" شمائلہ کسی جھاگ کی مانند بیٹھ گئی۔ "مم...... میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔"

"اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی کہ تم قاتل ہو یا بے قصور۔" ریسیور پر سخت آواز میں جواب ملا۔ "اگر پولیس کو کچھ اور ثبوت بھی فراہم کر دیئے گئے تو شاید پھر تمہیں عاطف بھی پھانسی کے پھندے سے بچانے سے قاصر رہے گا۔"

"اور ثبوت کیا ہو سکتے ہیں؟" اُس نے مُردہ سی آواز میں دریافت کیا۔

"تم وہ آخری عورت ہو جو اڈگر کے ساتھ اُس کی گاڑی میں سمندر میں سیر سپاٹے کی

خاطر گئی تھیں۔ وہاں تم نے کسی خاص ذاتی وجہ سے اڈگر کو شوٹ کر کے اپنے راستے سے ہٹا دیا، پھر تم اُس کی گاڑی پر ہی جائے واردات سے فرار ہوئی تھیں۔ میرے پاس ان افراد کی فہرست بھی ہے جنہوں نے تم کو اڈگر کے ساتھ جاتے دیکھا تھا اور...... وہ مووی بھی محفوظ ہے جس میں تمہیں اور مقتول کو ایک دوسرے سے بے تکلف ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے...... کیا تم پسند کرو گی کہ یہ تمام شواہد پولیس کے ہاتھ لگ جائیں؟"

"لل...... لیکن...... مم...... میں نے......"

"میری بات غور سے سنو شمائلہ بیگم!" دوسری جانب سے اُس کا جملہ کاٹتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا گیا۔ "جس وقت اڈگر کے سینے سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا، تم پرس کھولے بیٹھی تھیں...... کیا پولیس اس لائن پر غور نہیں کرے گی کہ تم نے مقتول کا پتہ صاف کرتے ہی اسلحہ کو پرس میں چھپانے کی کوشش کی تھی؟"

"یہ غلط ہے...... اُس وقت میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے...... اگر تم کو یقین ہے کہ تم خود کو قانون کے شکنجوں سے محفوظ رکھ سکتی ہو تو پھر میں تمام ثبوت......"

"نن...... نہیں...... تم ایسا نہیں کرو گے۔ میرے ساتھ میرے شوہر کی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔"

"پولیس تم سے یہ سوال بھی ضرور کرے گی کہ تم ایک باوقار شخص کی بیوی ہونے کے باوجود اڈگر جیسے اوباش مرد کے ساتھ جو اپنے حلقے میں لیڈی کلر کے نام سے مشہور تھا...... کیا کرنے گئی تھیں...... اور وہ بھی ایک سنسان اور ویران ساحل پر...... اڈگر ہی کی گاڑی میں بیٹھ کر۔" دوسری سمت سے بڑے ٹھوس لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا...... "تمہاری اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ میرے پاس پوری مووی موجود ہے۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ اڈگر کی لاش کو کہاں دفن کیا گیا ہے اور اُس کی گاڑی کو آخری بار کس نے ڈرائیو کیا تھا؟"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو......؟" شمائلہ نے کسی ہارے ہوئے قلاش جواری کی طرح مُردہ آواز میں پوچھا۔

"فی الحال میں تم کو یہی مشورہ دوں گا کہ اپنی زبان بند ہی رکھنا!"

"ٹھیک ہے...... تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گی، لیکن......"

"جب تک میری ہر خواہش کی تکمیل کرتی رہو گی پولیس تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی۔" دوسری جانب سے کرخت لہجے میں کہا گیا۔ "کیا تم میری بات ماننے پر آمادہ ہو؟"

"میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔" شمائلہ نے اپنی ہار تسلیم کر لی۔

"ایک راستہ ہے...... تم خود کشی کر کے تمام واقعات سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گی۔"

''مم...... میں تمہیں کہاں مل سکتی ہوں؟''

''اتنی جلدی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ کچھ دن صبر کرو! پھر میں تم سے کہیں بھی مل سکتا ہوں...... اور ہاں...... آئندہ اس طرح کلب میں بیٹھ کر تم کسی سے اڈگر کے بارے میں بات نہیں کرو گی۔''

''مگر نازو اور درانی......؟''

''اُن دونوں کو میرے اُوپر چھوڑ دو...... اُن دونوں کا ریکارڈ بھی اڈگر سے کچھ کم نہیں ہے۔'' دوسری طرف سے پورے اعتماد سے کہا گیا۔ ''جب تک میں نہ چاہوں وہ کسی کے سامنے زبان کھولنے کی جرات نہیں کریں گے۔''

''ایک بات پوچھ سکتی ہوں......؟'' شائلہ نے ہمت کر کے کہا۔

''پوچھو......!''

''تم میری مدد کیوں کر رہے ہو...... میرا مطلب یہ ہے کہ تم......''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' اس بار بھی سرد لہجے میں جواب ملا۔ ''فی الحال اتنا سمجھ لو! کہ میں اڈگر کی طرح صرف تمہارے حسن کا پجاری نہیں ہوں۔ تمہیں میرے ہر اشارے پر بلا کسی چوں چرا کے عمل کرنا ہوگا...... کیا سمجھیں بے بی؟''

پھر شائلہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی لیکن دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ شائلہ کے چہرے پر خوف و ہراس کے ہولناک سائے لرز رہے تھے۔ ریسیور کریڈل پر واپس رکھنے کے بعد وہ کسی زندہ لاش ہی کی طرح بستر گری تھی......!!

☆

بظاہر وہ مستطیل شکل کا ایک گفٹ پیک ہی نظر آ رہا تھا جسے پوری طرح حفاظتی طریقے سے بند کیا گیا تھا۔ پیکٹ کے اُوپر کسی کا نام یا پیغام ٹائپ کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میڈم برلاس نے پیکٹ اُس کے حوالے کرتے وقت کہا تھا۔

''تمہیں یہ پیکٹ رات ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کورنگی کریک پہنچ کر ماچھی گوٹھ پر ایک مخصوص شخص تک پہنچانا ہے۔''

''اُس آدمی کی شناخت کیا ہوگی......؟'' رحمت نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''تمہیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ سرخ رنگ کی کار میں وہاں پہلے سے موجود ہوگا۔'' میڈم برلاس نے کہا تھا۔ ''اس پیکٹ میں ہماری بزنس سے متعلق کچھ دستاویز موجود ہیں جو اگر کسی دشمن کے ہاتھ لگ گئیں تو ہماری کاروباری ساکھ پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں میڈم! میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کیا ہمارا مطلوبہ آدمی اس پیکٹ کی کوئی رسید دے گا؟'' رحمت علی نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''میرا مطلب ہے

کہ ماچھی گوٹھ پر اگر ایک وقت میں دو سرخ رنگ کی......''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔'' میڈم نے کہا۔ ''جس آدمی کے حوالے تم یہ پیکٹ کرو گے وہ تمہیں اس کی وصولی کی ایک مخصوص نشانی دے گا جسے تم مجھ تک پہنچاؤ گے...... لیکن ایک بات کا سختی سے خیال رہے اس کی اطلاع کسی تیسرے شخص کو نہیں ہونی چاہئے۔''

''آپ مجھ پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر سکتی ہیں میڈم!''

''گڈ......'' میڈم نے اُسے عجیب، تسلی اور پُر اعتماد نگاہوں سے دیکھا، پھر وہ وہاں سے میڈم کا اشارہ پا کر اُٹھ گیا تھا۔

اس وقت رات کے پونے گیارہ کا عمل تھا اور اُس کی مخصوص کار کورنگی کریک کی سمت جانے والی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ ٹریفک کچھ زیادہ نہیں تھی اس لئے تیز رفتاری کسی حادثے کا سبب نہیں بن سکتی تھی۔ راستے میں دو تین مقامات پر پولیس کی پیٹرولنگ کار اور موٹر سائیکل پر سوار پولیس والوں نے گاڑی کی تفصیلی تلاشی بھی لی۔ گفٹ پیک کے بارے میں اُس سے سرسری طور پر ایک آدھ بار استفسار کیا گیا، اُس نے جواب میں یہی کہا تھا کہ وہ پیکٹ اُسے ایئر بیس پہنچ کر اپنے ایک زیر تربیت آفیسر تک پہنچانا ہے جس کے اندر ایک تحفہ موجود ہے۔ پولیس والوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی بلکہ اُنہوں نے ڈیش بورڈ وغیرہ کی تفصیلی تلاشی لی تھی۔ ان دنوں چونکہ تخریب کاری کے واقعات رُونما ہو رہے تھے۔ اور کئی اہم مقامات پر بم کے دھماکے ہو چکے تھے اس لئے پولیس کو چوکس رہنے کے احکامات تھے۔ بہرحال! رحمت علی اس وقت چونکہ تھری پیس سوٹ میں ایک صاحب حیثیت آدمی نظر آ رہا تھا اس لئے پولیس والوں نے اُسے بہت زیادہ کریدنے یا چھان بین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اگر وہ کوئی عام سا آدمی نظر آتا تو شاید وہ اُس کے بھی بخیہ ادھیڑنے سے دریغ نہ کرتے۔

راستے میں رحمت علی کا ذہن متعدد بار اس گفٹ پیک کی طرف گیا تھا۔ اُسے بظاہر اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ لیکن اُس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ آخر اس مختصر سے پیکٹ میں ایسی کون سی اہم دستاویز ہو سکتی ہے جو مخالفین کے ہاتھ لگ جانے کی صورت میں برلاس انٹر پرائز کو نقصان پہنچ سکتا تھا؟ اس کے علاوہ بھی اُس کے ذہن نے اس پیکٹ کے سلسلے میں کئی قلابازیاں کھائی تھیں۔ لیکن میڈم کے کاروبار اور اُس کی شخصیت کے پیش نظر اُس نے ان خیالات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یوں بھی اُسے صرف آم کھانے سے غرض تھی، پیڑ گننے کی اُس نے کوئی خاص ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ اور اگر اُس کا خیال درست ہوتا تو بھلا اپنے پرانے ملازموں کی موجودگی میں میڈم ایک نئے ملازم پر اتنے اعتماد کا اظہار کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے وہ ماچھی گوٹھ پہنچ کر اُس سرخ رنگ کی لفٹ بیک کار کے پیچھے رک گیا جو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ سٹیئرنگ پر نظر آنے والا شخص ایک پستہ قد اور گٹھے ہوئے

جسم کا مالک تھا۔ رحمت علی کے اُترتے ہی وہ بھی اپنی کار سے باہر آ گیا۔ رحمت علی کے اندازے کے مطابق پستہ قد آدمی اچھے قماش کا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن اُسے ان باتوں سے سروکار نہیں تھا۔

''تمہیں کس سے ملنا ہے؟'' پستہ قد آدمی نے تیزی سے اُس کے قریب آتے ہو دریافت کیا۔

''اس سرخ گاڑی کا مالک کون ہے؟'' رحمت علی نے احتیاطاً دریافت کر لیا مبادا کہ غلط آدمی پر مطلوبہ شخص کا دھوکہ کھا جاتا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔'' پستہ قد شخص نے کھردری آواز میں کہا۔ ''کیا تمہیں برلاس نے بھیجا ہے؟''

''ہاں......!''

''پھر تمہیں وہ گفٹ پیک میرے ہی حوالے کرنا ہے...... چلو! جلدی کرو۔''

رحمت علی نے ایک لمحے کو سوچا، پھر گفٹ پیک سیٹ سے اُٹھا کر اُس کے حوالے کر پستہ قد آدمی کی نگاہوں میں ایک مخصوص چمک اُبھری تھی، پھر اُس نے جیب سے دس رو ایک نوٹ نکالا، نہایت احتیاط سے تہہ کرنے کے بعد اُس کے دو برابر ٹکڑے کئے، پھر ایک رحمت علی کی سمت بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اسے حفاظت سے رکھ لو! میڈم کو اس نشانی کا شدت سے انتظار ہوگا۔'' پھر وہ کوئی جواب سنے بغیر تیزی سے پلٹا۔ اُس نے اپنی کار سٹا کرنے میں بھی بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے بعد خاموش فضا میں ٹائر چرچراہٹ کی تیز آواز اُبھری اور لفٹ بیک گھاٹ کی طرف دوڑتی ہوئی بہت جلد گ اندھیروں میں نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ پستہ قد آدمی شاید جلد بازی میں اپنی ہیڈ لائٹس بھول گیا تھا یا پھر اُس نے دیدہ دانستہ ہی اُنہیں روشن کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

دس روپے کا آدھا نوٹ ہاتھ میں تھامے رحمت علی کچھ دیر اپنی گاڑی کے پاس حالات کے بارے میں غور کرتا رہا، پھر اُس نے کندھے اُچکا کر لاپرواہی سے وہ نشانی سے اپنے پرس میں رکھی اور کار سٹارٹ کر کے اُسے بیک کرتا ہوا جلد ہی کچے راستوں نکال کر کھلی سڑک پر لے آیا۔ مگر اُس کا ذہن بدستور اُس پھٹے ہوئے آدھے نوٹ میں اُلجھا تھا۔

وہ اتنا بچہ بھی نہیں تھا جو اس کا مطلب نہ سمجھتا۔ راجو اور بابر کی زبانی وہ اکثر لین دین اس خفیہ طریقے کے بارے میں متعدد واقعات سن چکا تھا، پھر اُس کے ذہن میں ایک تیزی سے اُبھرا...... وہ گفٹ پیک اگر میڈم کے کہنے کے مطابق ضروری دستاویز ہی اس آدھے پھٹے ہوئے نوٹ کو کس کھاتے میں فٹ کیا جا سکتا تھا؟......

رحمت علی انہی خیالات میں گم تھا کہ اچانک اُسے پشت سے آنے والی دوسری

س ہوا۔ وہ پچھلے موڑ سے دوسری روڈ گھوم کر اُس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

تعاقب......

رحمت علی کے اندر کا محتاط اور ٹرینڈ انسان پوری طرح بیدار ہوگیا۔ لیکن اُس نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر اُس نے دو تین بار اپنی رفتار کم اور زیادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن پچھلی کار نے بھی اسی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے درمیانی فاصلہ برقرار رکھا۔ چنانچہ رحمت علی کو اس بات کا مکمل یقین ہوگیا کہ کسی مقصد کے تحت اُس کا تعاقب کیا جا رہا تھا......

رحمت علی کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ اُسے شہری حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ہی تعاقب کرنے والوں سے نمٹ لینا چاہئے۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے چہرے پر سفاکی کے اثرات پھیل کر گہرے ہوتے چلے گئے......!!

☆☆☆☆☆

رحمت علی تھوڑی دیر تک سائیڈ مرر میں پیچھے آنے والی گاڑی کو دیکھتا رہا۔ ایک بار اُس
ذہن میں یہ بھی خیال اُبھرا کہ ممکن ہے اس گاڑی میں کوئی جوڑا موجود ہو اور دیدہ دانستہ
آگے نکلنے سے پرہیز کر رہے ہوں۔ لیکن اُس کی چھٹی حس اُسے بار بار تعاقب کا یقین
رہی تھی، پھر اُس کے ذہن میں سردار خان کا ایک جملہ اُبھر آیا جو اُس نے ٹریننگ کے دوران
اُس سے کہا تھا۔

''موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے۔ لیکن انسان کو اپنے سائے سے بھی ہر دم
رہنا چاہئے۔ تم اگر اپنے کسی حریف کو جان سے مارنے سے ہچکچا رہے ہو تو کم از کم اُسے
نقصان ضرور پہنچا دو کہ وہ دوسری بار تمہارے قریب آنے کی حماقت نہ کرے...... ضرورت سے
زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی کسی بڑے نقصان کا باعث بھی بن سکتی ہے۔''

رحمت علی نے سٹیئرنگ پر سیدھے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی، پھر اُلٹا ہاتھ بڑھا کر ایک
بٹن دبایا تو ڈیش بورڈ پر لگی ہوئی چھوٹی سی سکرین آن ہو گئی جس میں پچھلی کار کی روشن
لائٹس بہت واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔ وہ اگر چاہتا تو ایک مخصوص لیور کو ہلکا سا دبا کر پچھلی
گاڑی کو اُڑا بھی سکتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ سکرین کے قریب لگے ہوئے والو کو گھمایا
تو ویو ماسٹر کا سرخ رنگ کا دائرہ سکرین پر نمودار ہو گیا جس کے اندر چار لکیریں نمایاں ہو
گئیں۔ رحمت علی نے دوسری گاڑی کو تعاقب کا سلسلہ ختم کرنے کی خاطر اُس کے ٹائر برسٹ
کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ والو کو گھماتا رہا، اب سکرین پر لکیروں کے درمیان کا
اُلٹی ہیڈ لائٹ کے نیچے تھا۔ لیکن متحرک گاڑیوں کی وجہ سے بار بار اِدھر اُدھر ہو رہا تھا۔
ایک بار جیسے ہی رحمت علی کو اپنے ٹارگٹ کا یقین ہوا، اُس نے بڑی تیزی سے والو کو اندر کی
جانب پش کر دیا...... دو سیکنڈ بعد ہی ایک زوردار دھماکے سے تعاقب میں آنے والی گاڑی کا
اگلا ٹائر برسٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی پہیوں کی چرچراہٹ کی آواز
پرسکون سناٹے کا سینہ چیرتی ہوئی اُبھری تھی۔ سکرین پر پچھلی گاڑی لہراتی ہوئی سڑک کے
کنارے پہنچ کر رُک گئی۔ پھر دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا گیا۔ اس
سے فارغ ہو کر رحمت علی نے نہایت لاپروائی سے ایک دوسرا پش بٹن دبایا تو روشن سکرین
لمحہ کو تاریک ہوئی، پھر اُس پر ایک تفریحی فلم کے مناظر چلنے شروع ہو گئے۔ اُسے یقین تھا
پچھلی گاڑی والے لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُس کیل کو دریافت نہیں کر سکیں گے جو ٹائر

تھرتھراتی ہوئی خود اپنی تپش سے ہی پانی کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہو گی۔

رحمت علی کو اپنی پہلی کامیابی پر ضرورت سے زیادہ ہی مسرت ہو رہی تھی۔ کل تک وہ
جھلملاتی کاروں کو صرف دُور ہی سے دیکھا کرتا تھا، لیکن آج نہ صرف ٹھاٹھ باٹھ سے گاڑی
میں سفر کرنے کے قابل ہو چکا تھا بلکہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اپنے کسی دشمن کو ناقابل تلافی
نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔

رات تقریباً ایک بجے وہ گھر پہنچا تو گیٹ کے چوکیدار نے تیزی سے لپک کر پھاٹک
کھولا۔ وہ گردن کے مخصوص اشارے سے چوکیدار کے سلام کا جواب دیتا ہوا گاڑی کو روش پر
گھماتا پورٹیکو تک آ گیا۔ انجن بند کر کے وہ نیچے اُترا، پھر اُس نے بنگلے کے صدر دروازے کی
بیل بجانے کی کوشش کی ہی تھی کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ سامنے عذرا موجود تھی، وہ بیوی
کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا اور جوتے اُتارنے لگا۔

''سچ بتا رحمتے...... تو اس وقت کہاں سے آ رہا ہے؟'' عذرا نے اُسے گھورتے ہوئے
پوچھا۔

''ایک ضروری کام سے گیا تھا۔''

''ایسا کیا ضروری کام تھا جو تو اتنی رات گئے نپٹا کر آ رہا ہے؟''

''تو نہیں سمجھتی میری جان...... ملازمت میں تنخواہ جتنی زیادہ ہو، کام بھی اُتنے ہی ہوتے
ہیں۔'' وہ جوتا اُتارتے ہوئے بولا۔ ''اور پھر پرائیویٹ ملازم کی تو چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی
ہے۔''

''تجھے میری جان کی قسم!'' عذرا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''سچ
سچ بتا دے...... کہیں تو نے بھی تو چاروں طرف ہاتھ پیر مارنے نہیں شروع کر دیئے؟''

''کیسی دیوانوں جیسی باتیں کر رہی ہے؟ تجھے تو خوش ہونا چاہئے کہ خدا نے ہمارے دن
بھی پھیر دیئے۔'' رحمت علی کوٹ اُتار کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتا ہوا اپنی خوابگاہ کی طرف
بڑھا۔

''میری ایک بات کان کھول کر سن لے!'' عذرا بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر تو نے کسی
غلط راستے پر قدم اُٹھانے کی کوشش کی تو میں بابر کی بیوی کی طرح زندہ رہ کر سینہ کوبی نہیں
کروں گی۔''

''پھر......؟'' رحمت علی نے اُسے پیار سے دیکھا۔

''اس سے پہلے کچھ کھا کر اپنا قصہ پاک کر لوں گی۔''

''پھر فرزانہ کی شادی کون کرے گا؟ اکبر کے سر پر سہرا سجانے کی خوشی کون منائے گا؟''

''تو شاید مجھے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا۔'' رحمت نے اُسے محبت سے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ

باتیں صبح نہیں ہوسکتیں؟''

''نہیں...... '' عذرا چٹک کر بولی۔ ''صبح اُٹھتے ہی تو بچوں کے لاڈ پیار میں لگ جا...
پھر کوٹ پتلون میں بڑا لاٹ صاحب بن کر دفتر چلا جائے گا۔''

''پھر...... تیرا کیا مشورہ ہے؟ کیا ملازمت چھوڑ کر کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھیک مانگنا شر...
کر دُوں؟''

''یہ سب میں نہیں جانتی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے پہلی زندگی میں جو سکون تھا وہ چین...
نصیب نہیں ہے۔''

''کیوں...... کیا میں بدل گیا ہوں؟''

''پتہ نہیں...... لیکن نہ جانے کیوں کسی انجانے خطرے سے میرا دل دھڑکتا رہتا ہے۔''...
رحمت علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی اپنائیت سے بولی۔ ''جب تک تو گھر...
رہتا ہے، میں تیرے لئے بھلائی کی دُعائیں مانگتی رہتی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تو کیوں ایسا کرتی ہے...... تجھے مجھ سے پیار جو ہے۔''

''اچھا ایک وعدہ کر رحمتے...... آئندہ تو کبھی رات کے دس بجے کے بعد گھر سے باہر
رہے گا۔''

''کیوں...... اتنے بڑے گھر میں تجھے ڈر لگتا ہے؟''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کر رحمتے! مجھے اندر سے نہیں، باہر سے خوف آتا ہے۔''

''کیوں آتا ہے خوف؟''

''بس آتا ہے...... میں تجھے اس کی وجہ نہیں بتا سکتی۔''

''میں جانتا ہوں اس کی وجہ......'' رحمت علی نے چھیڑنے کی خاطر کہا۔ ''تو ڈرتی ہے
کہیں جنٹل مین بننے کے بعد میں اب تیری جگہ کسی میم کو اپنے لئے پکڑ نہ لاؤں...... کی...
ہے نا یہی بات؟''

''تو ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔'' عذرا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں اپنے رحمتے کو تجھ سے...
جانتی ہوں۔''

''کیا بھوکا سلانے کا ارادہ ہے؟'' رحمت علی نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ ''کھانے کا...
پوچھے گی؟''

''اتنی دیر میں تو کپڑے بدل...... میں جٹ گئی اور پٹ لائی تیرے لئے کھانا۔''

پھر کھانے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد عذرا نے کہا۔ ''...
میری ایک بات مانے گا؟''

''کیا......؟''

''تو سردار خان سے باہر ہی باہر دوستی رکھ...... مجھے اُس کا زیادہ گھر آنا جانا پسند نہیں...

''کوئی خاص وجہ......؟'' رحمت علی نے چونک کر پوچھا۔

''اکبر اُس سے بہت زیادہ مانوس ہوتا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی جب آتا ہے اُس کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتا ہے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی، اکبر اور سردار خان کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی بات بھی تو ہو سکتی ہے۔'' رحمت نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور کیا بات ہوگی......؟'' عذرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ سردار مجھے بتا رہا تھا کہ اُسے بچوں سے جنون کی حد تک پیار ہے۔'' رحمت علی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''اُس کی شادی کو دس سال گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک اُس کی بیوی کی گود ہری نہیں ہوئی۔''

''پھر بھی...... مجھے اُس کا یہاں زیادہ آنا جانا اچھا نہیں لگتا۔''

''ٹھیک ہے...... میں کسی اور بہانے سے اُسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

کھانا کھانے کے بعد دونوں اپنی خواب گاہ میں آ گئے۔ بستر پر لیٹنے کے بعد اچانک عذرا نے پوچھا۔ ''یہ بیگم برلاس تیری کون لگتی ہے؟''

''کیا مطلب......؟'' رحمت علی نے چونک کر کہا۔ ''وہی تو اُس فرم کی مالک ہے جہاں میں کام کرتا ہوں۔ لیکن تو نے یہ نام کہاں سے سنا؟''

''دو بار تیرے لئے فون کر چکی ہے۔''

''کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟''

''آخری بار اُس نے یہی کوئی پونے بارہ بجے تیرے بارے میں معلوم کیا تھا۔''

''اور کوئی خاص بات......؟'' رحمت علی نے تیزی سے پوچھا۔ ''اُس نے مجھے فون کرنے کو تو نہیں کہا تھا؟''

''نہیں...... اُس نے کہا تھا کہ اب وہ صبح دفتر ہی میں تجھ سے بات کرے گی۔''

رحمت علی نے سوچا کہ میڈم کو فون کر لے، لیکن پھر عذرا کے خیال سے ٹال گیا۔

''ایک بات تو بتا...... یہ تیری میڈم ہے کیسی؟''

''بہت خوبصورت...... بڑی حسین...... بالکل تازہ گلاب کی طرح۔''

''تو شاید مجھے جلانے کے لئے یہ بکواس کر رہا ہے۔''

''خدا کا شکر ہے، کوئی ایک بات تو تیری سمجھ میں آئی۔'' رحمت علی نے مخمور نظروں سے عذرا کو دیکھا، پھر ہاتھ بڑھا کر کمرے کی لائٹ آف کر دی۔



ایس پی رحمان رین بو کلب پہنچ کر سب سے پہلے وہاں کے منیجر ڈیسوزا سے ملا تھا۔ ڈیسوزا کی عمر پچاس سے تجاوز کر چکی تھی۔ گزشتہ بارہ تیرہ سال سے رین بو کا منیجمنٹ اُسی کے ہاتھ

میں تھا۔ اس سے پیشتر وہ ہوٹل بلیومون میں تقریباً آٹھ سال تک اسی عہدے پر کام
خدمت انجام دے چکا تھا۔ پھر ایک روز محض شبہے کی بنیاد پر اُسے بلیومون سے چھٹی
گئی تھی تب ہی سے اُس نے رین بو کلب جوائن کیا تھا۔ اُس کی رہائش بھی کلب کے
میں بنی ہوئی انیکسی میں تھی۔ اُس کی ایک بیوی تھی۔ بچے کی طرف سے شاید وہ قسمت
لکیروں کا شکار ہو گیا تھا۔ شادی کے ستائیس سال بعد بھی قدرت نے اُسے اولاد کی نعمت
محروم رکھا تھا۔

ڈیسوزا کلب کے بیشتر ممبران کے بارے میں اچھی خاصی واقفیت رکھتا تھا۔ اس وقت
وہ ایک رجسٹر کھولے کچھ ضروری اندراج میں مشغول تھا جب ایس پی رحمان اور انسپکٹر
اُس کے آفس میں داخل ہوئے۔ وہ انسپکٹر زیدی کو پہلے سے جانتا تھا، اُسی نے ڈیسوزا
اپنے ایس پی کا تعارف کرانے کا فرض انجام دیا تھا۔

ایس پی رحمان کا نام سنتے ہی ڈیسوزا رجسٹر بند کر کے اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''تشریف رکھئے
محترم! میں آج آپ سے پہلی بار شرف نیاز حاصل کر رہا ہوں۔''

''شکریہ......!'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا، پھر ڈیسوزا پر ایک گہری
ڈالتے ہوئے اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھنے کے بعد ہی ڈیسوزا اور انسپکٹر زیدی
اپنی اپنی نشستیں سنبھالی تھیں۔

''آپ کب سے یہاں منیجر کے عہدے پر کام کر رہے ہیں؟'' رحمان صاحب نے
کے ڈیکوریشن پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''یہی کوئی بارہ تیرہ سال سے۔'' ڈیسوزا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پھر تو آپ کلب کے پیشتر ممبران کو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔''

''جی ہاں...... کم از کم جتنے پرانے ممبر ہیں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' ڈیسوزا
لہجے میں تجسّس تھا۔ ''کوئی خاص بات؟''

''ہمیں آپ کے ایک ممبر اڈگر کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔'' رحمان صاحب
نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ یہاں کے پرانے ممبروں میں سے تھا۔''

''جی ہاں......!'' ڈیسوزا نے اپنی یادداشت کو کریدتے ہوئے کہا۔ ''صحیح دن اور تاریخ
میں رجسٹر دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں، ویسے میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو وہ کوئی سات آٹھ
سے یہاں کا ممبر ہے۔''

''اڈگر کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟'' رحمان صاحب نے اُسے غور
دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں جناب؟'' ڈیسوزا نے شستہ اُردو میں دریافت
اڈگر کا نام سنتے ہی اُس کے چہرے پر کھنچاؤ سا آ گیا تھا۔

''میں اُس کی جنرل ریپوٹیشن کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا خاصا ہنس مکھ، شوخ اور دلچسپ آدمی ہے لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' رحمان صاحب نے اُس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے قدرے تیزی
سے پوچھا۔ ''تم کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے۔''

''میری عمر اس وقت باون اور ترپن کے پیٹے میں ہے جناب!'' ڈیسوزا نے پہلو بدل کر
جواب دیا۔ ''اگر اس عمر میں یہ ملازمت بھی ہاتھ سے نکل گئی تو پھر شاید مجھے کسی فٹ پاتھ پر ہی
گزارہ کرنا پڑے گا...... آپ شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہیں۔''

''تم مطمئن رہو! ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا علم کسی چوتھے آدمی کو نہیں ہو گا۔''

''میں مشکور ہوں گا آپ کا......'' ڈیسوزا نے کہا۔

''دراصل آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ کلب شہر کے سب سے پوش علاقے میں واقع ہے
اس لئے یہاں کے ممبران بھی سب کھاتے پیتے گھرانے سے ہیں۔ ان کے ہاتھ بھی بہت لمبے
ہیں۔''

''میں نے اڈگر کے بارے میں دریافت کیا تھا۔'' رحمان صاحب نے ہاتھ میں دبی ہوئی
چرمی بید کو میز پر رکھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔ ''میں اُس کی جنرل ریپوٹیشن کے بارے میں
معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا خاصا تندرست اور توانا شخص ہے۔ لیکن کلب کی بیشتر لیڈی ممبران سے اُس کا میل
جول بہت زیادہ ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......''

''مم...... میں عرض کرتا ہوں۔'' ڈیسوزا نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''میں نے آنکھ سے تو نہیں
دیکھا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ کلب میں لیڈی کلر کے نام سے مشہور ہے۔''

''ہے نہیں...... بلکہ تھا۔''

''کیا مطلب......؟'' ڈیسوزا نے چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا اب وہ......''

''یس...... ایک فون کی اطلاع کے مطابق اُس کا مرڈر کیا جا چکا ہے۔'' رحمان صاحب
نے کہا۔ ''میں اس وقت اُسی کے گھر سے آ رہا ہوں۔ وہ اپنے فلیٹ پر تنہا ہی رہتا تھا، اُس کے
پڑوسیوں کے بیان کے مطابق وہ دو دن سے کہیں نظر نہیں آیا۔ اور لطف کی بات ہے کہ اُس کی
گاڑی عین اُس کے فلیٹ کے نیچے کھڑی ملی ہے۔ ہم نے اس پر فنگر پرنٹس تلاش کرنے کی
کوشش کی تھی، لیکن ہمیں کامیابی نہیں ہو سکی۔''

''مائی گاڈ......'' ڈیسوزا نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''گویا اُس کا مرڈر کرنے والوں نے کوئی
نشان بھی باقی نہیں چھوڑی۔ لیکن ون منٹ...... گریویارڈ کے رجسٹروں کے اندراج دیکھ کر اُس
کی لاش کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اور لاش کے پوسٹ مارٹم کے بعد......''

"میں اپنے کام سے آپ سے بہتر طور پر واقف ہوں۔" رحمان صاحب نے قدرے لہجے میں کہا، پھر کچھ سوچ کر بولے۔ "اگر وہ آپ کی اطلاع کے مطابق لیڈی کلر تھا تو بڑے گھرانے کی لڑکی ہی اُس کی موت کی ذمہ دار ہو سکتی ہے...... ممکن ہے اڈگر نے کمزوری کی وجہ سے اُسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہو...... کچھ دنوں تک وہ ا مطالبات پورے کرتی رہی، پھر تنگ آ کر اُس نے سرے سے ہی اُس کا پتا صاف ہو......"

"نو سر......" ڈیسوزا نے کہا۔ "وہ اتنا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ کسی عورت کے ہاتھوں جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کی موت میں اُس کے کسی رقیب کا ہاتھ بھی شامل ہو۔"

"گڈ...... ہم تم سے اڈگر کے خاص خاص دوستوں کی فہرست چاہتے ہیں۔ لیکن ا رکھو! وہ فہرست بھی پوری طرح راز میں رہے گی......"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو کس کس کے نام دُوں؟" ڈیسوزا نے کرسی پر پہلو ہوئے کہا، پھر ٹائپ رائٹر سنبھال کر اُس پر کچھ نام ٹائپ کرنے لگا۔ ایس پی رحمان انسپکٹر زیدی بھی اُس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اس لسٹ میں تمام ایسی لڑکیوں کے نام درج کر دیئے ہیں جن سے ا پرانی شناسائی تھی۔ مردوں میں بھی آٹھ دس نام ہیں لیکن وہ سب سے زیادہ قریب درانی تھا۔ دراصل درانی بھی اُسی کی طرح خاصا دل پھینک واقع ہوا ہے۔ اڈگر اور وہ دونوں ہی ساتھ نظر آتے تھے۔"

"درانی کا کیا ایڈریس ہے؟"

"ابھی بتاتا ہوں......" ڈیسوزا نے ایک رجسٹر کھول کر درانی کا پتہ بتایا۔

"تھینک یو مسٹر ڈیسوزا!" اس بار انسپکٹر زیدی نے درانی کا پتہ نوٹ کرتے ہوئے "اڈگر کے بارے میں اور کوئی خاص بات؟"

"وہ بہت زیادہ دولت مند تھا جناب! لڑکیوں پر بے دریغ بڑی بڑی رقمیں لٹاتا تھا۔ پچیس پچاس تو ملازموں کو ٹپ دیا کرتا تھا۔"

"یہ پوائنٹ بہت اہم ہے سر!" انسپکٹر زیدی نے رحمان صاحب سے کہا۔ "اڈ پڑوسیوں نے بتایا تھا کہ وہ دن میں زیادہ تر وقت گھر پر گزارتا تھا، پھر اتنی دولت اُس کہاں سے آتی تھی؟"

"مسٹر ڈیسوزا!" رحمان صاحب نے انسپکٹر کی بات کو دیدہ دانستہ نظر انداز کرتے پوچھا۔ "کیا آپ کسی طرح سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اڈگر کو آخری بار کس کے ساتھ تھا؟"

"یہ بتانا تو مشکل ہے جناب! لیکن ہو سکتا ہے کہ چوکیدار کچھ بتا سکے۔ میں ا طلب کرتا ہوں۔" ڈیسوزا نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو طلب کیا، پھر چوکیدار کو بلانے کو کہا۔

"لڑکیوں میں اڈگر کی سب سے زیادہ دوستی کس سے تھی؟" انسپکٹر زیدی نے چپراسی کے جانے کے بعد دریافت کیا۔

"میں کسی کے دل کا بھید بھلا کیا جان سکتا ہوں جناب؟ البتہ ایک لڑکی ایسی ہے جس کے ساتھ اڈگر کا خاصا میل جول تھا۔ اس کی گواہی کلب کے بیشتر ممبر بھی دے سکتے ہیں۔"

"کیا آپ اُس کا نام اور پتہ بھی دے سکتے ہیں؟" انسپکٹر زیدی نے سوال کیا۔

"آپ نے کمال احمد صاحب کا نام ضرور سنا ہوگا۔ شہر کے بہت بڑے وکیل ہیں، اُن کی لڑکی نازنین سے اڈگر کے گہرے مراسم تھے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے نازنین کا شمار بری لڑکیوں میں نہیں کیا جا سکتا۔"

رحمان صاحب، کمال احمد اور نازنین کا نام سن کر چونکے تھے۔ اسی وقت چپراسی نے آ کر اطلاع دی کہ چوکیدار کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ ڈیسوزا یکلخت بوکھلا کر رہ گیا۔ پھر وہ بھی رحمان صاحب اور انسپکٹر زیدی کے ساتھ ہی چوکیدار کے کوارٹر تک گیا تھا جہاں چوکیدار کی اکڑی ہوئی لاش موجود تھی۔ پہلی نظر میں یہی اندازہ لگایا گیا تھا کہ اُسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے اور اس کی وجہ وہ اُبھری ہوئی سرخ لکیر تھی جو اُس کے گلے پر بہت واضح نظر آ رہی تھی۔ رحمان صاحب نے انسپکٹر زیدی سے کہا کہ وہ متعلقہ تھانے کو فون کر کے ایس ایچ او کو ضروری عملے کے ساتھ فوری طور پر کلب پہنچنے کی تاکید کرے...... پھر پولیس کے آنے کے بعد ہی رحمان صاحب انسپکٹر زیدی کے ساتھ اپنی لینڈ روور میں بیٹھے۔ دوسرے ہی لمحے اُن کی گاڑی تیزی سے نارتھ ناظم آباد کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔

"قاتلوں نے ایک ثبوت اور مٹا دیا۔" رحمان صاحب نے سڑک پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "چوکیدار کو مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی، میں نے اُس کے جسم کو چھو کر دیکھا تھا جو زیادہ سرد نہیں ہوا تھا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا سر! کہ قاتل مستقل ہمارا تعاقب کر رہا ہے اور ایسے تمام نشانات مٹاتا جا رہا ہے جو ہمیں اصل مجرم تک پہنچنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"اس کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔" رحمان صاحب کا لہجہ بے حد ٹھوس تھا۔ "اگر تمہارا اندازہ درست نکلا تو درانی بھی ہمیں زندہ حالت میں نہیں ملے گا۔"

انسپکٹر زیدی نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا، تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "سر...... آپ کو اڈگر کی موت کی اطلاع کس نے دی تھی؟"

"وہ کوئی نامعلوم شخص تھا جس نے فون پر مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ صدر میں ہونے والا دھماکہ اور خان سپر سٹور کی تباہی کے پیچھے اڈگر اور اُس کے آدمیوں کا ہاتھ ہے، جسے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا، پھر مقصد پورا ہو جانے کے بعد اُسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے سر...... کیا فون کرنے والا قانون کا دوست ہوسکتا ہے؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو......؟"

"سر...... ممکن ہے کہ وہ بھی جرم میں برابر کا شریک ہو اور ہمیں ڈاج دے کر اپنی ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔" انسپکٹر زیدی نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمیں اصل سے ہٹانے کی خاطر اڈگر کے قتل کے کیس میں اُلجھانا چاہتا ہو۔"

"لیکن چوکیدار کی موت کو تم کیا کہو گے؟" رحمان صاحب بولے۔ "میں پورے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرنے والا اُس شخصیت سے ضرور واقف رہا ہو گا جو آخری بار کے ساتھ تھی، اسی لئے اُس غریب کا کام تمام کر دیا گیا۔"

"اگر یہ بات ہے سر! تو پھر درانی کا زندہ ملنا بھی آپ کے خیال میں مشکل ہی نظر ہے۔"

"ہم یہی دیکھنے چل رہے ہیں۔" رحمان صاحب نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے گمبھیر لہجے سے کہا۔

پھر اُن کا خیال غلط ثابت نہیں ہوا...... پی پی آرکیڈ کا فلیٹ نمبر آٹھ اُنہیں کھلا ہی ملا اندر ایک کمرے میں درانی کی لاش موجود تھی جس کے گرد جما ہوا خون اس بات کی چغلی تھا کہ اُسے بھی مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ علاقہ پولیس کو موقع واردات پر طلب کرنے کے بعد رحمان صاحب انسپکٹر زیدی کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ بیٹھے۔ اب اُن کی لینڈ وکیل کمال احمد کی رہائش گاہ کی جانب فراٹے بھر رہی تھی۔ دونوں ہی کے چہروں پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ چوکیدار اور پھر درانی کا قتل اُن کے لئے کسی چیلنج سے کم نہیں تھا......!!

☆

فون کی گھنٹی بجی تو نازو نے جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا۔ فون اُس کے کمرے کا تھا۔

"ہیلو......" اُس نے لاپرواہی سے کہا۔ لیکن دوسری طرف سے اُبھرنے والی آواز سن کر سہم گئی تھی۔

"میری بات غور سے سنو...... ممکن ہے ایس پی رحمان تم سے ملنے کی کوشش کرے۔"

"کس سلسلے میں؟" نازو نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ وہ تو ڈیڈی کے دوستوں میں ہیں۔"

"اسی لئے تمہیں رعایت دے کر معاف کر دیا گیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" وہ چونکی۔

"رین بو کے چوکیدار کے علاوہ ہمیں اڈگر کا سراغ مٹانے کی خاطر درانی کو بھی سے ہٹانا پڑا ہے۔ اب صرف تم باقی ہو جسے اس بات کا علم ہے کہ اڈگر موت سے پہلے بارکس کے ساتھ تھا۔"

"شمائلہ کے ساتھ......" وہ بوکھلا کر بولی۔ "اس کا اندازہ مجھے خود شمائلہ اور درانی کی گفتگو سے ہوا تھا۔"

"اسی لئے درانی کو راستے سے ہٹانا پڑا۔ دوسرا ثبوت چوکیدار تھا اور اب تیسری تم زندہ باقی رہ گئی ہو۔" دوسری جانب سے سفاک لہجے میں کہا گیا۔ "ایس پی رحمان اور انسپکٹر زیدی دونوں ہی سراغرساں کتوں کی طرح اڈگر کی لاش اور اس کے قاتلوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ رین بو کے منیجر ڈیسوزا نے اُنہیں بتایا ہے کہ تمہاری اور اڈگر کی بہت زیادہ ملاقات تھی۔"

"لیکن میں...... اس میں میرا کیا قصور ہے؟" نازو نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"گھبراؤ نہیں......" دوسری جانب سے سپاٹ آواز میں جواب ملا۔ "تم ہمارے لئے اہم ہو اس لئے تمہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ لیکن تم اس بات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دو! کہ تمہاری موجودگی میں شمائلہ اور درانی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟ بلکہ تم شمائلہ سے صرف اسی حد تک واقف ہو کہ وہ بھی کلب کی ممبر ہے۔ تمہارے درمیان کبھی دوستی نہیں رہی...... کیا تم میری بات سمجھ رہی ہو؟"

"ہاں...... میں شمائلہ سے کبھی نہیں ملی۔ لیکن کلب کے دوسرے ممبروں نے تو ہم دونوں کو......"

"جتنا کہا گیا ہے صرف اُسی پر عمل کرو!" لہجہ کرخت ہی تھا۔ "کلب کے دوسرے ممبروں کو ہمارے اُوپر چھوڑ دو...... ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اب شمائلہ بھی تمہاری طرح ہماری مٹھی میں ہے۔ وہ بھی وہی کرے گی جو ہم چاہیں گے۔"

"مجھے رحمان انکل سے کیا کہنا ہو گا؟" نازو نے تھوک نگلتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم اڈگر کی دوست ضرور تھیں لیکن صرف کلب کی حد تک۔ اڈگر کی دیگر مصروفیات کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔"

"احتیاط لازم ہے......" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "ڈیسوزا سے ملنے والی اطلاع کے مطابق رحمان تمہیں ضرور کریدنے کی کوشش کرے گا۔ ہوسکتا ہے اُس کے سادہ لباس والے تمہاری نقل و حرکت پر بھی نظر رکھیں اس لئے تم محتاط رہنا! مگر روزمرہ کے معمول میں فرق نہیں آنا چاہئے۔"

"اگر رحمان انکل نے اڈگر کے بارے میں تفصیل جاننے کی کوشش کی......"

"تم اس بات کا اظہار کر سکتی ہو کہ اڈگر لڑکیوں سے دوستی پیدا کرنے اور فلرٹ کرنے کا عادی تھا۔ لیکن تمہارے سلسلے میں اُس نے کبھی کسی حماقت کا مظاہرہ نہیں کیا......"

"اور اگر اُنہیں میرے بیان پر یقین نہ آیا تو؟"

"یہ بھی ہمارے اُوپر چھوڑ دو! مگر اتنا یاد رکھنا کہ اب تمہاری زندگی کا انحصار بھی بیان پر ہی ہوگا۔ ہمارے نزدیک تنظیم کے سخت اصولوں کے مقابلے میں انسانوں کی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

"میں وہی کروں گی جو تم لوگ چاہو گے۔" نازو سہم کر بولی۔

"گڈ......" دوسری جانب سے مختصراً کہا گیا، پھر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فون آنے کے دس منٹ بعد ہی ایس پی رحمان اُس کی خواب گاہ میں بیٹھے اُ بارے میں سوالات کر رہے تھے لیکن نازو نے اداکاری کرتے ہوئے بڑی معصومیت باتیں دہرا دیں جن کا حکم اُسے فون پر دیا گیا تھا۔ جاتے جاتے رحمان صاحب نے درخواست کی تھی کہ وہ ان باتوں کا تذکرہ کسی تیسری شخصیت کے سامنے نہیں کرے گی۔ نازو نے بڑے بھولے انداز میں حامی بھر لی تھی۔

☆

فائیو سٹار کا بینکویٹ ہال اس وقت مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بیگم برلاس تقریب اپنی فرم کی سلور جوبلی کی تقریب میں منعقد کی تھی۔ دفتر کے سٹاف کے خاص لوگوں کے علاوہ دیگر مہمانوں، اعلیٰ افسروں اور بزنس سرکل کے ایگزیکٹوز بھی اس تقریب مدعو تھے۔ بیگم برلاس اس وقت ہلکی کامدانی کی سفید ساڑھی اور ہیروں کے قیمتی ہار میں جگمگا تھی۔ جس میز پر وہ بیٹھی تھی اُس پر سردار اور مونیکا کے علاوہ پولیس کے دو اعلیٰ افسران خاص معزز مہمان بھی موجود تھے۔ البتہ ایک نشست جو رحمت علی کے لئے مخصوص تھی تک خالی نظر آ رہی تھی۔ وزارتِ صنعت کے سکریٹری جو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مد ایس پی سٹی سے گفتگو کرنے میں محو تھے۔

"ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں لیکن رحمت ابھی تک نہیں آیا۔" بیگم برلاس نے اپنی دستی پر نظر ڈالتے ہوئے مونیکا سے کہا۔ "کیا تم نے اُسے میرا پیغام دے دیا تھا؟"

"یس میڈم...... اُسے ٹھیک ساڑھے سات بجے آنے کی تاکید کی گئی تھی اس لئے نام ان افراد کی فہرست میں بھی شامل تھا جنہیں مہمانوں کا استقبال کرنے کے لئے منتخب تھا۔"

"سردار......" میڈم برلاس نے سردار کی جانب دیکھا اور مدھم آواز میں دریافت "کیا رحمت نے تم سے کچھ کہا تھا؟"

"نو میڈم!" سردار کا جواب مختصر تھا۔

"ایک پروجیکٹ پر کامیابی کے بعد اسے غالباً اپنی اہمیت کا کچھ زیادہ ہی اند ہے۔" مونیکا نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ مسز برلاس جواب میں کچھ کہنا لیکن اُسی وقت ڈی آئی جی سٹی نے کچھ کہا اور وہ اُن کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی۔

مہمانوں کی نشستوں کے درمیان باوردی بیرے مشروبات کی ٹرالی لئے اپنا فرض انجام رہے تھے۔ پھر ٹھیک پونے نو بجے بیگم برلاس کا نام مائیک پر پکارا گیا اور وہ مسکراتی ہوئی سٹیج پر پہنچ گئی۔ ایک سرسری نگاہ سے اُس نے پورے ہال کا جائزہ لیا، پھر بڑے منجھے ہوئے انداز میں اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ لوگ بڑی توجہ سے تقریر سننے میں مصروف تھے۔ خاص طور پر وزارتِ صنعت کے سیکرٹری کی آنکھ اور کان دونوں ہی میڈم برلاس کی تقریر اور اُس کے حسن پر جمے ہوئے تھے۔ اسی وقت ایک میز پر سوٹ بوٹ میں ملبوس شیرا اپنے ساتھی سے سرگوشی کر رہا تھا۔

"کیا تمہیں شکار نظر آیا یا نہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک نہیں آیا۔ مگر آئے گا ضرور۔" شیرا کے ساتھی نے جو سفید شلوار سوٹ اور سیاہ واسکٹ میں تھا، مدھم لہجے میں جواب دیا۔ وہ دونوں بیرونی دروازے کے قریب دو علیحدہ علیحدہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

"آج اُسے بچنا نہیں چاہئے......" شیرا نے سرد آواز میں کہا۔ "اُس روز میں میڈم کے گارڈز کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا، لیکن آج میدان میرے ہاتھ ہو گا۔"

"سوچ لو...... اتنے ہجوم کے درمیان......"

"مزہ تو تب ہی آتا ہے کہ شکاری شیر کی کچھار میں گھس کر شکار کھیلے۔ تم بس! اتنا خیال رکھنا کہ میرا اشارہ ملتے ہی ہال کا مین سوئچ آف کر دینا۔" شیرا کے لہجے میں سفاکی تھی۔ "کیا تم نے تیسرے آدمی کو بھی سب کچھ سمجھا دیا ہے؟"

"تم فکر مت کرو باس! ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہو گا لیکن......" شلوار قمیض والا کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"لیکن کیا......؟" شیرا نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

"برا نہ ماننا باس! مگر تم نے میڈم کی خاطر کئی بار اپنی زندگی داؤ پر لگائی ہے لیکن اسی کے آدمیوں نے تمہیں ایک نئے ملازم کے مقابلے میں ذلیل کر کے دفتر سے نکال دیا اور میڈم نے ابھی تک اُسے اپنی ملازمت سے برطرف بھی نہیں کیا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" شیرا کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اصل ذمہ داری میڈم پر عائد ہوتی ہے...... وہ دو ٹکے کا ملازم تو محض ایک مہرہ ہے۔"

"اوہ......!" شیرا نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "میں تمہارا اشارہ سمجھ رہا ہوں۔"

"مزہ تو تب ہے کہ اصل سانپ کا سر کچل دیا جائے۔" شلوار قمیض والے کا انداز سمجھانے والا تھا۔ "لاٹھی کو ٹکڑے کرنے سے کیا ملے گا؟"

"سوچ لو...... وہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے۔"

"لیکن مرغی جب کڑک ہو جانے کا اظہار کر دے تو اس کا روسٹ زیادہ مزیدار ہوتا

ہے۔''

''ہُم......تم شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔'' شیرا نے ایک نظر میڈم کی سمت ڈالتے ہوئے کہا۔ ''پیڑ کو اگر جڑ سے کاٹ دیا جائے تو پتے اور شاخیں خود بخود سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن...... میں، میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم شیرنی کے شکار کا پروگرام بناؤ اُستاد! بھیڑ کو میں ذبح کر کے تمہارے قدموں میں ڈالوں گا۔''

''شیرا آج کا پروگرام کبھی کل پر نہیں ڈالتا۔ اسی لئے میں نے جان بوجھ کر ایسی جگہ کو پسند کیا ہے جہاں سے شکار کو ختم کرنے کے بعد با آسانی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو سکتا ہے۔ اور پھر گھپ اندھیرا ہوتے ہی فائر کی آواز سن کر لوگوں میں بھگدڑ مچ جائے گی۔ بظاہر اکڑ کر چلنے والے یہ بڑے لوگ اندر سے بہت بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔''

''فکر مت کرو باس...... صمدانی تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں تمہارا پسینہ گرے گا وہاں میں اپنا خون بہانے کو بھی تیار ہوں۔''

پھر اُن دونوں کی آواز لوگوں کی تالیوں میں گونج کر دب کر رہ گئی۔ میڈم اپنی تقریر ختم کر چکی تھی اور سٹیج سے اُتر کر اپنی نشست کی طرف جا رہی تھی۔ پھر سٹیج سیکرٹری نے مائیک پر وزارت صنعت کے سیکرٹری کو مدعو کیا تو ہال ایک بار پھر تالیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ تالیوں کی گونج میں سیکرٹری وزارت صنعت اپنی کرسی سے اُٹھ کر سٹیج کی سمت قدم اُٹھانے لگے۔ اُدھر وہ سٹیج پر پہنچ کر ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر لوگوں کی تالیوں کا جواب دے رہے تھے کہ ایک شخص میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اور سیکرٹری کی کرسی پر آ بیٹھا۔ میڈم برلاس نے اُسے غور سے گھورا، وہ فرنچ کٹ داڑھی والا ایک خوبرو شخص تھا جس نے ہونٹوں کے درمیان پائپ دبا رکھا تھا۔ رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے وہ کسی بڑے اور معزز گھرانے کا فرد نظر آ رہا تھا...... ممکن ہے کوئی صنعت کار ہو...... میڈم نے سوچا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات بھی منظور نہیں تھی کہ کوئی شخص سیکرٹری کی نشست پر اس طرح قبضہ جما لے اور ایسی صورت میں جبکہ وہ کرسی میڈم کے سیدھے ہاتھ پر تھی اور وہ اس نو وارد سے واقف بھی نہیں تھی۔ ایک لمحے تک وہ اُس خوبرو تنومند شخص کو نگاہوں نگاہوں میں تولتی رہی، پھر اُس نے فرنچ کٹ داڑھی والے سے پوچھ لیا۔

''آپ کی تعریف......؟''

''کیپٹن سرفراز فرام ملٹری انٹیلی جنس...... آپ غالباً میڈم برلاس ہیں۔''

''جی ہاں...... لیکن......''

''ڈونٹ وری...... آئی ایم آن ڈیوٹی!'' اُس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''سیکرٹری صاحب کی واپسی سے پہلے میں یہ نشست خالی کر دوں گا۔''

''کیا آپ......؟'' ڈی آئی جی سٹی نے جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے دریافت کیا۔

''گارڈ ڈیوٹی......'' کیپٹن سرفراز نے لاپرواہی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' میڈم برلاس نے قدرے اُلجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا سیکرٹری صاحب کو یہاں کوئی خطرہ لاحق ہے؟''

''خطرہ ہر وقت کبھی آواز دے کر نہیں آتا میڈم...... ہمیں ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔''

''یو آر رائٹ کیپٹن!'' ڈی آئی جی کرائمز نے کہا۔ ''لیکن کیا آپ کو کسی خطرے کی اطلاع پہلے سے ملی ہے؟''

''سوری سر......'' کیپٹن سرفراز نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم قبل از وقت کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔ یہ بھی ہماری ٹریننگ اور ڈیوٹی کا ایک حصہ ہے۔''

''برا نہ مانئے گا کیپٹن!'' بیگم برلاس نے ملائمت سے کہا۔ ''ہم نے ذاتی طور پر بھی سیکرٹری صاحب کے لئے خاصے حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ حکومت کے سرکاری حلقوں میں انہیں کیا اہمیت حاصل ہے۔''

کیپٹن سرفراز نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا، پائپ کا دُھواں اُڑاتے ہوئے سرسری نظروں سے ہال میں دیکھنے لگا۔ اُس کی عقابی نظریں چاروں طرف چکراتی پھر رہی تھیں۔ سردار اور مونیکا کے علاوہ ڈی آئی جی سٹی بھی کیپٹن کو بغور دیکھ رہے تھے لیکن وہ ان سب کی طرف سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔ پھر اُس نے شیرا کو اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے دیکھا، وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ایک قدرے نیم روشن حصے کی طرف جا رہا تھا، پھر وہ سرکتا ہوا ایک پلر کی آڑ میں ہو گیا۔ اتنی دیر میں شیرا کا ساتھی بیرونی دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

''میڈم......'' کیپٹن سرفراز نے بیگم برلاس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ ''کیا میں آپ سے ایک بات عرض کر سکتا ہوں؟''

''یس......'' بیگم برلاس نے جو اس وقت سیکرٹری کی جوابی تقریر سن رہی تھیں چونک کر کیپٹن کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''کوئی خاص بات؟''

''آپ اس وقت مجھے پورے ہال میں سب سے زیادہ خوبصورت، اہم، حسین اور سمارٹ نظر آ رہی ہیں۔'' کیپٹن نے اتنے مدھم لہجے میں کہا کہ کوئی اور اُس کی بات نہیں سن سکا تھا۔ میڈم برلاس کا چہرہ غصے کی تپش سے تپ کر گلنار ہو گیا۔ مونیکا نے بھی میڈم کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ میڈم سے اس تبدیلی کی وجہ دریافت کرتی، کیپٹن سرفراز نے ایک ایسی حرکت کی کہ میز پر بیٹھے ہوئے تمام لوگ ششدر ہو گئے۔ اُس نے بیٹھے ہی بیٹھے میڈم کی کرسی پکڑ کر اس طرح پشت کی طرف جھٹکا دیا تھا کہ میڈم کے ساتھ ساتھ جھونک میں وہ بھی کرسی سمیت فرش پر اُلٹ گیا......

ٹھیک اسی وقت ہال کی بتی چلی گئی، یکے بعد دیگرے دو فائر کی آواز گونجی تو اندھیرے کے

باوجود لوگوں کے درمیان بھگدڑ مچ گئی۔ کیپٹن سرفراز نے میڈم برلاس کو فرش پر اپنے دبوچ رکھا تھا۔

''جنریٹر آن کر دو...... جلد!'' اندھیرے میں کسی کی تیز آواز اُبھری...... اس کے ساتھ ڈی آئی جی سٹی کی گرجدار آواز گونجی۔ ''خبردار! کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے......''

☆☆☆☆☆

بجلی واپس آنے میں کوئی پانچ منٹ لگے تھے لیکن اس عرصے میں بینکویٹ ہال کا نقشہ درہم برہم ہو چکا تھا۔ لوگوں کی بھگدڑ کی وجہ سے بیشتر میزیں اور کرسیاں اُلٹی پڑی تھیں، کیپٹن سرفراز نے بتی آنے کے بعد ہی نیچے سے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔

''آئی ایم سوری میڈم!'' اُس نے بیگم برلاس سے کہا۔ ''اگر میں نے بروقت آپ کو نیچے نہ گرا دیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ دونوں گولیاں آپ کے جسم کو چھلنی کر دیتیں۔''

''لیکن وہ کون لوگ تھے......؟'' ڈی آئی جی سٹی نے پوچھا۔

''سوری سر......!'' کیپٹن کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''میں فی الحال کوئی رپورٹ نہیں دُوں گا۔''

''بہرحال......'' میڈم برلاس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو اس بات کا علم ضرور تھا کہ حملہ کس پر ہونے والا ہے۔''

''سیکرٹری صاحب کی خبر لیجئے!'' ایک مہمان نے کہا تو سب لوگ سیکرٹری کی سمت متوجہ ہو گئے جو بدستور ڈائس پر ایک سمت کھڑے تھے۔ اندھیرے میں چلائی جانے والی گولیاں ضائع ہی گئی تھیں۔

آدھے سے زیادہ مہمان رُخصت ہو چکے تھے۔ ڈائننگ ہال اس افراتفری سے محفوظ رہا تھا اس لئے کھانے کا اعلان کیا گیا۔ لوگوں میں ابھی تک خوف و ہراس کی فضا برقرار تھی اس لئے وہ سب ہی جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہو گئے۔ میڈم برلاس سیکرٹری وزارت صنعت کو چھوڑنے اُس کی کار تک گئی تھی۔

''مجھے افسوس ہے جناب! کہ یہ حادثہ پیش آ جانے سے تقریب خراب ہو گئی۔ لیکن وہ حملہ آپ پر نہیں تھا۔''

''موت اور زندگی تو خدا کے ہاتھ ہے میڈم برلاس! اسی لئے میں نے موت سے خوفزدہ ہونے کی کوشش کبھی نہیں کی۔''

''بہرحال! میں معذرت خواہ ہوں......''

''نیور مائنڈ...... اِٹ اِز اے پارٹ آف دی لائف۔''

سیکرٹری اور دیگر مہمانوں کو رُخصت کرنے کے بعد بیگم برلاس اپنی کار کی طرف بڑھیں تو سرفراز اور مونیکا دونوں ہی ساتھ ساتھ تھے۔ اُن دونوں کے چہرے بدستور ستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میڈم پر ہونے والے قاتلانہ حملے نے دونوں ہی کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

''ہمیں افسوس ہے میڈم! لیکن......؟''

''وہ کہاں ہے...... میرا مطلب ہے کیپٹن سرفراز۔'' بیگم برلاس نے چونکتے ہوئے

''میں اس وقت بھی آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں۔'' کیپٹن سرفراز نے کار کی جانب سے سامنے آتے ہوئے کہا۔

''میڈم...... میرا خیال ہے کہ میں آپ کے ساتھ گھر تک چلتا ہوں۔'' سردار نے کی۔

''میرا خیال ہے کہ یہ فرض بھی میں ہی انجام دُوں گا۔'' کیپٹن سرفراز سنجیدگی سے ''مجھے میڈم صاحبہ سے راستے میں کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔''

''مجھے خوشی ہوگی کیپٹن......'' میڈم برلاس نے تشکرانہ انداز میں جواب دیا، پھر مونیکا سے رُخصت حاصل کر کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر کیپٹن بھی بیٹھا تھا۔

کار ہوٹل سے نکل کر کھلی سڑک پر آئی تو میڈم نے کیپٹن سرفراز کو پہلی بار مخصوص انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن! تم نے میری جان بچائی ہے اس لئے تم کسی بڑے انعام کے مستحق ہو۔''

''آپ مجھے کیا انعام دینا چاہتی ہیں؟''

''تم جو چاہو مانگ کر دیکھو...... تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔''

''میرے لئے سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ آپ اس وقت زندہ ہیں۔''

''لیکن وہ کون تھا جس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی؟'' اس بار سنجیدگی سے سوال گیا۔

''آپ کے اپنے ہی کسی قابلِ اعتماد آدمی کا ہاتھ لگتا ہے۔''

''نہیں...... یہ ممکن نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں پر میں اعتماد کرتی ہوں وہ میرے بھروسے آدمی ہوتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کے بھروسے کا ایک آدمی آج آپ کے طلب کرنے کے تقریب میں موجود نہیں تھا۔''

''کیپٹن...... تم کہیں میرے سیکرٹری رحمت علی کی بات تو نہیں کر رہے؟'' میڈم چونکی۔

''یو آر رائٹ میڈم!'' کیپٹن سرفراز نے بڑی گمبھیر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آپ پرسنل سیکرٹری مس مونیکا نے غالباً آپ کو باور کرانے کی کوشش بھی کی تھی کہ رحمت علی پروجیکٹ میں کامیابی کے بعد مغرور ہوگیا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا......؟''

''ٹریننگ کے دوران ہمیں اپنی آنکھیں اور کان ہر وقت کھلے رکھنے کی بار بار تاکید کی

ہے۔ سونا شدید ضربات سہنے کے بعد ہی کندن کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور پھر ہمارے وسائل تو لامحدود ہوتے ہیں۔''

''کیا تم ملٹری کی ملازمت چھوڑ سکتے ہو......؟'' بیگم برلاس نے سوال کیا۔

''میں سمجھا نہیں......''

''مجھے تمہارے ہی جیسے کارآمد آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے...... تنخواہ کا معاملہ میں تم پر چھوڑتی ہوں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ آپ کو حالات سے سبق لینا چاہئے۔'' کیپٹن سرفراز نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''کسی نئے آدمی کی حمایت کرنے کا نتیجہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔''

''نہیں...... میرا دل اب بھی نہیں مانتا کہ وہ میرے ساتھ اتنی بڑی سازش کرسکتا ہے۔''

''اس اعتماد کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔''

''ہاں...... جو آدمی اپنا ماضی کھلی کتاب کی مانند دوسرے کے سامنے رکھ دے وہ دھوکے باز نہیں ہوسکتا۔''

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ اُس نے جو کچھ اپنے بارے میں بتایا وہ ٹھیک ہی ہے؟''

''نہیں...... مجھے اپنے تجربے اور آنکھوں پر مکمل اعتماد ہے۔''

''ایک سوال کرنے کی اجازت چاہوں گا۔''

''پوچھو......!''

''جو لوگ آستین میں سانپ پال کر انہیں دودھ پلانے کے عادی ہوں انہیں آپ کس نام سے یاد کریں گی؟'' کیپٹن سرفراز نے رُوکھے لہجے میں پوچھا۔

''کیپٹن! کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے؟'' بیگم برلاس نے تیز لہجے میں کہا۔

''آپ کی خاطر میں اپنی ملازمت چھوڑ کر آپ کی فرم جوائن کرسکتا ہوں، لیکن صرف ایک شرط پر۔''

''وہ کیا......؟''

''میرے بارے میں اگر کوئی آپ کے کان بھرے تو آپ اُسے سختی سے سرزنش کر دیں گی۔'' کیپٹن سرفراز نے کہا۔ ''میں اپنا فرض نبھانا چاہتا ہوں اس لئے میرے اُوپر کوئی بندش بھی نہیں کی جائے گی۔''

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے اس لئے کہ تم میرے محسن ہو، تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''آپ شرمندہ کر رہی ہیں میڈم...... میں تو صرف ایک نمک حلال خادم ہوں۔'' اس بار کیپٹن سرفراز نے بدلی ہوئی آواز میں کہا اور بیگم برلاس حیرت سے اُچھل پڑی۔

''تم...... رحمت علی......؟''

"لیس میڈم...... آپ کا ملازم۔" کیپٹن سرفراز نے جو حقیقتاً رحمت علی کے سوا کوئی اور نہ تھا نہایت ادب سے کہا۔ "مجھے چونکہ خطرے کا احساس تھا اسی لئے میں نے یہ سوانگ بھرا تھا۔"

"حیرت انگیز......" بیگم برلاس نے اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تعجب ہے کہ مونیکا تمہیں نہیں پہچان سکی۔ اور سردار نے تو تمہیں میک اَپ کرنے کی تربیت دی تھی مگر وہ بھی دھوکہ کھا گیا...... لیکن ون منٹ...... وہ کون تھا جس نے مجھے شوٹ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"وہ آپ ہی کا پروردہ بدمعاش شیرا تھا۔"

"شیرا......!" بیگم برلاس نے بڑے سفاک لہجے میں شیرا کا نام دہرایا۔

"مجھے اُسی روز سے اُس کی نیت پر شبہ تھا جب وہ مجھ سے بلاوجہ اُلجھ گیا تھا۔" رحمت علی نے کہا۔ "میرا دشمن تو وہ بہرحال! بن چکا تھا لیکن میرا قیاس تھا کہ ایک نئے ملازم کی خاطر آپ نے جو سلوک اُس کے ساتھ کرایا تھا وہ بھی اُسے پسند نہیں آیا ہوگا اور آپ نے یہ بھی تھا کہ وہ چھپ کر پشت سے وار کرنے کو بھی بہادری سمجھتا ہے۔ انہی باتوں کے پیش نظر میں نے ایک چانس لینے کی کوشش کی تھی اور خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے سرخرو ہونے کا موقع عطا کر دیا۔"

"شیرا......! تو نے ناگن کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔" میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔ "محبت اور جنگ میں اگر سب کچھ جائز ہے تو پھر تجھے بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔"

"جلد بازی میں اُٹھایا ہوا قدم پچھتاوے کا سبب بن جاتا ہے۔" رحمت علی نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "آپ اپنے لامحدود ذرائع استعمال کر کے شیرا کو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھی بھجوا سکتی ہیں۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن تمہیں شاید یہ بات نہیں معلوم کہ ناگن کی آنکھوں میں ایک بار جس دشمن کا عکس محفوظ ہو جائے وہ اُسے خود ہی شکار کرتی ہے۔"

"ایک درخواست ہے......" رحمت علی نے دبی زبان میں کہا۔ "اگر مجھے گھر ڈراپ کر دیں تو نوازش ہوگی۔ چونکہ گاڑی کے ذریعے بھی میری شناخت ممکن تھی اس لئے میں نے ہوٹل پہنچنے کی خاطر ایک ٹیکسی کو ترجیح دی تھی۔"

"نہیں...... فی الحال تم میرے ساتھ میرے بنگلے چلو گے۔"

"میں اس بات کی بھی گزارش کروں گا کہ آپ کیپٹن سرفراز کی اصلیت کو مونیکا یا کسی کے سامنے بے نقاب نہیں کریں گی۔ میں جھوٹی شہرت حاصل کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

میڈم برلاس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں لیکن چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں غرق تھی......!!

☆

وہ ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس بالوں کو بکھرائے خواب گاہ سے برآمد ہوئی تو رحمت علی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتی رحمت علی کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ایک منٹ بعد ہی ایک باوردی ملازم نے ٹرالی لا کر اُس کے قریب رکھ دی جس پر مشروب اور دو گلاس موجود تھے۔ میڈم کے جسم سے اُٹھنے والی خوشبو اور لباس کی نوعیت نے رحمت علی کو بے چین کر دیا تھا۔ اُس کے ذہن میں فوری طور پر ایک ہی سوال اُبھرا تھا۔

......میڈم برلاس اُسے اپنے گھر کیوں لائی ہے؟ کیا اس کے ارادے نیک نہیں تھے......؟

"تم اب جا سکتے ہو۔" میڈم نے ٹرالی لانے والے سے کہا۔ "اور سنو! جب تک میں کال نہ کروں، کسی کو اِدھر آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔"

"رائٹ میڈم!" ملازم نے جھک کر کہا اور اُلٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

"تم شغل کرتے ہو......؟" میڈم نے ملازم کے جانے کے بعد رحمت علی سے دریافت کیا۔ اُس کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی لیکن اُس کی آنکھیں ابھی تک کسی سوچ میں غرق نظر آ رہی تھیں یوں جیسے وہ کسی خاص سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ اُس نے اپنے لئے مشروب نکالا، پھر ایک ہی گھونٹ میں حلق کے نیچے اُتار گئی۔ سگریٹ جلانے کے بعد وہ دوسرا گلاس تیار کر رہی تھی۔ سگریٹ کے دو چار طویل کش لینے کے بعد اُس نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چند لمحے چھت کو گھورتی رہی، پھر نظریں گھما کر رحمت علی سے مخاطب ہوئی۔

"میں تمہیں کیا سمجھوں......؟" اُس کا لہجہ بظاہر سپاٹ ہی تھا۔

"جی...... میں سمجھا نہیں؟" رحمت علی نے گڑبڑا کر کہا۔

میڈم نے ہاتھ بڑھا کر دوسرا گلاس بھی اُٹھا لیا اور آدھا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کر کے بولی۔ "میں بھی ابھی تک تمہارے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"کس سلسلے میں......؟"

"یہی کہ تمہیں میری زندگی کی اتنی پرواہ کیوں تھی؟ جبکہ تمہیں میری ملازمت میں ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا۔"

میڈم نے گلاس خالی کیا، پھر تیسرا تیار کرنے لگی۔ اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ بلانوش واقع ہوئی ہے۔ پھر اُس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے رحمت کی آنکھوں میں جھانکا۔ "وہ ملازم جو اپنے مالک کی خاطر اپنی جان داؤ پر لگا دے اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔"

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش بیٹھا میڈم کو دیکھتا رہا جس کی آنکھوں میں ہلکا ہلکا خمار سر اُبھار رہا تھا۔

"ایسے ملازم یا تو بہت وفادار اور نمک حلال ہوتے ہیں یا پھر انہیں کسی خاص قسم کی لالچ

ہوتی ہے۔‘‘

’’میرا شمار آپ کون سے نمبر پر کر رہی ہیں؟‘‘ رحمت علی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

’’میں تمہیں تیسری کیٹگری میں شمار کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں‘‘ میڈم نے سگریٹ کا دھواں اُڑا کر کہا۔

’’میں سمجھا نہیں میڈم......؟‘‘

’’میں تمہیں اپنا دوست بنانے پر غور کر رہی ہوں...... دوست جن کے درمیان تمام مشترک ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے سے بلا کسی تکلف اور جھجک کے ملتے ہیں، اُن درمیان لحاظ، مروت یا حجابات کے پردے حائل نہیں ہوتے، وہ ایک دوسرے کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی خاطر جان کی بازی لگانے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔‘‘

’’میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔‘‘

’’تم کس قابل ہو اور کن صلاحیتوں کے مالک ہو اس کا اندازہ میں لگا چکی ہوں، او میرے اندازے کبھی غلط ثابت نہیں ہوتے۔‘‘ میڈم نے بے تکلفی سے کہا۔ ’’ہیرے کی قد صرف جوہری جانتا ہے لیکن تمہیں دوستی کا رشتہ قائم کرنے سے پہلے ایک عہد کرنا ہوگا...... تم صرف تنہائی میں دوستوں کی حیثیت سے ملیں گے، تمہارے اختیارات تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ لیکن اگر کبھی ہم دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے کے خلاف کسی سازش کو ذہن میں جنم دیا تو پھر ہمیں جوابی کارروائی کا پورا پورا اختیار ہوگا۔‘‘

’’میڈم......‘‘ رحمت نے سنبھل کر کہا۔ ’’آپ مجھ کو میری حیثیت سے بڑھ کر نوازنے کی کوشش کر رہی ہیں۔‘‘

’’مجھے تمہارا مشورہ یاد ہے......‘‘ میڈم نے اُس کی بات کاٹ کر ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ’’جو لوگ سانپ کو آستین میں پال کر دودھ پلاتے ہیں وہ دُور اندیشی کے خلاف کرتے ہیں۔ یہ آستین کے سانپ کسی روز ایک ہولناک خطرہ بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن میں اس قسم کے سانپوں کا سر کچلنے کے جنتر منتر سے واقف ہوں......‘‘

رحمت علی نے اِس بار کوئی جواب نہیں دیا۔

’’ہاتھ بڑھاؤ مائی ڈیئر رحمت...... آج سے میں تمہیں اپنا دوست بنانے کا عہد کرتی ہوں۔‘‘

رحمت علی کو مجبوراً اپنا ہاتھ بڑھانا پڑا، پھر میڈم نے اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا

’’کیوں......؟‘‘ میڈم نے مخمور نگاہوں سے رحمت علی کو گھورتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا

’’کیا تم اس دوستی پر خوش نہیں ہو؟‘‘

’’مم...... میں وعدہ کرتا ہوں میڈم! کہ آپ کو میری طرف سے کسی شکایت کا موقع نہیں

دے گا۔‘‘ ’’...... لیکن یہ راز صرف ہم دونوں کی ذات تک محدود رہے گا۔‘‘ میڈم نے ہاتھ چھوڑ کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑتے ہوئے برابر رکھی تکونی میز سے فون اُٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ رحمت علی کو وہ سب کچھ ایک خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔ میڈم برلاس جیسی کروڑوں میں کھیلنے والی عورت اتنی جلدی اُس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا دے گی، یہ بات تو کبھی خواب میں بھی اُس کے وہم و گمان میں نہیں آسکتی تھی۔

’’ہیلو......!‘‘ دوسری جانب سے رابطہ قائم ہونے پر میڈم نے حیرت انگیز طور پر بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ ’’ڈبل ایکس تھری سپیکنگ...... میرا پیغام غور سے سنو! شیرا کے دن اب پورے ہو چکے ہیں۔ اسے اب ختم ہو جانا چاہیے...... سوال مت کرو! صرف احکامات نوٹ کرو...... خان آڈیٹوریم میں آج کل مصری رقاصہ کے رقص کی بڑی شہرت ہو رہی ہے ایک خاص جماعت کے احتجاج کے باوجود خان نے اپنے اثر و رسوخ کے ناجائز استعمال سے ابھی تک اس پروگرام کو بند نہیں ہونے دیا...... لیکن کل اس پروگرام کا آخری دن ہوگا...... تمہیں ایکشن ایکس ایکس تھری کا مظاہرہ کرنا ہوگا، عین اُس وقت جب رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہو...... نہیں، میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ تم آڈیٹوریم کے کسی بھی چھوٹے ملازم کو ایک معقول معاوضہ کے تحت خرید سکتے ہو...... ایکشن ڈبل ایکس تھری میں ٹیم ون پلس ون حصہ لے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ خان ان دنوں بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھا رہا ہے لیکن تمہیں ہر حال میں ایکشن پورا کرنا ہوگا۔ اور سنو...... اس پروگرام میں شیرا اور اُس کا دست راست صمدانی بھی شامل ہوگا بحیثیت آڈینس کے...... بحث مت کرو! تم اپنا کوئی آدمی بھی شیرا اور صمدانی کے ساتھ کر دو جو مقررہ وقت سے پیشتر کسی وقت بھی کوئی بہانہ کر کے وہاں سے ہٹ سکتا ہے...... اس بات کا خاص خیال رہے کہ شیرا اور صمدانی کسی قیمت پر موت کے منہ سے نہیں بچیں گے...... ویٹ از آل!‘‘

رحمت علی عجیب نظروں سے میڈم کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی طرح میڈم برلاس بھی حیرت انگیز طور پر اپنی آواز بدلنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اور فون کال...... یقیناً وہ کسی بڑی تخریب کاری کی خاطر کی گئی تھی اور رحمت علی نے دوستی کا ہاتھ ملا کر خود کو اس کا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ ایک لمحے کو اُس کے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ میڈم سے دوستی کا رشتہ ترک کر دے لیکن میڈم نے اپنی شخصیت کا دوسرا رُوپ ظاہر کر کے رحمت علی پر اعتماد کا پہلا ثبوت پیش کیا تھا۔ دوستی کے رشتے سے پیچھے ہٹنے کی صورت میں نادیدہ خطرناک لوگ اُسے بھی کسی تر نوالے کی طرح ہڑپ کر جانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ رحمت علی نے یہی مناسب سمجھا کہ خود کو حالات کے بھنور کے حوالے کر دے۔

’’رحمت......!‘‘ اس بار میڈم نے کچھ زیادہ ہی بے تکلفی کا ثبوت دیتے ہوئے خمار آلود

لہجے میں کہا جس کے پس پردہ کسی زہریلی ناگن کی خوفناک اور خطرناک پھنکار بھی موجود
''آج میں نے تمہارے سامنے اپنا نیا رُوپ ظاہر کیا ہے۔ اُمید ہے کہ تم بھی میرے
پورے اُترو گے۔''

''میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔''

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے...... کیا دوستی کا جشن مناؤ گے یا گھر جانے کا پروگرام ہے''
میڈم کا لہجہ نشیلا ہو گیا۔

''میں گھر جانے کو ترجیح دُوں گا۔'' رحمت علی نے خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔''چوٹ کھایا ہوا سانپ کسی کو بھی ڈس سکتا ہے، جب تک اُس کا سر پوری طرح کچل نہ جائے۔ مجھے اپنے گھر کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔''

''ایز یو وِش......'' میڈم کے لہجے میں مایوسی کا عنصر شامل تھا۔

''میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔'' رحمت علی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔''اُس دس روپے کے آدھے نوٹ کی کیا اہمیت تھی جو کورنگی کریک پر مجھے سرخ کار والے نے دیا تھا؟''

''اُس کی مالیت بیس لاکھ تھی مائی ڈیئر!'' میڈم انگڑائی لے کر مسکراتے ہوئے بولی۔ جو گفٹ پیک لے گئے تھے اُس میں بیس لاکھ کے ہیرے اور جواہرات موجود تھے۔ آدھا نوٹ اِس بات کی ضمانت تھا کہ دوسری پارٹی کو مال مل گیا ہے۔''

میڈم کا جواب سن کر رحمت علی کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی ہولناک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا سہانے خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن اُس نے چہرے پر اپنے تاثرات کا اظہار نہیں ہونے دیا، ہاتھ اُٹھا کر اُس نے مسکراتے ہوئے میڈم کو
اور تیز تیز قدم اُٹھاتا باہر آ گیا...... اُس کے ذہن میں گرم آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔

چینا حسبِ معمول کسی صاحب حیثیت شخص کی طرح پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔
ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آ رہا تھا۔ اُس کی گاڑی خان آڈیٹوریم سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ دُور
اسنیک بار کے سامنے پارک تھی۔ واجد کی نگاہیں بار بار اپنی دستی گھڑی کی جانب اُٹھ
تھیں۔ آپریشن بلاسٹ کے لئے رمضان کا انتخاب عمل میں آیا تھا جو پروگرام کے مطابق
اور صمدانی کے ساتھ آڈیٹوریم میں گیا تھا۔ بلاسٹ کا وقت ساڑھے دس بجے کا مقرر کیا
اور اس وقت دس بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ چینا نے اشاروں کی زبان میں واجد سے

''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں ایک راؤنڈ لگا کر آ جاؤں؟''

''نہیں...... لباس اور رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں...... کیا میں ایڈوانس بکنگ کے بہانے بھی آڈیٹوریم میں نہیں جا سکتا؟''

''حالات زیادہ مناسب نہیں ہیں۔'' انسپکٹر زیدی اس وقت بھی یہاں ڈیوٹی پر
نے بھیس بدل رکھا ہے، لیکن میری آنکھوں کے ایکسرے نے اُسے پہچان لیا ہے۔''

''ایسی صورت میں رمضان کا وہاں جانا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی پولیس کی لسٹ پر مشکوک افراد کی حیثیت سے آ چکا ہے۔'' چینا نے اُنگلیوں کو مختلف انداز میں جنبش دیتے ہوئے اشاروں کی زبان میں قدرے ترش لہجے میں کہا۔''کیا آپریشن کچھ دنوں بعد کے لئے نہیں ٹالا جا سکتا تھا؟''

''میں نے بھی باس کو یہی مشورہ دیا تھا۔ لیکن اُسے رد کر دیا گیا۔''

''کوئی خاص بات ہے......؟''

''ہاں...... باس چوبیس گھنٹے کے اندر اندر شیرا اور صمدانی کی اُدھڑی ہوئی لاش دیکھنے کا خواہشمند ہے۔''

''اس میں آپریشن بلاسٹ کی کیا ضرورت تھی؟ ہم اپنے دشمنوں کو پش فائر والی زہریلی سوئیوں کے ذریعے بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتے تھے۔''

''باس نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔'' واجد بولا۔''ممکن ہے وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا ہو۔ شیرا اور صمدانی کی موت اور خان صاحب کا زبردست نقصان...... سپر سٹور کے بعد یہ دوسرا جھٹکا ہوگا۔''

''کیا یہ اتنی جلدی مناسب ہوگا؟''

''باس کی مصلحت باس ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔'' چینا نے کوئی جواب نہیں دیا، لاپرواہی سے پائپ پینے لگا۔

''صرف دس منٹ اور رہ گئے ہیں...... تم یہیں ٹھہرو! میں ذرا دُور سے حالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔'' واجد نے کہا، پھر گاڑی سے اُتر کر آڈیٹوریم کی جانب قدم اُٹھانے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت اندر سٹیج پر مصری رقاصہ کا ہیجان انگیز رقص جاری تھا۔ کانگو بجانے والے سیاہ فام حبشیوں کے چہروں سے پسینہ ٹپک رہا تھا، اُن کے ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے اور مصری رقاصہ بالکل جنونی انداز میں رقص میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھی۔ جوش ملیح آبادی کا یہ قول اس پر پوری طرح صادق آ رہا تھا کہ رقص اعضاء کی شاعری ہے۔ مصری رقاصہ شعر و نغمہ کی شکل میں ڈھل چکی تھی، لوگ محوِ حیرت تھے، دم بخود تھے، رقص سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اُن کی کیفیت اُن مجسموں جیسی تھی، جنہیں نشستوں پر سجا دیا گیا ہو اور اُن کی نگاہیں سٹیج پر مرکوز کر دی گئی ہوں۔ رقاصہ کے بدن میں غضب کا لوچ تھا۔ اُس کے جسم کی ایک ایک جنبش لوگوں کو محوِ حیرت کر رہی تھی، وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھے اُس کے جسم کے پیچ و خم اور ایک ایک قدم کی حرکت پر دل ہی دل میں اُس کے فن کی داد دے رہے تھے۔

''میں بھی آیا......'' رمضان نے اُلٹے ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی دکھاتے ہوئے شیرا سے مدھم آواز میں کہا۔

"کیوں...... کیا بس اتنی ہی ہمت تھی برداشت کی؟" شیرا نے مسکرا کر کہا۔ "یہ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کھیل تماشے ہیں، پیسے بٹورنے کے عریاں بہانے۔"

رمضان نے جواب دینے کی بجائے صرف مسکرانے پر اکتفا کی، پھر اُٹھ کر باہر آ گیا۔ ساڑھے دس بجنے میں صرف سات منٹ باقی تھے اور اس سات منٹ کے اندر اندر اُسے آڈیٹوریم سے ایک مخصوص فاصلے پر پہنچ کر ہال میں پہلے سے نصب شدہ بم کو ریموٹ کنٹرول دبا کر بلاسٹ کرنا تھا۔ وہ بم اُس نے شیرا کی سیٹ کے برابر ہی ایک کرسی کے پیچھے چپکایا تھا تا کہ شیرا اور صمدانی کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہے۔ ہال سے نکل کر وہ شوروم سے باہر کی طرف تیز تیز قدم اُٹھا رہا تھا کہ اچانک انسپکٹر زیدی نے جو بھیس بدلے ہوئے تھا، اُس کا راستہ روک لیا۔

"تمہارا نام رمضان ہے......؟"

"کیوں......؟" رمضان نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔

"مجھے باس نے تمہیں ایک اہم اطلاع دینے کے لئے بھیجا ہے۔" زیدی نے ڈاج دینے کی کوشش کی۔

"باس......؟" رمضان نے بڑی خوبصورتی سے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں کسی باس کو نہیں جانتا۔"

"مجھے تو جانتے ہو گے۔" اِس بار زیدی نے اپنا کارڈ نکال کر اُسے دکھایا۔

"مگر رقص دیکھنا یا اس کے درمیان اُٹھ کر باہر جانا کوئی جرم نہیں ہے۔" رمضان نے احتجاج کیا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ جرم ہے؟" زیدی نے سخت لہجہ اختیار کیا۔ "میں تو صرف تمہاری تلاشی لوں گا۔ اس کے بعد تم اگر چاہو تو جہنم میں بھی جا سکتے ہو۔"

"تلاشی......" رمضان نے لاپرواہی سے کہا۔ "کس سلسلے میں؟"

"یہ بات میں تمہیں تلاشی لینے کے بعد ہی بتاؤں گا۔" انسپکٹر زیدی نے جواب دیا، اُس نے اُن دو آدمیوں کو اشارہ کیا جن کا تعلق خفیہ ایجنسی سے تھا لیکن اس وقت وہ دونوں بھیس بدلے ہوئے تھے۔

رمضان کو اِس بات کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا کہ اُس کا بچ نکلنا مشکل ہے۔ تنظیم کا کوئی فرد پولیس کی تحویل میں جائے، یہ بات بھی تنظیم کی خلاف ورزی میں شمار ہوتی تھی۔ چنانچہ اُس نے بڑی لاپرواہی سے جیب سے ایک سرخ رنگ کا کیپسول نکال کر منہ میں رکھ لیا۔ "اب تمہارے فرشتے بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتے انسپکٹر! اور میرا مشن بھی ناکام نہیں ہو گا۔" پھر رمضان نے انسپکٹر کی جانب سے کسی کارروائی سے پہلے ہی کیپسول چبایا اور ریموٹ کنٹرول کا پش بٹن بھی دبا دیا...... یہ سب کچھ بس پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ پہلے رمضان

بے جان ہو کر فرش پر گرا، اُس کے ساتھ ہی ایک ہولناک دھماکے سے آڈیٹوریم کی پوری عمارت میں زلزلے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ انسپکٹر زیدی اور اُس کے دونوں خفیہ آدمی بھی اُچھل کر منہ کے بل زمین پر گرے تھے۔ اندر ہال میں لوگوں کے جسم کے چیتھڑے فضا میں دُور دُور تک بکھر رہے تھے......

واجد تیزی سے پلٹا، پھر اُس نے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں کچھ زیادہ ہی عجلت کا ثبوت دیا، دوسرے ہی لمحے اُس کی کار پوری رفتار سے سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ چینا پچھلی نشست پر بیٹھا اپنے ہونٹ چبا رہا تھا، اُس کے چہرے پر سنجیدگی کے گہرے تاثرات پھیل رہے تھے۔

"واجد......" اُس نے ٹھونگا مارتے ہوئے پوچھا۔ "رمضان کا کیا بنا؟"

"اُس نے تنظیم کی ہدایت پر عمل کرنے میں بڑی جرات اور بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے ریموٹ کنٹرول کا پش بٹن پریس کرنے سے پہلے ہی سرخ کیپسول کو منہ میں رکھ لیا تھا...... انسپکٹر زیدی یقیناً ہاتھ ملتا رہ گیا ہو گا، پھر دھماکے کے ساتھ ہی وہ بدحواس ہو کر گرا تھا......"

"رمضان ہمارے لئے بہت کار آمد تھا......" چینا نے کہا۔

"لیکن تنظیم کے اصولوں کو توڑنے کی صورت میں بھی وہ موت کے منہ سے نہیں بچ سکتا تھا۔ اُس کی موت ہی ہماری بقا کے لئے فائدہ مند تھی۔"

چینا کچھ جواب دینا چاہتا تھا، لیکن اُس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور ہونٹ چبانے لگا۔

☆

شمائلہ نے ٹھیک چار بجے اپنی سپورٹس کار گرین پارک کے عقبی دروازے کے سامنے پارک کی تھی، اُسے فون پر یہی ہدایت دی گئی تھی۔ بلانے کا مقصد کیا تھا؟ بلانے والا کون تھا اور اُس سے کیا چاہتا تھا؟ یہ بات اُس نے سارے راستے سوچی تھی، لیکن اُس کے ذہن میں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں آ سکی تھی کہ وہ کسی اوباش گروہ کے ہاتھوں لگ گئی ہے جو اُسے محض وقت گزاری کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اُن کا حکم ماننے پر مجبور تھی۔ انکار کی صورت میں اڈگر کے ساتھ گزارے ہوئے حسین اور بے تکلف لمحات کی فلم اُس کے شوہر کے حوالے کر دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔ شمائلہ کو اس بات کا علم تھا کہ عاطف عزت و وقار کے سلسلے میں کس قدر سخت گیر طبیعت کا مالک تھا۔ حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ اُسے اپنی عزت و ناموس بھی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔

اڈگر اگر اُس کے سامنے موت سے ہمکنار نہ ہوا ہوتا تو وہ فون پر ملنے والی دھمکی کو محض مذاق بھی سمجھ سکتی تھی، اس سے پیشتر بھی رنگین مزاج افراد نے اپنے سنہری جال میں پھنسانے کی خاطر اسی قسم کے گھٹیا اور اوچھے ہتھکنڈے اختیار کئے تھے، لیکن اُنہیں منہ کی کھانی پڑی تھی۔ مگر اس بار معاملے کی نوعیت زیادہ سنگین تھی۔ جو لوگ اُس کی نظر میں آئے بغیر اڈگر کو مارنے کی استطاعت رکھتے تھے وہ اُس کی لاعلمی میں اُس کی فلم بھی بنا سکتے تھے، پھر اڈگر کی لاش کا

غائب ہونا سب سے زیادہ اہم بات تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ اُن ہی لوگوں کی حرکت ہو
نادانستگی میں جن کے جال میں پھنس گئی تھی اُس کے پاس نکاسی کی بظاہر کوئی راہ نہیں تھی
شمائلہ نے ایک بار اِس بات پر غور بھی کیا تھا کہ وہ شوہر کو تمام واقعات سے باخبر کر
عاطف اُس کو جنون کی حد تک چاہتا تھا، اُس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اس کی عادت تھی
ایک شوہر کی حیثیت سے وہ یہ بات بھی پوچھنے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ اڈگر کے ساتھ
میں کینن بیچ کس مقصد کے لئے گئی تھی؟ اور بعد میں اگر فون کرنے والے کے مطابق اڈ
اُس کی فلم عاطف کے ہاتھوں لگ جاتی تو شاید وہ شمائلہ کو معاف کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہو
نہ صرف ایک محبت کرنے والا شوہر اور ہنس مکھ نوجوان تھا، بلکہ اپنے اصولوں کے معاملات
کسی آہنی چٹان سے بھی زیادہ سخت گیر اور آہنی ارادوں کا مالک تھا۔
وہ ان لمحوں کو کوس رہی تھی جب اُس نے اڈگر کے ساتھ کینن بیچ جانے کا پروگرام
تھا۔ اُسے اِس بات کا بخوبی علم تھا کہ اڈگر لیڈیز سرکل میں لیڈی کلر کی حیثیت سے مشہور
وہ اڈگر کو اپنے ساتھ اسی لئے لے گئی تھی کہ وہ اُسے باور کرانا چاہتی تھی کہ اُس کا شمار
ٹائپ کی عورتوں میں ہوتا ہے جو اپنی عزت بچانے کے لئے جان کی بازی بھی لگا دی
رہتی ہیں۔ اُس نے اڈگر کو نیچا دکھانے کی ٹھان رکھی تھی۔ وہ اُس کی تڑپ کا تماشہ دیکھنے کی
تھی۔ جس وقت وہ کینن بیچ پر اُس کے ساتھ تھی، اُس وقت اعشاریہ دو پانچ کا لیڈیز آٹو
بھی اُس کے پرس میں موجود تھا۔ اڈگر کی جانب سے کسی انتہا پسندی کی صورت میں وہ
آٹومیٹک کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ لیکن اب پانسہ اُس کے خلاف پلٹ چکا تھا
کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ اڈگر کی کار میں بیچ تک گئی اور فون کرنے والے
کے مطابق کار کے سٹیئرنگ پر اُس کی اُنگلیوں کے نشانات پولیس کی تحویل میں موجود تھے۔
پولیس کو اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً کسی بڑی مصیبت میں پھنس کر حالات کا شکار ہو
تھی۔ پولیس اُن فنگر پرنٹس کی بنیاد پر اُسے قاتل بھی قرار دے سکتی تھی۔ اُس کے پاس
بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پولیس کے متوقع سوالات اس وقت بھی اُس کے تصورات
صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے......

"...... آپ اڈگر کے ساتھ تنہا کینن بیچ پر کیا کرنے گئی تھیں؟ ...... آپ نے یقیناً اڈگر
خاص اور نجی مسئلے کی پردہ پوشی کے لئے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہے، اور
بات غلط ہے تو پھر اڈگر کی موت، اُس کی لاش کی گمشدگی کا کیا مطلب ہے؟......
کیا آپ اِس حقیقت سے انکار کر سکیں گی کہ اڈگر کی گاڑی کے سٹیئرنگ پر آپ کی
پرنٹس موجود ہیں؟...... آپ نے اڈگر ہی کی گاڑی میں جانا کیوں پسند کیا جبکہ آپ کی
گاڑی بھی کلب میں ہی موجود تھی؟...... کیا وہ کوئی ایسی ہی خاص وجہ تھی جس کی بنا پر
نے اڈگر کے ہمراہ اُس کی گاڑی پر کینن بیچ جانے کو ترجیح دی تھی؟......

شاید آپ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کی گاڑی لوگوں کی نگاہوں میں آئے اور گواہی اور
شہادت کی روشنی میں آپ کا کردار مشکوک سمجھا جائے......"
اور پھر اڈگر کی موت کے عینی شاہد اور اہم ثبوتوں کو مٹانے کی خاطر رین بو کلب کے
بوڑھے چوکیدار اور درانی کے پے در پے قتل سے کیا مطلب اخذ کئے جائیں؟ کیا آپ نے
اپنے شوہر کی حیثیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی خاطر قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی
کوشش نہیں کی......؟
اڈگر کو قتل کرنے کا اصل محرک کیا تھا؟ آپ صرف اُسی کو راستے سے کیوں ہٹانا چاہتی
تھیں؟ کیا صرف اس لئے کہ وہ آپ کو بلیک میل کر رہا تھا...... اس بنیاد پر کہ آپ کے اور اُس
کے درمیان گھناؤنے تعلقات استوار تھے اور آپ ان تعلقات کے ثبوت کو جو اڈگر کے پاس
محفوظ تھے اپنے شوہر کے ہاتھوں میں پہنچنے سے ہر قیمت پر روکنا چاہتی تھیں......؟
ایک باعزت شہری کی بیوی ہوتے ہوئے آپ نے اڈگر کے ساتھ دوستانہ تعلقات کیوں
استوار کئے تھے...... ان تعلقات کی نوعیت کیا تھی......؟

شمائلہ کے ذہن میں آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے، اُس نے اپنی دستی گھڑی پر نظر
ڈالی۔ اس وقت سوا چار کا عمل تھا لیکن ابھی تک کسی نے اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
نہیں کی تھی، پھر وہ انجن سٹارٹ کر کے واپسی کے ارادے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر
رہی تھی کہ ایک بوڑھا شخص جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا اور بظاہر مفلوک الحال ہی
دکھائی دے رہا تھا، اُس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔
"اللہ کے نام پر کچھ ملے گا......؟" اُس نے شمائلہ کے سامنے دست سوال پھیلاتے ہوئے
لرزتی اور نقاہت آمیز آواز میں کہا۔
"دفع ہو جاؤ......" شمائلہ نے غیر ارادی طور پر اُسے جھڑک دیا۔
"خدا تیرا بھلا کرے بچہ......" بوڑھے نے جھڑکی سننے کے باوجود گڑگڑا کر کہا۔
"کیا تم شرافت سے نہیں مانو گے......؟" شمائلہ نے اُسے دھمکی دی۔ "بلاؤں پولیس کو؟"
"میرا خیال ہے کہ تم پولیس کے چکر میں پڑنے کی کوشش نہیں کرو گی۔" اس بار بوڑھے
نے بدلی ہوئی آواز میں اور سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"کک...... کون ہو تم......؟" شمائلہ نے حیرت سے سوال کیا۔
"کیا میں یقین کر لوں کہ تم نے ہدایت کے مطابق کسی کو اپنے ساتھ لانے کی حماقت تو
نہیں کی؟"
"نن...... نہیں!" شمائلہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "میں تنہا آئی ہوں۔"
"عقلمندی کا ثبوت دیا ہے تم نے۔" بوڑھے نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا، پھر بڑی
بے تکلفی سے پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آج ایک بار پھر میں تم کو کینن بیچ

ہی چلنے پر مجبور کروں گا۔''

''تت......تم چاہتے کیا ہو؟''

''صرف اتنا کہ تم ہمارے حکم پر چوں و چرا کئے بغیر عمل کرتی رہو، دوسری صورت
نتیجہ برآمد ہوگا، کیا تم اس سے ناواقف ہو؟''

شمائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو ماری پور جانے والی
طرف موڑ دیا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رفتار بتانے والی سوئی ساٹھ اور ستر کے
متحرک تھی۔

''اتنی جلدی کیا ہے......؟'' پشت سے سوال کیا گیا۔ ''تم کیا کسی حادثے کے بار
غور کر رہی ہو؟''

''نہیں......'' وہ مُردہ سے لہجے میں بولی۔ ''مجھے سات بجے سے پہلے واپس گ
ہے۔''

''کوئی خاص پروگرام......؟''

''ہاں......'' اُس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ ''مجھے اپنے شوہر کے ساتھ آٹھ ب
دوست کی پارٹی میں جانا ہے۔''

''اس کا انحصار تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم ہمارے کہنے پر عمل کرتی رہیں تو
بھی فارغ ہو سکتی ہو۔''

کینن پیچ پہنچ کر گاڑی جس ہٹ کے سامنے رُکوائی گئی اُس کا نمبر دیکھتے ہی شمائلہ
ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے...... وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ہٹ اُس کے شوہر کی ملکیت
جہاں وہ اُس کے ساتھ پہلے بھی کئی بار آ چکی تھی۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو ڈارلنگ؟'' بوڑھے نے جو اب بالکل جوانوں کی
بات کر رہا تھا، مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ہٹ......''

''تمہارے شوہر ہی کی ہے۔ لیکن گھبراؤ نہیں اس وقت یہ میرے قبضے میں ہے
کی ڈپلی کیٹ چابی بنوانے میں کسی خاص دُشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صرف چابی
والے کو اُس کی اُجرت کے علاوہ سو روپے ٹپ دینے پڑے تھے اور یہ معمولی رقم تم
اہمیت نہیں رکھتی۔''

''مجھے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے؟'' شمائلہ نے ہونٹ چباتے ہوئے دریافت کیا۔

''اندر چلو بے بی...... باقی تفصیلی باتیں اندر چلنے کے بعد ہی مناسب رہیں گی۔''

شمائلہ کا دل کسی اندرونی خوف کے احساس سے بری طرح دھڑک رہا تھا لیکن
بہر حال کرنا تھا۔ واپسی کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ لیکن پھر اُس نے جیسے ہی

رکھا اُس کے دل کی دھڑکن یکلخت کئی گنا تیز ہوگئی۔ اندر تین ہٹے کٹے نقاب پوش افراد کے
علاوہ ایک نقاب پوش فوٹو گرافر بھی تھا جس کے ایک کندھے پر مووی اور دوسرے پر سٹل کیمرہ
نظر آ رہا تھا۔ شمائلہ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اُسے خاص طور پر اُسی کے شوہر کے ہٹ میں
کیوں لایا گیا تھا؟ پھر اس سے پیشتر کے وہ کچھ کہتی یا کسی جوابی کارروائی کا مظاہرہ کرتی،
بوڑھے کے میک اَپ والے شخص نے اُسے اُلٹے ہاتھ سے پشت سے دبوچ لیا...... پھر سیدھے
ہاتھ میں دبے رُومال کو اُس نے شمائلہ کی ناک پر پوری قوت سے جما دیا......

کلوروفارم...... شمائلہ کے ذہن میں بس! یہی ایک خیال اُبھرا، پھر وہ ایک ثانیے کے لئے
کسی جال میں پھنسے ہوئے پرندے کی طرح پھڑپھڑائی، اس کے بعد اُس کا ذہن گھپ
اندھیروں میں تیزی سے ڈوبتا چلا گیا......!!

☆☆☆☆☆

ایس پی رحمٰن ایک اہم فائل کے مطالعے میں مصروف تھا جب انسپکٹر زیدی نے اندر
ہو کر اُسے سلیوٹ کیا اور ایس پی رحمٰن کی توجہ اُس کی جانب مبذول ہوگئی۔ انسپکٹر زیدی
پیشانی اور ہاتھ پر اس وقت بھی پٹی موجود تھی۔ قسمت ہی تھی جو اُس کو معمولی قسم کی خراشیں
تھیں ورنہ اُس کے دونوں ساتھی ابھی تک ہسپتال میں موجود تھے۔

''بیٹھو.....!'' رحمان صاحب نے انسپکٹر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فائل بند کر دی
بولے۔ ''اُوپر سے ہمیں سخت ہدایتیں مل رہی ہیں۔ سپر سٹور کے مالک زاہد خان کے
آڈیٹوریم والا دوسرا بڑا جھٹکا تھا جس نے اُسے دیوانہ بنا دیا ہے..... وہ با اثر شخصیت ہے
چیف منسٹر سے پولیس کی نا اہلی کا رونا رو رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی جی صاحب کا
آیا تھا..... وہ مجرموں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے..... رمضان کی موت نے
کھیل خراب کر دیا۔ اُس کے گرفتار ہو جانے کی صورت میں بات کچھ آگے بڑھ سکتی تھی۔''

''وہ سب اتنی جلدی ہو گیا تھا سر! کہ میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکا۔''

''اُس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کون تھا؟''

''وہ کباڑیے کا کام کرتا تھا۔'' انسپکٹر زیدی نے کہا۔ ''اُس کے ساتھیوں کا بیان ہے
بظاہر ایک محنتی اور دیانتدار آدمی تھا۔''

''اور کوئی خاص بات.....؟''

''سر! میرا خیال ہے کہ کمال احمد کی بیٹی نازو ہمارے کام آسکتی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ اڈگر سے سب سے زیادہ قریب رہ چکی ہے۔ کلب کے منیجر کا بھی یہی بیان تھا
صورت میں اگر اڈگر کی موت کا راز کھل جائے تو بہت سی بکھری ہوئی کڑیاں آپس میں
ہیں لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟''

''کمال احمد آپ کے خاص دوستوں میں ہیں۔ اس لئے ہم اُن کی بیٹی کے ساتھ
خاص طریقے نہیں آزما سکتے۔''

''اکثر ڈھیل دیئے جانے کی صورت میں مجرم زیادہ بے دھیانی میں قانون کے
میں آ پھنستا ہے۔'' رحمان صاحب نے کہا۔ ''دوستی اپنی جگہ ہے لیکن میرے فرائض

دوستی پر مقدم ہیں..... تم مطمئن رہو، میں نے ایک خاص آدمی کو نازو کے پیچھے لگا رکھا ہے۔
اُسے چارے کے طور پر استعمال کئے جانے کی صورت میں کامیابی کے امکان زیادہ روشن ہو
سکتے ہیں۔''

''یو آر رائٹ سر..... میں بھی یہی چاہتا تھا۔'' انسپکٹر زیدی نے کہا، پھر کرسی پر پہلو بدل کر
بولا۔ ''کیا آپ خان صاحب سے بھی ملے تھے..... میرا مطلب ہے کہ اگر اُن کا کوئی خاص
حریف اُنہیں نقصان پہنچانے کی خاطر تخریبی کارروائی کر رہا ہے تو اس کی نشاندہی وہ زیادہ
آسانی سے کر سکتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ہمارے لئے کچھ زیادہ آسانیاں پیدا ہو سکتی
ہیں۔''

''میں مل چکا ہوں خان صاحب سے۔ لیکن وہ اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں سر..... کیا وہ قانون کی مدد نہیں کرنا چاہتے؟'' انسپکٹر زیدی نے تعجب سے
پوچھا۔

''نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔'' رحمان صاحب نے زیرِ لب مسکرا کر کہا۔ ''خان صاحب کا
تعلق چونکہ قبائلی علاقے سے رہ چکا ہے جہاں کسی دشمن کو صرف اپنے قوتِ بازو سے مارنے کا
رواج ہے۔ اس لئے وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی زبان بند کئے ہوئے ہیں۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خود خان صاحب کی جانب سے بھی کسی جوابی کارروائی کو خارج
از امکان نہیں سمجھا جا سکتا۔''

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے۔''

''ایسی صورت میں تو قانون کے لئے پیچیدگیاں کم ہونے کی بجائے اور بڑھ جائیں گی۔''

''میں اس شبہے کا اظہار آئی جی صاحب سے کر چکا ہوں۔'' رحمان صاحب نے گفتگو کا
رُخ بدلتے ہوئے سوال کیا۔ ''کلب کے چوکیدار اور درانی کی موت کے سلسلے میں کوئی ثبوت
ملا یا نہیں؟''

''ان دونوں معاملات میں تو ابھی تک نتیجہ صفر ہی رہا ہے۔ لیکن میں نے شبہے کے طور پر
ایک اور شخص کو اُٹھا لیا ہے۔''

''کون ہے.....؟'' رحمان صاحب سنجیدہ ہو گئے۔

''رین بو کلب کا مستقل فوٹو گرافر.....'' انسپکٹر زیدی نے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے سر!
کہ اگر سختی کی جائے تو اُس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔''

''شبہے کی کوئی وجہ.....؟''

''ممکن ہے میرا تجربہ غلط ہو، لیکن کلب کے مستقل فوٹو گرافر بھی کسی بلیک میلر سے کم نہیں
ہوتے۔ اُن کے کیمروں میں بھی ہزاروں راز دفن ہوتے رہتے ہیں جس کی یہ منہ مانگی قیمت
وصول کرتے ہیں۔''

''گڈ......'' رحمان صاحب نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''میں تمہارے خیال سے
متفق ہوں۔ لیکن کیا اُس نے اپنی زبان کھولی؟''

''آپ کی رہنمائی کے بغیر میں نے کوئی کارروائی مناسب نہیں سمجھی۔''

''اُس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی ہیں؟''

''یس سر......'' انسپکٹر زیدی نے کہا۔ ''وہ سوسائٹی کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتا ہے جو
قیمتی فرنیچر سے آراستہ ہے۔ اُس کی اپنی کار بھی ہے۔''

''کیا تم نے اُس کے سٹوڈیو کی تلاشی بھی لی...... میرا مطلب ہے کہ ایسی صورت
ہمارے ہاتھ کچھ ثبوت نیگٹو یا پرنٹ کی صورت میں سامنے آسکتے ہیں۔''

''جس فلیٹ میں وہ مقیم ہے وہاں سٹوڈیو ٹائپ کی کوئی چیز نہیں ہے۔ صرف ایک کمرہ
ہے، لیکن وہ بھی خالی۔'' انسپکٹر زیدی نے کہا۔ ''میں نے سٹوڈیو کے بارے میں اُس
دریافت کیا تھا، لیکن وہ زبان کھولنے پر تیار نہیں ہے۔''

''آئی سی...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہمارے لئے یقیناً کارآمد ہوگا۔'' رحمان صاحب
نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟''

''اسی علاقے کے تھانے کے لاک اَپ میں...... ویسے میں نے ایس ایچ او کو اُس کی
اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے اُس پر کڑی نگرانی رکھنے کی ہدایت کر دی ہے۔''

''کیا تم نے اُسے لاک اَپ میں بند کرانے سے پہلے اُس کی تلاشی لی تھی...... میرا مطلب
یہ ہے کہ اُس کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جو اُس کی خودکشی کے لئے کارآمد ہو؟''

''نو سر...... میں نے ہر طرح سے اطمینان کر لیا ہے۔''

رحمان صاحب نے جواب دینے کی بجائے ریسیور اُٹھایا اور متعلقہ تھانے کے نمبر ڈائل
کرنے لگے۔ رابطہ قائم ہونے میں دو منٹ لگے، پھر دوسری جانب سے ایس ایچ او کی
آواز اُبھری تھی۔

''ایس پی رحمان دِس اینڈ......'' رحمان صاحب نے بارُعب آواز میں کہا۔ ''کچھ دیر پہلے
انسپکٹر زیدی نے ایک مشکوک شخص آپ کے لاک اَپ میں بند کرایا تھا......''

''یس سر......'' دوسری جانب سے جواب ملا۔ ''کوئی ایک گھنٹے پہلے کی بات ہے جناب
لیکن پندرہ بیس منٹ پیشتر وہ اُسے دوبارہ آکر اپنے ساتھ لے گئے ہیں......''

''اوہ نو......!'' رحمان صاحب کا دماغ گھوم گیا۔ ''تمہیں یقیناً دھوکا ہوا ہے۔ وہ
بہروپیا ہوگا، اس لئے کہ انسپکٹر زیدی میرے سامنے موجود ہیں۔''

''ہوسکتا ہے آپ درست کہہ رہے ہوں جناب! لیکن انسپکٹر زیدی سے میری ملاقات
راست ہوئی تھی۔ وہ اپنی اسٹاف کار ہی میں اُسے لینے آئے تھے۔ اُنہوں نے قیدی کو
خاص احتیاط کے پیش نظر کسی اور تھانے میں منتقل کرنے کا خیال بھی ظاہر کیا تھا۔''

رحمان صاحب نے جواب دینے کی بجائے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کوئی خاص بات ہے سر......؟'' انسپکٹر زیدی نے اُن کے چہرے کے تاثرات کو بغور
محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

''تم...... یعنی کہ انسپکٹر زیدی نے دس پندرہ منٹ پیشتر مجرم کو کسی اور تھانے میں منتقل
کرنے کے خیال سے اُٹھا لیا ہے۔''

''سر...... میں نے؟''

''ہاں...... اور تم اپنی سٹاف کار میں وہاں گئے تھے۔''

''نو سر......'' انسپکٹر زیدی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں تو پندرہ بیس منٹ سے
آپ کے پاس موجود ہوں۔''

''وہ تمہارا کوئی ڈپلیکیٹ بھی ہوسکتا ہے...... کوئی میک اَپ کا ماہر۔ ویسے بائی دی وے
تمہاری سٹاف کار کہاں ہے؟''

''باہر موجود ہے سر...... آپ خود دیکھ سکتے ہیں......'' انسپکٹر زیدی نے پُر اعتماد لہجے میں
جواب دیا۔

''میرے ساتھ آؤ......'' رحمان صاحب تیزی سے اُٹھ کر باہر آئے لیکن وہاں انسپکٹر زیدی
کی سٹاف کار موجود نہیں تھی......

انسپکٹر زیدی کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن اُس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا اور ایس پی
رحمان...... وہ دانت پیسنے اور ہاتھ ملنے کے سوا فوری طور پر کر بھی کیا سکتے تھے......

دس منٹ بعد ہی اُنہیں فون پر ایک اور اطلاع ملی...... کلفٹن کے ایریا میں سمندر کے قریب
واقع مارٹن سٹوڈیو نامی دُکان کو آگ لگا دی گئی تھی اور اُس فوٹو گرافر کا نام بھی مارٹن ہی تھا جسے
انسپکٹر زیدی نے اپنی تحویل میں لیا تھا۔ اسی مقام پر انسپکٹر زیدی کی سٹاف کار بھی ایک ویران
علاقے سے مل گئی!!

☆

رحمت علی دوپہر کے کھانے کے بعد جانے لگا تو عذرا اُس کے سامنے آکر افسردہ سی کھڑی
ہوگئی۔ رحمت علی محسوس کر رہا تھا کہ وہ آج خلافِ توقع کچھ زیادہ خاموش خاموش سی ہے۔

''کیا بات ہے ڈارلنگ......؟'' رحمت علی نے اُس کے بازوؤں کو تھامتے ہوئے کہا۔

''آج گلا بو آئی تھی...... اپنے راجو بھائی کی......'' عذرا اس سے آگے جملہ مکمل نہیں کر سکی،
اُس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''کیا ہوا راجو کو...... وہ ٹھیک تو ہے؟''

''راجو چلا گیا رحمتے...... ہمیشہ کے لئے ہم سے بچھڑ گیا۔''

''کب...... کیسے...... ہمیں کسی نے اطلاع بھی نہیں دی۔''

''خود گلابو کو بھی بس اچانک اُس کی عبرتناک موت کی اطلاع ملی تھی۔''

''لیکن یہ سب کچھ کیسے ہوا؟'' رحمت علی نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ لوگوں کی اطلاع کے مطابق کچھ دوستوں کے ساتھ کسی مصری رقاصہ کا شو دیکھ تھا، وہیں جان لیوا دھماکہ ہوا اور دوسرے افراد کے ساتھ راجو بھی مارا گیا۔'' عذرا نے

''گلابو بتا رہی تھی کہ بعد میں پولیس بھی آئی تھی اُس کے مکان پر یہ معلوم کرنے کے لئے کن دوستوں کے ساتھ گیا تھا؟''

''پھر...... کچھ پتہ چلا......؟''

''نہیں...... گلابو کو کچھ خبر ہی نہیں تھی۔ وہ بتاتی تو کیا بتاتی بیچاری۔''

''تم بھی کسی وقت ہو آنا، اور گلابو کو اگر روپے پیسے کی ضرورت......''

''روپے پیسے کا لالچ ہی تو انسان کو اندھا کر دیتا ہے رحمتے...... بابر کی مثال تو تیرے سامنے کی بات ہے۔''

''لیکن راجو تو اس قسم کی آسامی نہیں تھا۔''

''کون جانے...... ہوسکتا ہے وہ بھی کسی سازش کا شکار ہوا ہو۔''

''کیوں بے تکی بات کرتی ہے پگلی!'' رحمت علی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ دھماکے ہوتے ہیں وہاں سازشی نہیں صرف بے گناہ اور معصوم لوگ مارے جاتے ہیں۔ دھماکہ کرنے والے تو اپنا کوئی سراغ ہی نہیں چھوڑتے۔''

''پھر...... گلابو کے گھر پولیس کیوں آئی تھی؟''

''تو فکر نہ کر...... میں رات کو راجو کی طرف جاؤں گا، سب پتہ چل جائے گا۔''

''رحمتے......!'' عذرا اُس کے سینے پر سر ٹکا کر بولی۔ ''ایک بات سنے گا میری؟''

''میں اور تیری بات نہیں سنوں گا...... یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟''

''یہ سب چھوڑ کر اپنے گھر واپس لوٹ چل رحمتے!'' عذرا بڑی منت سماجت سے ''مجھے دولت نہیں سکون چاہئے۔ اور تیرے اس شاندار بنگلے اور عالیشان حویلی میں میرا دل دھک دھک کرتا رہتا ہے۔ میں تیرے لئے پانچوں وقت نماز پڑھ کر دعا کرتی کہ خدا تجھے سلامت رکھے۔ تیرا سایہ اکبر اور فرزانہ کے سروں پر برقرار رہے...... جانے مجھے اس دولت اور شان وشوکت سے خوف آتا ہے۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا۔'' رحمت علی نے پیار سے کہا۔ ''جو دنیا میں آیا ہے اُسے ایک دن واپس بھی جانا ہے۔ ہر شخص دولت کی آڑ میں تو دم نہیں توڑتا۔''

''لیکن بابر اور راجو کا انجام تو ایک ہی جیسا ہوا ہے۔'' عذرا نے کہا۔ ''اُن دونوں دولت کا انبار جمع کرنے کی ہوس تھی۔ اور اب تو بھی...... نہیں رحمتے، نہیں...... اگر تجھے ہو گیا تو میں چوڑیاں پیس کر کھا لوں گی۔ مجھ سے تیری جدائی برداشت نہیں ہوگی۔''

''تو فکر نہ کر پگلی...... میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا...... جب چلیں گے، دونوں ساتھ چلیں گے۔'' رحمت علی نے کہا، پھر پیار سے عذرا کو دیکھتا ہوا باہر آ گیا جہاں اُس کی جھلمل تی گاڑی کھڑی تھی۔

دفتر پہنچا تو اُس کی ملاقات سب سے پہلے مونیکا سے ہوئی۔ رحمت علی شروع دن سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ اُس کی ذات میں بہت زیادہ دلچسپی لینے کی کوشش کر رہی ہے، لیکن اُس نے جواب میں کبھی مونیکا کو لفٹ دینے کی حماقت نہیں کی تھی۔ سردار خان نے اُسے پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ مونیکا کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں۔

''تم پندرہ منٹ لیٹ ہو......'' مونیکا نے اپنی خوبصورت دستی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لنچ ٹائم دو بجے ختم ہو جاتا ہے۔''

''ہاں...... مجھے علم ہے۔ لیکن آج بھوک کچھ زیادہ ہی لگی ہوئی تھی۔''

''پھر گھر جانے کی کیا ضرورت تھی......'' مونیکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''بھوک مٹانے کا بندوبست یہاں دفتر میں بھی ہو سکتا تھا، تم کہہ کر تو دیکھتے۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں اُسے ٹالتے ہوئے کہا، وہ کھل کر مونیکا سے جھگڑا مول لینے کو بھی تیار نہیں تھا۔

''میڈم دو بار تمہارا پوچھ چکی ہیں۔''

''اوکے......''

''وَن منٹ......'' مونیکا نے اس بار بھی معنی خیز اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''خیریت تو ہے...... آج کل میڈم تمہیں بہت پوچھتی ہے، اتنا منہ تو اُس نے سردار کو بھی نہیں لگایا......''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں......'' رحمت علی نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے، پھر تیزی سے قدم اُٹھاتا میڈم کے آفس میں چلا گیا جو اس وقت سگریٹ ہونٹوں کے درمیان دبائے کسی سوچ میں غرق تھی۔

''آپ نے مجھے یاد کیا تھا......؟''

''آں...... ہاں......'' میڈم چونکتے ہوئے بولی، پھر اُس نے رحمت علی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہارا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ صبح میں بہت مصروف تھی اس لئے تمہیں بلا نہیں سکی۔''

''میرے لائق کوئی خدمت......''

''اوہ...... کم آن...... نو فورمیلیٹیز۔'' میڈم کے لہجے میں بے تکلفی تھی۔ ''ہم اس وقت ے ہیں اس لئے صرف دوستوں کی طرح بات کریں گے۔'' پھر وہ سگریٹ کا ایک طویل کش تے ہوئے بولی۔ ''مجھے تمہیں ایک خوشخبری سنانی ہے۔''

''میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' رحمت علی کا لہجہ دوستانہ ہو گیا۔

''ہمارا مشترکہ کانٹا راستے سے نکال دیا گیا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''میں شیرا اور اُس کے دست راست صمدانی کی بات کر رہی ہوں۔''

''اوہ......''

''شیرا میرے لئے بہت کارآمد آدمی تھا۔ لیکن وہ ہر شخص جو تمہارے سامنے سینہ تان کر آنے کی کوشش کرے گا، اُس کا انجام شیرا ہی جیسا ہو گا۔'' میڈم برلاس کی نگاہوں میں نشہ تھا۔ ''جو تمہارا دشمن وہ میرا دشمن۔''

''آپ نے بلاوجہ زحمت کی......'' رحمت علی نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''موت برحق ہے، جہاں لکھی ہے، جس کے ہاتھوں لکھی ہے، جو وقت مقرر ہو چکا ہے اسے کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔ لیکن اگر چاہتا تو میں خود بھی شیرا کو مار سکتا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم کیا ہو...... اور یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے میری زندگی موت کے ہاتھوں سے بچائی ہے۔'' میڈم نے رحمت علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی محبت سے کہا۔ ''مگر فکر مت کرو! شیرا اور صمدانی دونوں کی موت اُس وقت واقع ہوئی ہے جب وہ زندگی کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔''

''میں سمجھا نہیں...... کیا وہ دونوں عیاشی میں مصروف تھے؟''

''عیاشی صرف جسمانی نہیں، ذہنی بھی ہوتی ہے۔'' میڈم کی نگاہوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔ ''شیرا اور صمدانی جس وقت موت سے ہمکنار ہوئے اُس وقت وہ خان آڈیٹوریم میں بیٹھے مصری رقاصہ کے نیم عریاں رقص سے محظوظ ہو رہے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اُن دونوں کی خاطر میرا اپنا ایک آدمی بھی کام آ گیا۔''

''اُس کا کیا نام تھا......؟'' رحمت علی نے پہلو بدلتے ہوئے قدرے بے صبری سے پوچھا۔ اُس کے ذہن میں اچانک راجو کا خیال اُبھرا تھا۔ عذرا نے اُسے یہی بتایا تھا کہ راجو کسی مصری رقاصہ کا شو دیکھنے گیا تھا جہاں ایک دھماکے نے دوسروں کے ساتھ ساتھ اُس کی زندگی کا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل کر دیا تھا۔

''کوئی اور یہ سوال کرتا تو میں کتراتی جواب دینے سے۔ لیکن تم کو دوست کہا ہے اس لئے رازداری کے پردے بھی ہمارے درمیان سے آہستہ آہستہ اُٹھ جانے چاہئیں۔'' میڈم کہنیاں میز پر ٹکا کر آگے کی سمت جھکتے ہوئے کہا، پھر سگریٹ کا دُھواں رحمت علی کی سمت اُڑاتے ہوئے بولی۔ ''ہمارے خاص آدمی کا نام رمضان تھا...... عام لوگ اُسے راجو کباڑیے کے نام سے جانتے تھے۔ بڑا کارآمد اور تجربہ کار آدمی تھا۔ خاص طور پر بم کے دھماکے کرنے میں تو اُس کا جواب ہی نہیں تھا۔''

''حیرت ہے......!'' رحمت علی نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''اگر را

جو بموں کا ماہر تھا تو پھر خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں کیوں کود گیا؟''

''حالات کا تقاضہ تھا۔'' میڈم بولی۔ ''پولیس نے عین وقت پر اُسے آڈیٹوریم سے جاتے ہوئے روک لیا تھا، وہ اُس کی تلاشی لینا چاہتے تھے اس لئے کہ ایک بار وہ پولیس کی نظروں میں پہلے بھی آ چکا تھا۔ مگر اِس وقت وہ تلاشی نہیں دے سکتا تھا۔ آڈیٹوریم میں جو پلاسٹک بم رکھا گیا تھا، اُس کا ریموٹ رمضان کی جیب میں تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں اُس کا بچنا ناممکن ہی تھا اس لئے کہ خان سپر سٹور کی تباہی بھی اُس کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔ لہٰذا اُس کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا...... بہادری اور جوانمردی سے موت کا راستہ...... چنانچہ رمضان نے ریموٹ کا پش بٹن دبانے سے پہلے ایک کیپسول نکال کر منہ میں ڈال لیا۔ ایک ایسا تیز اور مہلک زہر اُس کے اندر موجود تھا جس نے لمحوں میں اُسے موت کی پُرسکون آغوش تک پہنچا دیا، لیکن خود مرنے سے پیشتر وہ اپنا فرض پورا کر گیا تھا......''

''آئی سی...... لیکن اب اُس کے بیوی بچوں کا خرچ کیسے چلے گا؟''

''کیا تم اُس کو جانتے تھے؟''

''ہاں...... پہلے میں جہاں رہتا تھا، وہیں قریب ہی راجو کا چھوٹا سا مکان تھا۔ ہمارے درمیان دوستوں کی حد تک سلام دُعا تھی۔''

''گڈ......'' میڈم نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا، ہمیں معلوم ہے کہ تم اور راجو نہ صرف ایک دوسرے سے واقف تھے بلکہ راجو کی موت کے بعد اُس کی بیوی گلابو تمہاری منزل سے پہلے ہی مل چکی ہے...... لیکن فکر مت کرو! راجو ہمارا آدمی تھا، بھروسے کا آدمی...... اس لئے اُس کی خدمات کو نہیں بھولا جا سکتا۔ اُس کی بیوہ کے گھر کے تمام اخراجات اب ہمارے آدمی برداشت کرتے رہیں گے۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ اس وقت اُسے یہ ضرور محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جس عورت کی دوستی کے جال میں پھنس چکا ہے اس سے نکاسی کا کوئی راستہ نہیں۔ وہ ایک ایسی خوبصورت، بھولی بھالی مگر زہریلی ناگن تھی جو وقت پڑنے پر اپنے بچے کو بھی ڈسنے سے گریز نہیں کرتی۔ وہ چاہتا تو ملازمت چھوڑ سکتا تھا لیکن کیا ملازمت سے دست بردار ہو جانے کی صورت میں اُس کی اپنی زندگی کی بھی کوئی ضمانت ہو سکتی ہے......؟ یہ سوال اُس کے ذہن میں تیز بگولوں کی طرح گھوم رہا تھا۔ اُس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جس بھنور میں پھنس گیا ہے، فرار کی صورت میں اُس کا ہر راستہ موت کی وادیوں تک پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔

''کس سوچ میں گم ہو گئے مائی ڈیئر......؟''

''راجو کی موت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' رحمت علی نے پہلو بدل کر قدرے نرم آواز میں کہا۔

''اوہ...... ڈونٹ بی سو سیریس۔'' میڈم نے لاپرواہی سے کہا۔ ''ہر بزنس میں فائدے کے

ساتھ ساتھ خسارہ بھی لازمی ہے، جس شخص کو آج کروڑوں کا نفع ہوتا ہے اُسے کل کے
نقصان سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے...... زندگی اسی نفع اور نقصان کا نام ہے۔ پھر بلاوجہ
پریشان کرنے سے فائدہ...... کچھ پیو گے؟''

''جی ہاں......'' رحمت علی نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''صرف ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔''

''کچھ اور نہیں......؟'' میڈم نے دبی زبان میں بڑی رازداری سے پوچھا۔

''میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں شراب نہیں پیتا۔''

''نیور مائنڈ......!'' میڈم نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجہ اختیار کیا۔ ''ابھی ہماری دوستی کی ابتداء ہوئی ہے، میرے ساتھ رہو گے تو آہستہ آہستہ ہر چیز کے عادی ہوتے جاؤ گے۔''

''قبل از وقت اتنے یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' رحمت علی نے لاپروا انداز میں جواب دیا۔

''مگر مجھے اپنی ذات پر صرف یقین ہی نہیں مکمل اعتماد بھی ہے۔ اور اعتماد اور یقین ہی ... مندی کی ضمانت بھی ہے۔'' میڈم نے ایک بار پھر بڑے عجیب انداز میں سگریٹ کا طویل کش لے کر دھواں رحمت علی کے منہ پر اُڑاتے ہوئے جواب دیا۔

پھر مونیکا کے آجانے سے میڈم نے اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھنے میں نہایت پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

☆

کمال احمد کچہری جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اُن کی دستی گھڑی پر ہلکی ہلکی بیپ کی آواز اُبھری اور اُن کے چہرے پر یکلخت اُلجھن کے تاثرات پھیل کر نمایاں ہوتے چلے گئے۔ ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ تیزی سے لائبریری کی طرف گئے اور فون اُٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگے۔ رابطہ قائم ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

''میں سردار خان بول رہا ہوں۔'' دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ ''تمہارے لئے ایک اہم اطلاع ہے۔''

''تم......؟'' کمال احمد نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''تم شاید بھول رہے ہو کہ اس وقت کس سے گفتگو کر رہے ہو۔ میں ہر شخص سے بے تکلفی سے پیش آنا پسند نہیں کرتا، اس کے علاوہ تمہیں ڈسپلن کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔''

''سوری مائی ڈیئر......'' سردار خان کی طنزیہ آواز اُبھری۔ ''میں بھول گیا تھا کہ نازو کو ایکشن ٹیم میں شامل کرنے کے بعد آپ کی اہمیت بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ آپ ایک قانون دان بھی ہیں۔''

''مطلب کی بات کرو......!''

''رین بو کے فوٹوگرافر کو پولیس نے اُٹھا لیا ہے، ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔''

''خیریت تو ہے......'' کمال احمد نے گھبرا کر دریافت کیا۔ ''کیا پولیس کے ہاتھ کچھ ثبوت لگ گئے ہیں......؟''

''نہیں...... مارٹن کو انسپکٹر زیدی ہی کی سٹاف کار میں پولیس کی تحویل سے نکال لیا گیا تھا، اس کے لئے مجھے انسپکٹر کا میک اَپ کرنا پڑا تھا۔''

''لیکن مارٹن سٹوڈیوز کا کیا بنے گا...... اگر پولیس وہاں تک پہنچ گئی تو......؟''

''تو اُسے راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں ملے گا...... ہم آنکھ اور دماغ دونوں سے بیک وقت کام لینے کے عادی ہیں۔ مارٹن کو آزاد کرانے کے بعد ہی اُس کے سٹوڈیو سے ضروری چیزیں نکالنے کے بعد اُس نذرِ آتش کر دیا گیا ہے۔''

''مارٹن اِس وقت کہاں ہے......؟''

''سیل نمبر دو میں۔'' سردار خان نے خشک آواز میں جواب دیا۔ ''وہ اتنا اہم آدمی بھی نہیں تھا کہ اُسے فارم ہاؤس دکھایا جاتا۔''

''لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس نے پولیس کے سامنے زبان بند رکھی ہوگی......؟''

''فی الحال ہمارا خیال یہی ہے...... مارٹن نے بھی یہی بتایا ہے۔''

''فوٹوگرافس اور مووی کا کیا بنا......؟''

''وہ تمام چیزیں ہماری تحویل میں ہیں۔''

''لیکن......''

''گھبراؤ نہیں مسٹر کمال!'' سردار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہمیں معلوم ہے کہ اب آپ کو پارٹی سے زیادہ نازو کا خیال ستاتا ہے جسے باس نے اپنی مخصوص ٹیم میں شامل کر لیا ہے۔''

''تم یہ بار بار نازو کا حوالہ کس مقصد سے دے رہے ہو؟''

''آپ کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ اب رین بو کلب کے رنگین لمحات کا بیشتر حصہ ثبوت کے طور پر میری تحویل میں ہے۔''

''کیا تم نے صرف یہی بتانے کے لئے مجھے فون کیا ہے......؟''

''نہیں...... آپ کے لئے ایک اور کام سونپا گیا ہے۔'' سردار اِس بار سنجیدہ تھا۔ ''سیل نمبر دو میں پہنچ کر آپ کو اپنے تجربے کی روشنی میں یہ معلوم کرنا ہے کہ مارٹن کہاں تک سچ بول رہا ہے۔''

''اگر اُس نے پولیس کو کچھ ثبوت فراہم کر دیئے ہیں تو بھی وہ قبول تو نہیں کرے گا۔''

''یہ آپ جانیں...... مگر باس کا یہی حکم ہے۔''

''کیا مارٹن کے بیان پر اعتماد کر کے اُسے چھوڑا جا سکتا ہے؟''

''آپ کے اعداد و شمار کیا بتاتے ہیں...... کیا سیل نمبر دو میں جانے کے بعد آج تک کسی

کی گلو خلاصی ہو سکی ہے؟''

''ایسی صورت میں تو یہی بہتر ہو گا کہ کسی پوچھ گچھ کے بغیر ہی......''

''نہیں......'' سردار خان نے جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''باس اپنے اصولوں سے ہٹ کر کام نہیں کرتا۔ مارٹن کی گراں خدمات کو اتنی جلدی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔''

''ٹھیک ہے...... میں مارٹن کو چیک کر لوں گا...... رپورٹ کسے دینی ہے؟''

''باس آج شام تک آپ سے خود ہی رابطہ قائم کر لے گا۔''

''اور کوئی خاص بات......؟''

''ہاں......'' سردار خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''باس نے نازو کے لئے بھی ایک اہم ذمہ داری سونپی ہے۔''

''کیا اب نازو کے سلسلے میں بھی مجھے پیغام دینا ہو گا؟'' کمال احمد کا لہجہ سرد تھا، اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''نہیں...... میں تو صرف آپ کو اس بات کی مبارکباد دے رہا تھا کہ نازو کو بھی اب بھرپور طور پر میدان میں لانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔''

''سردار خان...... تم پھر میری حیثیت کو بھول رہے ہو۔'' کمال احمد تلملا کر بولا۔ ''کیا مجھے براہِ راست باس سے تمہارے بارے میں بات کرنی ہو گی؟''

''اگر آپ کو میری مبارکباد بری لگی ہے تو میں اپنا جملہ واپس لیتا ہوں۔'' سردار خان نے مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا، اس کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

کمال احمد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا، اُس نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھا، پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا لائبریری سے باہر آ گیا۔ بظاہر اس وقت اُس کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہو رہا تھا۔

☆

وہ ایک رفاہی ادارے کا ہیڈ آفس تھا جہاں اس وقت بھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ دوپہر کے تقریباً دو کا عمل تھا، دفتر کا عملہ اپنے کام میں مصروف تھا اور آنے والے ضرورت مندوں سے درخواستیں وصول کر رہا تھا۔

گیٹ پر ایک پٹھان چوکیدار موجود تھا جو بظاہر چپڑاسی معلوم ہو رہا تھا لیکن اُس کے بغلی ہولسٹر میں اعشاریہ تین آٹھ کا آٹو میٹک موجود تھا۔ تندرست اور چاق و چوبند شخص تھا، ایک کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا۔

ٹھیک سوا دو بجے ایک پجارو آ کر دفتر کے مین گیٹ کے ذرا آگے رُکی، پھر اُس میں سے ایک شخص اُتر کر نیچے آیا اور خان چوکیدار سے پوچھا۔ ''یہاں کمرشل بینک کہاں واقع ہے؟''

''پچھلی سڑک پر۔'' چوکیدار نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''یہ غالباً کوئی رفاہی ادارہ ہے۔'' آنے والے نے دوسرا سوال کیا۔

''ہاں...... کیوں؟''

''کیا یہاں زمان صاحب نام کے کوئی بڑے آفیسر کام کرتے ہیں؟'' آنے والے نے اطراف کا جائزہ لیا، روڈ پر اس وقت اچھا خاصا ٹریفک رواں دواں تھا۔

''خو...... بات کیا ہے؟'' چوکیدار اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم کو زمان صاحب سے ملنا ہے یا بینک کا پتہ معلوم کرنا ہے......؟''

''اب یہاں تک آ گیا تو سوچا زمان صاحب سے بھی سلام دُعا کر لوں۔'' آنے والے نے چوکیدار کے قریب آتے ہوئے کہا۔ پھر اُس کے کوٹ میں رکھے ہوئے کسی آتشیں اسلحہ کی نال چوکیدار کی پسلی پر ٹِک گئی۔ ''کیا زمان صاحب اندر موجود ہیں؟''

''تم......؟''

''اگر شور مچانے کی کوشش کی تو پسلی کئی ٹکڑوں میں منقسم کر دُوں گا۔ تمہیں اپنا آٹو میٹک استعمال کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔''

چوکیدار نے زمان صاحب کی دفتر میں موجودگی کے سوال پر اثبات میں سر کو جنبش دی، زبان سے کچھ نہیں کہا۔

''میرے ساتھ آؤ...... لیکن خبردار! عقلمندی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔'' آنے والے نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ہمیں صرف تمہارے زمان صاحب سے کچھ حساب کتاب چکتا کرنا ہے۔''

پھر چوکیدار نے جیسے ہی پجارو میں قدم رکھا، اُس پر عین سر کی پشت پر کسی ٹھوس شے سے اتنا شدید حملہ ہوا کہ اُس کا ذہن تاریکی کے گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

پھر اُسے گھسیٹ کر سیٹوں کے درمیان ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد تین ہٹے کٹے افراد جن کے چہروں پر گھنی داڑھی اور مونچھیں تھیں جسم پر چادر لپیٹے نیچے اُترے، چوتھا شخص جو چوکیدار کو لایا تھا، وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا محتاط نظر آ رہا تھا۔

''بڑے صاحب کے حکم کے مطابق ہمیں صرف زمان اور اُس کے عملے کے دو تین آدمیوں کے خون سے ہولی کھیلنی ہے، دوسرے لوگوں کو باہر مت نکلنے دینا۔'' ایک شخص نے اپنے باقی دو ساتھیوں سے کہا۔ ''یہ بڑے صاحب کی طرف سے پہلی جوابی کارروائی ہے، اس لئے زیادہ افراتفری پھیلانے سے پرہیز کرنا......''

''ہم کو صرف منہ مانگا دم ملنا چاہیے...... دو تین تو کیا ہم دس بارہ کو بھی پلک جھپکتے میں بھون کر رکھ دیں گے۔'' دوسرے کا لہجہ سفاک تھا۔

''تم خالی ہم کو یہ بتا دینا کہ زمان کون ہے؟'' تیسرا بولا۔

''ایک بات غور سے سنو...... پہلی گولی میں چلاؤں گا، اس کے بعد تم کارروائی شروع کر دو

گے۔ لیکن ہمیں پانچ منٹ کے اندر اندر اپنا کام ختم کر کے واپس لوٹنا ہے اس لئے کہ بڑے صاحب کا حکم ہے کہ کسی قیمت پر بھی ہمیں پولیس کے ہاتھ آنے سے بچنا ہے۔''

پھر وہ تینوں قدم اُٹھاتے اندر داخل ہوئے جہاں سامنے میز پر ایک خوش پوش اور تنومند شخص شلوار قمیض اور کالی واسکٹ میں بیٹھا ایک خاتون سے بات کر رہا تھا، میز پر اُس کے نام کی جو تختی لگی تھی، اس پر زمان احمد منتظم اعلیٰ کی تختی بھی موجود تھی۔ ایک شخص آگے بڑھ گیا، اُس کے دو ساتھی گیٹ کے قریب ہی منڈلا رہے تھے۔ زمان احمد کی میز کے قریب پہنچ کر اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اس دفتر میں تمہارے سوا کوئی اور بھی زمان صاحب ہے؟''

''نہیں! لیکن تم......؟'' زمان احمد اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''ام تمہارا باپ ہے......'' سوال کرنے والے نے اچانک چادر کے اندر سے خودکار رائفل نکال کر خطرناک آواز میں کہا، پھر عورت جو ہکا بکا رہ گئی تھی اُسے مخاطب کر کے بولا۔

''بی بی...... تم ادھر سے جاؤ...... ہمیں زمان صاحب سے کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے۔''

عورت خوفزدہ انداز میں تیزی سے اُٹھی، پھر وہ باہر جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ باقی دونوں آدمیوں نے بھی اپنی رائفل چادر سے باہر کر لی۔ ایک نے گرج کر کہا۔ ''خبردار! شور مچانے کی کوشش مت کرنا...... سب لوگ ایک طرف ہو کر دیوار سے ٹِک کر کھڑے ہو جاؤ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی نے سانس کی آواز بھی نکالنے کی کوشش کی تو ہم اُسے گولی مار دے گا۔''

لوگوں نے اُس کی بات پر عمل کرنے میں زندگی کی ضمانت سمجھی تھی۔ وہ سب تیزی سے اُٹھ کر دیوار کی جانب جا کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر موت کے بھیانک سائے لہرا رہے تھے...... ہونٹ زندگی کی دُعائیں مانگنے میں متحرک تھے، موت کو سروں پر منڈلاتا دیکھ کر انہیں خدا یاد آ گیا تھا۔

''ہم تم کو صرف ایک صورت میں زندہ چھوڑ سکتا ہے۔'' پہلا شخص زمان احمد کو نشانے پر رکھے سرد لہجے میں بولا۔ ''تم ہمیں صرف اُس شخص کا نام بتا دو! جو تمہارا سربراہ ہے اور جو بڑے صاحب کو بار بار نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''بڑے صاحب سے تمہاری مراد کس سے ہے؟'' زمان احمد نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ اپنی موت کا مکمل یقین ہو جانے کے باوجود ہراساں نظر نہیں آ رہا تھا، اُس کا لہجہ اُس کی دلیری اور بے جگری کی ترجمانی کر رہا تھا۔

''اتنا معصوم مت بنو...... ہمارے پاس فالتو باتوں کے لئے زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''پھر میرا مشورہ ہے کہ یا تو تم جس راستے سے آئے ہو اُسی سے واپس لوٹ جاؤ یا پھر اپنا وقت ضائع مت کرو!'' زمان احمد نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''موت برحق ہے اس لئے

مجھے مرعوب کرنے کی کوشش فضول ہوگی۔ اور واپسی میں جا کر اپنے بڑے صاحب سے کہہ دینا کہ ایک زمان احمد کی موت اس کے لئے کروڑوں کے نقصان کا سبب بھی بن سکتی ہے۔''

''خوب...... تم دلیر ہے، ہم کو تمہاری جوان موت پر افسوس ہوگا۔''

''اس کے باوجود مجھے تمہارے جیسے چور اور ڈاکوؤں سے......''

لیکن زمان احمد اپنا جملہ پورا نہ کر سکا، خودکار رائفل کے پہلے ہی برسٹ نے اُس کے جسم سے خون کے کئی فوارے کھول دیئے تھے۔ پھر دوسرے برسٹ نے اُس کا جسم چھلنی کر دیا۔ پہلے وہ لڑکھڑا کر کرسی پر گرا، پھر کرسی سمیت فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ پہلے شخص کی فائرنگ کے بعد ہی اُس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی عملے کے دو کارکنوں پر برسٹ مارا...... پھر وہ تینوں ہی گیٹ کی طرف لپکے تھے۔ باہر جانے سے پہلے اُنہوں نے آنسو گیس کے دو گولے پوری شدت سے مارے اور لپک کر باہر نکل گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوبارہ چادروں میں لپٹے پجارو کی طرف لمبے لمبے قدم اُٹھا رہے تھے۔

''چوکیدار کا کیا بنے گا......؟'' ایک نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

''اُسے راستے میں کسی موڑ پر گاڑی سے نیچے دھکا دے دیں گے۔'' دوسرے نے سفاکی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ بڑے صاحب کے لئے کام کا آدمی ثابت ہو۔'' تیسرے نے مشورہ پیش کیا۔

''نہیں......'' پہلے نے فیصلہ کن آواز میں جواب دیا۔ ''ہمیں جس کام کی اُجرت ملی ہے، صرف اتنا ہی کرنا ہے۔ زیادہ ہوشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

پھر وہ تینوں لپک کر جیپ میں بیٹھے اور پل بھر میں وہ حرکت میں آ گئی۔ فائرنگ کی آواز سن کر آس پاس پڑوس کے دُکاندار اور آفس والے باہر نکل آئے تھے۔ لیکن اتنی دیر میں جیپ اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

''رفتار اور تیز کرو!'' پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔ ''بہتر ہوگا کہ کلفٹن سے گاڑی نکالو! ہمیں چوکیدار کو بھی راستے میں غرق کرنا ہے۔''

پجارو کی رفتار یکلخت اور تیز ہوگئی۔ تین تلوار کے پاس پہنچ کر اُس نے اُلٹے ہاتھ کو ٹرن لیا۔ یہ علاقہ نسبتاً ویران تھا۔ پہلا ٹرن لینے کے فوراً بعد ہی دوسرا ٹرن اُلٹے ہاتھ کو لیا گیا، اسی وقت بے ہوش چوکیدار کو کسی ردی کے بورے کی طرح نیچے پھینک دیا گیا تھا......

''اب گاڑی کو واپس نکال لے چلو!'' پشت سے ڈرائیور کو دوسری ہدایت ملی، ''ہمیں اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر بڑے صاحب کو اپنی کامیابی کی خوشخبری بھی سنانی ہے۔''

پجارو نے ذرا دُور نکل کر پھر سیدھے ہاتھ کو ٹرن لیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ڈرائیور نے گاڑی کو پورے بریک لگانے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سامنے بجری کا ایک ٹرک

راستے کے بیچوں بیچ خراب حالت میں کھڑا تھا۔ اُس کا ڈرائیور انجن پر جھکا انجن کی
کرنے میں مصروف تھا۔

''خانہ خراب کا بچہ!'' ڈرائیور نے دانت کچکچا کر ٹرک ڈرائیور کی شان میں ایک
دی، پھر اُس نے گاڑی کو بیک کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بیک ویو مرر پر نظر پڑتے ہی
ہاتھ سٹیئرنگ پر کپکپا کر رہ گئے...... پیچھے پولیس کی دو جیپیں اُن کا راستہ روکے کھڑی تھیں
اُس نے انجن بند کر کے نیچے چھلانگ لگائی، کسی سائیڈ لین میں گھس کر وہ فرار کا راستہ
سکتا تھا، لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک سنسناتی ہوئی گولی اُس کی پنڈلی کا گوشت چاٹ گئی
لڑکھڑاتا ہوا سڑک پر اوندھے منہ گرا تھا۔

جیپ میں بیٹھے ہوئے مسلح پولیس کے افراد پجارو کے اطراف پھیل کر اپنا گھیرا تنگ
لگے......!!

☆☆☆☆☆

اُن کا راستہ چاروں طرف سے مسدود ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ پولیس والوں نے اپنے اسلحے
سمیت مورچے سنبھال لئے تھے اور کچھ جیپ کی آڑ میں رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ جس شخص
کی پنڈلی پر گولی لگی تھی، وہ سڑک پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اُس کے باقی تینوں ساتھی پجیرو کے اندر
ہی سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

''ہم بری طرح پھنس گئے ہیں اُستاد! بھاگنے کی صورت میں بلا موت مارے جائیں
گے۔''

''بہتر یہی ہے کہ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں۔'' دوسرے نے کہا، لیکن اُس کے لہجے
میں خوف نہیں تھا۔''

''مردوں جیسی باتیں کرو!'' تیسرا شخص جسے اُستاد کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، شیشے سے باہر کی
جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ہم نے چوڑیاں نہیں پہنی ہوئی ہیں۔ رائفلیں ہمارے ہاتھوں میں
بھی ہیں۔''

''لیکن اُن کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔ پھر یہاں سے فرار کی کوئی صورت بھی نظر نہیں
آتی۔''

''نہیں......!'' دوسرے نے اُستاد کی تائید کی۔ ''اگر اُستاد کا حکم ہے تو پھر ہم جان ہتھیلی پر
رکھ کر مقابلہ کریں گے۔ موت سے کیا ڈرنا؟''

''بکومت......!'' اُستاد جھلا کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اُن تینوں ہی کے ہاتھ خود کار
رائفلوں پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد پولیس کی جانب سے بیٹری مائیک پر
اعلان ہونے لگا۔

''تم چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہو۔ تمہارے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اپنے
ایک ساتھی کا انجام تم دیکھ چکے ہو۔ تمہارا انجام اس سے بھی زیادہ عبرتناک ہو سکتا۔ اگر زندگی
چاہتے ہو تو خود کو قانون کے حوالے کر دو! اپنا اسلحہ پھینک کر گاڑی سے نیچے آ جاؤ ورنہ ہم
ایکشن شروع کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔''

''کتے کے بچے گرفتاری کی دعوت دے رہے ہیں۔'' دوسرے نے اُستاد سے کہا۔ ''کیا
خیال ہے، نیچے اُتر کر رائفل کا راگ الاپنا نہ شروع کر دیں؟ مرنے سے پہلے دو چار کو تو ضرور
ٹھکانے لگا دیں گے۔''

"کیا فیصلہ کیا اُستاد؟" پہلے نے بے چینی سے دریافت کیا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"ہاں...... یہ تو ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اُن کی فائرنگ شیشوں کو چکنا چور کر کے ہم کو بھی کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم چوہوں کی طرح مارے جائیں گے۔"

اُسی وقت پولیس کی جانب سے مائیک پر دوسرا اعلان کیا گیا۔ "ہم صرف پانچ تک گنیں گے، اس کے بعد ذمہ داری تمہاری ہو گی...... ایک...... دو......" اعلان ختم ہونے کے بعد گنتی شروع ہو گئی۔ اُستاد رائفل پر ہاتھ جمائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا، اُس کی آنکھیں شیر کی مانند چمک رہی تھیں۔ چہرے پر بلا کی سفاکی موجود تھی۔

"تین...... چار......"

"جلدی کرو اُستاد...... وہ کارروائی کرنے والے ہیں۔"

"ہمیں خود کو پولیس کے حوالے کرنا ہو گا۔ لیکن تم میں سے کوئی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے۔ تم نے محض روپے کی لالچ میں میرے کہنے پر عمل کیا تھا۔"

"ہم سمجھ رہے ہیں اُستاد......"

"اب صرف تیس سیکنڈ اور باقی رہ گئے ہیں۔" پولیس نے اعلان کیا، اس کے ساتھ ہی پجیرو کا پچھلا دروازہ کھلا، سب سے پہلے اُستاد نے نیچے چھلانگ لگائی اور سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ رائفل بدستور اُس کی گرفت میں تھی۔ اُستاد کی دیکھا دیکھی باقی دونوں بھی سنبھالے باہر آ گئے۔

"رائفلیں ہاتھ سے پھینک دو! اور چھ قدم آگے آ جاؤ۔" پولیس کی جانب سے دوسرا اعلان کیا گیا۔

"ہمیں کس جرم کی پاداش میں گھیرا گیا ہے؟" اُستاد نے دبنگ آواز میں سوال کیا۔

"تم پر قتل کا الزام ہے۔"

"قتل......؟" اُستاد نے ہنس کر کہا۔ "قتل کرنا تو ہمارا پیشہ ہے۔ اور پیٹ بھرنے کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرنا جرم نہیں کہلاتا۔"

"بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے کی کوشش مت کرو! تم اس وقت بیک وقت کئی سمتوں سے ہمارے نشانے پر ہو۔ ہماری طرف سے فائرنگ کا حکم ملتے ہی پولیس کے جوان تمہارا جسم چھلنی کر دیں گے۔"

"کیا خیال ہے اُستاد...... شروع کر دیں دیپک راگ؟" دوسرے نے بے چینی سے پوچھا، اُس کی آواز مدھم مگر ٹھوس تھی۔

"گاڑی سے باہر نکل آنے کے بعد مقابلہ کرنا اب موت کے مترادف ہو گا۔" تیسرے نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اُستاد نے دانت پیس کر کہا، پھر رائفل پھینک کر چھ قدم آگے بڑھ گیا۔ اُس کے دوسرے دونوں ساتھیوں نے بھی اُس کی پیروی کی تھی، اس کے سوا اُن کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

پھر ایک منٹ بعد ہی پولیس کے چھ مسلح جوان جیپ کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھے۔ اُن کی قیادت خود انسپکٹر زیدی کر رہا تھا۔ قاتلوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔ اُن تینوں نے بغیر کسی جوابی کارروائی کے ہتھکڑی پہن لی تھی۔ چوتھے ساتھی کو دو پولیس والوں نے ہاتھ تھام کر سہارا دیا لیکن اس سے پیشتر باقی تینوں کی طرح اُس کی تلاشی بھی لی گئی۔ اُس کے پاس سے ایک ٹی ٹی برآمد ہوا جسے پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا، پھر دس منٹ بعد ہی اُن کا قافلہ کلفٹن تھانے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ایس پی رحمان پہلے سے اُن کا منتظر تھا۔ انسپکٹر زیدی نے واکی ٹاکی کے ذریعے اُسے تمام کارروائی سے آگاہ کر دیا تھا۔

"گڈ......" ایس پی رحمان نے انسپکٹر زیدی کو تحسین آمیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔"

"سب کچھ آپ کی ہدایت پر ہوا ہے جناب!" زیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس اتفاق ہی سمجھئے، جو وہ ہمارے جال میں پھنس گئے۔"

"کشت خون زیادہ تو نہیں ہوا......؟"

"کل تین آدمی مارے گئے۔ ایک زمان احمد اور باقی اُس کے دوسرے دو کارندے تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ اُنہیں ایک ایک کر کے لاؤ!" ایس پی رحمان نے کہا۔ پھر اُس کے حکم کے بعد سب سے پہلے اُن کے سرغنہ کو پیش کیا گیا۔ کچھ دیر تک ایس پی رحمان اور سرغنہ ایک دوسرے کو نگاہوں نگاہوں میں تولتے رہے، پھر رحمان صاحب کی آواز سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی اُبھری۔

"تمہارا نام......؟"

"مانجھا......" مونچھ داڑھی والے شخص نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

"پورا نام......؟"

"صرف مانجھا......" مانجھا نے بے جگری سے کہا۔ "تمہاری فہرست میں میرا یہی نام درج ہے۔ اور نام کے ساتھ مانجھا کے کارنامے بھی ضرور درج ہوں گے۔ اب تک میں زمان احمد کو ملا کر یہی کوئی بارہ تیرہ قتل کر چکا ہوں۔ تم چاہو تو اسے میرا پیشہ بھی سمجھ سکتے ہو، یا پھر ادبی زبان میں اسے میری رائفل کی پیاس کے نام سے بھی منسوب کر سکتے ہو۔"

"پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" ایس پی رحمان کا لہجہ بدستور نرم ہی تھا۔ وہ مانجھا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس سے گفتگو کر رہا تھا۔

''ہاں...... آں ...... یہی کوئی چودہ جماعتیں پاس کی تھیں۔ ملازمت کے لئے دھکے
رہا، پھر ہر طرف سے نو ویکنسی کا جواب پانے کے بعد میں نے رائفل کو جینے کا سہارا
اب بڑے ٹھاٹھ سے گزرتی ہے اور میرا رعب الگ ہے۔ تمہارے آدمیوں نے بھی مجھ
گرفتاری پیش کرنے کی درخواست کی تھی جسے میں نے رد نہیں کیا۔''

''تم نے صرف قتل و غارت گری ہی کا پیشہ کیوں اختیار کیا؟''

''اس طرح نہیں ایس پی رحمان......!'' مانجھا نے زہر خند سے کہا۔ ''پہلے تمہیں چا
تک فاقہ کرنا پڑے گا۔ اس دوران پیٹ کا ایندھن بھرنے کی خاطر کسی کچرے دان سے
کا پھینکا جانے والا باسی اور سڑا ہوا کھانا کھانا پڑے گا، اس کے بعد تم یہ سوال مجھ سے
سکتے ہو۔''

''تم نے زمان احمد اور اُسکے ساتھیوں کو کیوں قتل کیا......؟'' ایس پی رحمان نے ٹھوس
میں دریافت کیا۔ انسپکٹر زیدی خاموش بیٹھا تھا۔

''صرف دولت کی خاطر...... ورنہ مرنے والے سے میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔
ایک بات کی تصحیح کر لو!'' مانجھا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''صرف زمان احمد کو میں
زندگی کی قید سے آزاد کیا تھا، باقی دو آدمی میرے آدمیوں نے شکار کئے تھے۔''

''تم چاروں میں سرغنہ کون ہے......؟''

''مانجھے کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔'' مانجھے نے حقارت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں اُس کو قتل کرنے کی خاطر کتنی رقم ملی تھی......؟''

''ملی نہیں، ملنے والی تھی۔'' مانجھا سرد آواز میں بولا۔ ''میں پہلے کام اور بعد میں انعام
کا عادی ہوں۔ اپنا اپنا اصول ہوتا ہے مسٹر رحمان! ویسے پورے مشن کے لئے ہمیں ڈھائی
روپے کی آفر تھی جس میں سے بحیثیت سرغنہ کے ایک لاکھ میرے ہوتے اور پچاس پچاس
میں اپنے ساتھیوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیتا۔ ایمانداری میرا پہلا اصول ہے۔ اسی
میرے تمام ساتھی میرے حکم پر اندھے کنویں میں بھی چھلانگ لگانے کو تیار رہتے ہیں۔''

''مجھے تمہاری دلیری اور اصول پسندی اچھی لگی۔'' ایس پی رحمان نے سپاٹ آواز میں
کہا۔ ''ویسے کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ اِس قتل پر تمہیں کس نے اور کس مقصد کے لئے خریدا
تھا؟''

''تم نے بیک وقت تین سوالات پوچھے ہیں۔'' مانجھا جلدی سے بولا۔ ''اوّل یہ مجھے
نے خریدا تھا، تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مانجھا بکنے والی چیز نہیں ہے۔ وہ طے شدہ
رقم پر کام کرتا ہے، کوئی مرد کا بچہ میری مرضی کے خلاف مجھے ایک چیونٹی مارنے پر بھی مجبور
کر سکتا۔ رہا قتل کا مقصد تو یہ مجھے نہیں معلوم کہ زمان اور اُس کے ساتھیوں کا کیا قصور تھا
کی سزا اُنہیں موت کی صورت میں بھگتنی پڑی۔ اب تمہارا آخری سوال باقی رہ جاتا ہے۔ مجھے

مشن پر کام کرنے کو کس نے کہا تو جواباً عرض ہے کہ ہر معاملے میں رازداری نبھانا میرا
فرض ہے۔ اور اس اصول پر میں ہمیشہ بڑی جوانمردی اور سختی سے عمل کرنے کا عادی ہوں۔''

''گویا تم اُس شخص کا نام نہیں بتاؤ گے۔''

''ناممکن ہے۔'' مانجھا نے سینہ تان کر بلا خوف جواب دیا۔

''تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے خلاف قتل کرنے کے تمام ثبوت اور عینی گواہ موجود
ہیں۔ تمہیں پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔''

''عینی شہادتوں اور ثبوت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے ایس پی صاحب! جہاں قتل کرنے
والا اپنے جرم سے منحرف ہو جاتا ہے۔ لیکن میں تو خود تمہارے سامنے زمان احمد کو قتل کرنے کا
اقرار کر چکا ہوں...... رہا پھانسی کا سوال تو کل کیا ہو گا؟ خدا کے سوا کوئی اور نہیں جان سکتا۔''

''کبھی پہلے بھی کال کوٹھری میں زندگی گزارنے کا تجربہ ہو چکا ہے تمہیں......؟'' رحمان
صاحب کے لب و لہجے میں سختی آتی جا رہی تھی۔

''متعدد بار پہلے بھی تمہارے ملک کی مختلف جیلوں میں تھوڑا بہت وقت گزارنے کا تجربہ
ہو چکا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جیل خانوں کے سلسلے میں ابھی تک ہمارے ملک نے وہ
ترقی نہیں کی جو دوسرے ممالک نے کی ہے۔ یہاں کا ماحول اور نظام نہ صرف یہ کہ انتہائی
ناقص ہے بلکہ ان ہائی جینک بھی ہے جس کا شکار زیادہ تر وہ بے گناہ افراد ہوتے ہیں جنہیں
محض کاغذات کی خانہ پری اور شبہے کے طور پر گرفتار کیا جاتا ہے۔''

''مگر تم شاید ایک بات بھول رہے ہو۔'' اس بار ایس پی رحمان گرج اُٹھا۔ ''ہم مجرموں کی
زبان کھلوانے کے سلسلے میں بھی دوسرے ممالک سے ذرا مختلف ہی واقع ہوئے ہیں۔''

''یہ تجربہ بچوں اور ناتجربہ کار لوگوں کے لئے ضرور موثر ہو گا۔ لیکن مانجھا کے سلسلے میں اس
میدان میں بھی تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔'' مانجھا نے زہر خند کے علاوہ بڑے ٹھوس لہجے میں
کہا۔ ''مانجھا مر تو سکتا ہے، بڑی سے بڑی اذیت بھی برداشت کر سکتا ہے لیکن تم اس کی زبان
نہیں کھلوا سکو گے۔''

''گویا تم شرافت سے نہیں مانو گے۔''

''تم پھر اپنی ناتجربہ کاری اور کچے پن کا ثبوت دے رہے ہو۔ پیشہ ور اور قاتل آخری
سانسوں تک اپنی زبان نہیں کھولتے۔''

''اس کا تجربہ بھی تمہیں بہت جلد ہو جائے گا۔''

پھر رحمان صاحب کے حکم پر باقی تین افراد کو بھی باری باری پیش کیا گیا۔ دو کا بیان وہی تھا
جو مانجھا کا تھا۔ البتہ تیسرے نے اتنا ضرور بتایا تھا کہ اُسے مانجھا نے پچاس ہزار کی اُجرت پر
شامل کیا تھا اور وہ کسی ''بڑے صاحب، بڑے صاحب'' کا حوالہ بار بار دے رہا تھا۔

''کیا اُس نے بڑے صاحب کا کوئی نام بھی لیا تھا؟'' ایس پی رحمان نے تیزی سے سوال

کیا۔

"نہیں......صرف بڑے صاحب کا لفظ استعمال کیا تھا۔"

"دیکھو...... میری بات غور سے سنو!" رحمان صاحب نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "سب کچھ صاف صاف بتا دو! تو ہم تمہیں سلطانی گواہ بنا کر قانون سے تمہارے حق میں ... کرا سکتے ہیں۔"

"میں جو کچھ بتا چکا ہوں جناب! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔"

پھر ایس پی رحمان کے اشارے پر دو مسلح گارڈ اُسے بھی باہر لے گئے۔

"تمہارا یہ خیال درست ہی تھا کہ اب براہِ راست بدلہ لیا جائے گا۔"

"میرا ذاتی خیال اب بھی یہی ہے سر! کہ بڑے صاحب کا مطلب خان صاحب کے ... اور کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"کوئی دلیل......؟"

"زمان احمد جس رفاہی ادارے سے متعلق تھا اُس کے خلاف خان صاحب اکثر بڑی ... تنقید کر چکے ہیں۔" انسپکٹر زیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اُن کی زبان بند کرانے کی خاطر ... خان سپر سٹور اور پھر خان آڈیٹوریم کو نشانہ بنایا گیا، اور اب جوابی کارروائی کے طور پر رفاہی ادارے کے تین کارندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔"

"میں تمہارے شبہے سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن خان صاحب زمان احمد اور اُس کے ساتھیوں کی موت کی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کریں گے۔"

"ایسے موقعوں پر اگر دو فریقوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسا دیا جائے تو کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"میرا خیال ہے سر! کہ آپ کا رفاہی ادارے کے سربراہ سے ملنا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔"

"صرف خیال ہے تمہارا۔" رحمان صاحب ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔ "وہ شخص انتہائی سخت اصولوں کا مالک ہے اور ہر محاذ پر کسی سخت چٹان کی طرح جمے رہنا اُس کی عادت ہے۔ وہ زمان احمد اور اُس کے باقی ساتھیوں کے سلسلے میں کوئی انتقامی کارروائی تو کرسکتا ہے لیکن دھماکوں کی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کرے گا۔ اس طرح تو وہ قانون کی گرفت میں آ سکتا ہے۔"

"پھر......آپ کا کیا مشورہ ہے سر......؟"

"ہمیں اب تمام مشکوک افراد پر اور اُن دونوں بڑوں کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھنی ہوگی۔" رحمان صاحب نے کہا۔ "قبل از وقت کسی معاملے کو ہوا دینے کی صورت میں ایک یا پھر دونوں پارٹیاں محتاط ہوسکتی ہیں جس سے ہمارے لئے مزید دُشواریاں پیدا ...

... ہمیں لوگوں اور اخبار والوں کو بھی یہی تاثر دینا ہے کہ مانجھا اور اُس کے ساتھیوں نے اس لئے محض رقم لوٹنے کی خاطر رفاہی ادارے پر حملہ کیا تھا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں سر! کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر زیدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آج ہی آپ کے اور اپنے اعتماد کے آدمیوں کو الرٹ کئے دیتا ہوں۔"

"مانجھا اور اُس کے ساتھیوں کے سلسلے میں تمہیں احتیاط سے کام لینا ہے۔ وہ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کہیں فوٹوگرافر مارٹن کی طرح وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل نہ جائیں۔"

"آپ مطمئن رہیں جناب! اِس بار ایسا نہیں ہوگا۔" انسپکٹر زیدی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر سلوٹ کیا، پھر اباؤٹ ٹرن کر کے باہر چلا گیا اور ایس پی رحمان کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر چھت کو دیکھنے لگا۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

☆

اس وقت ڈاک آنے کا ٹائم نہیں تھا، لیکن ملازم نے ایک نیلے رنگ کا لفافہ لا کر اُس کے سامنے رکھا تو شمائلہ کی تمام تر توجہ اُس لفافے پر مرکوز ہوگئی جس پر اُس کا نام ضرور ٹائپ تھا لیکن اُس پر ڈاک ٹکٹ وغیرہ قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ لفافے کے اُوپر ایک جانب بھنورے کی اُبھری ہوئی شکل نظر آ رہی تھی۔

"یہ کب آیا......؟" اُس نے ملازم سے پوچھا۔

"میں سبزی لے کر واپس آ رہا تھا، لیٹر بکس پر نظر پڑ گئی جہاں یہ لفافہ موجود تھا۔" ملازم نے بڑے ادب سے کہا۔ "اس پر اسٹمپ وغیرہ نہیں، وہ اس لئے شاید دستی ڈال گیا۔"

"ٹھیک ہے......تم جاؤ!" شمائلہ نے ملازم کے جانے کے بعد لفافے کو اُوپر سے ٹٹولا تو اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اُسے گرین پارک والا حادثہ یاد آ گیا جہاں سے ایک بوڑھے فقیر نے اُسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔ گرین پارک سے اُسے اُسی کے شوہر کی ہٹ میں لے جایا گیا تھا جہاں تین ہٹے کٹے نقاب پوش اور ایک فوٹوگرافر موجود تھا۔ پھر اس سے پیشتر کہ وہ حالات کو سمجھ کر فرار کا کوئی راستہ اختیار کرتی، پشت سے کسی نے کلوروفارم سے تر رُومال اُس کی ناک پر رکھ کر زور سے دبایا تھا۔ ایک لمحے کو وہ شکاری کے جال میں پھنسے ہوئے پرندے کی مانند پھڑپھڑائی تھی، پھر اُس کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔ ہوش آنے پر اُس نے ہٹ میں خود کو تنہا پایا تھا۔ اُس کی کیفیت کچھ عجیب بے ترتیب سی تھی۔ ہٹ سے گھر تک وہ تنہا واپس لوٹی تھی اور راستے بھر اُس کے ذہن میں فلم کلکٹر کا وہ سین گھومتا رہا تھا جس میں فلم کے ہیرو نے اپنی محبوبہ کو اغواء کرنے کے لئے بالکل ایسا ہی طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ ولیم ویلر کے ناول سے ماخوذ وہ فلم اُس نے تین بار دیکھی تھی، اُسے ایک ایک منظر یاد تھا۔ فلم میں ہیرو نے اپنی محبوبہ کو ایک زمین دوز کمرے میں قید کیا تھا جہاں اُس کے آرام،

آسائش اور شوق کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ لیکن اُس نے اپنی محبوبہ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ایک بار تو فلم کی ہیروئن نے تنگ آ کر اُس کے گال پر بھرپور تھپڑ رسید کیا تھا، لیکن ہیرو نے جوابی کارروائی نہیں کی۔ حسرت بھری نگاہوں سے اپنی محبوبہ کو دیکھتا کھانے کی ٹرے اُٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ بس فلم کا یہی حصہ شمائلہ کی اپنی کہانی سے مختلف تھا۔

گھر پہنچ کر وہ بڑی دیر تک گرم پانی کا شاور کھولے اُس کے نیچے آنکھیں بند کئے رہی، تب کہیں جا کر اُس کے ذہن کو قدرے سکون میسر آیا تھا۔ شمائلہ کو اِس بات کا یقین تھا کہ بے ہوشی کی حالت میں اُس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا گیا ہوگا، پھر تین روز تک کسی نے اُس کے ساتھ کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اب وہ نیلا لفافہ اُسے موصول ہوا۔ اُس نے دھڑکتے ہوئے دل سے لفافہ کھولا، پھر اُس میں سے جو تصویریں برآمد ہوئیں اُنہیں دیکھ کر وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی...... اُسے بلیک میل کرنے کی خاطر پوری طرح …… گیا تھا۔ تصویر کے پس منظر میں اُس کے شوہر کے ہٹ کی بے شمار چیزیں اور کمرے کی سجاوٹ بہت واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس خیال سے کہ کوئی اِن تصویروں کو دیکھ نہ لے، وہ تیزی سے اُٹھی اور اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔ اُس کے ذہن میں بے شمار سوالات خلط ملط ہو رہے تھے......

آخر وہ لوگ اُس سے کیا چاہتے تھے؟...... اُسے کیوں اغواء کیا گیا تھا؟...... اور پھر اُسے اُسی ہٹ میں کیوں لے جایا گیا جو اُس کے شوہر کی ملکیت تھی؟...... کیا مجرم اس بہانے اُس کے شوہر کو اِس بات کا یقین دلانا چاہتے تھے کہ وہ بذاتِ خود کسی کو وہاں رنگ رلیاں منانے کی خاطر لے گئی تھی؟...... اُن لوگوں کا اصل مقصد کیا تھا؟...... دولت حاصل کرنے کی خاطر اُن تصویروں کی بنیاد پر بلیک میلنگ یا وہ اُس سے کچھ اور بھی چاہتے تھے؟...... اُن کا اُس کی ذات سے کیا تعلق تھا؟...... کیا اُن لوگوں نے اُسے پھانسنے کی خاطر اڈگر کو چارے کے طور پر استعمال کیا تھا؟...... اور اگر وہ تصویریں اُس کے شوہر کے ہاتھ لگ گئیں تو اُس کا انجام کیا ہوگا؟......

''ٹرن...... ٹرن...... ٹرن......'' فون کی گھنٹی کی مسلسل آواز نے اُس کے منتشر خیالات کا طلسم توڑا تو وہ یکدم ہوش میں آ گئی۔ اُس نے فون کو زندگی میں پہلی مرتبہ بڑی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا اور کسی بے جان مجسمے کی مانند ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی، لیکن اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ چھ سات بیل ہونے کے بعد دوسری جانب سے غالباً رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر نفرت بھری نگاہوں سے اُن دونوں تصاویر کو دیکھا جو نیلے لفافے سے برآمد ہوئی تھیں۔ پھر کچھ سوچ کر اُس نے باتھ روم میں جا کر تصویروں کو واش بیسن میں جلا کر خاک کر دیا اور اُن کی راکھ پانی سے پوری طرح بہا دینے کے بعد ہی سکون کا سانس لیا تھا۔ لیکن اُس کا یہ سکون خوابگاہ میں آتے ہی دوبارہ برباد ہوگیا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی کی آوازیں کسی ہتھوڑے کی

ضرب کی مانند اُس کے دل و دماغ میں دھماکہ کر رہی تھیں۔ وہ سہمی سہمی ٹیلیفون کے قریب آ گئی اور ریسیور اُٹھا لیا......

''ہیلو......'' اُس نے ماؤتھ پیس میں دبی زبان میں کہا۔

''بری بات ہے بے بی! اگر تم ابھی سے اِس قدر کمزور پڑ گئیں تو بعد میں پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کس طرح کرو گی......؟'' دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بولنے والا اپنا لب ولہجہ بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کون ہو تم......؟'' شمائلہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

''تم چاہو تو مجھے صرف نیلے لفافے کے حوالے سے جان سکتی ہو یا پھر بھنورے کے نام سے بھی مخاطب کر سکتی ہو۔''

''فون کرنے کا مقصد کیا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ صرف دو تصویریں دیکھ کر تمہاری تسلی نہیں ہوئی۔'' اس بار سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''تم چاہو تو ہم پورا البم بھی روانہ کر سکتے ہیں اور وہ مووی بھی جسے دیکھ کر تم یقیناً خود کو کسی سپر سٹار سے کم محسوس نہیں کرو گی۔ بے ہوشی کے عالم میں اتنی چابکدستی سے ہوشمندوں کا جو کردار تم نے ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کیوں؟ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گی؟''

شمائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش کھڑی دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتی رہی۔

''تم نے کوئی جواب نہیں دیا بے بی! کیا بہت زیادہ خفا ہو......؟''

''ان بے ہودہ حرکتوں سے تم لوگوں کا مقصد کیا ہے؟'' اُس نے خود پر قدرے قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''صرف اتنا کہ تم ہمارے مطالبات پر نہ صرف ٹھنڈے دل سے غور کرو بلکہ بغیر کسی حیل و حجت اور مجبوری کا اظہار کئے ان پر عمل بھی کرتی رہو!''

''ورنہ......؟''

''ورنہ تصویروں کی ایک ماسٹر کاپی ہمیں بطور تحفہ میجر عاطف کو بھی روانہ کرنی ہوگی۔'' اس بار سفاک لہجے میں جواب ملا۔ ''اس کے بعد تمہارے مستقبل کے علاوہ خود تمہارا کیا حشر ہوگا؟ اس کا اندازہ تم بھی لگا سکتی ہو۔''

''مطالبہ کیا ہے......؟'' وہ کسی ہارے ہوئے قلاش جواری کے انداز میں بولی۔

''ہمیں کچھ ضروری فائلوں کی مائیکرو کاپیاں چاہئیں۔''

''کیا مطلب ہے......؟'' وہ چونک اُٹھی۔

''مطلب تم سمجھ رہی ہو...... ہم تمہیں بہت جلد ایک اسپائی کیمرہ فراہم کر دیں گے جو تیز فلم تیار کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کے بعد تمہیں ہمارے لئے مطلوبہ فائلوں کی

فلم تیار کرنی ہوگی۔‘‘

’’اُن فائلوں کی نوعیت کیا ہوگی؟‘‘

’’یہ جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں ہے۔‘‘

’’لیکن میجر خاص خاص فائلوں کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا ہے۔‘‘

’’ہمیں معلوم ہے..... اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رات کے کھانے سے پہلے تمہارے خوبصورت ہاتھوں کا بنا ہوا جام ضرور پیتا ہے۔‘‘ دوسری طرف سے سنجیدگی سے کہا۔ ’’ہم تمہیں ایک ایسا سفوف بھی فراہم کر دیں گے جس کو جام میں ملا دینے کے بعد تمہارا شوہر ایک بے ہوشی کی نیند سوئے گا کہ صبح تک اُسے کسی بات یا فائل کا ہوش نہیں ہوگا، اور اس دوران تم کام نہایت آسانی سے کر سکو گی۔‘‘

’’کیا تم ملک کے دفاعی راز کی فلم بنوانا چاہتے ہو.....؟‘‘

’’اس تفصیل میں مت جاؤ بے بی! ہم کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ میجر کون سی فائل لے کر گھر آتا ہے۔ تمہیں صرف ہماری مطلوبہ فائلوں کی مائیکرو فلم تیار کرنی ہے جس کے عوض نہ صرف ہم اپنی زبان بند رکھیں گے بلکہ تمہیں ایک معقول معاوضہ بھی ادا کرتے رہیں گے۔‘‘

’’مجھے یہ ڈیوٹی کب تک انجام دینی ہوگی.....؟‘‘ شمائلہ نے پوچھا۔

’’جب تک ہم چاہیں گے۔‘‘

’’اِس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ تم میرے سلسلے میں اپنی ناپاک زبان بند ہی رکھو گے؟‘‘ اس بار شمائلہ کے لہجے میں تلخی بھی شامل تھی۔

’’تمہیں صرف ہماری زبان پر بھروسہ کرنا ہوگا۔‘‘

’’فلم تم تک پہنچانے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟‘‘

’’اتنی جلدی بھی کیا ہے..... اس کا بندوبست ہم تمہاری کامیابی کے بعد کر دیں گے۔‘‘

’’ٹھیک ہے.....‘‘ شمائلہ نے کچھ سوچتے ہوئے حامی بھر لی، پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اُسے اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ کسی خطرناک ملک دشمن گروہ کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ وہ بڑی دیر تک آئندہ پیش آنے والے حالات پر غور کرتی رہی، پھر ایک خیال بڑی سرعت سے اُس کے ذہن میں بجلی بن کر کوندا..... میجر عاطف اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی بہانے اُسے دفتر کی اہم فائلیں گھر لانے سے روک دے تو اُس کے سر سے ایک بلا تو بہرحال! ٹل سکتی ہے..... اس خیال کے آنے کے بعد اُس نے سکون کا سانس لیا، پھر نہانے کے ارادے سے باتھ رُوم میں چلی گئی۔

☆

میڈم برلاس اِس وقت سلیپنگ سوٹ پہن کر بستر پر سونے کے ارادے سے لیٹی ہی تھی کہ اُس کی دستی گھڑی پر جھینگر کی مدھم مدھم ٹرٹراہٹ کا سگنل سنائی دیا اور اُس نے جلدی سے

کھینچی جو ایک فٹ تک بڑے آرام سے کھنچتی چلی گئی تھی۔

’’میڈم برلاس۔‘‘ اُس نے گھڑی کو منہ کے قریب کر کے آہستہ سے کہا۔

’’کیا تمہیں حالات کا علم ہے.....؟‘‘ دوسری جانب سے ایک باریک آواز سنائی دی۔

’’ہاں..... غالباً خان کے آدمیوں نے تمہارے تین بندے پار دیئے ہیں۔‘‘ میڈم برلاس نے دستی گھڑی پر جو اَب وائرلیس سیٹ کے طور پر استعمال ہو رہی تھی، لاپرواہی سے کہا۔

’’اور تم کو میرے نقصان کی کوئی پروا نہیں ہے۔‘‘ دوسری جانب سے خشک لہجے میں خفگی کا اظہار کیا گیا۔

’’میں بھلا کیا کر سکتی ہوں.....؟‘‘

’’تم غالباً بھول رہی ہو کہ میں کون ہوں اور تمہارے لئے کس قدر نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہوں.....؟‘‘

’’نقصان کی میں نے کبھی پرواہ نہیں کی، البتہ جس دن مجھے یہ معلوم ہوگا کہ تم کون ہو، وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ضرور ثابت ہوگا۔‘‘

’’تمہارے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں کی یہی خواہش ہے۔ لیکن شاید اُن کی حسرت کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔‘‘ اس بار بولنے والے کا لہجہ سرد تھا۔ ’’میں ادھورا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جن لوگوں کو ایک بار اپنے مقصد کے لئے چن لیتا ہوں اُن کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہتا ہوں۔ لیکن وہ مجھے شناخت نہیں کر سکتے۔‘‘

’’لیکن میرے سلسلے میں تمہیں زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔‘‘

’’بے فکر رہو! میں جنگلی بلیوں کو بھی قابو کرنے کا گر جانتا ہوں۔ اپنی ہی مثال لے لو! ایک دنیا تمہارے حکم پر مر مٹنے کو تیار رہتی ہے، لیکن اس کے باوجود تم میرا ہر مطالبہ پورا کرنے پر مجبور ہو۔ جس دن تم نے میرے اشارے پر ناچنے سے انکار کر دیا، وہ تمہاری شہرت اور عزت کا آخری دن ہوگا۔‘‘

’’اتنی رات گئے کال کرنے کا مقصد بیان کرو!‘‘ بیگم برلاس نے ناخوشگوار لہجے میں دریافت کیا۔

’’تمہیں اس وقت خان کے کم از کم دو آدمیوں اور ایک ٹھکانے کو تباہ کرنے کا فرض انجام دینا ہے۔‘‘

’’اِس وقت..... کیا تمہیں علم نہیں کہ اس وقت کیا بجا ہے؟‘‘

’’رات کی سیاہی ہمیشہ گناہوں کو جنم دیتی ہے، اور گناہ کرنے کے لئے رات کا وقت ہی زیادہ مناسب رہتا ہے۔‘‘ اس بار سرد اور تضحیک آمیز آواز میں کہا گیا۔ ’’تم بذاتِ خود بھی اکثر کئی ایسے ہی وقت میں شکار نہیں کی گئی ہو۔‘‘

’’شٹ اپ.....‘‘ بیگم برلاس کا موڈ یکلخت آف ہو گیا۔ ’’میری مرضی کے بغیر آج تک

کسی نے میرے قریب پھٹکنے کی کوشش نہیں کی۔"

"کچھ باتیں تمہاری مرضی کے خلاف بھی ہوئی ہیں۔ مثلاً میری ہی مثال لے لو، میرے ہاتھوں میں کسی کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن آج تک تم مجھ سے ناواقف ہو۔"

"جس دن واقف ہوگئی وہ تمہاری زندگی......"

"یہ جملہ تم کچھ دیر پہلے بھی کہہ چکی ہو۔" دوسری جانب سے تیزی سے کہا گیا۔ "اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور صبح پانچ بجے سے پہلے پہلے تمہیں میرے حکم کے بموجب خان کے دو آدمیوں اور کسی ایک ٹھکانے کو تباہ کرنا ہے۔ میں محبت اور جنگ میں اُدھار کرنے کا قائل نہیں۔ حساب کو جتنی جلدی چکتا کر دیا جائے ذہن کا بوجھ بھی اتنی ہی جلد ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"تم نے دو آدمیوں اور کسی ایک ٹھکانے کی وضاحت نہیں کی۔"

"یہ میں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں، لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا......؟"

"تمہیں اس کام میں خود حصہ لینا ہوگا۔ البتہ اپنی تنہائی دُور کرنے کی خاطر تم رحمت علی کو ساتھ رکھ سکتی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت دنوں سے اُس کے ساتھ چوہے اور بلی والا کھیل کھیل رہی ہو۔"

"تم......تم شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو۔"

"اس کے باوجود ہوش مندی کی باتیں کر رہا ہوں۔ بہرحال! مجھے صرف آم کھانے سے مطلب ہے، پیڑ گننا تمہارے اختیار پر چھوڑتا ہوں۔" اس جملے کے ساتھ ہی رابطہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

بیگم برلاس کو مجبوراً اُٹھ کر دوبارہ لباس تبدیل کرنا پڑا۔ وہ پوری شدت سے تلملا رہی تھی لیکن اُس نا معلوم مکڑے کا حکم تو اُسے بہرحال ماننا تھا جس کے خوبصورت جال میں وہ نہ جانے کب اور کہاں پھنس گئی تھی۔ بعد میں اُسے اس بات کے ثبوت بھی مل گئے تھے۔ اپنی ساکھ برقرار رکھنے کی خاطر اُس نے یہی بہتر سمجھا تھا کہ اُسے ناراض نہ کیا جائے۔ پوری طرح میک اَپ کرنے اور ڈریس اَپ ہونے کے بعد اُس نے رحمت علی کے نمبر ڈائل کیے، دوسری جانب سے رحمت علی ہی نے کال ریسیو کی۔

"بیگم برلاس بول رہی ہوں...... پندرہ منٹ کے اندر اندر میری کوٹھی پر پہنچو! بہت ضروری کام ہے۔ اِٹ اِز ویری ارجنٹ۔"

"بہتر ہے۔" رحمت علی نے اونگھتی ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن اُس نے بیگم برلاس کی کوٹھی تک پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگائے تھے۔ وہ موصول ہونے والے اہم پیغام کے تحت پوری طرح لیس ہو کر آیا تھا۔

بیگم برلاس باہر لان پر ہی ٹہلتی ملی۔ رحمت علی نے اُس کے حکم پر گاڑی وہیں چھوڑی اور بیگم برلاس کے ساتھ دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا، لیکن یہ گاڑی اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"ہمیں اتنی رات گئے کہاں چلنا ہے؟" رحمت علی نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"جہنم میں......" میڈم برلاس نے جھلا کر کہا، پھر رحمت علی کو پیار بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا تمہیں میرے ساتھ جہنم میں جانا منظور نہیں؟"

"میرا مطلب کچھ اور تھا۔" رحمت علی نے گڑبڑا کر کہا۔ "میں دراصل اس کام کی نوعیت معلوم کرنا چاہتا تھا جس کے تحت آپ کو اتنی رات گئے اِس خادم کی ضرورت پیش آئی۔"

"پریشان مت ہو! تمہیں جلد ہی اس کا اندازہ ہو جائے گا۔"

گاڑی پوری رفتار سے فراٹے بھرتی رہی۔ اُس کا رُخ ماری پور کی جانب تھا۔ پھر وہ ہاکس بے پہنچ کر ایک ویران مقام پر روک دی گئی۔

"میرے ساتھ آؤ...... لیکن خبردار! اس وقت کسی حماقت کا ثبوت نہ دینا۔"

رحمت علی نے جواب میں اثبات میں سر کو جنبش دی، پھر تھوک نگل کر رہ گیا۔ اُسے میڈم کے ارادے نیک نظر نہیں آ رہے تھے اور حقیقت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ کچھ دُور تک دونوں ساحل کے قریب بنی ہوئی ہٹس کے قریب قریب ریت پر قدم اُٹھاتے رہے۔ تاریکی میں اس وقت سمندری لہروں کا شور فضا میں ایسا ارتعاش پیدا کر رہا تھا جیسے ہزاروں آسمانی بلاؤں نے زمین پر یلغار کر دی ہو۔ پھر وہ ایک ایسی ہٹ کے قریب پہنچ کر رُک گئے جس کے برآمدے میں ایک باوردی مسلح گارڈ ٹہل رہا تھا۔

"کون ہو تم لوگ......؟" گارڈ نے رائفل سیدھی کر کے اُن کے قریب آتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمیز سے بات کرو!" میڈم برلاس نے رُعب دار لہجے میں کہا، پھر بولی۔ "کیا یہ خان صاحب کی ہٹ نہیں ہے؟"

"یہی ہے محترمہ! لیکن آپ لوگ......"

"ہم خان صاحب کے خاص مہمان ہیں۔ کچھ دیر یہاں آرام کریں گے۔" بیگم برلاس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے خاتون! لیکن کیا آپ مجھے ہٹ میں قیام کا اجازت نامہ دکھا سکتی ہیں؟" گارڈ کا لب و لہجہ اب مہذب ہو چکا تھا۔

"کیا اجازت نامہ ضروری ہے......؟" رحمت علی نے ناگوار لہجے میں پوچھا۔

"یس سر......!" گارڈ بولا۔ "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔"

"کیا کوئی اندر موجود ہے؟" میڈم برلاس نے پوچھا۔

"یس میڈم...... اندر دوسرا ڈیوٹی گارڈ ہے، گل خان۔ اُس کی ڈیوٹی رات دو بجے سے شروع ہوگی۔"

"گل خان......" میڈم برلاس نے یکلخت اپنے پروگرام کو ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے کہا۔ "گڈ! گل خان ہمیں جانتا ہے، اُسے جگاؤ! وہ اِس بات کی تصدیق کر دے گا کہ ہم پہلے بھی یہاں بغیر کسی تحریری اجازت نامے کے آتے رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں گل خان کو جگا کر پوچھے لیتا ہوں۔" پھر جیسے ہی ڈیوٹی گارڈ اندر داخل ہوا، میڈم نے رحمت علی سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس سائلنسر لگا ہوا کوئی اسلحہ موجود ہے؟"

"یس میڈم! لیکن......"

"ہمارے پاس وقت کم ہے رحمت علی!" میڈم برلاس نے تحکمانہ لہجہ اختیار کیا۔ "تمہیں اپنے خاموش کھلونے سے اُن دونوں گارڈز کو ٹھکانے لگانا ہے۔ لیکن احتیاط شرط ہے۔ انہیں رائفل استعمال کرنے کا موقع نہ ملنے پائے۔"

پھر قبل اس کے کہ رحمت علی کوئی جواب دیتا، میڈم نے قدم ہٹ کے اندر کی جانب بڑھا دیئے۔ رحمت علی کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس وقت اُس کے پاس سوائے تعمیل حکم کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اُس نے بڑی پھرتی سے اپنا خاموش پستول نکال لیا۔ دونوں ہی دبے قدموں ہٹ کے اندر داخل ہوئے، پھر اس سے پیشتر کہ گارڈ اُن کے قدموں کی آہٹ سن کر چونکتا، ایک مدھم سی "چٹ" کی آواز بلند ہوئی اور اُس کی پیشانی لہولہان ہو گئی...... وہ کسی کٹے ہوئے تناور درخت ہی کی طرح اپنے دوسرے ساتھی پر گرا تھا۔ دوسرا گارڈ اس اچانک افتاد سے ہڑ بڑا کر اُٹھا لیکن اسی لمحے رحمت علی کی اُنگلی کا دباؤ دوبارہ ڈریگر پر بڑھا اور دوسرا محافظ بھی کراہتا ہوا ڈھیر ہوگیا......

"اب انہیں گھسیٹتے ہوئے ہٹ سے باہر لے چلو!" میڈم برلاس نے گہری سنجیدگی سے کہا، پھر ایک گارڈ کی ٹانگ پکڑ کر اُسے گھسیٹتی ہوئی باہر کی جانب لے آئی۔ رحمت علی کو بھی اُس کی پیروی کرنی پڑی۔ دونوں محافظوں کو ہٹ سے تقریباً بیس فٹ دُور لے جا کر گیلی ریت پر چت لٹا دیا گیا۔ میڈم نے بڑی پھرتی سے اپنے بیگ سے دو عدد نیلے لفافے نکال کر دونوں کی جیبوں میں ٹھونسے، پھر تیزی سے دوبارہ ہٹ کے اندر چلی گئی۔ رحمت علی کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ حالات کے بھنور میں پھنسے ہوئے کسی تنکے کی طرح بے بس تھا۔

میڈم برلاس نے ہٹ سے باہر نکلنے میں بھی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا، پھر وہ گاڑی کی جانب تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔

"اُن دونوں کا قصور کیا تھا؟" رحمت علی نے دبی زبان میں پوچھا۔

"جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ! موت اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔" میڈم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ بزنس میں اکثر نفع کی بجائے نقصان کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔"

"لیکن......" رحمت علی نے کچھ دریافت کرنا چاہا تھا۔

"پلیز......" میڈم برلاس نے لپک کر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا، پھر اُس کی گاڑی تیزی سے واپسی کے راستے پر فراٹے بھرنے لگی۔ خاصی دُور تک اُس نے ہیڈ لائٹس بھی آن نہیں کی تھیں۔ پھر تقریباً دو میل دُور جانے کے بعد اُس نے ڈیش بورڈ سے ایک ریموٹ کنٹرول نکال کر اُس کا سرخ بٹن دبا دیا...... اُس کے چہرے پر اب بڑا سکون نظر آ رہا تھا۔ سرخ بٹن دبتے ہی خان کی ہٹ ایک دھماکے کے ساتھ اُڑ چکی تھی۔

"یہ...... یہ سب کیا ہے؟" رحمت علی چپ نہ رہ سکا۔

"میں نے وہ ہٹ اُڑا دی جو خان کی ملکیت تھی اور اُس کے دو محافظوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنے اُن تین آدمیوں کا انتقام بھی لے لیا ہے جنہیں اُس کے لوگوں نے ٹھکانے لگایا تھا۔"

"لیکن خان صاحب سے ہمارا جھگڑا کیا ہے؟"

"اتنی جلدی کیا ہے مائی ڈیئر......؟" میڈم نے بے باکی سے کہا۔ "آہستہ آہستہ تم حالات سے خود بخود باخبر ہو جاؤ گے۔"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں......؟" رحمت علی نے گاڑی کو میڈم کی رہائش گاہ کی سمت جانے کی بجائے دوسری سڑک پر مُڑتے دیکھ کر سوال کیا۔

"آج رات تمہارے ساتھ بوٹنگ کر کے اپنی کامیابی کا جشن مناؤں گی۔" میڈم کا لہجہ معنی خیز تھا۔ "موٹر بوٹ میری ذاتی ہے جسے تم ایک چھوٹا موٹا چلتا پھرتا مکان بھی کہہ سکتے ہو جس میں دنیا کی تمام آسائشیں موجود ہیں۔ رات کے سناٹے میں موٹر بوٹ کے کیبن میں کسی حسین ساتھی کے ساتھ سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھانے کا آج تم پہلی بار تجربہ کرو گے۔ آج ہماری دوستی کی بنیادیں مستحکم ہو جائیں گی......"

میڈم کی آنکھوں سے خمار چھلک رہا تھا۔ رحمت علی کو کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھانے کی بجائے کسی گہرے سمندر کی بے کراں وسعتوں میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو، اور دوسری جانب میڈم کے چہرے پر شیطنت رقص کر رہی تھی......!!

☆☆☆☆☆

سیلاب کا پانی ایک بار اپنی آخری حدود سے تجاوز کر جائے تو اُسے اُترنے میں وقت لگتا ہے۔ لیکن جب اُس کا زور تھمتا ہے، ہزاروں آباد مکان برباد ہو چکے ہوتے ہیں۔ جانے کتنی مانگیں اُجڑ چکی ہوتی ہیں، کتنی گودیں خالی ہو جاتی ہیں، کتنے والدین اپنے جگر گوشوں کی محبت سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں اور کتنے بچوں کے سر سے والدین کے سائے اُٹھ چکے ہوتے ہیں۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہوتا ہے۔ آتش فشاں ٹھنڈا ہو تو اُس کے سائے تلے ہزاروں زندگیاں اور آبادیاں پروان چڑھتی رہتی ہیں، لیکن ایک بار لاوا پھوٹ نکلے تو ہر سمت تباہی اور بربادی کا سماں طاری ہو جاتا ہے۔ وہ سب کچھ اپنی تپش کے ساتھ ترائی میں بہا لے جاتا ہے۔ انسان ایک بار بلندی میں بہت اُوپر پہنچ جائے تو اُسے نیچے کی چیزیں بڑی ہیچ اور ناپائیدار لگتی ہیں...... بالکل چھوٹے چھوٹے کھلونوں کی طرح جنہیں ایک ٹھوکر سے مسمار کیا جا سکتا ہے۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے، لیکن انسان دوست کہلاتا ہے، بڑا شریف النفس کہلاتا ہے، لیکن جب ایک بار اُس کے منہ کو خون لگ جائے تو وہ آدم خور بنجاتا ہے، انسان کو اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگتا ہے، پل بھر میں اُسے چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے، پھر بھی وہ ایک کے بعد دوسرے کی تلاش میں رہتا ہے اور اُس کی سیری نہیں ہوتی، اپنی طاقت کا احساس اُسے جابر بنا دیتا ہے۔

یہی کچھ مثال رحمت علی پر بھی صادق آ رہی تھی۔ وہ پستی کی جانب سے اُبھر کر لیکن بلندیوں کو چھونے لگا تو اُسے اپنے سامنے ہر شے حقیر نظر آنے لگی۔ میڈم کی صورت میں انسانی خون اُس کے منہ کو لگا تو وہ آدم خور بن گیا۔ دو آدمیوں کی زندگی کو پہلی مرتبہ موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ زندگی کتنی ارزاں اور حقیر ہوتی ہے، کسی بھی ایک کے ٹریگر کی مرہونِ منت...... اِدھر ٹریگر دبا اور اُدھر رُوح جسم سے پرواز کر گئی...... اور پھر سب سے بڑا نشہ دولت کا تھا جس نے رحمت علی کے سلسلے میں دو آتشہ کا کام کیا تھا۔ میڈم نے رہائش، تمام ضروریات کے علاوہ اُس کی تنخواہ دس ہزار روپے طے کی تھی۔ لیکن پہلی تاریخ کو جب کیشیئر سے لفافہ لے کر گننے بیٹھا تو اُس میں پورے بیس ہزار کے نئے نئے کرارے اور مہکتے نوٹ موجود تھے...... اُسے ایک لمحے کو احساس ہوا کہ شاید کیشیئر سے کچھ غلطی سرزد ہوئی ہے لیکن کیشیئر نے اُسے بتایا کہ میڈم نے اُس کی تنخواہ میں یکدم دُگنے کا اضافہ کر دیا ہے۔ اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ ایک ہی جست میں دو منزلیں پھلانگ جائے گا، یہ تو اُس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ شکریہ ادا کرنے کے ارادے سے وہ میڈم کے کمرے کی سمت

چلنے لگا تو راستے میں اُس کی مڈبھیڑ مونیکا سے ہوگئی۔ آج پہلی بار مونیکا اُسے بہت اچھی لگی تھی، یوں جیسے کسی شیر کے سامنے کوئی تازہ شکار آ گیا ہو۔ وہ اُسے دیکھ کر ایک لمحے کو رُک گیا۔

''خیریت...... آج بہت خوش نظر آ رہے ہو۔'' مونیکا نے اُسے سر تا پا غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پوچھو تو جانیں!''

''کسی کے دل میں کیا ہے، بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں؟ اور پھر تم جیسا زاہد خشک...... تمہارے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا میرے بس کی بات نہیں۔''

''تم نے مجھے زاہد خشک کا خطاب کیوں دیا......'' وہ مسکرایا۔ ''کیا میں انسان نہیں ہوں؟''

''انسان گوشت پوست کے مجسمے کو کہتے ہیں اور تم...... تم پتھر سے بھی زیادہ سخت اور ٹھوس ہو۔''

''تم نے کس طرح اندازہ لگایا......؟''

''تمہاری بے اعتنائی اور خشک رویئے سے۔''

''وہ شروع شروع کی بات تھی...... نئی نئی ملازمت تھی اس لئے میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھا رہا تھا۔''

''اور اب......؟'' مونیکا نے اُسے حیرت سے دیکھا۔

''اب تم اگر چاہو تو مجھے گوشت پوست کا انسان سمجھ سکتی ہو۔'' رحمت علی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم تو عورت کو ناگن سے کم نہیں سمجھتے تھے، اور مجھے اس سے بھی زیادہ خطرناک۔'' مونیکا نے شکوہ کیا۔

''شاید اُس وقت میں ناتجربہ کار تھا، یا پھر اس میدان میں مجھے زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ لیکن اب اور بات ہے۔'' وہ بے تکلفی سے بولا۔

''خیریت...... اِس اچانک تبدیلی کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی...... کوئی نیا تجربہ۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے مونیکا کا لہجہ بے حد معنی خیز ہو گیا تھا۔

''یہی سمجھ لو......'' اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اب عورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟''

''بُرا تو نہیں مناؤ گی میرا جواب سن کر؟''

''میں...... اور تمہاری بات کا بُرا مناؤں...... ناممکن ہے۔''

''پہلے میں عورت کو ناگن سمجھتا تھا، ایسی ناگن جس کا ڈسا زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اب......'' رحمت علی نے مونیکا کی نیلگوں نگاہوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اب میرا خیال ہے کہ اگر ناگن کا ڈسا بچ جائے تو پھر دنیا کا کوئی بھی نشہ اس سے زیادہ تیز اور زود اثر نہیں

ہوتا۔اس نشے کی بات اور مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ کون سی خوش قسمت ناگن ہے جس نے تمہیں زہر کی لذ
سے آشنا کرا دیا؟" مونیکا کی آنکھوں میں سرخیاں تیرنے لگیں۔

"ناگن ہر حالت میں ناگن ہوتی ہے...... اُس کا کوئی نام نہیں ہوتا...... البتہ خوبصور
ناگنوں کا زہر زیادہ تیز نشہ کرتا ہے۔"

"مجھے تم کس گروپ میں شمار کرو گے؟" مونیکا نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کا جواب تو نشے کی کیفیت ہی دے سکتی ہے۔"

"اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" مونیکا بولی۔ "کیوں نا آج کا لنچ تم میرے ساتھ کرو؟"

"آج نہیں...... پھر کبھی سہی!" رحمت علی نے اُسے ٹالتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے
ضروری باتیں کرنی ہیں میڈم سے۔ ہوسکتا ہے دیر لگ جائے۔"

"آئی سی...... گویا تم اِس وقت میڈم کی طرف جا رہے ہو......!"

"ہاں......!"

"تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔" مونیکا سنجیدگی سے بولی۔ "میڈم اِس وقت سیٹھ جواہر والا کے
ساتھ اہم گفتگو میں مصروف ہیں۔ دروازے پر سرخ بلب روشن ہے جس کا مطلب ہے کہ اِس
وقت اندر کوئی نہیں جا سکتا۔"

رحمت علی نے مسکرا کر سرخ بلب کو دیکھا، اس کے باوجود میڈم کے کمرے کی جانب قد
اُٹھانے لگا۔ دروازے پر موجود مسلح گارڈ نے اُسے روکا۔

"سر...... سرخ بلب کے سلسلے میں میڈم کی ہدایات بہت سخت ہیں۔ آپ کو انتظار کرنا ہو
گا۔"

"اور اگر مجھے بھی میڈم سے کوئی بہت ضروری کام ہو تو......؟"

"مجھے افسوس ہے سر! کہ اس کے باوجود آپ اس وقت میڈم سے نہیں مل سکیں گے۔"
گارڈ نے مہذب مگر ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

رحمت علی واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ دروازے پر لگا ہوا مائیک جاگ اُٹھا۔

"گارڈ...... رحمت صاحب کو آنے دو!"

جواب میں گارڈ نے پہلی بار چکرا کر مائیک کی طرف دیکھا، پھر دروازہ کھول دیا۔ اُ
حیرت اِس بات کی تھی کہ مائیک پر بہت اہم نوعیت کے احکامات ہی دیئے جاتے تھے۔ …
تک سرخ بتی روشن ہونے کے سلسلے میں یہ پہلی ہدایت تھی جب کسی تیسری شخصیت کو اندر …
کی اجازت ملی تھی، ورنہ میڈم اس معاملے میں بہت سخت گیر طبیعت کی مالک واقع ہوئی تھی۔

"خیریت......؟" میڈم نے رحمت علی سے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کوئی خاص بات؟"

"مجھے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔" رحمت علی نے سیٹھ جواہر والا کی طرف کن انکھی…

دیکھا جو اُس کے اندر آنے سے کچھ تذبذب کی کیفیتوں سے دوچار نظر آ رہا تھا۔

"کوئی اہم بات......؟"

"نہیں...... میں بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"اب آ ہی گئے ہو تو بیٹھو!" میڈم کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے......؟" سیٹھ جواہر والا نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے
قدرے ناخوشگوار انداز میں دریافت کیا۔ اُسے شاید رحمت علی کی موجودگی پسند نہیں آئی تھی۔

"ہم بات جاری رکھ سکتے ہیں۔" میڈم نے رحمت علی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"یہ ہمارا خاص اور اعتماد کا آدمی ہے۔"

"پھر بھی......"

"رِسک آپ کا نہیں ہمارا ہے۔" میڈم تیزی سے بولی۔ "آپ صرف روکڑے کی بات
کریں۔ معاہدے کی رو سے آپ کو چالیس لاکھ کی رقم کی ادائیگی آج دس بجے تک کرنی تھی،
اور اس وقت دوپہر کے بارہ بج کر دس منٹ ہو چکے ہیں۔"

"میں اتنی دیر سے یہی گجارش کر رہا تھا کہ رکم کا بندوبست کل صبح تک ہو گا۔"

"معاہدے کی صورت میں اس طرح آپ کو پندرہ پرسینٹ زیادہ دینا ہو گا۔ سوچ لیجئے!"
میڈم نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔

"اب ایسا جلم بھی نہ کرو...... ہمارا آپ کا پرانا کاروبار ہے۔ لحاج اور مروت بھی کوئی چیج
ہوتی ہے۔" سیٹھ جواہر والا نے اپنے انداز میں اُردو بولتے ہوئے کہا۔

"بات ظلم یا لحاظ مروت کی نہیں، طے شدہ معاہدے کی ہے۔" میڈم نے بدستور سنجیدگی
اختیار کئے رکھی۔

"کالے پیلے دھندے میں دیر سویر تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

"سیٹھ جواہر والا......" میڈم کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا۔ "ہم اِس وقت رقم کی بات کر رہے
ہیں، دھندے کے بارے میں ہم اس طرح کھلے عام گفتگو نہیں کریں گے...... دیواروں کے
بھی کان ہوتے ہیں اور میں کسی قسم کا رِسک نہیں لیا کرتی، آپ صرف ادائیگی کی بات کریں۔"

"وہ کل صبح ہوگی۔"

"پندرہ پرسینٹ کے ساتھ......؟"

"نہیں...... یہ اپنے لئے ممکن نہیں ہو گا۔" سیٹھ جواہر والا نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے
قدرے ناگوار انداز میں کہا۔

"گویا آپ کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی......"

"آپ جو چاہے سمجھ لیں!"

"میرا نام میڈم برلاس ہے سیٹھ جواہر والا! اور میں آج کا کام کل پر ٹالنے کے لئے

اصولوں کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرسکتی۔''

''آپ کی مرضی...... لیکن رقم کی ادائیگی تو کل ہوگی۔ لیکن......''

''تم اس وقت کسی اور سے نہیں، میڈم برلاس سے مخاطب ہو جو بے تکا جواب سننے کی عادی نہیں ہے۔''

''اپنی بھی کوئی عجت ہے۔'' جواہر والا نے تلخ آواز میں جواب دیا۔ ''اپن بھی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر دھندہ نہیں کرتا......''

''آئی سی......'' میڈم برلاس کا موڈ ایک دم ہی بگڑ گیا۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی ''رقم کی ادائیگی کل نہیں آج اور ابھی ہوگی اور جب تک ادائیگی نہیں ہوگی تم میرے کمرے سے باہر نہیں جاسکو گے۔''

''سوچ لو میڈم...... دریا میں رہ کر مگرمچھ سے دشمنی مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔''

''شٹ اَپ......!'' میڈم کا لہجہ خطرناک ہوگیا۔ ''رقم کی ادائیگی اب ہر حال میں آج ابھی ہوگی۔ اور ایک بات کان کھول کر سن لو! میں تم کو مگرمچھ تو کیا اپنے پالتو کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔''

''تم...... تم ہماری بے عجتی کر رہی ہو...... سیٹھ جواہر والا کی بے عجتی...... جو تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔'' سیٹھ جواہر والا تلملا کر بولا۔ ''ہمارے درمیان جبانی بات چیت ہوئی تھی۔ اپن اس سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔''

''نہیں...... تم انکار نہیں، صرف چالیس لاکھ کا بندوبست کرو گے۔'' میڈم نے ایک فون اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آج اور اسی وقت۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں ہوگی۔''

حالات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد رحمت علی کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہوگیا تھا، پھر اس سے پہلے کہ جواہر والا کوئی جواب دیتا، رحمت علی نے بڑی پھرتی سے اپنا پستول نکال لیا اور اس کا رُخ سیٹھ جواہر والا کی طرف کرتا ہوا بولا۔

''سیٹھ! تمہیں میڈم کے حکم کی تعمیل ہر حال میں کرنی ہوگی، دوسری شکل میں مجھے تمہاری موت پر زیادہ افسوس نہیں ہوگا۔''

''تم کون ہو ہمارے درمیان میں دخل دینے والے......؟'' جواہر والا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا اپنا خاص اور اعتماد کا آدمی ہے۔'' میڈم بولی۔ ''میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔''

''بھلے مار دو گولی......'' جواہر والا نے ہمت کر کے کہا۔ ''پر اتنا یاد رکھو! مجھے مارنے کے بعد تمہارے چالیس لاکھ بھی میرے ساتھ ہی ڈوب جائیں گے۔''

''اِس بات کو ذہن سے نکال دو سیٹھ!'' رحمت علی نے غراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''رقم تو

ہم ہر حال میں وصول کرنا جانتے ہیں۔ چالیس لاکھ کوئی معمولی بات تو نہیں جو ہم آسانی سے بھول جائیں گے۔''

''ہم اس کے دُگنے بھی وصول کر سکتے ہیں۔'' میڈم نے رحمت علی کو ٹپ دیتے ہوئے جواہر والا سے کہا۔ ''تمہاری بچی اغواء کر لینے کے بعد......''

''نن...... نہیں...... تم میری بچی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔'' جواہر والا گھگھیانے لگا۔ ''میں آج شام تک تمہاری رقم......''

''شام کس نے دیکھی ہے سیٹھ......'' رحمت علی نے پستول کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔ ''ریسیور اُٹھاؤ اور اپنے آدمی سے کہو! کہ وہ رقم لے کر سیدھا ادھر آجائے...... اس کے بغیر تمہاری لاش بھی کمرے سے باہر نہیں جاسکے گی۔''

''کک...... کک...... کر...... تا...... ہوں بابا......'' سیٹھ جواہر والا نے کپکپاتے ہوئے کہا، پھر ریسیور اُٹھا کر کسی کو مطلوبہ رقم لے کر فوری طور پر میڈم کے آفس پہنچنے کی ہدایت کرنے لگا۔

''گڈ......'' رحمت علی نے بدستور خطرناک آواز میں کہا۔ ''اب تم آگئے نا راہِ راست پر...... مجھے معلوم ہے کہ جب گھی سیدھی اُنگلی سے نہ نکلے تو اُنگلی کو ٹیڑھا کرنا پڑتا ہے......''

''روکڑا تو تمہیں مل جائے گا میڈم......'' سیٹھ نے کہا۔ ''پر اب ہمارے درمیان کوئی دھندہ مندہ نہیں ہوگا۔''

''تم پھر معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہو......'' میڈم بولی۔ ''ہمارے درمیان ایک سال کی بات طے ہوئی تھی، اور ابھی چند ماہ گزرے ہیں۔''

''سب کچھ جبانی ہوا تھا...... جبانی کھتم بھی ہوسکتی ہے۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے بے رحم لہجے میں کہا۔ ''ایک سال تک پابندی تمہارے اُوپر اخلاقی طور پر فرض ہے۔ اگر تم نے معاملہ ختم کرنے کی کوشش کی تو تم بھی خود کو ختم ہی سمجھنا۔''

''کوئی جبردستی ہے......؟'' سیٹھ جواہر والا تقریباً زور دینے والے انداز میں بولا۔

''تم اب پستول جیب میں رکھ لو رحمت علی!'' میڈم نے مسکراتے ہوئے سرد لہجہ اختیار کیا۔ ''سیٹھ جواہر والا اپنی جبان کا دھنی ہے۔ کبھی کبھی اس کی کھوپڑی جرور گھوم جاتی ہے، پر یہ مجھ سے معاہدہ ختم نہیں کرے گا۔''

سیٹھ جواہر والا نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ لیکن اُس کی گلوخلاصی اُس وقت ہوئی تھی جب مونیکا نے رقم کا بنڈل لا کر میڈم کے سامنے میز پر رکھا تھا۔ میڈم نے اُلٹ پلٹ کر نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں، پھر اُسے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں بڑی لاپرواہی سے رکھتے ہوئے بولی۔

''اب بتاؤ سیٹھ...... تم کیا پیو گے...... ٹھنڈا، چائے یا پھر......''

''اس وکت تو اپنا کھون ہی پی رہا ہوں۔''

’’ہمیں کچھ تو خدمت کا موقع دیں سیٹھ جی!‘‘ رحمت علی نے پستول جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

’’ایک کھدمت کرو...... تم یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ!‘‘ سیٹھ نے ہاتھ باندھ کر

رحمت علی میڈم کے اشارے پر اُٹھا اور مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وقت وہ میڈم کے پاس صرف یہ دریافت کرنے آیا تھا کہ اُس کی تنخواہ دس کی بجائے بیس کس خوشی میں کی گئی تھی؟ باہر آ کر اُس نے دیکھا کہ مونیکا اپنے کمرے کے باہر ہی کھڑی کی راہ دیکھ رہی تھی۔

’’تم خوش قسمت ترین شخص ہو جسے میڈم نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ ورنہ لال آن ہوتے ہوئے تو کوئی پرندہ بھی میڈم کے کمرے میں پر مارنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔‘‘

’’لیکن میں چونکہ پر دار مخلوق نہیں ہوں اس لئے بلا کسی روک ٹوک کے ہر جگہ آ جا سکتا ہوں۔‘‘

’’اس کے باوجود میں محسوس کر رہی ہوں کہ میڈم نے تمہیں بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔‘‘

’’آر یو جیلس......؟‘‘

’’نہیں...... اب ایسا بھی نہیں۔ لیکن مجھے صرف ایک بات کا افسوس ضرور ہے۔‘‘

’’وہ کیا......؟‘‘

’’تم نے میرے ساتھ کبھی ایک کپ چائے پینا بھی گوارہ نہیں کیا۔‘‘

’’چلو...... آج دو کپ پی لیتا ہوں۔ اس وقت خواہش بھی بڑی شدت سے ہو رہی ہے۔‘‘ رحمت علی نے بے تکلفی سے مونیکا کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اُس کے کمرے میں گیا۔

مونیکا کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی......!

☆

چوبیس گھنٹے کے اندر اندر پانچ آدمیوں کے قتل نے پولیس کی پوری مشینری کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بالائی سطح پر بھی بڑی لے دے ہو رہی تھی۔ رفاہی ادارے کے اندر اقدامِ قتل کرنے والے پولیس کی تحویل میں تھے۔ اُنہوں نے زمان احمد اور اُن کے دو ساتھیوں کے قتل کا اقرار بھی کر لیا تھا لیکن اُن کے سرغنہ نے اُنہیں قتل کے محرک سے ابھی تک آگاہ نہیں کیا تھا۔ خان صاحب کی ہٹ کی بربادی و تباہی اور وہاں تعینات اُن کے ڈیوٹی گارڈز کے قتل نے اقتدار حلقوں میں بھی ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔

ایس پی رحمان کی حالت اِس وقت قابلِ دید تھی۔ ایک طرف اخباری نمائندوں نے اُس کی جان کھا رکھی تھی اور دوسری جانب اعلیٰ حکام کے نادر شاہی احکامات نے اُس کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں، پھر آئی جی کا فون موصول ہوا۔

’’مسٹر رحمان...... میں تمہیں صرف دو روز کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ تمہارا اسپیشل برانچ سے تبادلہ بھی ممکن ہے بلکہ موجودہ کیس بھی سی آئی اے کو منتقل کر دیا جائے گا۔‘‘

’’میری ناکامی کی کچھ وجوہات بھی ہیں سر!‘‘ رحمان صاحب نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ ’’خان صاحب کسی قیمت پر پولیس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔‘‘

’’ہم اُنہیں مجبور بھی نہیں کر سکتے۔‘‘ آئی جی نے روکھے لہجے میں کہا۔ ’’رفاہی ادارے کے مالک کا کیا کہنا ہے، آپ ملے تھے اُس سے۔‘‘

’’جی ہاں...... اُس نے تینوں قتل کو کسی انتقامی جذبے کی کارروائی ظاہر کیا ہے۔ لیکن وہ بھی کھل کر کسی پر اپنے شبہے کے اظہار سے گریز کر رہا ہے۔‘‘

’’آپ کی ذاتی رائے کیا ہے......؟‘‘

’’میرا خیال ہے جناب! کہ صبح کو خان صاحب کے آدمیوں نے اپنے سپر سٹور اور آڈیٹوریم کی خاطر رفاہی ادارے کے آدمیوں کو جس کا سربراہ اپنی زبان بند کئے ہوئے ہے، قتل کرا دیا اور اس کے جواب میں خاں صاحب کے دونوں گارڈ مارے گئے اور اُن کی ہٹ بھی پلاسٹک بم کے ذریعے اُڑا دی گئی۔ ہماری مجبوری یہ ہے سر! کہ دونوں ہی پارٹیاں ہمارے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔‘‘

’’مانجھا اور اُس کے ساتھیوں کا کیا رہا؟‘‘

’’اُنہوں نے ابھی تک اپنی زبان بند کر رکھی ہے سر!‘‘

’’اُن میں سے کسی ایک کو توڑنے کی کوشش کریں...... خواہ تشدد سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ میرے اُوپر بھی اعلیٰ حکام موجود ہیں جو مجھ سے بار بار جواب طلب کر رہے ہیں۔‘‘

’’سر...... کیا آپ خاں صاحب سے ملے تھے؟‘‘

’’کیا مطلب......؟‘‘

’’ہو سکتا ہے کہ وہ آپ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔‘‘

’’بچکانہ خیال ہے۔‘‘ آئی جی کی سرد آواز ریسیور پر سنائی دی۔ ’’اس طرح تو خاں صاحب براہِ راست ارتکابِ جرم کے اقرار کے مرتکب ہو جائیں گے۔‘‘

’’دوسری جانب رفاہی ادارے کا سربراہ بھی کم حیثیت کا مالک نہیں جناب!‘‘ ایس پی رحمان نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ ’’اُسے عوام کی زبردست حمایت حاصل ہے۔‘‘

’’اِس سلسلے کو بند کرنے کی آخری صورت کیا ہو سکتی ہے...... کچھ اس پر بھی غور کیا ہے آپ نے؟‘‘

’’صرف ایک طریقہ ہے سر......‘‘ رحمان صاحب نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔ ’’کچھ دنوں کے لئے دونوں پارٹیوں کے سربراہوں کو نظر بند کر دیا جائے تو حالات خود بخود ٹھیک ہو

جائیں گے۔‘‘

’’آئی سی۔‘‘ آئی جی کا لہجہ خشک ہو گیا۔’’آپ غالباً اِس وقت مذاق کے موڈ میں ہیں۔‘‘

’’نو سر......‘‘ ایس پی رحمان نے وضاحت کی۔’’میں نے آپ کے سوال کے جواب میں ایک یقینی اقدام کا اظہار کیا تھا۔‘‘

’’اب ایک یقینی بات اور ذہن نشین کر لیں......‘‘ آئی جی نے بدستور سنجیدہ آواز میں کہا۔ ’’آپ کو میری پُر زور سفارش پر صرف دو روز کی مہلت اور دی گئی ہے، اس کے بعد کیا ہوگا میں بھی اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتا سکتا۔‘‘

’’لیکن سر! آپ میری......‘‘

’’میں اب کچھ سننا پسند نہیں کروں گا۔‘‘ دوسری جانب سے سرد لہجے میں جواب ملا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

’’کیا ہوا سر......؟‘‘ انسپکٹر زیدی نے جو اَب تک خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا، ایس پی کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو بھانپتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

’’مجھے صرف دو روز کی مہلت اور ملی ہے۔ اس کے بعد میرے تبادلے کے ساتھ ساتھ موجودہ کیس بھی سی آئی اے کے سپرد کر دیا جائے گا۔‘‘

’’یہ تو سراسر زیادتی ہے سر!‘‘

’’نہیں......‘‘ رحمان صاحب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔’’آخر آئی جی صاحب کو بھی اُوپر جواب دینا پڑ رہا ہے۔‘‘

’’میرا ایک مشورہ ہے سر......‘‘

’’وہ کیا......؟‘‘

’’ہم اگر ذرا تشدد اور تھرڈ ڈگری سے کام لیں تو کم از کم ماسٹر ٹونی کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔‘‘

’’ماسٹر ٹونی...... وہ کون ہے؟‘‘

’’مانجھا کا ساتھی جو پجیرو ڈرائیو کر رہا تھا اور ہماری گولی سے زخمی ہوا تھا۔‘‘ انسپکٹر زیدی نے کہا۔’’میں ایک دو بار اُس سے ہسپتال میں ملا تھا، وہ بہت دل برداشتہ نظر آ رہا تھا، اور ایسی صورت میں ہم اُسے سرکاری گواہ کی حیثیت کا یقین دلا کر اُس کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔‘‘

’’کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر اُس نے زبان کھولی تو مانجھا اُسے معاف کر دے گا؟‘‘

’’ہمیں بہرحال ایک کوشش تو کرنی ہوگی۔‘‘

ایس پی رحمان نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر تک اپنے بید کو کرسی کے پائے پر مارتا رہا، پھر تلملا کر بولا۔’’اگر ماسٹر ٹونی نے زبان کھول بھی دی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ خاں صاحب جیسا اثر و رسوخ والا اور گھاگ آدمی اپنے جرم کا اقبال کرے گا؟...... ہرگز نہیں......

بلکہ وہ ہمارے خلاف اور زہر اُگلنا شروع کر دے گا۔‘‘

’’وہ تو ہر صورت میں ہوگا جناب...... دونوں ہی پارٹیاں اپنی اپنی جگہ با اثر اور ٹھوس ہیں۔‘‘ انسپکٹر زیدی نے کہا۔’’اپنے جرم کا اقبال تو کوئی بھی کھل کر نہیں کرے گا۔‘‘

’’پھر دو روز کی مہلت میں بھی ہم کیا کر سکتے ہیں؟‘‘ ایس پی رحمان نے جھلا کر کہا۔

’’صرف ایک ہی طریقہ ہے سر......!‘‘

’’وہ کیا......؟‘‘

’’ہم رفاہی ادارے کے قتل کو ڈاکہ زنی کی واردات بھی قرار دے سکتے ہیں، اس طرح مانجھا اور اُس کے ساتھی بھی ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ مانجھا کی پشت پر بڑے بڑے لوگوں کا ہاتھ ہے، وہ ہر قیمت پر مانجھا کو بچانے کی کوشش کریں گے۔ انہیں اس بات کا خطرہ لاحق ہوگا کہ اگر مانجھا کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو پھر شاید اُس کی زبان بند نہیں رہے گی۔‘‘

’’اچھا خیال ہے تمہارا...... لیکن خاں صاحب والے معاملے کا کیا بنے گا؟ اُن کے دونوں گارڈز کا قتل اور ہٹ کی تباہی کو تم کس خانے میں فٹ کرو گے؟‘‘

’’اس کی خاطر ہم کسی پیشہ ور قاتل کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔‘‘ انسپکٹر زیدی نے خالص شاطر قسم کے پولیس والوں کے لہجے میں کہا۔’’وہ اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ ہٹ کچھ دیر کے لئے حاصل کرنا چاہتا تھا، گارڈ کے انکار پر وہ مشتعل ہو گیا اور اُس نے نہ صرف یہ کہ اُن دونوں کو جان سے مار دیا بلکہ ہٹ بھی تباہ کر دی۔‘‘

’’اور تمہارا خیال ہے کہ کوئی پیشہ ور قاتل اس طرح پھانسی کے پھندے کو گلے میں پہننے پر آمادہ ہو جائے گا......؟‘‘ ایس پی رحمان تلملا کر بولا۔’’میں پولیس کی ان گھسی پٹی چالوں کا ویسے تو سرے سے مخالف ہوں، اس کے علاوہ اس نا معقول طریقے سے بھی خاں صاحب کی تسلی نہیں ہوگی۔‘‘

’’ایسی صورت میں تو یہ معاملہ اُس وقت تک کھٹائی میں پڑا رہے گا جب تک دونوں پارٹیوں میں سے کوئی ایک از خود اپنی غلطی اور جرم کو تسلیم نہ کرے۔‘‘

’’ماسٹر ٹونی والی بات کچھ کچھ دل کو لگتی ہے۔‘‘ ایس پی رحمان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔’’اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کس حد تک کھولتا ہے۔‘‘

’’آپ صرف حکم دیں سر! زبان تو اُس کے فرشتے بھی کھولنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔‘‘

’’ٹھیک ہے......‘‘ رحمان صاحب ہونٹ چباتے ہوئے بولے۔’’اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔‘‘

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور رحمان صاحب نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری جانب سے سب انسپکٹر صدیقی بول رہا تھا جسے ماسٹر ٹونی کی نگہداشت کے سلسلے میں ہسپتال میں تعینات کیا گیا

تھا۔

''سر...... ماسٹر ٹونی نے کچھ کھا کر خودکشی کر لی ہے......''

''اور تم کیا وہاں جھک مار رہے تھے......؟'' ایس پی رحمان کا موڈ ایک دم ہی آف ہو گیا۔ ''یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا؟''

''ساڑھے دس بجے ایک ڈیوٹی نرس نے آ کر ٹونی کو میرے سامنے دوائیں دی تھیں، اُس کے جانے کے ایک گھنٹے بعد ٹونی کی حالت غیر ہونے لگی، ڈاکٹروں نے اُسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن......''

''ڈیوٹی نرس کو روک لو! میں آ رہا ہوں۔''

''وہ...... وہ کوئی فراڈ تھی سر! جو نرس کے لباس میں آئی تھی۔'' صدیقی نے کہا۔ ''میں نے تمام ڈیوٹی نرسوں کو چیک کر لیا ہے جناب! ڈیوٹی رجسٹر کے حساب سے وہ تمام اپنی ڈیوٹی پر موجود ہیں۔ لیکن وہ نرس جو ٹونی کو دوا پلانے آئی تھی، وہ کوئی اور ہی تھی۔ میرا خیال ہے اُسے بڑے منظم طور پر مارا گیا ہے۔''

''اور تم قاتلہ کی کامیابی کے سلسلے میں قصیدہ بیان کر رہے ہو...... نان سنس!'' ایس پی رحمان نے ریسیور کو زور سے کریڈل پر رکھا، پھر ہونٹ چبانے لگا۔ لیکن کچھ دیر بعد اُسے زیدی کے ساتھ ہسپتال جانا ہی پڑا تھا جہاں ڈاکٹروں نے ٹونی کی موت کو زہر کا نتیجہ ہی قرار دیا۔ رحمان صاحب نے ہسپتال کے عملے کو بری طرح آڑے ہاتھوں لیا، لیکن ٹونی تو بہر حال ہاتھ سے نکل چکا تھا......

☆

شمائلہ نے بہت غور و خوض کے بعد یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے خفیہ فائلوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کرے گی۔ دوسری صورت میں وہ اُس سے یہ بات ضرور دریافت کرتا کہ شمائلہ کو اُس کے فائلیں گھر لانے پر اعتراض کیوں ہے؟ وہ جانتی تھی کہ عاطف محبِ وطن ہونے کے ساتھ ساتھ اس شیشے کی مانند حساس ہے جس کے اندر اگر ایک بار بال آ جائے تو اسے توڑا یا بدلا جا سکتا ہے لیکن بال نہیں نکالا جا سکتا۔ ملک کی بقاء کی خاطر وہ شاید اپنی زندگی بھی قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرے گا۔ ان حالات کے پیش نظر اُس نے خود کو حالات کے بھنور کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دونوں ہی صورتیں اُس کے لئے خطرناک تھیں۔ وہ ایک ایسے دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی جس کے ایک راستے پر بدنامی اور در در کی ٹھوکریں کھانا لکھا تھا اور دوسرے پر جلی حروف میں موت درج تھا...... وہ مرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے اُس نے جینے کا فیصلہ کر لیا، وہ عاطف کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اُس کی بدولت اُسے عزت، وقار اور دولت سب ہی کچھ حاصل تھا......!

شام گئے جب عاطف ڈیوٹی سے واپس لوٹا تو حسب معمول اُس کے ہاتھوں میں آج بھی فائلیں موجود ہیں۔ شمائلہ نے خلافِ معمول آج بڑی گرم جوشی اور مسکراتی شوخ نظروں سے اُسے خوش آمدید کہا۔

''آج خلافِ توقع کچھ زیادہ ہی مہربان نظر آ رہی ہو۔'' عاطف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''خیریت تو ہے......؟''

''نہیں......'' وہ شوخی سے بولی۔ ''آج تمہاری خیریت نہیں ہے۔''

''میرا جرم......؟''

''آج نہ جانے کیوں تم بہت سویٹ، بے حد سمارٹ نظر آ رہے ہو۔'' شمائلہ نے بڑے پیار سے کہا۔

''اوہ، آئی سی...... گویا آج ہمارے کورٹ مارشل کا فیصلہ کیا گیا ہے۔'' عاطف کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''جی نہیں...... آج ہم شام کی چائے کہیں باہر پینے کا پروگرام بنائیں گے...... کیا خیال ہے؟''

''جو مزاجِ یار میں آئے۔'' عاطف نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

پھر وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد ساحل سمندر کے کنارے ایک ہوٹل میں گئے۔ ہوا میں خنکی تھی اس لئے چائے کی بجائے اسنیکس کے ساتھ کافی کا آرڈر دیا گیا۔ ہوٹل سے نکل کر وہ کافی دیر یونہی موسم سے لطف اندوز ہونے کی خاطر سمندر کے کنارے کنارے پکی سڑک پر سلو ڈرائیونگ کرتے رہے، پھر واپس گھر لوٹ آئے۔

گھر واپسی کے بعد عاطف حسب معمول فائلیں دیکھنے میں مصروف ہو گیا اور شمائلہ کچن میں جا کر خانساماں کو کھانے کے بارے میں ہدایت دینے لگی۔ رات کو ٹھیک نو بجے وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ شمائلہ نے عاطف کے لئے کافی دنوں کی فرمائش کے بعد آج اُس کی فیورٹ ڈش ''چکن آلا کیو'' تیار کرائی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے اُسے اصرار کر کے کھلا رہی تھی اور عاطف کا ذہن بڑی سنجیدگی سے دل ہی دل میں غور کر رہا تھا کہ آج شمائلہ خلافِ توقع اُس کے اوپر اتنی مہربان کیوں ہے؟ اُس کی شادی کو خاصا عرصہ بیت چکا تھا لیکن آج وہ شمائلہ کے اُٹھنے بیٹھنے، گفتگو کرنے اور اُس کی ایک ایک حرکات و سکنات میں تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک ذہین آفیسر تھا اس لئے اُس نے اپنے چہرے کے تاثرات سے کسی بات کا اظہار نہیں ہونے دیا لیکن اُس کے ذہن کے کمپیوٹر پر کسی انجانے خطرے کا سگنل سرخ دائرے کی صورت میں نمودار ہو کر ''پیپ پیپ'' کر رہا تھا۔ وہ اس خطرے کے سگنل کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اُسے شمائلہ سے کسی خطرے کی توقع نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں آج وہ ہر بات میں ایک تبدیلی محسوس کر کے اُس کا دل کھٹک رہا تھا۔ وہ اس خطرے کو سمجھنے سے قاصر

’’آج تم کچھ بھول رہے ہو۔‘‘ شمائلہ نے شوہر کو محبت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

’’کیا......؟‘‘

’’بوجھو تو جانیں......‘‘

’’مشکل ہے‘‘ عاطف نے صاف گوئی سے کہا۔ ’’آج مجھے ہر بات میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس ہو رہی ہے...... ویسے میرا خیال ہے کہ تم اِس بات پر حیران ہو کہ آج میں نے تم سے ڈرنکس کے لئے کیوں نہیں کہا۔‘‘

’’گڈ...... تمہارا جواب درست ثابت ہوا۔‘‘ شمائلہ میز سے اُٹھتے ہوئے بولی۔ ’’ٹھہرو، میں ابھی تمہاری ڈرنکس بنا کر لاتی ہوں۔‘‘

’’ذرا دھیان سے بنانا...... کہیں دوآتشہ نہ ہو جائے۔‘‘

عاطف نے وہ بات محض تفریحاً کہی تھی، لیکن شمائلہ کے دل میں چور تھا اس لئے وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ آج صبح ہی اُسے ایک خوبرو خاتون کے ہاتھوں اسپائی کیمرہ اور نشے کو دوآتشہ کرنے والا سفوف ملا تھا اور ساتھ یہ ہدایت تھی کہ وہ سرخ رنگ والی فائلوں کی مائیکرو تیار کرے گی۔ خاتون نے اس سے زیادہ بات نہیں کی تھی، نہ ہی اپنا نام بتایا تھا۔ شمائلہ کا ذاتی خیال تھا کہ وہ میک اَپ کے ذریعے اپنے ظاہری حلیے میں تبدیلی کرنے کے بعد ہی اُس کے پاس آئی تھی تاکہ دوسری بار دیکھنے پر اُسے شناخت نہ کیا جا سکے۔ اُس نے شمائلہ کو دبی زبان میں اس بات کی دھمکی بھی دی تھی کہ اُس نے خفیہ مشن کے بارے میں کسی طور پر بھی اپنی زبان کھولنے کی کوشش کی یا ہچکچاہٹ کا ثبوت دیا تو وہ اُس کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ وہ شمائلہ کے اصرار کے باوجود زیادہ دیر نہیں رُکی تھی۔ شمائلہ اُسے رُخصت کرنے کی خاطر خاص طور پر باہر تک آئی تاکہ کم از کم اُس کی گاڑی کا نمبر ہی نوٹ کر سکے لیکن وہ کسی کار پر نہیں آئی تھی، کوٹھی سے نکلنے کے بعد اُس نے قریب کھڑی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور اس میں بیٹھ کر واپس چلی گئی تھی۔

’’خیریت......؟‘‘ عاطف نے اُسے مخاطب کیا۔ ’’تم اچانک کس سوچ میں گم ہو گئیں؟‘‘

’’کچھ نہیں......‘‘ وہ مسکرا کر بولی، پھر اپنی تسلی کی خاطر کہا۔ ’’تمہارے دوآتشہ والے جملے پر غور کر رہی تھی۔‘‘

’’اِس میں غور کرنے کی ایسی کیا بات ہے...... جہاں تم جیسی حسین اور خوبصورت وائف ہو اور خاص طور پر مہربان بھی نظر آئے تو ہر چیز دوآتشہ بن جاتی ہے...... کیوں؟ میں نے غلط نہیں کہا؟‘‘

’’اوہ...... یونانی......‘‘ شمائلہ نے مسکرا کر کہا، پھر سائیڈ رُوم میں چلی گئی جہاں ایک پورا کیس مشروب کی بوتلوں سے بھرا موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی فریج بھی رکھا تھا، وہ جلدی جلدی عاطف کا پسندیدہ مشروب تیار کرنے لگی۔

اچانک عاطف نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے سوچا کہ وہ اس رات کو زیادہ حسین اور خوابناک بنانے کی خاطر شمائلہ کو بھی اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرے گا، اسی خیال کے تحت وہ دبے قدموں اُٹھ کر سائیڈ رُوم کی طرف چلا جہاں شمائلہ مشروب تیار کرنے میں مصروف تھی۔ اُس کی پشت چونکہ دروازے کی جانب تھی اس لئے وہ عاطف کو نہیں دیکھ سکی جو دروازے پر کھڑا والہانہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

شمائلہ نے خلافِ معمول ایک لمبا پیگ تیار کیا تھا۔ پھر اُس میں ٹھنڈا پانی ملانے کے بعد اُس نے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کی ایک پڑیا نکالی، ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر پڑیا کا سفوف گلاس میں ملانے کے بعد اُس نے کاغذ کو توڑ مروڑ کر دوبارہ بلاؤز میں چھپا لیا، پھر اس سے پیشتر کہ وہ ٹرے لے کر پلٹتی عاطف تیزی سے قدم بڑھاتا واپس ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔ اُس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، اُس کے ذہن میں کچھ دیر پیشتر جو رومانس سر اُبھار رہا تھا وہ کسی کانچ کی بوتل ہی کی طرح پختہ فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے شمائلہ کے بارے میں غور کر رہا تھا اور اُس پڑیا کے بارے میں بھی جس کا سفوف گلاس میں ڈالا گیا تھا...... آخر کیوں......؟ وہ سفوف زہر تھا یا کچھ اور......؟ اُسے اِس قدر چوری چھپے گلاس میں کیوں ملایا گیا تھا؟ کیا ملک دشمن عناصر کی طرح شمائلہ بھی اُس کے خلاف صف آراء ہو گئی تھی......؟ مگر کیوں......؟؟

عاطف کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پھر اچانک ایک بار پھر اُس کے حساس وجود کے اندر کہیں پوشیدہ کمپیوٹر کی سکرین پر سرخ رنگ کے دائرے کے نشانات تیزی سے اُبھرنے لگے اور کسی خطرے کی ...... پیپ...... پیپ...... کی آواز اُس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زمین اُس کے پیروں تلے تیزی سے سرک رہی ہو......!

☆☆☆☆☆

شمائلہ مسکراتی ہوئی واپس آئی تو میجر عاطف نے نہ چاہنے کے باوجود اُسے مخمور نگاہوں سے دیکھا۔ وہ جس خطرے کو محسوس کر رہا تھا اُسے شمائلہ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''آج میں تمہارے لئے سپیشل کاک ٹیل بنا کر لائی ہوں۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی......؟'' عاطف مسکرایا۔ ''تمہاری موجودگی تو از خود ہر جام کو کاک ٹیل بنا دیتی ہے۔''

پھر وہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ میجر عاطف کے اندر خطرے کی گھنٹیاں مستقل بج رہی تھیں۔ اُسے آج سے پہلے شمائلہ پر مکمل اعتماد تھا لیکن آج اُس کا اعتماد ڈھلمل ہو رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اُس کے گلاس میں کسی سفوف کے ملانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اُس کا فوجی تجربہ دو چیزوں کی نشاندہی کر رہا تھا، یا تو شمائلہ اُس کی موت کی خواہاں ہے یا پھر اُسے گہری نیند سے دوچار کر کے کسی اہم کام کو سرانجام دینا چاہتی تھی۔ وہ ہنستا بولتا رہا اور کھانا بھی کھاتا رہا۔ کچھ دیر غور و خوض کے بعد اُس نے زہر کے تصور کو ذہن سے جھٹک دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں اُبھرا...... کیا شمائلہ ملک دشمن عناصر سے مل کر اُن کو اہم فوجی رازوں کی فراہمی تو نہیں کر رہی ہے؟...... اُس کے پاس ہمیشہ ہی اہم فائلیں ہوتی تھیں جنہیں وہ گھر لاتا تھا، اُس کے افسران کو اُس پر اعتماد تھا اور اُسے شمائلہ پر، لیکن آج یہ تکون ٹوٹ چکا تھا...... وہ سچا محبِّ وطن تھا اس لئے غور کر رہا تھا کہ اگر شمائلہ مجرم ثابت ہوئی تو وہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ کیا وہ اُسے معاف کر دے گا؟ آخر شمائلہ کس مقصد کے پیش نظر فوجی اہمیت کے اہم راز دوسروں کو پہنچا رہی تھی؟ وہ لوگ کون تھے جو اُسے استعمال کر رہے تھے؟...... کیا دولت کے لالچ میں آ کر وہ اُن کے ہاتھوں بک گئی یا کوئی ایسی مخصوص وجہ تھی جس نے اُسے دشمنوں کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا تھا؟...... اُس کی اپنی حکمت عملی کیا ہونی چاہئے، کیا وہ اِس پیگ کو پیئے یا انکار کر دے...... انکار کی صورت میں اگر شمائلہ نے اصرار کیا تو پھر اُس کا ردّعمل کیا ہو گا؟ کیا اُسے بزورِ قوت شمائلہ کی زبان کھلوانی پڑے گی؟ اور کیا وہ سچ سچ اُسے اپنی مجبوری کا راز بتا دے گی......؟

''کیا بات ہے ڈارلنگ...... تم نے مشروب کا ایک گھونٹ بھی نہیں لیا۔'' شمائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جانے کیوں آج پینے کو دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' اُس نے اپنی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا۔ ''دن بھر کی محنت مشقت اور تھکن اُتارنے کے لئے تو تم اسے پابندی سے لینے کے عادی تھے۔''

''تم کہتی ہو تو آج بھی لئے لیتا ہوں۔'' عاطف نے گلاس کی سمت ہاتھ بڑھایا، پھر رُکتے ہوئے بولا۔ ''شمائلہ! ذرا دیکھنا تو جا کر، میں نے فائلیں الماری میں لاک کر دی ہیں یا یونہی پڑی بھول آیا ہوں؟''

''اُن فائلوں میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ جان سے زیادہ اُن کی حفاظت کرتے ہو؟''

''یہ باتیں تمہاری سمجھ کی نہیں ہیں۔ بس اتنا جان لو! کہ ان فائلوں کی اہمیت تمہاری سوچوں کی پرواز سے بھی زیادہ ہے۔''

''مجھ سے بھی زیادہ......؟'' شمائلہ نے شوخی سے پوچھا۔

''ہر شے کی اپنی ایک علیحدہ قیمت ہوتی ہے۔'' عاطف نے بڑی خوبصورتی سے کہا۔ ''حکومت کا راز اپنی جگہ اور بیوی کا پیار اپنی جگہ۔''

''اوکے۔'' شمائلہ اُٹھتے ہوئے بولی۔ ''تم شروع ہو جاؤ! میں فائلیں دیکھ کر آتی ہوں۔''

پھر جیسے ہی شمائلہ کمرے میں گئی، عاطف نے تیزی سے اُٹھ کر گلاس کی تین چوتھائی شراب واش بیسن میں بہا دی اور دوبارہ واپس اپنی جگہ آ کر گلاس ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔ اُسے اب کچھ کچھ یقین ہو گیا تھا کہ وہ سفوف گلاس میں کیوں ملایا گیا ہو گا...... شمائلہ اُسے بے ہوشی کی نیند سلا کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی ہے لیکن...... کیوں؟''

شمائلہ دوبارہ ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی تو عاطف نے کچھ ایسے انداز سے گلاس ہونٹوں تک لیجا کر ہٹایا جیسے دو چار لمبے گھونٹ لے چکا ہے۔

''ارے...... تم نے اتنی جلدی سارا گلاس خالی کر دیا۔''

''شاید اس لئے کہ آج تم مجھے روز سے زیادہ حسین نظر آ رہی ہو۔''

''بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' وہ اِٹھلا کر بولی۔

''اپنے دل سے پوچھو! شاید وہ تمہیں صحیح جواب دے سکے۔'' عاطف رومانٹک ہو گیا، پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''فائلوں کا کیا رہا؟''

''جناب نے حسب دستور اُنہیں الماری میں بند کر دیا ہے۔''

''شکر ہے......'' اُس نے اطمینان کا سانس لیا، پھر گلاس ایک ہی گھونٹ میں خالی کر گیا۔

''اور بناؤں......؟'' شمائلہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں......'' وہ کھانے کی میز سے اُٹھا، واش بیسن پر جا کر اُس نے دوبارہ ہاتھ دھونے کے بہانے اور زیادہ پانی بہایا، پھر خلاف توقع لہراتا ہوا بیڈ رُوم کی طرف چل دیا۔ شمائلہ اُس کے ساتھ تھی اور اُس کی لڑکھڑاہٹ کا بغور مطالعہ کر رہی تھی۔

''خیریت تو ہے......؟'' اُس نے بڑے پیار سے شراتی انداز میں پوچھا۔ ''یہ آج ایک

ہی پیگ میں کیوں لہرانے لگے؟''

''کچھ تھکن کا اثر ہے اور کچھ ڈبل پیگ کا۔'' عاطف نے اُس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔

سونے سے پہلے کچھ دیر پڑھنا بھی اُس کی عادت میں شامل تھا۔ شمائلہ ڈریس تبدیل کرنے کی خاطر سائیڈ رُوم میں گئی تو اُس نے کتاب ایک طرف ڈالی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ راز جس کا انکشاف آج پہلی بار ہوا تھا، وہ اُس کی تہہ تک جلد از جلد پہنچنا چاہتا تھا۔

شمائلہ ڈریس تبدیل کر کے واپس آئی تو عاطف نے خود کو سخت غنودگی میں ہونے کا تاثر دیا۔ کچھ دیر تک وہ ہوں ہاں کرتا رہا اور بار بار جماہی لیتا رہا، پھر اُس نے دوسری جانب کروٹ لے لی۔

''اے......'' شمائلہ نے کچھ توقف کے بعد اُس کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔'' جلدی سونے کا ارادہ ہے؟''

عاطف کا ذہن جاگ رہا تھا، لیکن وہ اپنی بے ہوشی کی بڑی شاندار اداکاری کر رہا تھا۔ اُس نے شمائلہ کی بات کا جواب نہیں دیا، پھر کچھ دیر بعد اُس کے خراٹے بھی خواب گاہ میں اُبھرنے لگے۔

شمائلہ نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ایک انجانا سا خوف اُسے پریشان کر رہا تھا۔ وہ عاطف یا اپنے وطن سے غداری نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہی، پھر دل کڑا کر کے اُٹھی۔ ایک بار پھر اُس نے عاطف کو آواز دی، لیکن وہ بالکل بے خبر معلوم ہو رہا تھا۔ شمائلہ نے خاموشی سے اُس کی سائیڈ ٹیبل سے خفیہ فائلوں کی الماری کی چابی نکالی، اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ کام کرنے پر مجبور تھی۔ چابی حاصل کرنے کے بعد اُس نے اپنے وارڈ روب سے تہہ کئے ہوئے کپڑوں کے نیچے سے اسپائی کیمرہ نکالا اور دبے دبے قدموں جلدی سے دروازے کے قریب آئی۔ خواب گاہ کا بند دروازہ کھولنے میں بھی اُس نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ راہداری میں پہنچنے کے بعد اُس کا رُخ سائیڈ رُوم کی طرف ہو گیا جہاں ایک الماری میں اُس کی مطلوبہ فائل موجود تھی۔ اُس نے فائل نکال کر اُسے میز پر رکھا، پھر تیز روشنی کا ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔ وہ ایک ایک کاغذ پلٹتی گئی اور اُسے چھوٹے کیمرے میں محفوظ کرتی گئی۔ اُس کا ہاتھ اور قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ جب اُس کے شوہر کو حالات کا علم ہو گا اُس وقت اُس کے دل پر کیا گزرے گی؟ وہ اُس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا؟

سرخ فائل کے تمام صفحات کا عکس اسپائی کیمرے میں منتقل کرنے کے بعد اُس نے جلدی جلدی فائل واپس الماری میں رکھی، اُسے احتیاط سے تالا لگایا، پھر ابھی وہ تیز روشنی کا لیمپ آف کرنے کے لئے بڑھی ہی تھی کہ یکلخت اُس کے کانوں میں میجر عاطف کی

سرد آواز گونجی۔

''تمہارا بھانڈہ اب پھوٹ چکا ہے ڈارلنگ......ٹیبل لیمپ کو آن ہی رہنے دو!''

اُس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا، میجر عاطف اُس کا شوہر اُس کا محبوب اپنے ہاتھ میں سروس ریوالور لئے کمرے کے دروازے کے درمیان کھڑا تھا۔ کیمرہ شمائلہ کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں...... اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی......

''یہ سلسلہ کب سے جاری ہے......؟'' میجر عاطف نے انتہائی سرد اور سفاک لہجے میں پوچھا۔ اُس کی آنکھوں میں کسی خون آشام درندے کی چمک نظر آ رہی تھی۔

''تت......تم......؟'' شمائلہ ہکلا کر رہ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔

''میرے سوال کا جواب دو...... یہ سلسلہ کب سے جاری ہے؟'' عاطف نے ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔''ایک بات تمہیں اچھی طرح معلوم ہے شمائلہ بیگم......قوم کی خاطر میں خود اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔ میں نے تمہیں شراب میں سفوف ملاتے دیکھ لیا تھا، اس کے بعد سے جو کچھ تم نے دیکھا وہ صرف میری ذہانت کی اداکاری تھی...... زندگی چاہتی ہو تو میرے سوالات کے جوابات ٹھیک ٹھیک دیتی رہو ورنہ مجھے تمہاری موت پر کوئی غم، کوئی صدمہ نہیں ہو گا۔''

''آ آ......آج...... یہ پہلا موقع تھا۔'' وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔''میری باتوں کا یقین کرو! وہ سفوف میں نے آج پہلی بار شراب میں ملایا تھا۔''

''اس لئے کہ میں بیہوش ہو جاؤں اور تم اپنا کام پوری تسلی سے انجام دے سکو۔''

''ہاں...... یہ یہ...... یہی بات تھی لیکن......''

''وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں وطن سے غداری پر مجبور کیا ہے......کیا قیمت لگائی گئی ہے تمہاری اس غداری کی؟''

''تم...... میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ میری بات کا یقین کرو...... میں بالکل مجبور اور بے بس تھی۔''

''کوئی نئی کہانی......'' عاطف غرایا۔

''تم چاہو تو مجھے شوٹ کر دو لیکن میں...... میں غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی۔'' شمائلہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

''مجبوری اور بے بسی کا سبب کیا تھا؟'' عاطف نے اگلا سوال کیا۔ اُس کے چہرے سے درشتی و سفاکی ٹپک رہی تھی۔

''وہ...... وہ مجھے زبردستی اُٹھا لے گئے تھے......تمہاری ہٹ میں......اور پھر...... پھر میں

اُن کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوگئی۔ دوسری صورت میں اُنہوں نے تصویروں کا
تمہیں بھیجنے کی دھمکی دی تھی۔

''کب کا واقعہ ہے......؟''

''زیادہ دن نہیں گزرے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میں نے تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ تم چاہو تو شوق سے مجھے شوٹ کر سکتے ہو۔ تمہارے ہاتھوں مرنے سے مجھے کوئی دُکھ نہیں ہوگا۔''

''وہ کتنے آدمی تھے؟'' عاطف کا لہجہ سپاٹ ہی رہا۔

''ایک نے اغواء کیا تھا اور باقی تین یا چار ہٹ میں پہلے سے موجود تھے۔''

''اور تم ابھی تک زندہ ہو......'' میجر عاطف نے غراتے ہوئے کہا، پھر اُس نے آگے بڑھ کر اسپائی کیمرہ اُٹھا لیا۔ اس کے بعد اُس کا اُلٹا ہاتھ پوری قوت سے لہرایا اور نتیجے کے طور پر شمائلہ کراہتی ہوئی فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ اُس کے ہونٹوں سے خون کی ایک لکیر اُبھر کر اُس کے چہرے پر پھیل رہی تھی۔ عاطف اُسے سینہ تانے کھڑا گھورتا رہا، پھر کرخت اور فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''کیا تم اُن میں سے کسی ایک کو بھی شناخت نہیں کر سکتیں؟''

''ایک کو جانتی تھی۔ لیکن اب وہ اِس دنیا میں نہیں ہے۔ اُسے قتل کر دیا گیا۔'' شمائلہ نے شروع سے آخر تک کی تمام کہانی دہراتے ہوئے کہا۔ ''وہیں سے میری بربادی اور مجبوری کا آغاز ہوا تھا۔''

''تمہاری زندگی کی ضمانت تمہارے جواب پر منحصر ہے۔'' عاطف نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اب تم کو میرے اشاروں پر عمل کرنا ہوگا۔''

''مم...... میں تیار ہوں۔'' شمائلہ نے عاطف کے قدموں کو تھام کر کہا۔ ''یقین مانو میں بے قصور ہوں۔''

میجر عاطف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے تک خاموش کھڑا ہونٹ چباتا رہا، پھر پیروں سے شمائلہ کو جھٹکتا ہوا تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆

رحمت علی کوٹ پہن کر پلٹا ہی تھا کہ اُس کی مڈبھیڑ عذرا سے ہوگئی جو دروازے پر کھڑی اُسے عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔ رحمت علی اُس کی پریشانی کا سبب جان چکا تھا، پھر بھی اُس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''تم...... تم تو میرے لئے چائے تیار کرنے گئی تھیں۔''

''اچھا ہوا جو واپس پلٹ آئی۔''

''کیا مطلب......؟'' رحمت علی بدستور انجان بنا رہا۔

''سچ بتا رحمتے! تو کس راستے پر چل رہا ہے اور تو نے یہ ریوالور اور پستول کب سے رکھنا شروع کر دیا؟'' عذرا کے لہجے میں تشویش تھی۔

''تم نہیں سمجھو گی اِن باتوں کو۔'' رحمت معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''انسان جب بڑا آدمی بن جاتا ہے تو اُسے اپنی حفاظت کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

''حفاظت کا خیال اُنہیں ہوتا ہے جنہیں کوئی خطرہ لاحق ہو۔ تجھے کس بات کا ڈر ہے؟''

''زمانے کی ریت بدل چکی ہے مائی ڈیئر! دوست دشمن کی شناخت اب مشکل ہو گئی ہے۔''

''تو شاید مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' عذرا بولی۔ ''خدا کے لئے رحمتے! اب بھی میری بات مان لے...... واپس پلٹ آ اس راستے سے جس پر زندگی کا خطرہ لاحق ہو...... مجھے دولت نہیں صرف تیری زندگی سے پیار ہے۔''

''لیکن مجھے کیا ہو گیا؟'' رحمت علی اُسے تسلی دینے کی خاطر مسکرا دیا۔

''یہ تو میں نہیں جانتی، پر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تو کسی غلط راستے پر چل نکلا ہے...... بابر اور راجو کی طرح۔''

''گھبراؤ نہیں عذرا......'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا وہ انجام نہیں ہوگا جو راجو اور بابر کا ہوا تھا۔''

''پر تجھے دولت سے اتنا پیار کیوں ہو گیا؟ پہلے تو رُوکھی سوکھی کھا کر بھی ہمارا گزارہ چین سے ہو جاتا تھا۔''

''جو گزرے ہوئے دنوں سے لپٹے رہتے ہیں وہ ترقی نہیں کر سکتے بیوقوف! انسان کو آنے والے کل کی فکر کرنی چاہئے۔''

''اور میں اُسی آنے والے کل سے خوفزدہ ہوں۔'' عذرا نے کہا۔ ''جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم ریت کی دیواروں پر محل بنا رہے ہیں جسے بپھرے ہوئے پانی کا ایک ریلا بھی ملیامیٹ کر سکتا ہے۔ میری بات مان لے رحمتے! ابھی تجھے بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں، اکبر کے مستقبل کو سنوارنا ہے۔''

''اسی لئے تو وقت کے ساتھ ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھ رہا ہوں، اور...... اور یہ سب کچھ میں نے کہیں چوری یا ڈاکہ مار کر تو حاصل نہیں کیا۔ سب تقدیر کے کھیل ہیں پگلی...... وہ جو نیلی چھتری والا ہے نا، وہ جب دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اُس کی دین پر ناشکری نہیں، شکر ادا کرنا چاہئے۔''

''ہو سکتا ہے تو ٹھیک کہہ رہا ہو...... لیکن میرے دل کو ایک پل بھی قرار نہیں آتا۔'' عذرا بڑی صاف گوئی سے بولی۔

''نئی زندگی اور نئے حالات کے سانچے میں خود کو ڈھالنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے......

رفتہ رفتہ تو بھی سب باتوں کی عادی ہو جائے گی۔'' رحمت علی نے اُس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جا...... چائے کی ایک پیالی جلدی سے تیار کر دے، مجھے کہیں جلدی پہنچنا ہے اور جب تک تیرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہ پی لوں دل کو چین نہیں آتا۔''

''تو نے میری سردار والی بات بھی نہیں مانی...... مجھے اُس کا اور اکبر کا زیادہ میل جول پسند نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔ میں کوئی موقع دیکھ کر سمجھا دوں گا سردار کو۔''

رحمت علی چائے پی کر میڈم برلاس کے بنگلے پر پہنچا تو وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ رحمت کو دیکھ کر اُس کے گلابی ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہ اُبھرتی۔

''مجھے آنے میں دیر تو نہیں ہوئی؟'' رحمت علی نے پوچھا۔

''نہیں...... آج تم بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو۔'' میڈم برلاس کا لہجہ یکدم معنی خیز ہو گیا۔ ہاتھ میں دبی سگریٹ کے دو تین کش لگانے کے بعد بولی۔ ''ابھی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔''

''خیریت......؟'' رحمت علی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''ابھی تک آپ تیار بھی نہیں ہوئیں۔ کیا سینما کا پروگرام کینسل کر دیا؟''

''ہاں......'' میڈم نے پہلو بدل کر کہا۔ ''بس یہ سمجھ لو کہ پروگرام مجھے اچانک کینسل کرنا پڑا۔''

''کوئی خاص بات......؟''

''ہاں...... میں اس وقت کسی کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں۔''

''کون ہے وہ خوش نصیب......؟'' رحمت علی کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ آج کل آپ صرف اور صرف میرے بارے میں سوچتی ہوں گی...... اوہ ہاں یاد آیا، آپ نے میری تنخواہ میں دوگنا اضافہ کر دیا اور میں ابھی تک آپ کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکا۔''

''فضول باتیں مت کرو...... یہ میرا مکان ہے، یہاں دفتر کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ بیٹھو!''

''تھینکس......!'' رحمت علی نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ شاید آج کھڑے کھڑے ہی سوکھ جاؤں گا۔''

''پلیز رحمت......'' میڈم نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم اِس وقت کچھ دیر کے لئے سنجیدہ نہیں ہو سکتے؟''

''آئی سی......'' رحمت سنجیدہ ہو گیا۔ ''کوئی بہت ہی خاص معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوں......'' میڈم نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا، پھر اُسے ایش ٹرے میں رگڑتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک ایسے شخص کے بارے میں سوچ رہی ہوں جسے اتفاق سے ابھی تک

میں نے ایک بار بھی نہیں دیکھا۔''

''میں سمجھا نہیں......''

''فی الحال اتنا سمجھ لو! کہ جس دن وہ میری نگاہوں میں کھل کر آ گیا وہ اُس کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔''

''کوئی نادیدہ اور خطرناک دشمن؟''

''تم خاصے ذہین بھی ہو، اسی لئے میں اتنی جلدی تم سے بہت قریب ہو گئی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہم کسی نادیدہ دشمن کی بات کر رہے تھے۔'' رحمت علی نے سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں بابر اور راجو کی موت کا علم تو ہو گا...... وہ دونوں تمہارے واقف کار تھے، لیکن اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' میڈم نے دوسرا سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے اُس دن آدھی رات گئے سمندر کے کنارے ہٹ میں ہم نے دو آدمیوں کا خون محض تفریحاً کیا تھا اور بعد میں ہٹ بھی اُڑا دی تھی؟''

''یاد آیا...... آپ نے بتایا تھا کہ کسی سلسلے میں آپ کی خان صاحب کے ساتھ دشمنی ہو گئی ہے۔''

''کیا تم یقین کرو گے کہ میں خان صاحب کے بارے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ ایک بااثر سیاسی آدمی ہیں...... ہماری ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔''

''پھر...... اُن دونوں گارڈز کا قصور کیا تھا؟'' رحمت علی نے حیرت سے پوچھا۔

''میں اگر چاہتی تو اُن دونوں بدنصیبوں کو اپنے کسی آدمی کے ہاتھوں بھی ٹھکانے لگوا سکتی تھی لیکن اُس نے یہ کام مجھے سرانجام دینے کا حکم دیا تھا۔''

''کس نے......؟''

''اُسی کتے کے پلّے نے جس کی شکل میں آج تک نہیں دیکھ پائی۔'' میڈم کے لہجے میں نفرت کے ساتھ ساتھ بے بسی کا احساس بھی جھلک رہا تھا۔

''کیا بابر اور راجو کی موت بھی......''

''نہیں......'' میڈم نے تیزی سے جواب دیا۔ ''بابر اپنی ایک حماقت کے سبب مارا گیا...... اور راجو...... اُس نے پولیس کے ہاتھوں میں پھنس جانے پر موت کو ترجیح دی تھی۔''

''اور یہ دونوں اُسی نادیدہ دشمن کی ایماء پر مارے گئے تھے؟'' رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں...... اُن دونوں کی موت کا سبب بھی وہی ہے۔'' میڈم نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''اُس نے اپنی تنظیم کے کچھ سخت اصول وضع کر رکھے ہیں، وہ اپنے آدمیوں پر دونوں ہاتھوں

سے دولت لگاتا ہے، لیکن اُن کی ایک معمولی سی غلطی کو بھی معاف نہیں کرتا۔ اُس کا حکم ہے اگر کوئی پولیس کے پھندے میں پھنسنے لگے تو زہریلا کیپسول کھا کر خود کو موت کے حوالے کر دے۔ رمضان نے بھی اسی لئے آڈیٹوریم کو اُڑانے کا ارادہ کرنے کے بعد وہاں سے کھسکنے کی کوشش کی تھی لیکن شاید پولیس پہلے سے اُس کے تعاقب میں لگی ہوئی تھی چنانچہ تمام راستے مسدود دیکھنے کے بعد ہی اُس نے زہریلا کیپسول چبا کر خود کو بڑی دلیری سے موت کے حوالے کر دیا تھا۔''

''اور مرنے والے کے گھر والوں کے لئے ایک پریشانی کھڑی ہوگئی۔''

''صرف اس حد تک کہ رمضان اب اُن کے درمیان نہیں رہا، لیکن اُن کی کفالت کی ذمہ داری اُسی نادیدہ دشمن پر ہے اور اُس نے اِس ذمہ داری کو پورا کرنے میں بخالت سے کام نہیں لیا۔''

''کیا ہماری طرح وہ بھی کسی بزنس کی آڑ میں ناجائز کام کرتا ہے؟'' رحمت نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''اگر میں نہ چاہتی تو تم کیا تمہارے فرشتے بھی ہمارے نجی کاروبار کی ہوا تک نہیں پا سکتے تھے۔ لیکن نہ جانے کیوں میں نے تم پر بہت جلدی اعتماد کر لیا۔'' میڈم بولی۔ ''جانتے ہو کیوں؟...... اِس لئے نہیں کہ تمہاری سفارش نازو نے کی تھی، بلکہ اس لئے کہ تم مجھے اچھے لگے تھے اور تم پر اعتماد کرنے کو جی چاہا تھا۔''

''شکریہ......'' رحمت علی نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ''جب تک میں آپ کے کاروبار سے منسلک ہوں آپ مجھے ہمیشہ بھروسے کا آدمی پائیں گی۔''

''اور یہاں سے علیحدگی اختیار کر لینے کے بعد......؟''

''میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔''

''گڈ...... مجھے تمہاری یہی ادا پسند ہے کہ تم صاف گو ہو۔''

''کیا میں ایک سوال کر سکتا ہوں؟''

''پوچھو......'' میڈم نے لاپروائی سے کہا۔

''جب آپ نے کسی شخص کو سرے سے دیکھا ہی نہیں تو پھر اُس کا حکم ماننے پر کیوں مجبور ہیں؟''

''اس لئے کہ اُس کے پاس ہمارے بہت سے راز موجود ہیں۔'' میڈم کا موڈ آف ہو گیا۔ ''اُسنے ہمارے خلاف کچھ دستاویزی ثبوت بھی اکٹھے کر رکھے ہیں جس کا اشارہ وہ فون پر دے چکا ہے...... اس کے علاوہ کچھ اور بھی باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ اُنہیں منظر عام پر لے آئے تو برلاس انٹرپرائز کے ساتھ ساتھ میں بھی ڈوب سکتی ہوں۔''

''حیرت ہے......'' رحمت علی بولا۔ ''ایک شخص آپ کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے اور

آپ اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں؟''

''یہی بات کا افسوس ہے۔'' میڈم ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ ''یقین مانو! جس دن وہ سامنے آ گیا، اُس دن ہم دونوں میں سے کسی ایک کا آخری دن ہوگا۔''

''کیا آپ کو کسی پر شبہ ہے......؟''

''اگر ہو تو تم کیا کرو گے......؟'' میڈم نے رحمت علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

''ہو سکتا ہے کہ دونوں گارڈز کی طرح میرے پستول کی کسی ایک گولی پر اُس کا نام بھی لکھا ہو اور وہ میرے ہی ہاتھوں مارا جائے۔''

''مجھے تم سے یہی اُمید ہے......'' میڈم کا چہرہ کھل اُٹھا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ میں نے تم پر اعتماد اور بھروسہ کر کے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔''

''آپ کا شبہ کس پر ہے......؟'' رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''نہیں...... فی الحال میں تمہیں کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ البتہ جس دن مجھے یقین آ گیا کہ میرا مطلوبہ شخص وہی ہے تو سب سے پہلے میں تم ہی کو آگاہ کروں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' رحمت علی نے لاپروائی سے شانے اُچکاتے ہوئے کہا۔ ''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ لیکن اس وقت آپ نے اُس کی خاطر اپنا پروگرام کیوں کینسل کر دیا؟''

''تمہارے آنے سے پہلے اُس نے میرے ذمہ ایک نیا کام سونپا ہے۔ ہمیں نازو پر نظر رکھنے کا حکم ملا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ نازو پولیس کی نظروں میں مشکوک ہو چکی ہے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو پھر ہمیں نازو کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کرنی ہے۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔ ''وہ میری محسنہ ہے اور میں اُس کے خلاف نہیں جا سکتا۔''

''مجھے بھی یہی مشکل درپیش ہے۔ نازو سے میری بھی پرانی واقفیت ہے اور کم از کم میں بھی اُسے اپنے ہاتھوں موت کے حوالے نہیں کر سکوں گی۔''

''ایسی مشکل میں بھی آپ سے ایک ہی درخواست کروں گا۔''

''وہ کیا......؟''

''آپ مجھے اُس شخص کا نام بتا دیں جو آپ کے شبہے کے مطابق ہمارا مطلوبہ دشمن ہے۔''

میڈم نے جواب دینے میں تامل سے کام لیا۔ لیکن پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی فون کی گھنٹی بجی، اُس نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

☆

ایس پی رحمان نے صبح کے اخبارات دیکھے تو اُس کے خون کی گردش ایک دم ہی تیز ہو گئی۔ دوسروں کے لئے نہ سہی لیکن رحمان صاحب کے لئے وہ خبر خاصی اہم تھی۔ اخبار میں

تحریر تھا......

میجر عاطف نے اپنی بیوی کو فوج کے حوالے کر دیا۔ اُس کی خوبصورت اور حسین بیوی نے اُس کی لاعلمی میں اہم فوجی راز چرانے کی کوشش کی تھی۔ ایک محب وطن کی داستان...... اس خبر کی تفصیل تھی۔

ایس پی رحمان عام طور سے صبح سویرے آفس پہنچنے کا عادی تھا۔ چنانچہ وہ اخبارات بھی دفتر ہی میں دیکھنے کا عادی تھا۔ میجر عاطف کی خبر پڑھتے ہی اُس کی آنکھوں میں کامیابی کی ایک چمک تیزی سے اُبھری۔ اُس نے فوری طور پر انسپکٹر زیدی کو طلب کیا۔ دو منٹ بعد زیدی اُن کے روبرو موجود تھا۔

''تم نے میجر عاطف والی خبر پڑھی؟''

''میں ابھی آپ ہی کے پاس حاضر ہونے والا تھا سر...... اسی خبر کے سلسلے میں۔''

''تم کسی نتیجے پر پہنچے ہو......؟''

''سر...... وہ......''

''نہیں انسپکٹر...... یہ ہچکچانے کا وقت نہیں ہے۔ کھل کر صاف صاف بات کرو!''

''سر...... میرا خیال ہے کہ کمال احمد کی صاحبزادی اس خبر کے متعلق مبینہ طور پر بتائی گئی ہیں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ لڑکی جو بھیس بدل کر شمائلہ کے گھر جاتے ہوئے دیکھی گئی تھی وہ نازو ہی ہوسکتی ہے؟''

''میرے آدمی کی یہ اطلاع ہے۔ لیکن میک اَپ میں ہونے کے سبب......

''تمہارا کیا خیال ہے، ایسے کام اصلی رُوپ میں سرانجام دیئے جا سکتے ہیں؟'' رحمان صاحب نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''نہیں...... اب مجھے یقین ہے کہ تم نے شروع میں کمال احمد اور نازو کے بارے میں جس شبہے کا اظہار کیا تھا وہ درست ہی تھا۔ خود میں نے بھی اپنے خفیہ آدمیوں کو نازو کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ اُن کی اطلاع کے مطابق نازو نے اس سلسلے میں اپنی ذاتی کار استعمال نہیں کی تھی۔''

''یس سر......'' انسپکٹر زیدی نے کہا۔ ''وہ ایک ٹیکسی میں گئی تھی اور اُسی ٹیکسی میں واپس آئی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے جناب! کہ وہ ٹیکسی والا بھی اُسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو جس کے لئے نازو کام کر رہی تھی۔''

''کوئی دلیل......؟''

''کھلی بات ہے سر...... ایسے اہم کام کے لئے صرف ایک عورت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ وطن دشمن عناصر کے دوسرے لوگوں نے بھی اُس پر یقیناً نظر رکھی ہوگی......''

''ٹیکسی کا نمبر یاد ہے تمہیں......؟''

''جی ہاں...... میں نے اُس کے متعلق معلومات بھی حاصل کر لی ہیں۔ وہ سردار نامی ایک شخص کی ملکیت ہے لیکن جس وقت اُسے استعمال کیا گیا تھا اُس سے ٹھیک بارہ گھنٹے پہلے اُس کی چوری کی اطلاع بھی کلفٹن تھانے میں درج کرائی گئی ہے۔''

''کیا رپورٹ میں بھی کوئی پہلے سے مرتب سازش نہیں ہوسکتی؟''

''ناممکن ہے سر...... میں نے سردار کے تمام کوائف بھی حاصل کر لئے ہیں، وہ کلفٹن کے علاقے میں رہتا ہے، اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور برلاس انٹرپرائز میں پی آر او کے عہدے پر تعینات ہے جہاں سے ہر ماہ اُسے ایک بہت ہی معقول تنخواہ ملتی ہے، پڑوسیوں کے بیان کے مطابق وہ بے داغ کردار کا ایک سیدھا سادھا اور نیک شخص واقع ہوا ہے۔''

''اُسے بعد میں دیکھا جائے گا۔'' ایس پی رحمان نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر نازو اور کمال احمد سے ملنا ہوگا...... میرے ساتھ آؤ!''

ایک منٹ بعد ہی ایس پی رحمان کی لینڈ کروزر کمال احمد کے بنگلے کی طرف دوڑ رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر رحمان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ نازو ہی اگر اس معاملے کی ایک اہم کڑی ہے تو وہ آسانی سے اپنی زبان نہیں کھولے گی، ہمیں اُسے فوری طور پر شبہے کی بنیادوں پر حراست میں لینا پڑے گا۔''

''لیکن مجھے یقین ہے کہ نازو اِس کیس میں ضرور ملوث ہے سر......'' انسپکٹر زیدی نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اگر کام اتنی اہم نوعیت کا نہ ہوتا تو اُسے بلاوجہ بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اُس نے اپنی گاڑی بھی استعمال نہیں کی تھی، یہ تمام باتیں اُس کے خلاف اہم شہادتیں ہیں اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس روز نازو شمائلہ بیگم سے ملی، اُس کے دو دن بعد ہی شمائلہ بیگم کو فوجی عدالت کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ یہ تمام باتیں محض اتفاق تو نہیں ہوسکتیں۔''

''یو آر رائٹ...... لیکن اس کے باوجود ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی ایکشن لینا ہوگا۔ جلد بازی میں کام بگڑ بھی سکتا ہے اس لئے کہ کمال احمد کا شمار چوٹی کے وکیلوں میں کیا جاتا ہے۔''

''سر......'' انسپکٹر زیدی نے تھوڑے تامل کے بعد کہا۔ ''کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ کمال احمد اپنی اکلوتی بیٹی کے نجی معاملات سے بے خبر ہو؟''

''ممکن ہے...... لیکن فی الحال ہم کمال احمد پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔'' ایس پی رحمان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''بڑے آدمی اکثر اپنے نوجوان اور آزاد خیال بچوں کی نجی سرگرمیوں سے ناواقف ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بڑھتے ہوئے جرائم کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے۔''

دس منٹ بعد وہ کمال احمد کے خوبصورت ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے اُس سے باتیں کر رہے

تھے۔ اتفاق ہی تھا جو اُن کی ملاقات ہوگئی ورنہ کمال احمد کورٹ جانے کے لئے نکل ہی رہا تھا۔

''خیریت......؟'' اُس نے بے تکلفی سے رحمان صاحب سے پوچھا۔ ''یہ آج صبح ہی صبح ایک انسپکٹر کے ہمراہ دھاوا کیسے بول دیا؟''

''اِدھر سے گزر رہا تھا، سوچا دو دو ہاتھ تم سے بھی کرتا چلوں۔'' رحمان صاحب نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کوئی خاص بات......؟''

''ہاں...... آج ہمیں نازو بیٹی سے ملاقات کرنی ہے۔'' رحمان صاحب نے چبھتے ہوئے انداز میں پولیس کا خاص لہجہ اختیار کیا۔

''پھر میں چلتا ہوں...... تم جانو اور تمہاری بھتیجی۔'' کمال احمد کا چہرہ کسی بھی قسم کے اندرونی جذبات سے یکسر عاری تھا۔ ''مجھے آج ہائیکورٹ میں ایک اہم مقدمے میں پیش ہونا ہے۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' رحمان صاحب نے ایک بار پھر اُسے ٹٹولتی نظروں سے گھورا۔ ''آج مجھے نازو سے جو بات کرنی ہے اگر وہ تمہاری موجودگی میں ہو جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

''آخر بات کیا ہے......؟'' کمال احمد نے دریافت کیا۔ ''تم آج سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔''

''فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں، میں ہمیشہ سنجیدہ ہی رہتا ہوں۔''

''آئی سی......'' کمال احمد لاپروائی سے مسکرا دیا۔ ''گویا نازو سے آج تمہیں کوئی سرکاری کام آن پڑا ہے۔''

''یہی سمجھ لو!''

''رائٹ...... میں ابھی اُسے بلواتا ہوں۔''

پھر اُن کے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ رحمان صاحب نے خاص طور پر میجر عاطف اور شمائلہ والی خبر کا بھی ذکر کیا، لیکن کمال احمد کا چہرہ بدستور کسی قسم کے جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔

پھر کوئی دس منٹ بعد ہی نازو ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی۔ اُس کی آنکھوں سے ابھی تک نیند کا خمار جھانک رہا تھا۔ شاید وہ رات بہت دیر سے سوئی تھی۔

''نازو بیٹی! مجھے تم سے ایک اہم بات دریافت کرنی ہے۔'' رحمان صاحب نے سلام دعا کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا تم بتا سکتی ہو کہ پچھلے دو دنوں میں تمہاری ملاقات اپنی کن سہیلیوں سے ہوئی ہے؟''

''میں سمجھی نہیں انکل......؟'' نازو نے پہلو بدل کر کہا۔ ''میں نے آج تک ملاقاتوں کے سلسلے میں کوئی ڈائری مینٹین نہیں کی۔''

''کیا تم نے آج کا اخبار پڑھا ہے؟'' رحمان صاحب نے اُسے سنجیدگی سے گھورتے

ہوئے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

''نہیں......'' وہ جماہی لیتے ہوئے بولی۔ ''ابھی تو میں سو کر اُٹھی ہوں۔''

''کیا تم میجر عاطف کی بیوی شمائلہ سے واقف ہو...... میرا مطلب ہے کہ ان دو دنوں میں تمہاری اُس کی کوئی ملاقات ہوئی ہے؟''

''جی نہیں......'' نازو نے جواب دیا لیکن اُس کا چہرہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ شمائلہ کے نام کے حوالے سے کچھ بے چین سی ہوگئی تھی۔

''آج کے اخبار میں تمہاری دلچسپی کے لئے ایک بری خبر شائع ہوئی ہے۔'' رحمان صاحب نے خالص افسرانہ لہجے میں کہا۔ ''میجر عاطف نے شمائلہ کو فوجی راز چوری کرنے کے سلسلے میں فوجی عدالت کے حوالے کر دیا ہے۔''

''پھر...... میں کیا کروں؟'' نازو نے مضطرب لہجے میں سوال کیا۔

''یہ تم کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے؟ بھلا نازو اور شمائلہ کا ایک دوسرے سے......'' کمال احمد نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایس پی رحمان نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا، پھر وہ نازو سے بولے۔

''ہماری مصدقہ اطلاع کے مطابق تم بھیس بدل کر شمائلہ سے ملی تھیں اور اس ملاقات کے لئے تم نے اپنی ذاتی کار کی بجائے ایک ٹیکسی کو ترجیح دی تھی اور اسی ٹیکسی پر تمہاری واپسی بھی ہوئی تھی......''

''یہ سب غلط ہے۔''

''اگر یہ غلط ہے تو پھر اسے سچ ثابت کرنے کے لئے مجھے تمہاری خواب گاہ کی تلاشی لینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔''

کمال احمد کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ نازو کے چہرے سے تفکرات مترشح تھے۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم سچائی کو قبول کر لو! اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔'' ایس پی رحمان نے کہا۔ ''تم مجھے اُن لوگوں کے نام بتا دو! جن کی ایماء پر تم شمائلہ سے ملی تھیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں سرکاری گواہ بنا کر قانون سے رعایت دلانے کی کوشش کروں گا، دوسری شکل میں مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔''

''حراست......'' نازو عجیب مایوسی کے انداز میں مسکرائی۔ ''حراست میں جانا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''

پھر اس سے پیشتر کہ کمال احمد یا رحمان صاحب کچھ بولتے، نازو نے اپنے ڈریسنگ گاؤن کی جیب سے ایک کیپسول نکال کر چبا لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ چند منٹوں کے اندر فرش پر گری اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئی۔ ایس پی رحمان کے علاوہ انسپکٹر زیدی نے بھی اپنی ٹوپیاں اُتار لی تھیں۔ وہ کمال احمد کے افسوس میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن کمال

احمد کی نگاہیں نازو کے بے جان جسم پر مرکوز تھیں اور وہ بار بار بڑی سختی سے انتہائی جھلاہٹ غصے کے عالم میں اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگتا تھا۔ اُس کی کیفیت اس وقت کسی ایسے ہارے ہوئے جواری سے مختلف نہیں تھی جو سب کچھ ہار گیا ہو۔ لیکن اس بات کو ایس پی رحمان کی جہاندیدہ نگاہیں بھی سمجھنے سے قاصر تھیں کہ کمال احمد بیٹی کی موت پر آنسو بہانے کی بجائے ہونٹ کیوں چبا رہا تھا...... اُسے ایس پی رحمان پر غصہ آ رہا تھا یا وہ کسی اور وجہ سے اضطرابی حالت کا اظہار کر رہا تھا۔

ڈرائنگ رُوم میں موت کا سناٹا طاری تھا......!

☆☆☆☆☆

کمال احمد نازو کی لاش کو ٹکٹکی باندھے اِس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔ نازو اُس کے لئے زندگی کے ایک حسین خواب سے کم نہیں تھی۔ اُس کی اپنی شادی بھی ہوئی تھی لیکن بیوی اُس کے آنگن کو سونا چھوڑ کر چلی گئی، پھر اُس نے ایک خیراتی ادارے سے نازو کو چھوٹا سا لے کر پالا تھا۔ انسان کا لگایا ہوا درخت بھی اگر سالہا سال پھلنے پھولنے کے بعد اچانک خزاں کی زد میں آ کر جڑ سے اُکھڑ جائے تو اُس کی آبیاری کرنے والے کو دُکھ تو بہر حال ہوتا ہے۔ نازو کوئی بے زبان درخت نہیں تھی، ایک جیتی جاگتی خوبصورت لڑکی تھی جسے کمال احمد نے شب و روز کی محنت اور سالہا سال کی محبت آمیز شفقت سے پروان چڑھایا تھا۔ وہ اُس کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھی، اُس کی حیات کا ایک اہم جزو تھی، وہ اُس سے بے پناہ محبت کرتا تھا، نازو کے نقش و نگار اُس کی مرحوم بیوی سے بڑی حد تک ملتے جلتے تھے۔ اس لئے اُس نے نازو کو ہمیشہ اپنی ہی بیٹی سمجھا تھا۔ اُس کے ناز و نخرے اُٹھانے میں کبھی بخیلی و حجت سے کام نہیں لیا تھا۔ لیکن پھر کمال احمد کی طرح نازو بھی اُس خطرناک تنظیم کی نگاہوں میں آ گئی جس کے ہاتھوں کمال احمد پہلے ہی ایک بے جان کھلونا بن کر رہ گیا تھا۔ ایک غلطی کی وجہ سے وہ اُس تنظیم کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور تھا۔ تنظیم کو ایک قابل وکیل کی ضرورت تھی، کمال احمد اُن کی نگاہوں میں آ گیا۔ پھر نہ جانے اُس کی زندگی کی ایک بھول اُن لوگوں کے ہاتھ لگ گئی اور وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ شروع شروع میں تنظیم نے اُسے بھی ایکشن ٹیم میں شامل کرنے کا سوچا تھا لیکن اس خطرے کے پیشِ نظر کہ کہیں اُس کی کوئی دوسری غلطی اُس کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو اُسے ایکشن ٹیم سے علیحدہ رکھا گیا۔ وہ ایک قابل اور ذہین وکیل تھا۔ کسی مقدمے میں اُس کی پیروی اُس کے مؤکل کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ تنظیم کے سربراہ نے اُسے اپنا دستِ راست بنا لیا تھا۔ تنظیم کے افراد کو اکثر و بیشتر کسی ایکشن کی اطلاع اُسی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں بے شمار لوگ ایسے تھے جن کا تعلق اس خفیہ تنظیم سے تھا لیکن وہ ابھی تک تنظیم کے ایک ممبر کی حیثیت سے دوسروں کی نظر میں نہیں آیا تھا۔ اُسے کسی بہت ہی اہم مہرے کی طرح دوسرے مہروں سے چھپا کر رکھا گیا تھا۔ لیکن شاید وہ بھی تنظیم کے سربراہ سے ناواقف تھا۔ اُسے ہمیشہ فون کے ذریعے یا پھر بچھو کی اُبھری ہوئی تصویر والے نیلے رنگ کے لفافوں کے ذریعے ٹائپ شدہ ہدایتیں ملتی تھیں۔

کمال احمد اگر چاہتا تو تنظیم کے ہاتھوں سے نکل سکتا تھا، ایک ماہر وکیل کی حیثیت سے اپنی زندگی کی ایک اہم غلطی کو کچھ اور رنگ دے سکتا تھا۔ اُس نے اپنی قابلیت کی وجہ سے آج تک نہ جانے کتنے گنہگاروں کو سزا سے بچایا تھا اور بے گناہوں کو تختہ دار تک پہنچا دیا تھا۔ وہ عدالتوں کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اُس نے خود اپنا دفاع کرنے کا خیال ذہن سے نکال دیا اس لئے کہ تنظیم کے علم میں یہ بات آ گئی تھی کہ نازو اُس کی بیٹی نہیں ہے۔ اُس نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ نازو کو نوجوانی کی حدوں تک پہنچانے میں خرچ کیا تھا۔ وہ اُسے اپنی اولاد کی طرح چاہتا تھا پھر اُسے یہ بات کس طرح منظور ہو سکتی تھی کہ نازو کے علم میں یہ بات آ جائے اور وہ اُسے اپنے باپ کی بجائے محض ایک محسن سمجھ کر اُس کی عزت کرے۔

وقت کی چکی اسی طرح گردش کرتی رہی، کمال احمد نے ابھی تک تنظیم کو ناخوش نہیں کیا تھا اس لئے وہ بے خوف تھا کہ نازو اُس کی زندگی کے اس راز سے واقف نہیں ہو گی جو اُس نے اپنے سینے کی گہرائیوں میں دفن کر رکھا تھا۔ لیکن اُس روز جب تنظیم کے سربراہ نے اُسے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ نازو کو ایکشن ٹیم میں شامل کر لیا گیا ہے تو اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ تنظیم کے اصول کتنے سخت ہیں۔ تنظیم اور بالخصوص ایکشن ٹیم کے ممبر کو یہ ہدایت سختی سے ہوتی ہے کہ وہ پولیس کی دسترس تک جانے سے پہلے ہی کیپسول کھا کر اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو موت کے حوالے کر دے، دوسری شکل میں نافرمانی کرنے والے کو بڑی اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں چنانچہ جس وقت نازو نے ایس پی رحمان سے کہا کہ حراست میں جانا اُس کے اصول کے خلاف ہے، اُسی وقت وہ سمجھ گیا تھا کہ شائلہ کے کیس میں وہ کسی نہ کسی طرح ملوث ضرور ہے۔ پھر اس سے پیشتر کہ وہ نازو سے کچھ کہتا یا ماہر قانون دان کی حیثیت سے اُس واقعہ کو کوئی نیا رنگ دینے کی کوشش کرتا نازو نے زہر کا کیپسول نکال کر چبا لیا تھا۔ پھر وہی کچھ ہوا جس کا تماشہ کمال احمد پہلے بھی ایک دو موقعوں پر دیکھ چکا تھا لیکن اُن لوگوں کی بات اور تھی جسے اُس نے نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر نازو کی موت وہ اتنی آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

نازو کا معصوم اور خوبصورت وجود اُس کے سامنے اُس کی اپنی چھت کے نیچے بے جان پڑا تھا اور وہ فی الحال کف افسوس ملنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کے اندر ایک خطرناک اور ہولناک لاوا اُبل رہا تھا۔ ٹیکسی کے حوالے سے وہ سردار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ سردار ٹیکسیوں کا بزنس کرتا ہے۔ سردار کو تنظیم میں ایک اہم مہرے کی حیثیت حاصل تھی، ایک بار اُس نے بھی کمال احمد کو چڑانے کی خاطر یہ بات کہی تھی کہ نازو کو ایکشن ٹیم میں شامل کر لیا گیا ہے، اور یہ بھی کہا تھا کہ عنقریب اُسے ایک اہم ذمہ داری سونپی جانے والی ہے۔

شائلہ کے کیس کا ایک کردار ختم ہو چکا تھا۔ لیکن دوسرا ابھی زندہ تھا اور کمال احمد کے

اندر کا لاوا اُسے اس بات پر اُکسا رہا تھا کہ اب اُسے اس تنظیم کو نیست و نابود کرنے کی خاطر ایک ایک سیڑھی طے کر کے تنظیم کے سربراہ کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانا ہو گا۔ سردار اُس کی منزل کی پہلی سیڑھی ثابت ہو سکتا تھا، اس کے علاوہ کچھ اور مہرے بھی اُس کی نگاہ میں تھے جنہیں وہ اپنے مقصد کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن فی الحال نازو کی نوجوان موت کے بارے میں غور کر رہا تھا جس کے معصوم قہقہے اس وقت بھی اُس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"نازو نے جو کچھ کیا، برا کیا...... اگر وہ میرے ساتھ تعاون کرتی تو شاید یہ نہ ہوتا۔"

"اور اگر تم نے قبل از وقت مجھے حالات سے باخبر کر دیا ہوتا تو بھی نازو کے بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔" کمال احمد نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں...... کیا تمہیں علم تھا؟"

"نہیں......" کمال احمد نے خود کو سنبھالتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔ "لیکن ایک باپ کی حیثیت سے میرا شفقت بھرا برتاؤ شاید نازو کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن تم نے حراست والی بات کہہ کر تمام راستے اس معصوم کے لئے بند کر دیئے تھے۔"

"حوصلے سے کام لو میرے دوست......" رحمان صاحب نے نرم لہجہ اختیار کیا۔ "جو ہونا تھا وہ اب ہو چکا۔"

"ابھی ایک فرض تمہارا باقی ہے۔" کمال احمد زہر خند سے بولا۔ "تم چاہو تو نازو کے ایک جرم کے سلسلے میں جس کا اب کوئی ثبوت تمہاری فائل پر نہیں ہے، مجھے بھی ملوث کر کے تفتیش کی خاطر حراست میں لے سکتے ہو۔"

"اگر تمہاری اجازت ہو تو میں نازو کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے......" رحمان صاحب نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......" کمال احمد نے تیزی سے کہا۔ "اگر تم ایک ہمدرد دوست کا کردار ادا کرنا چاہتے ہو تو نازو کے ساتھ ہی اس معاملے کو بھی یہیں ختم کر دو! ورنہ اس کا اثر میری شہرت پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... تم نازو کو اپنی مرضی سے دفنا دو! مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"ایک بات اور...... کسی کو اِس بات کا علم نہ ہو کہ میری بچی نے خودکشی کی ہے ورنہ لوگوں کو اُس کے کردار پر اُنگلیاں اُٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ اسے تم ایک مجبور باپ کی التجا بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"حوصلہ رکھو...... یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

"اور تم......" کمال احمد نے انسپکٹر زیدی کی طرف دیکھا۔ "کیا میں تم سے بھی یہی اُمید رکھوں؟"

''آپ شرمندہ کر رہے ہیں کمال صاحب!'' انسپکٹر زیدی نے جلدی سے کہا۔ ''میں
پی صاحب کے کسی بھی حکم سے باہر نہیں ہوں۔''

''کیا اِس وقت میرا یہاں رُکنا مناسب ہوگا......؟'' رحمان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' کمال احمد نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ملول آواز میں کہا۔ ''تم
وقت چلے جاؤ! لیکن دو تین گھنٹے بعد نازو کی میت کو کندھا دینے کی خاطر ضرور آنا۔''

رحمان صاحب نے جواب میں کمال احمد کے شانوں کو تھپتھپایا، پھر انسپکٹر زیدی کو
آنے کا اشارہ کر کے باہر چلے گئے۔ کمال احمد نے جھک کر نازو کے مُردہ جسم کو ہاتھوں
سمیٹا، پھر اُسے، خواب گاہ میں لا کر اُس کے بستر پر لٹا دیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نازو کی موت
خودکشی کے حوالے سے یاد کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ملازموں میں بھی یہ بات مشہور کر
کہ نازو کا ہارٹ فیل ہوگیا ہے۔ بظاہر وہ لوگوں کے سامنے خود کو دُکھی ثابت کر رہے تھے لیکن
اُن کے اندر کا لاوا سرد ہونے کی بجائے اور تپش اختیار کرتا جا رہا تھا۔

تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر رات گئے وہ اپنی لائبریری میں کسی زخمی شیر کی طرح ٹہل رہے
تھے۔ اُن کی نگاہیں بار بار اُس فون کی جانب اُٹھ رہی تھیں جس پر تنظیم کے سربراہ کی جانب
سے پیغامات موصول ہوتے تھے۔ یہ بات کئی بار اُن کے دل میں اُبھری کہ اُس فون کو اُٹھا
کچل دیں، ریزہ ریزہ کر دیں لیکن انتقام کا جذبہ اُنہیں روک رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے نازو
کی موت کا عبرتناک انتقام لینے کے بارے میں غور خوض کر رہے تھے۔ اگر تنظیم کا سربراہ
کے علم میں ہوتا تو وہ دُور اندیشی کے تمام تقاضوں کو پھلانگ کر اُس کے پاس جاتے اور گولی
سے اُس کا جسم چھلنی کرنے کے بعد ہنسی خوشی پھانسی کے پھندے کو خود اپنے ہاتھوں سے
میں ڈال لیتے۔ لیکن غم تو اِسی بات کا تھا کہ وہ اُس کی منحوس شخصیت سے ناواقف تھے۔ اُن کے
سامنے صرف ایک کردار تھا، سردار خان جس نے نازو کے جرم میں اُس کی اعانت کی تھی۔
کئی بار سردار خان کو فون کرنے کے بارے میں سوچ چکے تھے، لیکن جلد بازی سے پرہیز
چاہتے تھے۔ سب سے پہلے وہ کوئی مضبوط لائن آف ایکشن کا تعین کرنا چاہتے تھے۔
دشمنوں پر کوئی ایسا اوچھا ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے کہ وہ اُن کے شکنجے سے نکل سکیں۔ اُن کے
ذہن نے ایک بار یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ ایس پی رحمان اُن کے پرانے دوستوں میں سے
متعدد موقعوں پر وہ کمال احمد کے کام بھی آ چکے تھے، اُن کو اعتماد میں لے کر بھی تمام حالات
سے آگاہ کیا جا سکتا تھا۔ مگر وہ ابھی کوئی آخری فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے
کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ اس طرح چونکے جیسے شکاری کی بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی آواز
کر شکار چونک اُٹھتا ہے...... کمال احمد کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، ایک لمحے تک وہ فون
قریب کھڑے ہونٹ چباتے رہے، پھر ایک لمبی سانس بھر کر خود پر قابو پایا اور ریسیور اُٹھا

......!'' اُنہوں نے ریسیور پر کہا۔
صبح سے کئی بار تمہیں کال کر چکا ہوں، لیکن......''
ممکن ہے۔'' کمال احمد کا صبر کا پیمانہ چھلکنے والا تھا، لیکن پھر اُنہوں نے جبراً خود پر قابو
ہوئے کہا۔ ''میں نازو کے سلسلے میں......''
''میں نے اسی غرض سے تمہیں فون کیا تھا۔'' دوسری جانب سے بات کاٹتے ہوئے کہا
''میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔''
''شکریہ......'' کمال احمد ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔ ''جو کچھ ہوگیا، وہ ہوگیا۔ کمان سے
ہوا تیر اور ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کبھی واپس نہیں آیا کرتی۔''
''مجھے تمہارے غم کا احساس ہے۔ لیکن نازو نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا، رحمان کے فرشتے
اسے حراست میں لینے کے بعد کچھ ثابت نہیں کر سکتے تھے۔''
''اب ان باتوں سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟''
''کیا نازو نے ٹیکسی یا سردار خان کے سلسلے میں تو کوئی بات نہیں کی؟'' دوسری جانب سے
گیا۔
''نہیں......'' کمال احمد سپاٹ آواز میں بولے۔ ''وہ حراست کا نام سنتے ہی زہریلا
پان کھا کر قربان ہوگئی تھی۔''
''رحمان نے تمہارے اُوپر تو کسی قسم کا شبہ نہیں کیا؟''
''نہیں......''
''میں جانتا ہوں کمال! زخم بھرتے ہی بھرتے بھرے گا، لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔''
''لیکن یہ سب نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' کمال احمد نے احتجاجاً کہا۔ ''میں نے درخواست بھی
تھی کہ نازو کو کم از کم ایکشن ٹیم سے علیحدہ رکھا جائے۔''
''دنیا کے ہر کاروبار میں نفع اور نقصان تو بہرحال ہوتا ہے، اسے برداشت کرنا ہی انسان کا
ہے۔''
''کوئی نیا حکم......؟'' کمال احمد نے نفرت سے سوال کیا۔
''نہیں...... فی الحال تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ آرام ذہنی سکون کے لئے بہترین دوا
دوسری جانب سے سپاٹ آواز میں جواب ملا، اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہوگیا۔
کمال احمد نے غصے سے ریسیور کو کریڈل پر رکھا، پھر دوبارہ ٹہلنے لگے۔ اُن کی آنکھوں میں
انتقام کی آگ شعلہ بن کر لپک رہی تھی، لیکن فی الحال اُنہیں اپنے مطلوبہ شخص تک پہنچنے کا کوئی
راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆

نیلم ہراس خلافِ توقع کچھ اچھے موڈ میں نہیں تھی، پھر بھی اُس نے مسکراتی نظروں سے

رحمت علی کو اپنے کمرے میں خوش آمدید کہا، وہ دفتری عملے کے ساتھ ہمیشہ سے ایک حد فاصلہ رکھنے کی عادی تھی، لیکن رحمت علی کے ساتھ وہ نہ جانے کیوں حدود کی تمام سرحدیں جلد پھلانگ گئی تھی۔ مگر اُسے مسرت تھی کہ اُس نے رحمت علی پر اعتماد کر کے غلطی نہیں کی اعتبار سے قابل بھروسہ ثابت ہو رہا تھا اور اب تک میڈم کے لئے ان گنت نجی اور اہم تجارتی معاملوں کو نہایت جرات مندانہ انداز میں نمٹا چکا تھا۔ میڈم اب اُسے اپنا دست راست سمجھنے لگی تھی اسی لئے رحمت علی کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا تھا، ورنہ صبح کا اخبار دیکھتے ہی اُس موڈ خراب ہو گیا تھا۔ دفتر آتے ہی اُس نے مونیکا کو بلا کر سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ سوا رحمت علی کے کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

رحمت علی نے میڈم کے چہرے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس وقت اچھے موڈ میں نہیں ہے، خود اُس کا موڈ بھی خراب ہی تھا۔ نازو کی موت کی اطلاع نے اُسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ میڈم کو اُس کی موت کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا اس لئے کہ میڈم نے اُس سے کہا تھا کہ نادیدہ دشمن نے اُسے نازو پر نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے اس لئے کہ وہ کسی وجہ سے پولیس نظروں میں آ گئی تھی، ہدایت میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ نازو اگر قابل گرفت سمجھی جائے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

''آؤ بیٹھو......'' میڈم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میں ابھی تم ہی کو یاد کر رہی تھی۔''

''یہ خوشخبری سنانے کے لئے کہ اب نازو اِس دنیا میں نہیں ہے؟'' رحمت علی کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔

''نہیں......'' میڈم نے تیزی سے جواب دیا۔ ''تم غلط نتیجہ اخذ کر رہے ہو۔ اُسے میں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

''میں اُس مہلک دوا کا نام جاننا پسند کروں گا جس کے استعمال سے کسی بھی تندرست انسان کی حرکت قلب بند کی جا سکتی ہے۔''

''حماقت کی باتیں مت کرو! جو کچھ تم نے اخبار میں پڑھا ہے وہ اصلیت نہیں ہے۔''

''اسی لئے تو حاضر ہوا ہوں۔'' رحمت علی نے بدستور تلخ لہجے میں کہا۔ ''اصلیت کیا ہے آپ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟''

''کمال احمد نے اپنی بدنامی سے بچنے کی خاطر ہارٹ فیل کی کہانی مشہور کی ہے ورنہ''

''حقیقت کیا ہے؟'' رحمت علی نے اُس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

''بہت زیادہ دُکھ ہوا ہے تمہیں نازو کے مرجانے کا؟''

''صرف اس لئے کہ وہ میری محسنہ تھی۔ اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اُس کے دشمنوں سے انتقام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا خواہ میرا انجام بھی نازو ہی جیسا کیوں نہ ہو۔''

''میری کیفیت بھی اس وقت تم سے مختلف نہیں ہے۔'' میڈم بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ''میری بات کا یقین کرو! نازو مجھے بھی بے حد عزیز تھی۔''

''اس کے باوجود آپ نے اپنے نادیدہ دشمن کے حکم پر......''

''رحمت علی......'' میڈم نے سختی سے احتجاج کیا۔ ''تم غلطی پر ہو۔ اس لئے کہ حقیقت وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ اگر نازو کی موت میں میرا ہاتھ ہوتا تو کم از کم میں تم سے اس بات کا ذکر بھی نہ کرتی کہ مجھے اُس کے بارے میں کیا ہدایت ملی ہے، اس لئے کہ یہ بات خود تم بھی جانتے ہو کہ تمہیں اُسی غریب کی سفارش پر رکھا گیا ہے۔''

''پھر...... اصلیت کیا ہے؟'' رحمت علی نے قدرے جھلا کر سوال کیا۔

''کسی تفتیش کے سلسلے میں ایس پی رحمان اور انسپکٹر زیدی کمال احمد کے گھر گئے، اپنے فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ایس پی رحمان نے نازو کو حراست میں لینے کی بات کی تھی اور نازو نے تنظیم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے وہی زہریلا کیپسول نکال کر چبا لیا جس سے تمہارے دوست راجو نے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا تھا۔''

''لیکن کمال احمد اور ایس پی رحمان تو آپس میں ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست تھے۔''

''تم رحمان کو نہیں جانتے، لیکن میں جانتی ہوں۔ وہ فرض کی ادائیگی میں اپنی اولاد کو بھی بخشنے کا عادی نہیں ہے۔''

''مجھے صرف حقیقت درکار ہے۔''

''تم نے شاید میجر عاطف اور اُس کی بیوی شمائلہ کے بارے میں اخبار میں پڑھا ہو گا۔''

''لیکن اس واقعے سے نازو کا کیا تعلق؟''

''تعلق تھا۔'' میڈم بولی۔ ''میری اطلاع کے مطابق اُسے اسی کام پر لگایا گیا تھا، لیکن وہ پہلے سے اُس کے سائے کے بھی تعاقب میں لگی ہوئی تھی اس لئے کہ وہ نظروں میں آ گئی تھی۔''

رحمت علی نے جواب نہیں دیا، بس! کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''کیا تمہیں میرے بیان پر یقین نہیں ہے؟''

''ایک شرط پر میں آپ کی خاطر اپنی موت کو بھی گلے لگانے پر تیار ہوں۔'' رحمت علی کا لہجہ بڑا ٹھوس تھا۔

''وہ کیا؟'' میڈم نے ایک سگریٹ جلاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھے اپنے اُس نادیدہ دشمن کا نام بتا دیں! جس پر آپ کو تنظیم کے سربراہ ہونے کا شبہ ہے۔''

''صرف شبہ ہے...... ابھی مکمل یقین نہیں ہے۔''

''اُس کی موت کے بعد اگر حالات سازگار ہو گئے تو شبہ یقین میں بدل سکتا ہے۔'' رحمت علی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... میں تمہیں محض ایک شبہ کی بنیاد پر کھونا نہیں چاہتی۔''

''پھر...... آپ نے کیا سوچا ہے؟''

میڈم نے جواب دینے کی خاطر ہونٹ ہلائے تھے کہ فون کی گھنٹی نے اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔

''ہیلو......'' اُس نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا، پھر دوسری جانب سے جو جواب ملا، اُسے سنتے ہی وہ اس طرح چونکی جیسے اُسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ ''کیا تمہیں پوری طرح یقین ہے......؟ گڈ...... ٹھیک ہے، اب میری بات غور سے سنو! تم پہلی فرصت میں اُسے ترکیب نمبر گیارہ کے ذریعے اپنے قبضے میں کر لو! لیکن نہیں...... اس کے لئے تمہیں ریموٹ کنٹرول والا سسٹم استعمال کرنا ہوگا، اور ایک بات غور سے ذہن نشین کر لو! تم ہر پندرہ منٹ بعد مجھ سے رابطہ قائم کرتے رہو گے، اور جب تک میری طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے پش بٹن سے اپنا ہاتھ دُور ہی رکھو گے خواہ حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں...... ہاں! میرا خیال بھی یہی ہے کہ اب پولیس اُس سے رابطہ بھی قائم کرے گی...... ٹھیک ہے! ایسی صورت میں تمہیں پش بٹن استعمال کرنے کا اختیار ہوگا، اس لئے کہ میں اس معاملے میں نہیں الجھنا چاہتی۔ ڈونٹ وری! بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ ہاں! میں فیس کر لوں گی اُسے، تم صرف اپنے کام سے کام رکھو! فون نہ ملنے کی صورت میں تم دوسرا طریقہ اختیار کر سکتے ہو، لیکن بہت ہی اہم حالات میں...... تھری تھری زیرو پر...... رائٹ!''

میڈم نے فون بند کیا تو رحمت علی نے محسوس کیا کہ اُس کے چہرے پر خون کی تمازت بڑھ چکی تھی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اُسے فون پر جو پیغام ملا ہے وہ شاید اُس کی توقع کے خلاف تھا۔ اُس نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا، پھر غصے کی حالت میں ہاتھ ملنے لگی۔

''کوئی اہم اطلاع......؟'' رحمت علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ہاں...... نازو کے سلسلے میں ایک اور شخص بھی لسٹ پر آ گیا ہے۔''

''کیا یہ اُسی نادیدہ دشمن کی کال تھی؟'' رحمت علی نے اُسے ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''پلیز...... تم مجھے اُکسانے کی کوشش مت کرو! میرا موڈ اس وقت بہت زیادہ خراب ہے۔'' میڈم جھلا کر بولی۔ ''میں دشمنوں سے دوستوں جیسے لہجے میں بات نہیں کرتی۔''

''کیا میں اُس شخص کا نام دریافت کر سکتا ہوں جو لسٹ پر آیا ہے؟''

''ابھی نہیں......'' میڈم نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''ویسے تمہاری اطلاع کے لئے بتا دُوں کہ میں نے اُس کا نام ہٹ لسٹ پر سرفہرست کر دیا ہے۔ میں نے اپنے کارندے کو اُس کے

بارے میں ہدایت جاری کی ہے۔''

''تھری تھری زیرو کے کوڈ سے میرے علاوہ اور کتنے افراد واقف ہیں؟''

''دو...... اور وہ دونوں بھی میرے اعتماد کے آدمی ہیں۔ ایک اشارے پر دہکتی آگ میں بھی چھلانگ لگا سکتے ہیں۔''

''میں اب اجازت چاہوں گا۔'' رحمت علی نے ایک جھٹکے سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور آج شاید میں دفتر میں کام بھی نہ کر سکوں، مجھے کمال صاحب کے پاس جانا ہے۔ نازو کی طرح وہ بھی میرے محسن ہی ہیں۔''

رحمت علی نے رُکنے کی کوشش نہیں کی، میڈم نے بھی اُسے جانے دیا۔ پھر جب اُس نے انٹرکام پر یہ بات کنفرم کر لی کہ رحمت علی دفتر کی عمارت سے باہر نکل چکا ہے تو اُس نے سردار خان کو اندر طلب کیا اور سردار خان کے آتے ہی اُس نے باہر دروازے پر لگی ہوئی سرخ لائٹ آن کر دی۔

''یس میڈم......؟'' سردار خان نے میڈم کے اشارے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم نازو کو کب سے جانتے تھے؟'' میڈم نے انتہائی سرد اور خشک لہجے میں سوال کیا۔

''نازو......؟'' سردار خان نے اداکاری کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔ ''آپ کا اشارہ اُس خبر کی طرف تو نہیں جو آج اخبارات میں شائع ہوئی ہے؟''

''تم اِس وقت میڈم برلاس کے سامنے ہو اس لئے تمہاری دروغ گوئی تمہارے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔''

''م...... میں سمجھا نہیں؟'' سردار خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا یہ غلط ہے کہ تم نجی طور پر ٹیکسیوں کا کاروبار بھی کرتے ہو؟''

''ہاں...... میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا۔''

''نازو کی موت سے ٹھیک بارہ گھنٹے قبل تمہاری ایک ٹیکسی چوری ہو گئی تھی جس کی اطلاع تم نے کلفٹن تھانے میں درج کرائی تھی۔''

''وہ رپورٹ میرے کاروباری انچارج نے کرائی تھی۔'' سردار خان نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''اُس کا کہنا ہے کہ ٹیکسی گن پوائنٹ پر چھینی گئی تھی لیکن اُس ٹیکسی کا نازو نامی کسی لڑکی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟''

''گویا تم میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔'' میڈم نے بدستور سردار خان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کوئی خاص بات......؟'' سردار خان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں......'' میڈم نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ ''جس ٹیکسی کو گن پوائنٹ پر چھینا گیا تھا وہی ٹیکسی نازو کو میک اَپ میں لیکر میجر عاطف کے بنگلے پر گئی تھی۔ کیا تم نے میجر

عاطف اور شمائلہ والی خبر نہیں پڑھی؟''

''پڑھی تھی۔'' اِس بار سردار خان نے کرسی پر کسمساتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ نازو کو میک اَپ میں میجر عاطف کے گھر جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مم...... میں؟ میں بھلا اِس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

''تم سے بہتر اور کون بتا سکتا ہے...... اس لئے کہ اس وقت تم بھی میک اَپ میں نازو کے ساتھ ٹیکسی میں موجود تھے۔'' میڈم نے چبھتے ہوئے انداز میں سردار خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سردار خان چونکے بغیر نہ رہ سکا، لیکن پھر اُس نے خود پر قابو پانے میں بھی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔'' آپ کے مخبر کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ نازو کی موت کی وجہ اخباری اطلاع کے مطابق......''

''نہیں......'' میڈم نے جھلا کر کہا۔'' اصلیت وہ نہیں تھی۔''

''پھر کیا تھی......؟''

''یہ تم بتاؤ گے سردار خان! اور یہ بھی کہ تمہاری تنظیم کے سربراہ کا نام کیا ہے؟ یہی ایک صورت تمہارے بچاؤ کی ممکن ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے فیصلے بدلنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا کہ آپ کس تنظیم کی بات کر رہی ہیں؟'' سردار خان نے جواب دیا، لیکن اب اُس کی قوتِ مدافعت جواب دیتی نظر آ رہی تھی۔

''وہ تنظیم جو شمائلہ کے ذریعے اہم فوجی راز حاصل کرنا چاہتی تھی اور جس کے لئے تم اور نازو کا انتخاب کیا گیا تھا۔'' میڈم نے گرج کر کہا۔

''آئی ایم سوری میڈم!'' سردار خان نے اِس بار سنجیدگی سے کہا۔'' دفتر سے باہر میں کیا کرتا ہوں، کس سے ملتا جلتا ہوں یہ میرا نجی معاملہ ہے اور میں اپنے نجی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔''

''شٹ اَپ......'' میڈم پوری قوت سے گرجی۔'' مت بھولو کہ تم میڈم برلاس سے مخاطب ہو۔''

''میرے لئے دوسرا حکم کیا ہے؟'' سردار خان نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''گٹ اَپ اینڈ گیٹ آؤٹ......!''

''ایک درخواست میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' سردار خان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔'' میں اب برلاس انٹر پرائز سے مستعفی ہو رہا ہوں...... فوری طور پر!''

''گیٹ لاسٹ......'' میڈم نے کسی ناگن کی طرح خونخوار انداز میں بل کھا کر پھنکارتے

''مجھے تم جیسے غداروں کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

ہوئے کہا۔ سردار خان نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنا ارادہ ترک کر کے معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور میڈم اُس کے باہر جاتے ہی بڑے غصے کے عالم میں کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆

اُس کا ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا...... گزری باتیں اُسے ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں۔ وہ میڈم کے کمرے سے نکل کر سیدھا باہر آیا تھا، پھر وہ کمال احمد سے ملنے کی خاطر اُن کی کوٹھی پر گیا تھا۔ کچھ دیر تک کمال احمد سے نازو کے بارے میں تعزیتی باتیں کرنے کے بعد وہ گھر جا رہا تھا کہ صدر کے علاقے میں اُس کی ملاقات سردار خان سے ہوئی تھی جس نے اُسے دیکھتے ہی رُکنے کا اشارہ کیا تھا، پھر وہ اپنی گاڑی ایک مناسب مقام پر پارک کرنے کے بعد رحمت علی کی گاڑی میں ہی آ گیا تھا۔

''تم اور اس وقت یہاں......؟'' اُس نے سردار خان سے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں...... میڈم نے ایک ضروری کام کی ہدایت کی ہے۔'' وہ بولا۔'' اچھا ہوا جو تم مل گئے، میں بڑی شدت سے تمہیں یاد کر رہا تھا۔''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں...... کام کچھ ایسی ہی نوعیت کا ہے جس میں دو آدمیوں کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔''

''تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔'' اُس نے سردار خان کے چہرے کے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

''گاڑی ہاکس بے کی طرف لے چلو! وہاں ہمیں ایک پارٹی سے ضروری ملنا ہے۔''

اُس نے سردار خان کے کہنے پر گاڑی کا رُخ اُس کے بتائے ہوئے راستے پر موڑ لیا حالانکہ وہ اس وقت سیدھا گھر جا کر آرام کرنا چاہتا تھا۔ نازو کی موت اور میڈم کی گفتگو نے اُس کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا لیکن سردار خان کو چونکہ وہ اپنا محسن مانتا تھا اس لئے اُس کی بات سے انکار نہ کر سکا۔ اُن کے درمیان اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی، پھر ماری پور سے ہاکس بے روڈ کی طرف جاتے ہوئے سردار خان نے جیب سے سگریٹ نکال کر اُسے آفر کی تھی، رحمت علی مستقل سگریٹ پینے کا عادی نہیں تھا مگر اُس وقت اُس نے ذہن کو سکون دینے کی خاطر چاہتا ہوا سگریٹ سردار خان سے لے کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ سردار خان نے اپنے لئے دوسرا سگریٹ سلگا لیا تھا۔

سگریٹ کے سات آٹھ کش لینے کے بعد ہی رحمت علی کو محسوس ہوا تھا جیسے اُس کا ذہن عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو رہا ہے لیکن اس بات کو اُس نے کوئی اہمیت نہیں دی، حالات

کے پیش نظر وہ محض تمباکو کا اثر بھی ہوسکتا تھا جسے وہ اپنے ذہن پر محسوس کر رہا تھا، کچھ دیر بعد اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ڈرائیونگ نہیں کر سکے گا چنانچہ اُس نے گاڑی روک کر اسٹیئرنگ سردار خان کے حوالے کیا اور خود دوسری سیٹ پر منتقل ہوگیا۔

''کیا بات ہے..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سردار خان نے اُسے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں۔ یونہی ذرا ذہن اُلجھا ہوا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے، تم نے نازو کی موت کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔''

''شاید اس لئے کہ وہ میری محسنہ تھی اور کمال احمد نے ایک بار مجھے پولیس کی دسترس سے نجات بھی دلائی تھی۔'' اُس نے سیٹ سے ٹیک لگا کر جواب دیا۔ ''آج میں جس پوزیشن میں ہوں اس کی بنیادی وجہ نازو ہی تھی۔''

''میرا مشورہ ہے کہ تم سگریٹ بجھا دو! شاید اس وقت یہ تمہارے ذہن پر حاوی ہو رہی ہو۔''

''میں اب اتنے کمزور اعصاب کا مالک بھی نہیں ہوں کہ ایک سگریٹ سے ہار مان لوں۔'' اُس نے سگریٹ کے دو چار طویل کش پے در پے لئے، پھر جلتے ہوئے سگریٹ کا بچا ہوا حصہ باہر سڑک کی جانب اُچھال دیا۔

''میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔'' سردار خان نے سنجیدگی سے رحمت علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اِس شرط پر کہ تم اس کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کرو گے، میڈم سے بھی نہیں۔''

''نہیں کروں گا..... وعدہ رہا۔''

''میرا خیال ہے کہ نازو کی موت میں تھوڑا بہت ہاتھ میڈم کا بھی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں.....؟'' رحمت علی نے چونکنے کی کوشش کی، لیکن اُس کا سر اِس وقت بری طرح چکرا رہا تھا۔

''کچھ دنوں پہلے میڈم کو اُوپر سے نازو کے سلسلے میں کوئی اہم ہدایت ملی تھی۔''

''اُوپر سے.....؟'' رحمت علی نے بدستور اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے ٹکائے دریافت کیا۔ میڈم اُس سے اپنے کسی نادیدہ مگر خطرناک دشمن کا ذکر کر چکی تھی لیکن اب وہ سردار خان کی زبانی بھی کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ''اُوپر سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میرا اندازہ ہے کہ میڈم کے کاروبار کے پس پردہ کسی دوسری شخصیت کا بھی ہاتھ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ براس انٹرپرائز کو وہی فائنانس کر رہا ہو اور میڈم اُس کے احسان کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے اور.....'' سردار خان نے ایک لمحے کے تامل کے بعد کہا۔ ''وہ اُس شخص کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے۔''

''تمہیں ان باتوں کا اندازہ کس طرح ہوا؟'' رحمت علی نے دلیل پیش کی۔ ''اگر میڈم کا نازو کی موت میں کسی زاویئے سے شامل ہے تو پھر اُس نے نازو کی سفارش پر مجھے ملازمت کیوں دی؟''

''ممکن ہے اُس وقت حالات کی نوعیت کچھ اور ہو۔'' سردار خان نے معنی خیز انداز میں دیکھا جو نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے غنودگی کی حالت سے دوچار تھا۔ ''کیا تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ میڈم کس کردار کی مالک ہے؟''

''میں..... میں سمجھا نہیں.....'' اُس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اُسے اپنا ذہن کہیں گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ بار بار شدید نیند کے احساس کی وجہ سے جمائیاں آ رہی تھیں۔

''اب یاروں سے کیا پردہ..... عملے کے بیشتر ملازموں کا وہی خیال ہے جو میرا ہے۔''

''وہ کیا.....؟''

''یہی کہ میڈم آج تک کسی سے اتنی فری نہیں ہوئی جتنی تم سے ہوگئی ہے۔ اُس روز مونیکا کہہ رہی تھی کہ تم کمرے کے باہر سرخ بتی کے روشن ہونے کے باوجود ایسے موقع پر دندناتے ہوئے اُس کے دفتر میں چلے گئے تھے جب کہ وہ سیٹھ جواہر والا کے ساتھ اہم کاروباری باتیں کر رہی تھی، اس سے پیشتر کبھی جواہر والا کی موجودگی میں کسی پرندے کو بھی وہاں پر مارنے کی اجازت نہیں تھی۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھری، پھر اُس نے سردار خان سے کہا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے گھر ڈراپ کر دو؟''

''خیریت.....؟''

''میں اس وقت نیند کے شدید جھونکے محسوس کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... واپس چلتے ہیں۔'' سردار خان لہرا کر بولا۔ ''میڈم مجھے تمہاری دوستی سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اُس کا کام بعد میں بھی ہو جائے گا۔ دراصل مجھے جس پارٹی سے ملنا ہے، وہ ساحل کے ایک ہٹ میں مقیم ہے، اُس کا قیام ابھی دو دن اور رہے گا۔''

پھر سردار خان نے گاڑی موڑنے کی کوشش کی تھی، لیکن اگر اُس نے فوراً ہی بریک کا بروقت استعمال نہ کیا ہوتا تو شاید اُس کی گاڑی پشت سے آنے والی کار سے ٹکرا جاتی۔ دونوں گاڑیاں رک گئی تھیں، پھر دوسری گاڑی سے ایک دراز قد شخص نمودار ہو کر تیزی سے سردار خان کی طرف آیا۔ اُس کا دوسرا ساتھی جو اُس کے مقابلے میں خاصا پستہ قد واقع ہوا تھا، گاڑی کی بیک سیٹ پر بیٹھا سگار کا دھواں اُڑا رہا تھا۔ اُس کے جسم پر تھری پیس کا قیمتی سوٹ نظر آ رہا تھا۔ غنودگی کے باوجود اُسے دیکھ کر رحمت علی کو اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ اُس کا دراز قد ساتھی بھی شکل سے آشنا ہی لگ رہا تھا۔

''اندھے بن کر گاڑی چلاتے ہو......؟'' دراز قد آدمی نے قریب آ کر سردار خان سے کہا۔ اُس کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

''نئے نئے دولتیے لگتے ہو۔'' سردار خان نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''جاؤ! اپنا راستہ لو۔''

''ایک تو غلطی کرتے ہو اور اُوپر سے غراتے بھی ہو......؟'' دراز قد آدمی کے تیور خطرناک ہو گئے۔ ''کیا جھگڑا بڑھانے کا ارادہ ہے؟''

''تم بتاؤ......تمہارا کیا منشا ہے؟'' اُس کے ذہن میں سردار خان کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی تھی۔

''تمہیں مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی۔''

''اور اگر میں انکار کر دُوں تو تم کیا کرو گے؟'' سردار خان کے لہجے میں چیلنج تھا۔

''انکار کی صورت میں کافی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔'' دراز قد والے نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا، پھر اس کے ساتھ ہی اُس نے بڑی پھرتی سے جیب سے ریوالور بھی نکال لیا۔

رحمت نے سردار کی مدد کرنے کی خاطر جنبش کرنے کی کوشش کی لیکن ذہن کے ساتھ ساتھ اُس کا جسم بھی شل ہو کر رہ گیا تھا۔ چاہنے کے باوجود وہ اپنا آٹو میٹک نہیں نکال سکا۔ اُس کا سارا جسم جیسے مفلوج ہو گیا تھا اور وہ بڑی کوشش سے نیند کے خمار کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔

''ریوالور کے بل پر کسی کو للکارنا مردانگی نہیں کہلاتی۔'' سردار خان کی غراہٹ اُس کے ذہن سے ٹکرائی۔

''زندگی چاہتے ہو تو شرافت سے نیچے آ جاؤ!'' دراز قد آدمی نے سردار خان کو للکارا تھا۔

''بات بڑھانے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا دوست!'' سردار خان نے کہا۔ ''اس وقت ریوالور تمہارے ہاتھ میں ہے اور ہم بے بس ہیں۔ ہو سکتا ہے کل صورت حال اس کے برعکس ہو۔''

سردار خان نے دروازہ کھولنے میں بڑی پھرتی سے کام لیا تھا۔ شاید وہ اس طرح دروازے کے اچانک جھٹکے سے ریوالور کا رُخ ایک لمحے کو موڑنا چاہتا تھا لیکن نتیجہ اس کے برعکس ثابت ہوا، سردار خان اپنی ہی جھونک میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، اُس کے غیر متوازن ہوتے ہی دراز قد والے شخص کا ریوالور والا ہاتھ پوری شدت سے لہرا گیا۔ سردار خان کے کراہنے کی آواز اُس کے ذہن سے ٹکرائی تھی، پھر اُس نے خود کو جنبش دینے کی خاطر ایک آخری کوشش کرنی چاہی لیکن اسی لمحے پشت سے کوئی ٹھوس شے اُس کی کنپٹی سے پوری قوت کے ساتھ ٹکرائی اور اُس کا ذہن تاریکی کے گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اور اب اُس کے ذہن کے بیدار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔

رحمت علی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، پھر تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔ وہ اس وقت ایک کمرے میں موجود تھا جس میں نکاسی کا صرف ایک دروازہ تھا اور وہ بھی باہر سے بند تھا۔ چھت کے قریب ایک روشندان تھا جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ پھر اُس نے سردار خان کو دیکھا جو اسی کمرے میں ایک کونے میں آڑا ترچھا بے سدھ پڑا تھا۔ رحمت علی نے بڑی پھرتی سے اپنی جیبیں ٹٹولیں لیکن وہ پہلے ہی خالی کی جا چکی تھیں۔ وہ شاید کسی دشمن کی قید میں تھا...... اُس کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے اُبھرا، پھر وہ تیزی سے سردار خان کے قریب گیا جو بے ہوشی کے عالم سے دوچار نظر آ رہا تھا...... کمرے میں پانی کی سیلن کی ناخوشگوار بو پھیلی ہوئی تھی......!!

☆☆☆☆☆

اُس نے سردار خان کو آہستہ سے ہلا جلا کر دیکھا تو اُس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ سردار خان مر چکا تھا۔ اُس کا جسم اکڑا ہوا تھا اور منہ سے جھاگ نکل رہا تھا...... ''زہریلا کیپسول'' رحمت علی کے ذہن میں دھماکا ہوا۔ اُسی کیپسول کی بدولت رمضان نے زندگی سے ناتا توڑا تھا۔ پہلے نازو نے خود کو موت کے حوالے کیا اور اب سردار خان......

اُس کا ذہن تیزی سے جاگ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ خفیہ تنظیم کے نہیں کسی اور دشمن کے جال میں پھنس گیا ہے۔ سگریٹ کے ہر کش کے ساتھ ساتھ اُس کے ذہن پر غنودگی بڑھتی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے سردار خان نے کسی خاص وجہ سے وہ سگریٹ اُسے پیش کیا ہو۔ مگر اب تو وہ خود موت کی گہری نیند سو رہا تھا...... وہ لوگ کون تھے جنہوں نے سردار خان کو خریدنے کی کوشش کی تھی اور پھر اس غریب کو اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد راستے سے کانٹے کی طرح نکال دیا تھا...... وہ آخر رحمت علی سے کیا چاہتے تھے؟ کیا تنظیم کو کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ اُس نے نازو کی موت کا انتقام لینے کی ٹھان لی تھی......؟ میڈم برلاس نے اُس سے فون کرنے کے بعد کہا تھا کہ کوئی آدمی اُس کی ہٹ لسٹ پر آ چکا ہے۔ وہ کون تھا...... سردار خان یا وہ خود؟ لیکن کیپسول کا سبب ہی اگر سردار خان کی موت کا باعث بنا تھا تو پھر اُس کے خیالات کی نفی ہوتی تھی!

کچھ سوچ کر اُس نے سردار خان کی تمام جیبوں کی تلاشی لے ڈالی لیکن ساری جیبیں خالی ہی ملی تھیں۔ رحمت علی کے ذہن میں میڈم کی شخصیت بھی مشکوک ہو رہی تھی۔ ممکن ہے سردار خان کو اُس کے اغواء کے لئے میڈم ہی نے ٹریپ کیا ہو اور پھر بعد میں وہ بیچارہ تنظیم کے ہاتھوں مارا گیا۔ پہلے اُس نے ہاکس بے روڈ پر رونما ہونے والے حادثے کو حقیقت تصور کیا تھا، لیکن اب اُس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ ایک منظّم سازش کے تحت ہوا تھا۔ دنیا میں دولت ہی وہ سب سے بڑی طاقت ہے جو ہر شے کو خرید سکتی ہے۔ پھر سردار خان کا کسی لمبی آفر پر بِک جانا کوئی ایسی انہونی بات بھی نہیں تھی جس کے امکانات پر غور نہ کیا جا سکتا۔

رحمت علی کے ذہن میں میڈم برلاس، سردار خان اور خفیہ تنظیم کا تکون بڑی تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے اغواء میں ان تینوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ ضرور تھا...... لیکن وہ کون سا ہاتھ تھا؟...... سردار خان کو اُس کی کامیابی کے بعد موت کے گھاٹ

...ار دیا گیا؟ اُس کے اغواء کا سبب کیا تھا؟ جن لوگوں نے بھی اُسے اغواء کیا تھا وہ اُس ...چاہتے تھے؟ ابھی رحمت علی کا ذہن کسی آخری نتیجہ پر پہنچنے کے سلسلے میں قلابازیاں کھا ...کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک شخص جس نے چہرے پر ماسک چڑھا رکھا تھا ...کی ٹرے ہاتھ میں اُٹھائے اندر داخل ہوا۔ اُس کی حفاظت کے لئے دو گن مین بھی تھے ...دروازے کے قریب رُک گئے۔ اُن دونوں کے چہرے پر بھی ماسک کی جھلی صاف نظر آ رہی ...ٹرے لانے والے شخص نے کھانا زمین پر رکھ دیا اس لئے کہ اس کمرے میں فرنیچر نام کی ...چیز نہیں تھی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اُس نے سردار خان کے مُردہ جسم کو اس طرح اُٹھا کر ...کندھے پر ڈالا جیسے اب وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ سردار خان کی لاش اُٹھا کر وہ واپسی کے ...سے پلٹا ہی تھا کہ رحمت علی نے پوچھا۔

''تم لوگ کون ہو......؟''

''خادم......!'' اُس کا جواب مختصر تھا۔

''مجھے کس مقصد کے لئے اغواء کیا گیا ہے؟''

''ہمیں نہیں معلوم......''

''تمہیں یہ کھانا لے کر میرے پاس کس نے بھیجا ہے؟''

''ہم فضول باتوں کا جواب نہیں دیتے...... اُوپر سے یہی احکام جاری ہوئے ہیں کہ اپنے ...سے کام رکھا جائے۔''

''تم یہ کھانا بھی لے جا سکتے ہو...... مجھے بھوک نہیں لگی۔'' رحمت علی نے ٹرے کی سمت ...کیا جس کے اندر کسی بہترین قسم کے لنچ باکس میں موجود ہونے والی تمام اشیاء نہایت سلیقے ...سے رکھی گئی تھیں۔

''ہم دو گھنٹے بعد دوبارہ آئیں گے ٹرے واپس لے جانے کی خاطر۔'' اُس نے کسی ...روبوٹ جیسے انداز میں جواب دیا پھر لاش کو کندھے پر لئے باہر نکل گیا۔ دونوں گن مین بھی ...اُس کے جاتے ہی نکل گئے تھے۔ پھر دروازہ بند ہونے اور قفل لگنے کی آواز اُس کے کانوں ...سے ٹکرائی تھی۔

رحمت علی نے کھانے کی ٹرے کے قریب جا کر اُسے غور سے دیکھا۔ اُس کی سمجھ میں یہ ...نہیں آئی تھی کہ جب وہ دشمن کی قید میں پھنس چکا ہے اور چوہے دان سے باہر نہیں نکل سکتا ...تو اُسے اعلیٰ قسم کا لنچ باکس کیوں فراہم کیا گیا تھا؟ وہ اُسے وہاں کس مقصد سے لائے ...تھے، کیا چاہتے تھے؟ کیا وہ اُسے بھی اپنے کسی خطرناک گروہ کا آلہ کار بنانے کے خواہاں ...تھے، وہ گروہ کس قسم کا تھا؟ سردار خان بڑے کام کا آدمی تھا پھر اُس کی موت کس خطرے کے ...تحت واقع ہوئی تھی......؟

رحمت علی ٹرے کے قریب بیٹھا حالات پر غور کر ہی رہا تھا کہ کمرے میں ایک کھنکھناتی ہوئی

آواز اُبھری۔ ''کھانا ایک نعمت ہے رحمت علی! اور کھانے سے منہ پھیرنا کفرانِ نعمت ہے۔''

رحمت علی اُچھل کر کھڑا ہو گیا..... اُس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا، وہاں اُس کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا، جس کا مطلب یہی تھا کہ اُسے کمرے میں لگے ہوئے کسی خفیہ مائیک پر مخاطب کیا گیا تھا۔ آواز پورے کمرے میں گونجی تھی۔ اُس نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم کون ہو.....؟''

''مجھے اپنا دوست ہی سمجھو۔ دشمن ہوتا تو اس طرح بہترین لنچ سے تمہاری تواضع کبھی نہ کی جاتی۔''

''مجھے یہاں کس مقصد کے تحت لایا گیا ہے؟'' رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں دریافت کیا۔

''تمہیں یہ بھی بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال کھانا کھالو.....''

''ہو سکتا ہے کہ اِس کھانے میں.....''

''حماقت کی بات سوچ رہے ہو'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''اگر تمہاری موت ہمیں مقصود ہوتی تو اتنا بکھیڑا کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تمہیں راستے میں یا پھر بیہوشی کی حالت میں ختم کر کے کسی بھی سنسان اور ویران سڑک کے کنارے کسی کچرے کی بوری کی طرح پھینکا جا سکتا تھا۔''

''کیا تمہارا تعلق اُس خفیہ تنظیم سے ہے جس نے راجو اور نازو کو مرنے پر مجبور کیا تھا؟''

''ہاں..... میں تمہارے سوال کی تردید نہیں کروں گا۔''

''آئی سی.....'' رحمت علی اپنے اعصاب کو قابو کرتے ہوئے بولا۔ ''گویا تم مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہو؟''

''تم طاقت ور اور ٹھوس ارادوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو.....'' کمرے میں اُس کی آواز گونجی۔ ''سردار خان اور شہباز نے جن خطوط پر تمہاری ٹریننگ کی ہے، ہمیں ایسے ہی ہنرمند اور نڈر آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''سردار خان کو کس لئے ہلاک کیا گیا ہے؟''

''صرف اس لئے کہ اس کی اصلیت تمہاری میڈم کی نگاہوں میں آ گئی تھی۔ لیکن اُسے ہم نے نہیں مارا، اُس نے خود ہی اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر زندہ رہتا تو تمہارے ہاتھوں بھی مارا جا سکتا تھا۔''

''وہ کیوں.....؟'' رحمت علی نے حیرت سے پوچھا۔

''فی الحال صرف اتنا جان لو! کہ جو کام نازو کو سونپا گیا تھا اُس میں سردار خان بھی شریک تھا اور اس کی اصلیت میڈم پر بھی بے نقاب ہو چکی تھی۔''

''اوہ..... اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گرگے میڈم کے دفتر میں بھی موجود ہیں۔''

''تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے؟''

''میں.....'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تمہیں یہ خوش فہمی کس طرح ہو گئی کہ

تنظیم میں شامل ہو جاؤں گا؟''

''اس کا جواب آنے والا وقت دے گا..... ویسے ہمارے گروہ میں شامل ہونے سے تم نہیں بچ سکو گے۔'' خشک لہجے میں جواب ملا۔ ''ہم ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ تم مجبور ہو جاؤ گے۔''

''مجھے یہاں قید رکھ کر.....؟''

''نہیں.....'' ہم اس قسم کی گری ہوئی حرکت نہیں کرتے۔ تم راضی خوشی ہمارے پاس آنے پر مجبور ہو گے۔''

''کوئی خاص طریقہ.....؟''

''اس کی وضاحت قبل از وقت ہو گی۔''

''کیا یہ حقیقت ہے کہ میڈم برلاس تمہاری اصلیت سے واقف نہیں ہے؟''

''اس قسم کی باتوں کا جواب دینا میرے اصول کے خلاف ہے لیکن تم سے میڈم نے جو کہا ہے وہ غلط بھی نہیں ہے۔'' دوستانہ انداز میں کہا گیا۔ ''ہم ایک دوسرے سے بارہا مل چکے ہیں لیکن وہ مجھے تنظیم کے سربراہ کی حیثیت سے نہیں جانتی۔''

''مجھے خوشی ہوئی.....'' رحمت علی نے کہا۔ ''گویا میں اس وقت تنظیم کے سربراہ سے مخاطب ہوں۔''

''ٹھیک سمجھے..... تمہارے جیسے اہم آدمی سے صرف میں ہی مذاکرات کر سکتا ہوں۔''

''مجھے یہاں کب تک تمہارا مہمان رہنا ہو گا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''شاید اُس وقت تک جب تک میں تنظیم میں شمولیت کا اعلان نہ کر دوں۔'' رحمت علی نے کہا۔ وہ اب پوری طرح اپنے اعصاب پر قابو پا چکا تھا۔

''شمولیت کا اظہار کرنے کے بعد بھی تم تنظیم سے غداری کے مرتکب ہو سکتے ہو۔'' جواب ملا۔ ''نہیں..... ہم اس قسم کے اعلان پر یقین نہیں رکھتے بلکہ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ مطلوبہ آدمی خوشی خوشی ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

''گویا تم مجھے زیادہ دنوں تک قید نہیں رکھو گے۔''

''ہاں..... تمہیں صرف چوبیس گھنٹے بعد آزاد کر دیا جائے گا بالکل اُسی طرح جس طرح لایا گیا تھا۔''

''ایک سوال کر سکتا ہوں.....؟''

''پوچھو.....!''

''تم نے میڈم کو کس طرح قابو کیا ہے..... میرا مطلب ہے کہ وہ آسانی سے کسی کے زیر اثر آنے کی عادی نہیں ہے۔''

"سوری...... میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"ایک اہم بات اور......"

"وہ کیا......؟"

"تمہاری اس تنظیم کا بنیادی مقصد کیا ہے؟"

"انتشار پھیلانا......" اس بار بھی بڑی صاف گوئی سے جواب دیا گیا۔ "انتشار کی بنا انتظامیہ اور افراد کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لیتی ہے۔ اس کے سینکڑوں اور ہزاروں مقد اخذ کئے جاتے ہیں، حکومت کی مشینری پوری طرح حرکت میں آ کر مشتبہ لوگوں کی گرفتا شروع کر دیتی ہے اور ان کی اسی بوکھلاہٹ سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں......"

"ہمارے ساتھ رہو گے تو رفتہ رفتہ سب کچھ سمجھنے لگو گے۔ فی الحال تمہارے لئے یہی اشارہ کافی ہے کہ زیادہ بھیڑ بھاڑ میں فاسٹ ڈرائیونگ ممکن نہیں ہوتی، اس کے راستے کا صاف ہونا ضروری ہے۔"

"سمجھا......" رحمت علی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم اور میڈم مجھے ایک ہی راستے مسافر لگتے ہو۔"

"کسی حد تک تمہارا جواب درست بھی ہے۔"

"لیکن اپنا اُلو سیدھا کرنے کی خاطر بے گناہوں کی جان سے کھیلنا شرافت تو نہیں۔"

"تم نے ابھی تک صرف یہی سنا ہوگا کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے، اب کہاوت میں محبت اور جنگ کے ساتھ بزنس کا اضافہ بھی کر لو!"

"ناجائز تجارت......؟" رحمت علی نے سوال کیا۔

"اتنی جلدی نہیں مائی ڈیئر...... پہلے تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ، اس کے بعد تم ذہانت سے خود ہی بہت ساری باتیں سمجھ لو گے۔ البتہ تمہاری اطلاع کے لئے اتنا بتانا ضر سمجھتا ہوں کہ ہمارے ساتھ رہ کر مالی طور پر میڈم کی ملازمت سے کہیں زیادہ فائدے میں گے۔"

"اور اگر میں میڈم کی ملازمت چھوڑنے سے انکار کر دوں تو......؟"

"تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا...... میڈم کے ساتھ رہ کر تم ہمارے لئے زیادہ کارآمد ہو سکتے ہو۔ مجھے تمہارے اور میڈم کے نجی تعلقات کا بھی علم ہے۔"

"مجھے بھی اندازہ ہو چکا ہے کہ تم دوسروں کی کمزوریاں خرید کر اُن سے فائدہ اُٹھا لیکن میرے ساتھ ایسی کوئی کمزوری نہیں ہے۔"

"کیوں...... کیا تم نے اب تک میڈم کی خاطر متعدد غیر قانونی کام نہیں کئے؟"

"تم چونکہ صاف گوئی سے بات کرنے کے عادی ہو اس لئے میں بھی تمہاری

نہیں کروں گا۔ لیکن میں اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑنے کا رِسک نہیں لیتا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری۔"

"کیا مطلب......؟" اُس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"آج کے لئے صرف اتنی ہی گفتگو کافی ہے۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "میرے کے مطابق تمہیں ٹھیک چوبیس گھنٹوں کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں تنظیم میں شمولیت اختیار کرنے کے سلسلے میں سوچنے کی کچھ مہلت دی جائے گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری تمہارے اُوپر ہوگی...... فی الحال تم کھانا کھا لو...... خالی پیٹ رہو گے تو ذہنی ورزش نہیں کر سکو گے...... دیٹ اِز آل۔"

اس کے بعد رحمت علی نے کئی سوال کئے لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔

☆

میڈم بڑی بے چینی سے اپنے آفس میں ٹہل رہی تھی۔ اُس کی پریشانی کی وجہ سردار خان کا ردِعمل تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کے اس قدر اعتماد کا آدمی اُس کے دشمن کا ایجنٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اُس نے سردار خان کو ہٹ لسٹ پر لانے کے بعد اپنے آدمی کو کوڈ ورڈ میں ہدایت کی تھی کہ سردار خان کی گاڑی کے خفیہ حصے میں ریموٹ کنٹرول پلاسٹک بم لگا دیا جائے اور اُسے ہر پندرہ منٹ بعد سردار خان کی حرکات و سکنات کی رپورٹ ملتی رہے۔ اُس کے حکم کے مطابق اُسے گزشتہ ایک گھنٹے میں تین کالز موصول ہوئی تھیں اُس کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ سردار خان رحمت علی کی گاڑی میں بیٹھ کر ہاکس بے کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ بھی تشویش ناک تھی۔ اُسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اُس نے رحمت علی کو خفیہ فون کال کے فوراً بعد سردار خان کی اصلیت سے آگاہ کیوں نہیں کر دیا؟ تشویش کی دوسری وجہ یہ تھی کہ بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر اُس کے ذہن کے گوشے میں ایک سوال یہ بھی رہ رہ کر اُبھر رہا تھا کہ کہیں سردار خان اور رحمت علی دونوں ہی اس سازش میں شریک تو نہیں جو اُس کے دفتر کے اندر کی جا رہی تھی؟ لیکن اُس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ رحمت علی کو سردار خان کے اصلی روپ کا علم نہیں ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ نازو نے تنظیم کے اصول کے مطابق ہی خودکشی کی تھی۔ اگر رحمت علی اُس میں سردار خان کی طرح شریک نہ ہوتا تو اُسے نازو کی موت کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے تھا۔ سردار خان کے شریک کار ہونے کی صورت میں بھی اُسے میڈم کے ساتھ سخت اور طنزیہ باتوں سے گریز کرنا چاہئے تھا۔

بہرحال اس وقت میڈم کے ذہن میں تیز اور گرم آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ مختلف خیالات اُبھر کر آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ سردار خان کو ملازمت سے استعفیٰ دینے کے فوراً ہی رحمت علی سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟...... کیا وہ دونوں آپس میں اندر سے ایک تھے؟ اور اگر نہیں تو پھر سردار خان اُسے ہاکس بے کی طرف کیوں لے جا رہا تھا؟ اُسے

معلوم تھا کہ رحمت علی کے ملازم ہونے کے بعد اُس کے اپنے دائرۂ اختیار میں کمی آ جائے گی۔
ایسی صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ رحمت علی کو آئندہ دوست کی بجائے دشمن کی حیثیت سے
دیکھتا...... اُسے معلوم تھا کہ نازو کی سفارش پر ہی رحمت علی کو وہ عہدہ ملا تھا چنانچہ کہیں سردار
خان نے یہ نہ سوچا ہو کہ اس سے پہلے کہ رحمت علی کو اُس کے بارے میں علم ہو، اُسے کسی
کی طرح راستے سے ہٹا دیا جائے؟...... ممکن ہے اُس نے تنظیم کے اشارے پر رحمت علی کو
اغواء کرنے کی سازش مرتب کی ہو......؟

آخری بار اُس کے آدمی نے یہ بتایا تھا کہ اُس کے اور سردار خان کے درمیان سفید رنگ
کی کار آ گئی تھی جس کا نمبر بھی میڈم کو نوٹ کرا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے دونوں
گاڑیوں کے امکانی تصادم اور پھر بعد میں ہونے والی صورت حال سے بھی آگاہ کیا تھا۔
اس کے بعد سے میڈم کو صورت حال کا مطلق کوئی علم نہیں ہوا تھا۔ اور وہ دو گھنٹوں سے بڑی
شدت سے اُس کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سفید کار کے اُن آدمیوں کے بارے میں سوچ
رہی تھی جنہوں نے سردار خان اور رحمت علی کو اپنی گاڑی میں منتقل کیا تھا...... کیا وہ صرف
ڈرامہ تھا؟...... کیا اُنہیں اپنے تعاقب کی اطلاع مل گئی تھی؟ لیکن سفید رنگ کی کار کا اچانک
درمیان میں آ جانا کیا معنی رکھتا تھا......؟

ٹہلتے ٹہلتے میڈم نے فون کے قریب آ کر ریسیور اُٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔
رابطہ قائم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی، دوسری جانب سے کسی خاتون آپریٹر کی آواز سنائی
دی تھی۔

''ہمدانی سے بات کراؤ......'' میڈم نے تحکمانہ لہجہ اختیار کیا، پھر مطلوبہ شخص سے رابطہ
ہونے کے بعد اُس نے تیزی سے کہا۔ ''تم اس وقت زیادہ مصروف تو نہیں ہو؟ مجھے ایک
ضروری کام پیش آ گیا ہے۔''

''آپ حکم دیں میڈم......'' دوسری جانب سے کہا گیا۔

''مجھے ایک سفید رنگ کی کار کے بارے میں کچھ تفصیل درکار ہے۔'' اُس نے کار کا نمبر
بتاتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ جاننا چاہوں گی کہ اِس کار کا مالک کون ہے اور اُس کا ایڈریس کیا
ہے......؟''

''آپ انتظار کریں...... میں دس منٹ بعد آپ کو کال کروں گا۔''

''میڈم نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر ٹھیک دس منٹ بعد ہی اُسے ہمدانی کی کال ریسیو ہوئی
تھی۔ ''آپ نے جو نمبر بتائے ہیں میڈم! اس نمبر کی کار کا رجسٹریشن دو سال قبل منسوخ کر دیا
گیا ہے اس لئے کہ اُسے کھٹارا ہو جانے کے بعد کباڑی کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا۔ یہ
نمبر ابھی تک کسی دوسرے کو الاٹ نہیں ہوا۔''

''کار کا مالک اور ماڈل کیا تھا......؟'' میڈم نے ہاتھ ملتے ہوئے تیزی سے دریافت کیا۔

''وہ 1960ء کی فوکس ویگن تھی۔''

''نہیں......'' میڈم ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''وہ میری مطلوبہ کار نہیں ہے، جس کار کے
نمبر میں نے دریافت کئے تھے وہ 1992ء کی کرولا تھی......''

''پھر تو صاف ظاہر ہے کہ اُسے کسی سازش کے تحت غلط نمبروں سے چلایا جا رہا ہے......
لیکن بات کیا ہے؟''

''اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں دوبارہ فون کروں گی۔'' اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

سفید رنگ کی کار کے بارے میں معلومات حاصل کر لینے کے بعد اب اُسے یقین ہو گیا تھا
کہ رحمت علی کے ساتھ کوئی سازش ضرور ہوئی ہے۔ اُس کا ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹنا، پھر سفید
کار کا درمیان میں آنا اور سردار خان اور رحمت علی کو اُٹھا کر دوسری کار میں منتقل کرنا اِس بات کا
کھلا ثبوت تھا کہ رحمت علی سردار خان کی سازش میں شریک رہا ہوگا۔ اِس خیال نے میڈم کو حد
درجہ پریشان کر رکھا تھا، وہ بڑے غصے سے بار بار اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی اور کبھی ایک ہاتھ کا
مکا بنا کر دوسرے ہاتھ پر مارنے لگتی تھی۔

اچانک اُس کی دستی گھڑی پر جھینگر کی آواز کا سگنل ملا اور میڈم کی پیشانی پر ناگواری کی ان
گنت آڑی ترچھی لکیریں اُبھر آئیں۔ اُس نے گھڑی کی چابی کو ہلکا سا گھما کر تقریباً نو انچ
اوپر کی جانب کھینچ لیا۔ دراصل وہی تھری زیرو کی فریکوئنسی تھی جس کا علم غالباً سردار خان
کے ذریعے گمنام تنظیم کے سربراہ کو ہو گیا تھا۔ اس فریکوئنسی سے صرف اُس کے اعتماد کے تین
افراد رحمت علی، سردار خان اور شمشیر خان واقف تھے۔ شمشیر خان اُس شخص کا نام تھا جسے میڈم
نے سردار خان کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ وہ برلاس انٹر پرائز سے دُور ہی دُور رہ کر میڈم کے ہر
حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اُس کے بارے میں دفتر کے کسی آدمی کو علم نہیں تھا۔

''ہیلو......'' میڈم نے گھڑی کا فاصلہ منہ سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو تم اس وقت بڑی شدت سے میرے بارے میں سوچ رہی
ہوگی۔'' دوسری جانب سے اُس کے نادیدہ دشمن کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''کال کرنے کا مقصد کیا ہے......؟'' میڈم نے حقارت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

''اتنی بے رُخی بھی اچھی نہیں...... ہم بھی تمہارے چاہنے والوں میں سے ہیں۔ اگر نہ
ہوتے تو اب تک......''

''کام کی بات کرو......'' میڈم اُس کا جملہ کاٹتے ہوئے بولی۔ اُس کا چہرہ خون کی گردش
سے تمتما اُٹھا تھا اور ایسا صرف اُسی وقت ہوتا تھا جب وہ اپنے غصے کو برداشت کرنے سے مجبور
ہو جاتی تھی۔

''میں تمہیں ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔''

''بکو......'' وہ غرائی۔

"ان کو آتا ہے پیار پر غصہ اور مجھے غصے پہ......"

"میں اس وقت فضول بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"مجھے علم ہے کہ تم اس وقت صرف رحمت علی کے بارے میں سوچ رہی ہو۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا گیا۔ "پریشان مت ہو...... وہ اِس وقت میری قید میں ہے، لیکن خیریت سے ہے۔"

"اوہ......" میڈم نے چونکتے ہوئے کہا۔ "گویا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ سردار خان نے اُس پر بھی پشت سے وار کیا ہے۔"

"میں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ لیکن اب سردار خان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو!"

"یہ تمہارا مشورہ ہے یا......"

"درخواست ہے......" گھڑی کے ننھے مائیک پر وہی بھرائی ہوئی مردانہ آواز اُبھری۔ "میں نے تمہارا حساب برابر کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟" میڈم نے چونک کر سوال کیا۔

"سردار خان تمہاری نظروں میں آ گیا تھا اس لئے اب اُس کا کوئی مصرف میرے لئے باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اور شمشیر خان...... اُس کی جوان موت پر بھی مجھے واقعی دُکھ ہوا۔"

میڈم نے جواب دینے کی بجائے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے بھینچ لئے۔

"رحمت علی کے لئے پریشان مت ہو...... اُسے کل رات کسی وقت بھی آزاد کر دیا جائے گا۔"

"برین واشنگ......؟" میڈم نے تلملا کر پوچھا۔

"نہیں...... یہ ٹیکنیک بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اور میں جدید طریقوں پر کام کرنے کا عادی ہوں۔ رحمت علی کو پہلے اس پر غور کرنے کا موقع دیا جائے گا کہ وہ ہنسی خوشی تنظیم میں شریک ہونے پر آمادگی کا اظہار کر دے۔ انکار کی صورت میں اُسے مجبور کر دیا جائے گا، بالکل اُس انداز میں جس طرح تم میرے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو۔"

"شٹ اَپ......" میڈم حلق کے بل چیخی۔ "میں بیہودگی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"میں بھی تم سے تفریح لے رہا تھا، ورنہ تم جیسی عورتوں کو زیادہ منہ لگانا میرے اصول کے خلاف ہیں۔"

"کیا تم رحمت علی سے میری بات کرا سکتے ہو......؟" میڈم نے گفتگو کا رُخ بدل کر کہا۔

"اتنی بے چینی بھی اچھی نہیں...... میری بات پر اعتماد کرو! اُسے کل رات تک آزاد کر دیا جائے گا۔ اور ہاں...... کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تنظیم میں ہنسی خوشی شمولیت اختیار کرنے کے بعد بھی وہ برلاس انٹر پرائز سے منسلک رہے......؟"

"آنے والا وقت ہی بتائے گا۔" میڈم نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے تمہارا چیلنج پسند آیا۔ لیکن ایک بات دھیان میں رکھو...... اگر تم نے رحمت علی کے بیچ میں آڑے آنے کی کوشش کی تو اس کی سزا بھی تمہیں نہیں بلکہ رحمت علی کو ہی بھگتنی پڑے گی۔ تم جانتی ہو کہ میری لغت میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"سنو...... میں رحمت علی کے سلسلے میں تم سے سودا کرنے کو تیار ہوں......" میڈم نے تلملا کر کہا۔

"سوری...... میں تم سے کوئی سودے بازی نہیں کر سکتا۔"

"گھبراتے ہو یا میری شخصیت سے خوفزدہ ہو......؟"

"میں نے تمہیں کچھ چھوٹ دے رکھی ہے جو اس قسم کی بات کر رہی ہو...... آئندہ حسب مراتب کا خیال رکھنا۔ تم چاہو تو اسے میری طرف سے وارننگ بھی سمجھ سکتی ہو۔"

پھر میڈم "ہیلو...... ہیلو" کرتی رہ گئی لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا، میڈم نے جھلا کر گھڑی کی چابی کو اُس کی اصلی حالت میں واپس کیا، پھر کسی چوٹ کھائی شیرنی کی طرح دوبارہ ٹہلنے لگی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد اُس نے کچھ سوچ کر رحمت علی کے گھر فون کر کے اُس کی بیوی کو اطلاع دی کہ وہ ایک ضروری کام سے شہر سے باہر گیا ہے اور اُس کی واپسی کل رات تک ہو گی۔

☆

رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے کا عمل تھا، کمال احمد ابھی تک اپنی خوابگاہ میں بستر پر نیم دراز تھے۔ شام سے وہ سردار خان کو کوئی تین بار فون کر چکے تھے لیکن ہر بار یہی جواب ملتا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔

نازو کی موت نے کمال احمد کو تنظیم کے سربراہ سے بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا لیکن وہ اپنی بغاوت کا برملا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نازو کو شائلہ کے سلسلے میں جس کام پر لگایا گیا تھا اس کی اطلاع اُنہیں مطلق نہیں دی گئی تھی ورنہ شاید نازو کو خودکشی جیسے آخری اقدام کا فیصلہ نہ کرنا پڑتا۔ مگر اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

انتقام کی آگ کمال احمد کو اندر ہی اندر جھلسا رہی تھی۔ اُنہوں نے ایک بار پھر سردار خان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار بھی وہی جواب ملا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ پھر معاً کمال احمد کے ذہن میں ایک خیال تیزی سے اُبھرا...... کہیں سردار خان کو بھی نازو کی طرح راستے سے ہٹا تو نہیں دیا گیا......؟ اس خیال کے ذہن میں اُبھرتے ہی اُنہوں نے واجد کے نمبر ڈائل کئے۔

"ہیلو......" دوسری جانب سے واجد نے ہی کال ریسیو کی تھی۔

''میں کمال احمد بول رہا ہوں۔'' کمال احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہمیں نازو کے سلسلے میں افسوس ہے۔ لیکن اگر وہ پولیس کی حراست میں جانے کے بعد زبان کھول دیتی تو تنظیم کے بہت سارے لوگ قانون کی نظروں میں آ جاتے۔''

''جو ہونا تھا ہو چکا......'' کمال احمد نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا، پھر بولے۔ ''فیکٹری میں نازو کے ساتھ اور کون تھا؟''

''سردار خان......''

''مجھے اُسی کی تلاش ہے۔'' کمال احمد نے بڑی خوبصورتی سے کہا۔ ''حالات کے پیش نظر کچھ دنوں کے لئے اُس کا بھی انڈر گراؤنڈ ہی جانا بہت ضروری ہے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں جناب! سردار کو بالکل ہی انڈر گراؤنڈ کر دیا گیا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''انسپکٹر زیدی نے کسی حد تک اُس کا سراغ لگا لیا تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ بچ بھی جاتا اس لئے کہ ٹیکسی کی چوری کی اطلاع بارہ گھنٹے پہلے ہی درج کرائی جا چکی تھی۔ لیکن شاید اُس نے اپنے بچاؤ کی خاطر بذاتِ خود ایسا راستہ اختیار کر لیا جو تنظیم کے خلاف جا سکتا تھا۔''

''میں تفصیل جاننا پسند کروں گا۔'' کمال احمد نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''سردار خان نے میڈم کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اور اس کے بعد اُس نے رحمت علی کے ساتھ غالباً ساز باز کرنے کی حماقت کی تھی جس کا علم کسی طرح بِگ باس کو ہو گیا اور نتیجے کے طور پر اُن دونوں کو فارم ہاؤس پہنچا دیا گیا۔''

''تمہیں اِس کا حکم کس کی جانب سے ملا تھا؟''

''بِگ باس نے کال کیا تھا۔''

''کیا ضروری ہے کہ وہ کال بِگ باس ہی کی ہو......؟'' کمال احمد نے تیزی سے سوال کیا۔ ''زیادہ تر احکامات تو میری جانب سے ملتے ہیں اور تمہارے اور سردار خان کے علاوہ میری شخصیت کا تنظیم کے ساتھ میل جول بھی کسی اور کو نہیں معلوم۔ ایسی صورت میں کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ فون......''

''پہلے ہمیں بھی اِس بات کا شبہ ہوا تھا لیکن مخصوص کوڈ اور فارم ہاؤس کے حوالے سے ہمیں یقین آ گیا کہ وہ بِگ باس ہی ہوسکتا ہے جو ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہے۔''

''سردار خان نے کیا بِگ باس کو اطلاع دیئے بغیر ہی میڈم کی ملازمت چھوڑ دی تھی؟'' کمال احمد نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''مجھے تفصیل نہیں معلوم، لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ سردار خان تنظیم کا ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے میڈم کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔''

''غوری اور جمشید کو ایسی صورت میں فی الحال کسی ایکشن سے دُور ہی رکھنے کی ضرورت

ہے۔ میرا مطلب ہے سردار خان نے جوش میں آ کر میڈم کو اُن کی اصلیت سے بھی آگاہ کر دیا ہو......''

''اِس کے بارے میں بِگ باس ہی کو بہتر معلوم ہو گا۔''

''سردار خان کی موت ہی ہمارے حق میں بہتر تھی، لیکن رحمت علی......'' کمال احمد نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ ''اُس کا کیا بنا؟''

''ہمیں اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ زندہ ہے گا۔''

''کوئی خاص سبب......؟''

''بِگ باس شروع دن سے اُس کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہے، خیال یہ ہے کہ اُسے بھی تنظیم میں شامل کیا جائے گا۔''

''کیا وہ آسانی سے رضا مند ہو جائے گا؟''

''بِگ باس کی لغت میں رعایت، رحم اور ناممکن کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ وہ چاہے تو ایسے حالات پیدا کر سکتا ہے کہ رحمت علی کے فرشتے بھی ہاتھ جوڑ کر تنظیم کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔''

''مجھے معلوم ہے، بِگ باس عظیم ہے۔'' کمال احمد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے بدستور سنجیدگی برقرار رکھا۔

''کیا آپ کو ابھی تک باس کی جانب سے کوئی اطلاع نہیں ملی؟''

''نہیں...... شاید اُس نے نازو کی وجہ سے مجھے وقتی طور پر ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔''

''ہوسکتا ہے......''

''بہر حال! تم دونوں کو فی الحال محتاط رہنے کا مشورہ دینا میرا فرض ہے۔'' کمال احمد نے کہا۔ ''خاص طور پر چینا کو...... وہ بہت جلد اپنی کھوپڑی سے آؤٹ ہو جاتا ہے۔''

''ممکن ہے باس کو اُس کی یہی خوبی پسند ہو جو ابھی تک وارننگ دینے کے باوجود چینا کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی، ویسے ایک بات میں بھی مانتا ہوں، چینا کی کھوپڑی جتنی چھوٹی ہے اُس کا دماغ اُتنا ہی تیز اور برق رفتار ہے۔ اُس نے متعدد موقعوں پر بہت دُور ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی اور پھر بازی ہمارے حق میں پلٹ گئی۔''

''میں اُس کی صلاحیتوں کی تعریف بِگ باس سے بھی سن چکا ہوں، لیکن شمائلہ اور میجر آفتاب کا معاملہ بے حد سنگین نوعیت کا ہے، اس لئے ہمارا محتاط رہنا ضروری ہے۔''

''جب تک سانس تب تک آس۔'' دوسری جانب سے لاپرواہی سے کہا گیا۔ ''موت کا جو وقت، جس وقت مقدر میں لکھی جا چکی ہے اُسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔''

"ٹھیک ہے...... لیکن اس کے باوجود میرا مشورہ ہے کہ جب تک بگ باس یا میری طرف سے کوئی حکم نہ ملے تم اور چینا صرف اپنے گھر تک ہی محدود رہنا۔"

"ایز یو وِش سر......"

کمال احمد نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ انہیں سردار خان کی موت سے زیادہ اب رحمت علی کے بارے میں تشویش تھی۔ سردار خان کے بعد اب وہی اُن کے کام آ سکتا تھا، اُنہیں معلوم تھا کہ رحمت علی کی شریانوں میں خون کی بجائے پگھلا ہوا سیسہ دوڑتا ہے۔ اُس کی ہڈیاں آہنی سلاخوں سے بھی زیادہ مضبوط تھیں اور بازی پلٹنے میں تو اُس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کا اعتراف ہیلتھ کلب کے گرینڈ ماسٹر نے اُسے ضروری ٹریننگ دینے کے بعد کیا تھا...... کمال احمد کو یہ بھی معلوم تھا کہ بگ باس کے ہاں ناممکن کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا، وہ اگر چاہتا تو رحمت علی کو بھی اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے کے بعد زیر کر سکتا تھا۔ تنظیم میں سردار خان کی شمولیت بھی کچھ ایسے ہی انداز میں ہوئی تھی، اُس کے بوڑھے باپ کو اغواء کر لیا گیا تھا، پھر سردار خان کو ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس کے عوض اُس کے باپ کی رہائی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ سردار خان کو باپ کی جان بچانے کی خاطر وہ قتل کرنا پڑا جس کی تمام شہادتیں مع مووی تیار کرنے کا بندوبست پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ پھر باپ کی رہائی کے بعد سردار خان کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ تنظیم میں شمولیت اختیار کر لے۔ رحمت علی کو بھی ساتھ ملانے کی خاطر شروع سے پاپڑ بیلے جا رہے تھے۔ اُسے تنگ دستی کے حالات تک پہنچانے کی تمام تر ذمہ داری بگ باس ہی کے سر تھی۔ پھر اُسے نازو کے ذریعے برلاس انٹر پرائز تک پہنچایا گیا، اور اب اُسے باقاعدہ ٹریپ کرنے کی خاطر فارم ہاؤس پہنچا دیا گیا تھا۔

فارم ہاؤس کے بارے میں کمال احمد کو صرف اسی حد تک معلوم تھا کہ وہ ملیر کے کسی دیہی علاقے میں زیرِ زمین واقع ہے لیکن اس کی صحیح لوکیشن کا علم واجد اور چینا کے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ یقیناً کوئی ایسی ہی خاص بات تھی جو فارم ہاؤس کے سلسلے میں بگ باس نے کمال احمد کے مقابلے میں واجد اور چینا کو ترجیح دی تھی۔

بہرحال اس وقت رحمت علی کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد کمال احمد کو تشویش کے علاوہ اُمید کی ایک اور کرن نظر آ رہی تھی، وہ رحمت علی کو تنظیم کے خلاف اُکسا سکتا تھا، اُسے یقین تھا کہ نازو کی وجہ سے رحمت علی اُس کے خلاف نہیں جائے گا۔ خود کمال احمد نے بھی رحمت علی کو ایک بار پولیس کی تحویل سے چھڑا کر اپنا ممنون احسان کر لیا تھا۔

ایس پی رحمان سے بھی کمال احمد کی گہری واقفیت تھی لیکن فی الحال وہ اُسے تنظیم کے خلاف نہیں بھڑکا سکتا تھا۔ بگ باس کے پاس لامحدود ذرائع موجود تھے اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اُس کے خلاف اگر کہیں کوئی پتا بھی کھڑکتا تو اُسے علم ہو جاتا تھا۔ بغاوت کی بُو

...موت اور وہ بھی عبرتناک موت سے کم نہیں تھی......

کمال احمد کا ذہن شعلوں کی تپش سے بھڑک رہا تھا، پھر معاً اُس کے ذہن میں ایک نیا نکتہ تیزی سے اُبھرا...... کیوں نہ وہ خود الگ رہ کر میڈم برلاس اور بگ باس کو لڑا دے...... اُسے معلوم تھا کہ میڈم بگ باس سے خود نہیں ملی تھی، حالات نے اُسے وقتی طور پر اُن کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میڈم کو بگ باس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو وہ اُسے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گولی مار دینے سے دریغ بھی نہیں کرے گی۔ کمال احمد برلاس انٹر پرائز کا قانونی مشیر بھی تھا اس لئے وہ نازو کی موت کا سہارا لے کر میڈم کو اپنا ہم خیال با آسانی بنا سکتا تھا۔ ابھی وہ میڈم کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو...... کمال احمد۔" اُس نے ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"سردار خان کے سلسلے میں تمہاری تشویش کا مقصد کیا ہے؟" دوسری طرف سے بگ باس ...ن تھا۔

"نازو کے بعد پولیس تفتیش کرتی ہوئی وہاں تک بھی جا سکتی تھی چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اُسے محتاط کر دُوں۔"

"پریشان مت ہو...... پولیس اگر سردار خان کے گھر تک پہنچی بھی تو اُسے وہاں اُس کی لاش بھی نہیں ملے گی۔" سرد مہری سے کہا گیا۔ "ہارٹ فیل ہو جانے کے سبب سردار خان اپنی کار میں مُردہ پایا گیا ہے۔ اس وقت صدر تھانے کی تحویل میں اُس کی لاش موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک ایس پی رحمان کو اس کی اطلاع بھی مل چکی ہو، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ مرنے والوں کے سلسلے میں، میں زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میں جانتا ہوں سر......"

"مجھے خوشی ہے کہ نازو کی المناک موت کے غم کے باوجود تمہیں تنظیم کا خیال ہے۔ لیکن ایک بات میں پسند نہیں کرتا، بغیر میری اجازت کے آئندہ گروہ کے کسی آدمی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"لیکن میں......"

"جتنا کہا گیا ہے صرف اسی پر غور کرو...... ویسے بھی فی الحال تمہیں ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔" دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا اور کمال احمد نے اتنی شدت سے دانت پر دانت رکھ کر اپنے غصے کا اظہار کیا کہ اُس کے جبڑے بھی سوج اُٹھے تھے......

واجد سے اُس کی گفتگو کا علم اتنی جلدی بگ باس کو کیسے ہو گیا؟ جبکہ اُس کا خاص نمبر تنظیم کے کسی فرد کو بھی نہیں معلوم تھا...... کمال احمد بڑی سنجیدگی سے اِس بارے میں غور کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆

رحمت علی نے کروٹ بدلی تو نیچے گرتے گرتے بچا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھا، ایک لمحے کو اُس کی عقل چکرا کر رہ گئی۔ آنکھیں پھاڑے وہ اس طرح ماحول کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کھلی نگاہوں سے کوئی سہانا خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ اِس وقت دشمن کی قید میں نہیں اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تھا اور گاڑی اُس کے گھر سے قریب ہی ایک قدرے سنسان علاقے میں کھڑی تھی۔ کچھ دیر تک وہ پھٹی پھٹی نظروں سے حالات کا جائزہ لیتا رہا، پھر رفتہ رفتہ اُس کے اعصاب کا کھنچاؤ کم ہوا تو اُس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔

وہ تنظیم کے سربراہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد اُسے حسب وعدہ آزاد کر دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنی جیبوں کی تلاشی لی، ہر وہ چیز جو اغواء ہونے سے پہلے اُس کے پاس موجود تھی اس وقت بھی اُس کی تحویل میں تھی۔ آٹو میٹک ریوالور میں بھرا ہوا چیمبر بھی جوں کا توں نظر آ رہا تھا۔ اُس نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا، پھر اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ اُس نے گاڑی سٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ گھر کی سمت چل پڑا۔ اُس کے ذہن میں تنظیم کے سربراہ کے بارے میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اُس نے پہلے سردار خان کے ذریعے اُسے اغواء کرایا، پھر سردار خان کو ٹھکانے لگا دیا اور اُسے پیشکش کی گئی کہ وہ تنظیم میں شمولیت اختیار کر لے، انکار کی صورت میں ایسے حالات پیدا کرنے کے بارے میں کہا گیا تھا جو اُسے مجبوراً تنظیم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ ''وہ حالات کیا ہو سکتے ہیں......؟'' اُس نے سوچا۔ اُسے دوبارہ اغواء کر کے اُس پر سختی کی جائے گی یا پھر اُسے مجبور کرنے کی خاطر اُس کے بیوی یا بچے کو اغواء کیا جائے گا؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے آنے والے کل کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ لیکن ایک بات اُس نے بہرحال طے کر لی تھی کہ وہ سربراہ کے اشاروں پر کبھی ناچنے کو آمادہ نہیں ہو گا اور اگر حالات نے اُسے مجبور کیا تو وہ تنظیم کے لئے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو گا۔ وہ آہنی ارادوں کا مالک تھا۔ زبردستی کے احکامات کی تعمیل کرنا اُس کے اصول کے خلاف تھا۔ اُس نے غربت کے دنوں میں بھی کبھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ مر سکتا تھا لیکن اپنی آزادی کو کسی بھی قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے بھی طے کر لیا تھا کہ اب وہ تنظیم کے سربراہ کو بے نقاب کرنے کی خاطر اپنی سی کوشش ضرور کرے گا۔ جو انسان اپنا مقصد پورا کرنے اور راستہ صاف کرنے کی خاطر بم کے دھماکے کرتا تھا، ہزاروں بے قصور اور معصوم

بےگناہوں کا خون کرتا تھا، وہ انسان نہیں صرف درندہ کہلانے کا مستحق تھا اور درندوں کا شکار ہر ایک کے لئے جائز تھا۔

بڑی دیر تک وہ اپنے ذہن کو اپنے فیصلوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتا رہا، پھر اُس نے تمام خیالات ذہن سے جھٹک دیئے، صرف محتاط رہنے اور ہر قدم پھونک پھونک کر اُٹھانے کا مشورہ دے کر اُس نے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ دس منٹ بعد وہ گھر میں داخل ہوا تو عذرا کا موڈ آف تھا۔ یہ ہونا بھی چاہئے تھا، اس لئے کہ پہلے اُس نے کبھی اطلاع دیئے بغیر گھر دیر سے آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اور آج تو پورے دو دن اور ایک رات کے بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے......'' اُس نے عذرا کے قریب جا کر محبت سے پوچھا۔ ''بہت ناراض ہو۔''

''نہیں......'' وہ خفگی سے بولی۔ ''میں بھلا تیری کون ہوتی ہوں ناراض ہونے والی؟''

''تم...... میری زندگی ہو، میری رُوح ہو۔''

''اگر تو یہی سب کچھ سمجھتا تو میری بات مان لیتا۔''

''کون سی بات......؟''

''یہی کہ اب بھی واپس اپنی اُسی دنیا میں لوٹ چل! جہاں تنگی اور ترشی کے باوجود کم از کم سکون تو تھا۔''

رحمت علی مسکرایا۔ وہ عذرا کو بھلا کیسے سمجھا سکتا تھا کہ اب وہ اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اُس کی واپسی خود اُسکے اختیار سے بھی باہر ہو چکی ہے۔

''دراصل مجھے ایک بہت ہی ضروری کام پیش آ گیا تھا۔''

''اتنا ضروری کام تھا کہ تو خود اپنے ہاتھوں سے فون پر دو بول بھی نہیں کہہ سکتا تھا؟'' عذرا نے اُسے تیکھی نگاہوں سے گھورا۔

''تو سمجھنے کی کوشش کر میری جان...... کبھی کبھی انسان اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ......''

''وہ عورت کو خود نہیں بلکہ دوسری عورتوں سے فون کراتا ہے...... یہی ہے تیری محبت؟''

''دوسری عورت......؟'' رحمت علی چونکا۔

''ہاں...... وہی جو تیری میڈم ہے۔ جانے کیا لگتی ہے تیری؟''

''تجھے میڈم نے فون کیا تھا......؟''

''ہاں...... اُسی نے کہا تھا کہ ایک ضروری کام سے باہر گیا ہے اور واپسی میں ایک دن لگ سکتا ہے۔'' عذرا نے اُسے گھورا۔ ''سچ بتا رحمتے! یہ میڈم تیری کیا لگتی ہے؟''

''باس...... یعنی مالکن...... جس کے ہاں میں ملازمت کرتا ہوں۔''

''رحمتے......'' عذرا نے بڑے بھولپن سے سوال کیا۔ ''تو عورت کی ملازمت کرتا ہے؟''

''تیرا تو دماغ چل گیا ہے۔'' رحمت علی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں جس کمپنی

میں کام کرتا ہوں اُس کی مالکن وہی ہے۔''

''تب ہی تو اُس کے ضروری کام سے رات رات بھر گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔'' عذرا جل کر بولی۔

''عذرا...... کیا تجھے اب اپنے رحمتے پر اعتماد نہیں رہا......؟''

''وہ تو ہے لیکن......''

''اب یہ باتیں چھوڑ...... کچھ کھانے کا بندوبست کر! مجھے بڑی زور سے بھوک لگ رہی ہے۔''

''رحمتے...... تو میری بات کیوں نہیں سمجھتا؟ کیا رکھا ہے اتنی ساری دولت حاصل کرنے میں......؟''

''اچھا بابا اچھا...... اپنی فرزانہ کے ہاتھ دُھوم دھام سے پیلے کر لینے دے، پھر تو جیسا کہے گی ویسا ہی کروں گا۔'' رحمت علی نے اُسے جھوٹی تسلی دی۔

''ابھی تو وہ خیر سے سولہویں میں لگی ہے اور میں اٹھارہ سال سے کم عمر میں اُس کی شادی نہیں کروں گی۔'' عذرا نے غور کرتے ہوئے کہا۔ ''کچی عمر کی شادی کا انجام اچھا نہیں ہوتا...... مجھ ہی کو دیکھ لے! تیری باندی بن کر رہ گئی ہوں۔ چار جماعت پڑھی ہوتی اور تھوڑی سی عقل ہوتی تو شروع سے ہی تجھے قابو میں رکھتی......''

''اب بھی تو میں تیرے ہی قابو میں ہوں۔''

''خاک......'' عذرا نے مسکرا کر کہا اور کچن میں کھانا تیار کرنے چلی گئی۔

رحمت علی کا ذہن اب میڈم کے بارے میں اُلجھ رہا تھا۔ اُسے کس طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ میری واپسی میں ایک دن لگے گا؟ کیا اُسے میرے اغواء کا علم تھا......؟ کیا سردار خان نے اُسی کے اشارے پر اُسے دشمنوں کے حوالے کیا تھا؟ لیکن پھر سردار خان کو کس جرم کی سزا ملی تھی؟ کیا وہ سب کچھ محض اُلجھاؤ پیدا کرنے کے لئے کیا گیا تھا؟ کیا میڈم نے اُسے محض تاریکی میں رکھنے کی خاطر کہا تھا کہ وہ تنظیم کے سربراہ سے ناواقف ہے؟ اگر ایسا نہیں تھا تو پھر اُسے اُس کے اغواء ہونے اور ایک دن بعد واپسی کی اطلاع کس طرح ہو گئی تھی؟ اور تنظیم کا سربراہ؟ اُسے پل پل کی خبر کس طرح مل جاتی تھی؟ کیا اُس کی معلومات کا ذریعہ میڈم تھی یا پھر سربراہ نے اپنے تمام ممبروں کے پاس ایسی چیزیں چھوڑ رکھی تھیں جو اُسے ایک ایک سیکنڈ کی باتوں سے آگاہ کرتی رہتی تھیں......؟ آخری خیال کے آتے ہی رحمت نے چونک کر اپنی دستی گھڑی کی جانب دیکھا جو نازو نے اُسے تحفتاً دی تھی۔ ''کیا گھڑی میں کوئی ایسا طاقتور میکنزم موجود ہے جو اُس کی ہر بات کو کسی خاص فریکوئنسی کے لئے نشر کرتا رہا ہے؟ ممکن ہے میڈم کے پاس بھی کوئی ایسی ہی چیز ہو جس کی حقیقت سے وہ لاعلم ہو۔ میڈم برلاس نے ایک بار حیرت سے کا اظہار بھی کیا تھا کہ اُس کا نادیدہ دشمن حیرت انگیز اور پُراسرار صلاحیتوں کا مالک ہے

کی خبر ملتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کے سربراہ کو میڈم اور اُس کی دوستی کا علم ہو اور نے میڈم کو اغواء کے بارے میں بتایا ہو اور میڈم نے عذرا کی پریشانی کے پیش نظر اُس کی واپسی کے بارے میں تسلی دینے کی کوشش کی ہو...... سب کچھ ممکن ہو سکتا تھا۔ اور اسی کے پیش نظر رحمت علی نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ اپنے سائے سے بھی محفوظ رہنے کی کوشش کرے گا۔ اُسے ایک ہی محاذ پر کئی دشمنوں سے نمٹنا تھا لیکن ابھی تک دشمنوں کی فہرست کے پاس نہیں تھی۔ وہ باتھ رُوم سے منہ دھو کر نکلا تو فون کی گھنٹی سن کر رُک گیا۔ ایک لمحے نے فون کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر کچھ سوچ کر اُس نے ریسیور اُٹھایا۔

''ہیلو......!''

''میں بول رہی ہوں۔'' دوسری جانب سے میڈم برلاس کی آواز سنائی دی۔ ''تم کب آئے......؟''

''زیادہ دیر نہیں ہوئی۔'' رحمت علی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ واپس آ گئے۔''

''آپ کو میری واپسی کا علم کس طرح ہو گیا؟'' رحمت علی کے انداز میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔

''مجھے تنظیم کے سربراہ نے تمہارے اغواء اور رہائی کی اطلاع دی تھی۔'' میڈم نے وضاحت کی۔ ''کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں کہاں رکھا گیا ہے۔''

''ایسی صورت میں آپ کیا کر سکتی تھیں......؟''

''میں تمہاری آزادی کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتی تھی۔'' میڈم کے لہجے میں خلوص اور اپنائیت تھی۔

''اس کا ثبوت تو آنے والا وقت ہی دے سکے گا۔''

''تم جب چاہو آزما کر دیکھ لینا!''

''اور کوئی خاص بات......؟'' رحمت علی نے بدستور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''میں اپنی غلطی کی معافی چاہتی ہوں۔'' میڈم نے کہا۔ ''جس وقت تم میرے کمرے میں موجود تھے، مجھے اُسی وقت سردار خان کی غداری کے بارے میں علم ہو گیا تھا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے اپنے کسی آدمی کو ہٹ لسٹ کے بارے میں ہدایت دی تھی، میرا اشارہ سردار خان ہی کی طرف تھا۔ کاش! میں نے تمہیں اُسی وقت سردار خان کی اصلیت سے آگاہ کر دیا ہوتا۔ بہرحال اب وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچ چکا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرا ایک خاص آدمی مارا گیا۔''

''کون......؟''

''وہی جس کو میں نے سردار خان کے بارے میں ہدایت کی تھی۔''

''سردار خان کی موت کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی......؟''

''میرے اُسی نادیدہ دشمن نے مجھے تمہارے اغواء اور سردار خان کی موت کی اطلاع دی تھی۔ اُسی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ تمہیں چوبیس گھنٹے بعد چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے بعد ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ تم خوشی خوشی اُس کی پیشکش قبول کرلو گے...... وہ بڑا کمینہ خصلت ہے، اپنے مطلب کی خاطر کچھ بھی کرسکتا ہے۔''

''بعد میں دیکھا جائے گا۔'' رحمت علی نے لاپرواہی سے کہا۔ ''ابھی سے ذہن کو پریشان کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟''

''میں تم سے فوراً ملنا چاہتی ہوں، کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ مجھے ایک دو دن آرام کی ضرورت ہے۔ اسی دوران مجھے تنظیم میں شمولیت کا فیصلہ بھی کرنا ہے۔'' رحمت علی نے ٹٹولنے والا انداز اختیار کیا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میری بیوی یا بچوں کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچے۔''

''کیا اُس نے تم سے کچھ کہا تھا؟'' میڈم نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں...... میں محض امکانی شبہات کے پیش نظر سوچ رہا ہوں۔''

''ہوسکتا ہے...... لیکن اچھا کیا جو تم نے مجھے بروقت آگاہ کردیا۔'' میڈم ٹھوس آواز میں بولی۔ ''تم پریشان مت ہو! تمہاری بیوی اور بچوں کا ذمہ میں لیتی ہوں۔ میں اپنے بہترین اور جانثار آدمیوں کو ان کی حفاظت پر مامور کردوں گی۔''

''شکریہ......'' رحمت علی نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔ ''مجھے جو فیصلہ کرنا ہے اس میں کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے جو آفر دی گئی ہے وہ بہت پُرکشش ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' میڈم برلاس نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم میرے دشمن سے مل جاؤ گے؟''

''کام کی نوعیت ایک ہی ہے...... فرق کیا پڑے گا؟'' رحمت علی نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا، پھر فون بند کرکے اپنی دستی گھڑی کو معنی خیز نظروں سے گھورنے لگا۔

☆

رحمت علی نے اپنی گاڑی پورٹیکو میں کھڑی کی، پھر چوکیدار کو بلا کر ایک بند لفافہ اُسے تھما دیا۔ راستے بھر وہ بڑی ہوشیاری سے دیکھتا آیا تھا کہ کہیں اُس کا تعاقب تو نہیں ہورہا؟ اُس نے گاڑی کو بلاوجہ کبھی سست اور کبھی تیز کیا تھا۔ وہ مختلف راستوں پر بلامقصد گاڑی دوڑاتا رہا تھا، پھر میڈم کے بنگلے کا رُخ اُس نے اُسی وقت کیا تھا جب پوری طرح یقین ہوگیا تھا کہ اُس کا تعاقب نہیں کیا جارہا۔ اُس نے میڈم کے نام جو لفافہ اندر بھیجا تھا اُس میں ایک مختصر پیغام درج تھا۔

''خاموشی کے ساتھ تمام زیورات اور دستی گھڑی اُتار کر آجائیں! مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ اس ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ چوکیدار سے بھی گفتگو سے پرہیز کریں...... رحمت علی۔''

اُس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس کا عمل تھا لیکن میڈم برلاس اُس کا پیغام پڑھتے ہی آگئی۔ رحمت علی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر لان کے ایک گوشے میں جانے کے بعد بولا۔

''کیا آپ اس وقت میرے ساتھ باہر چل سکیں گی؟ لیکن کار میں نہیں، ٹیکسی میں۔''

''ٹیکسی میں کیوں......؟'' میڈم نے حیرت سے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ سردار خان نے آپ کی کار میں بھی کوئی ایسا آلہ لگا رکھا ہو جس کے ذریعے ہماری باتیں کوئی تیسرا آدمی بھی سن سکتا ہے۔''

میڈم نے تعجب اور حیرت سے رحمت علی کو دیکھا۔ اس میں بناوٹ یا تصنع نہیں تھا، پھر اُس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک منٹ انتظار کرو...... میں گیراج سے وہ گاڑی نکالتی ہوں جسے میں شاذ و نادر ہی استعمال کرتی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اُس میں تمہارے شبہے کے مطابق ایسی کوئی چیز نہیں ہوگی جس سے ہماری گفتگو کہیں سنی جاسکے۔''

''اس کے باوجود میں محتاط رہنا پسند کروں گا۔ گاڑی میں ہمارے درمیان صرف عام باتیں ہوں گی۔ ہم سمندر کے کنارے چلیں گے۔ وہاں گاڑی سے دُور ہونے کے بعد ہی اصل گفتگو ہوگی۔ آپ کو بھی احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔''

میڈم نے ایک بار پھر حیرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا، پھر جاکر اپنی دوسری گاڑی گیراج سے نکال لائی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ سمندر کے کنارے موجود تھے، پھر گاڑی سے اُتر کر کافی دُور جانے کے بعد ہی رحمت علی نے کہا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے کل رات آپ سے مناسب طرزِ تکلم اختیار نہیں کیا۔ صرف اس گھڑی کی وجہ سے، اس لئے کہ اُس وقت میرے ہاتھ پر بھی وہ گھڑی موجود تھی جو نازو کی دی ہوئی تھی اور اب حالات کے پیش نظر میں اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا پسند کروں گا۔''

''ممکن ہے جو کچھ تم سوچ رہے ہو وہ درست ہو۔'' میڈم نے جواب دیا، پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''تمہیں کن حالات کے تحت اغواء کیا گیا تھا اور کہاں لے جایا گیا تھا؟''

''بڑا بے تکا سوال ہے۔ وہ اتنے احمق بھی نہیں تھے کہ مجھے آنکھ کھلی رکھ کر اپنے خفیہ ٹھکانے پھرتے۔'' رحمت علی نے کہا، پھر پوری تفصیل دُہرا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ بے ہوشی کی حالت میں مبتلا ہونے کے باوجود اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی، پھر ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو اُن کی قید میں پایا تھا جہاں سردار خان موت کی نیند سو رہا تھا۔''

''آئی ایم سوری رحمت......'' میڈم نے بے تکلفی سے کہا۔ ''اگر میں نے تمہیں اُسی وقت

فون کے بعد سردار خان کے بارے میں آگاہ کر دیا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔''

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔''اس وقت میں آپ سے اہم اور ضروری بات کرنے آیا ہوں۔''

''کہو......''

''آپ کو میرے اغواء ہونے کی اطلاع کس طرح ہوئی تھی؟''

''شمشیر خان کے ذریعے۔ وہ میرے اعتماد کا آدمی تھا لیکن میرے نادیدہ دشمن نے اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔''

''اور اُس کی موت کی اطلاع کیسے ملی؟''

''میرے دشمن نے تھری تھری زیرو پر دی تھی۔ اُسی نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم اُس کی قید میں ہو اور تمہیں چوبیس گھنٹے بعد چھوڑ دیا جائے گا۔''

''گویا میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' رحمت علی نے پُر جوش لہجے میں جواب دیا۔''تنظیم کے ہر فرد اور اُس کے خاص خاص ملنے جلنے والوں کے پاس کوئی نہ کوئی ایسا گفٹ ضرور موجود ہے جس کے ذریعے دشمن کو پل پل کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔''

''مجھے تمہاری بات پر یقین آ رہا ہے۔''

''اب سب سے پہلے میں اکرم کے بارے میں دریافت کروں گا...... وہ کون تھا اور اُسے کیوں مارا گیا تھا؟'' رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کیا یہ جاننا تمہارے لئے ضروری ہے؟''

''ہاں...... ہمیں شروع سے ڈور کا سرا تلاش کرنا ہوگا۔''

''بس! یہ سمجھ لو کہ میری ایک کمزوری اُس کے ہاتھ آگئی تھی جس کی وجہ سے میں نے اُسے ذلیل کر کے فرم سے نکال دیا تھا، اور دوسرے ہی دن وہ اپنے گھر میں مُردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کی موت کی وجہ ہارٹ فیل بتائی تھی...... لیکن ایک منٹ!'' میڈم نے کسی خیال کے تحت چونکتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں پوچھا۔''تمہیں خاص طور پر اکرم کا خیال کیوں آیا؟''

''فی الحال آپ یہ سمجھ لیں کہ میں اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔''

''آئی سی......'' میڈم نے جواب دیا۔ لیکن اس وقت وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق رہی تھی۔

''کیا سردار خان کے علاوہ بھی دفتر کے اندر دشمن کا کوئی اور ایجنٹ ہو سکتا ہے؟''

''اب میں یقین سے نہیں کہہ سکتی...... لیکن ٹھہرو! ہو سکتا ہے کہ جمشید بھی دشمن ہی کا آدمی ہو۔ سردار خان اور اُس کے درمیان بہت گہرے تعلقات تھے۔''

''اگر آپ کا جمشید کے بارے میں شبہ درست ہے تو ابھی آپ کو ایک آدمی کو اور تلاش

''نہیں کبھی نہیں......'' میڈم پر اِس ایک بار پھر چونکی۔

''مجھے بڑے وثوق کے ساتھ تنظیم کے سربراہ نے یہ بات کہی تھی۔''

''کیا تم اُس سے مل چکے ہو...... میرا مطلب ہے کیا وہ تمہارے سامنے آیا تھا؟''

''نہیں...... مجھے کسی خفیہ مائیک پر مخاطب کیا گیا تھا۔ دوسری طرف سے بولنے والا میری بھی سن سکتا تھا۔ اس کے بعد ہی میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ ایسے ہی کوئی ڈبل ...کے آلات ہمارے پاس بھی کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہوں گے۔''

''مجھے تمہاری بات کا یقین آ رہا ہے...... غالباً سردار خان ہی نے میرے دشمن کو تھری تھری ...کوڈ نمبر دیا ہوگا۔ لیکن جمشید کے علاوہ دوسرا آدمی کون ہو سکتا ہے؟''

''یہ میں معلوم کر لوں گا۔'' رحمت علی نے ٹھوس اور خطرناک انداز میں کہا۔''اس سے پہلے ...برا دشمن مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے میں اُس چوہے کو بل سے بھی کسی نہ کسی طرح نکال کر ...النے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ جمشید کی موت میرے انتقام کی پہلی کڑی ہوگی، بشرطیکہ آپ کا ...ازہ درست نکلا۔''

''تمہیں اتنی جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ کرو، بہت سوچ سمجھ کر کرو! اس لئے کہ ہمارا مشترکہ دشمن تاریکی میں ہے، جبکہ ہم روشنی میں ہیں۔''

''میں آپ سے اس وقت یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' رحمت علی نے میڈم کو گھورتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔''آپ کا شبہ کس پر ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی، لیکن میرا شبہ دو آدمیوں پر جاتا ہے۔''

''کون کون......؟''

''ڈاکٹر نادر اور سیٹھ جواہر والا۔''

''مجھے کوئی وجہ......؟''

''جمشید کی ملازمت کی سفارش جواہر والا نے کی تھی۔'' میڈم نے کہا۔''وہ صورت سے جتنا نیک نظر آتا ہے اندر سے اُتنا کمینہ اور گہرا آدمی ہے۔''

''اور ڈاکٹر نادر......؟''

''اُس کے مراسم بھی میرے ساتھ ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں۔'' میڈم نے کہا۔''لیکن ایک ...مجھے اُس کے بارے میں شبہے میں ڈال دیتی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''پہلی بار ڈاکٹر نادر نے میرا آپریشن کیا تھا۔ آپریشن معمولی تھا لیکن مجھے پہلے بیہوش کیا

''پھر......''

''پھر......؟'' رحمت علی نے میڈم کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔''پھر کیا

هوا......؟''

''ہوسکتا ہے وہ میرا وہم ہو، لیکن آپریشن کے تقریباً دو ماہ بعد ہی دشمن نے مجھ پر پہلا
ایک رجسٹرڈ پارسل کی صورت میں کیا تھا جس میں کچھ ایسا بلیک میلنگ اسٹف تھا کہ اگر وہ
عام پر آجاتا تو میری عزت، شہرت اور ساکھ سب کچھ تباہ ہوسکتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ
ڈاکٹر نادر یا اُس کے کسی ماتحت سرجن کی ہو اس لئے کہ مجھے جو کچھ مواد موصول ہوا تھا
بہرحال میری ہوش مندی کی حالت میں حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک
اور بھی ہے، بزنس کے دوران ایک وقت ایسا بحران کا آیا تھا جب مجھے روپوں کی
ضرورت تھی۔ اُس وقت پہلی بار ڈاکٹر نادر نے ہی مجھے سیٹھ جواہر والا سے متعارف
تھا......'' میڈم نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''اب جب میں اپنے دشمن کی تلاش میں کڑیاں
ہوں تو نہ جانے کیوں یہی دونوں شخصیتیں میرے سامنے آتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے......ہم باری باری دونوں کو چیک کئے لیتے ہیں۔''

''ایک اہم بات اور بھی ہے جو ڈاکٹر نادر کی شخصیت کو زیادہ مشکوک بناتی ہے۔'' م
بولی۔ ''اکرم کی موت کو ڈاکٹر نادر نے ہی حرکت قلب بند ہوجانے کا نتیجہ قرار دیا تھا اور
بار بھی میرے نادیدہ دشمن نے سردار خان کے بارے میں ہارٹ فیل ہوجانے کی کہانی
ہے۔''

''کیا ڈاکٹر نادر آپ کو کبھی فون بھی کرتا ہے؟''

''ہاں......اُس کے فون اکثر آتے رہتے ہیں، لیکن میں بڑے وثوق سے کہہ سکتی ہوں
ڈاکٹر نادر اور میرے دشمن کی آوازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ دشمن کی حیثیت میں وہ آواز بنا کر گفتگو کرتا ہو۔''

''میں مکمل یقین سے نہیں کہہ سکتی، لیکن یہی دو نام ہیں جو میرے ذہن میں خطرے کا
دیتے رہتے ہیں۔''

''ڈاکٹر نادر......'' رحمت علی نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ وہی تو نہیں جس کی
کو کچھ عرصہ قبل اغواء کرلیا گیا تھا؟''

''ہاں......وہی ہے۔ لیکن اُس کی بیٹی کا اغواء میری سوچ کی نفی بھی کرتا ہے۔ اگر وہی
تنظیم کا سربراہ ہے تو پھر اُس کی بیٹی کا اغواء کس نے کیا ہوگا؟''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اغواء دکھاوے کے لئے محض ایک ڈرامہ ہو؟'' رحمت علی نے
پیش کیا۔ ''اس طرح اُس کی پوزیشن قانون کی نگاہوں میں اور مستحکم بن گئی ہوگی اور اُسے
سے بالاتر سمجھا جاسکتا ہے۔''

''تم نے کیا سوچا ہے......؟'' میڈم نے سوال کیا۔ ''تمہیں تنظیم کے سامنے گھٹنے ٹیکنے
کس طرح مجبور کیا جائے گا؟''

''میری بیوی اور بچے میری کمزوری ہیں، اُن کی حفاظت کی خاطر میں کچھ بھی کرسکتا
'' رحمت علی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''ابھی مجھے مہلت دی گئی ہے اور اس مہلت کا ایک
میرے لئے بہت قیمتی ہے۔''

''کیا کئی محاذوں پر تمہارا ایک ساتھ جنگ کرنا ممکن ہوگا؟''

''انسان جب جان ہتھیلی پر رکھ لے تو ہر ناممکن بات ممکن ہوجاتی ہے۔''

''بہرحال میں اور میرے خاص ساتھی تم سے علیحدہ نہیں ہیں۔''

''ایک اہم بات اور......'' اچانک رحمت علی نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ نے کبھی
دراز قد اور پستہ قد آدمی کی جوڑی کسی محفل میں دیکھی ہے......ایک ایسی خاص جوڑی
کہ کر انسان اُنہیں بھول نہ سکتا ہو......؟''

''جس زمانے میں اکرم میری فرم میں تھا اُن دنوں اُسی نے ایک ڈنر پارٹی میں ایک ایسی
جوڑی سے میرا تعارف کرایا تھا جس میں ایک آدمی خاصا دراز قد تھا اور اُس کا ساتھی مضحکہ
حد تک پستہ قد واقع ہوا تھا۔ پستہ قد آدمی شاید گونگا ہی تھا اس لئے کہ وہ اشاروں کی زبان
بات کررہا تھا۔''

''کیا آپ کو اُن دونوں کے نام یاد ہیں......کوئی پتہ وغیرہ؟''

''نہیں......ہماری ملاقات سرسری ہوئی تھی۔ لیکن میں بڑے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ
جوڑی کو میں نے پھر کسی پارٹی یا محفل میں کبھی نہیں دیکھا۔''

''کیا جس پارٹی میں اکرم نے آپ سے اُن کی ملاقات کرائی تھی اُس میں ڈاکٹر نادر اور
سیٹھ جواہر والا بھی موجود تھے؟''

''میری یادداشت اگر غلط نہیں تو کم از کم سیٹھ جواہر والا اس پارٹی میں ضرور شامل تھے۔
ڈاکٹر نادر کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی......لیکن تم اس وقت اُس جوڑی
کے بارے میں خاص طور پر کیوں دریافت کررہے ہو؟''

''مجھے اُن ہی دونوں نے اغواء کیا تھا۔ نیم غنودگی کے عالم میں بھی اُنہیں دیکھ کر مجھے تعجب
ہوا تھا۔ بڑی مضحکہ خیز جوڑی تھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ جمشید اُن دونوں سے بھی واقف ہو۔''

''میں اُسی سے ابتداء کروں گا۔ لیکن آج کے بعد سے ہم دونوں کو بہت پھونک پھونک کر
رکھنا ہوگا اور ایسی شے کی جسم پر موجودگی کی حالت میں جس میں کسی ڈبل سسٹم مائیک اور
کا شبہ ہو ایک دوسرے سے گفتگو کرتے وقت بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ممکن ہے ایسے ہی کچھ
ہماری خوابگاہوں اور گاڑیوں میں بھی موجود ہوں۔ سردار خان کی اصلیت واضح ہو
کے بعد ہر بات ممکن نظر آرہی ہے۔''

''میرا ذہن اس وقت اپنے عملے کے بارے میں غور کررہا ہے۔'' میڈم بولی۔ ''جمشید کے

علاوہ دوسرا مشتبہ آدمی کون ہو سکتا ہے؟“

”کوئی بھی ہو سکتا ہے.....“ رحمت علی نے کہا، پھر میڈم سے جمشید کی رہائش گاہ دریافت کرنے لگا۔

☆

رات کے تقریباً بارہ کا عمل تھا جب رحمت علی نے اپنی گاڑی نارتھ ناظم آباد کے ویران علاقے میں روکی، پھر وہ اُتر کر پیدل ہی جمشید کے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ اُسے منزل تک پہنچنے میں بمشکل پندرہ منٹ لگے۔ اپنے مطلوبہ فلیٹ پر پہنچ کر اُس نے اندر کی سُن گن لی۔ لیکن شاید اُس کے مکین سو چکے تھے۔ اُس نے دروازے پر دستک دینے کی غرض سے ہاتھ اُٹھایا، لیکن فوراً ہی اس خیال سے اپنا ارادہ ترک کر دیا کہ اندر سے سوال جواب کی صورت میں وہ مشکلات سے بھی دوچار ہو سکتا تھا۔ پھر وہ ٹہلتا ہوا لابی میں آ گیا جہاں سے ایک تنگ دیوار پر جمانے کے بعد وہ با آسانی اپنے مطلوبہ فلیٹ کی بالکونی میں پہنچ گیا۔ بالکونی کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا اس لئے اُسے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی۔ وہ دو کمروں پر مشتمل فلیٹ تھا جس میں زیرو پاور کا ایک بلب روشن تھا اور جمشید کمرے میں ایک مسہری پر محوِ خواب تھا۔ اپنے مشن پر عمل کرنے سے پہلے اُس نے دوسرے کمرے میں بھی جھانک لینا مناسب سمجھا لیکن وہ خالی تھا اور وہاں رکھا ہوا فرنیچر بتا رہا تھا کہ اُسے بطور ڈریسنگ رُوم استعمال کیا جاتا ہے جس کا دوسرا دروازہ بھی باہر کی جانب کھلتا تھا۔ دوسرے کمرے کے ساتھ ہی ایک تین فٹ چوڑی راہداری تھی جس میں کچن اور باتھ رُوم وغیرہ تھے۔ رحمت علی نے اچھی طرح اس بات کا جائزہ لیا کہ فلیٹ میں اُس کے مطلوبہ شخص کے سوا کوئی اور تو نہیں؟ پھر وہ دبے قدموں چلتا ہوا پہلے کمرے میں آ گیا۔ سب سے پہلے جیب سے ایک ریشمی ڈور نکالی، پھر اپنا آٹومیٹک ریوالور نکال کر جمشید کی مسہری کے سرہانے رکھ دیا۔ اُسے معلوم تھا کہ تنظیم کے افراد خطرے کی بو سونگھتے ہی زہریلا کیپسول چبا لیتے ہیں۔ جمشید کے مر جانے کی صورت میں وہ اُس کی زبان نہیں کھلوا سکتا تھا چنانچہ وہ اس زاویئے کو ناپ تول کو دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ اپنے شکار پر جھپٹے اور اُس کے ہاتھ پشت پر کر کے باندھ دے۔ جمشید اس وقت داہنی کروٹ لیٹا تھا اس لئے رحمت نے بائیں جانب سے ایکشن کو زیادہ مناسب سمجھا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے پوزیشن تبدیل کی، پھر پل بھر میں وہ اس طرح جمشید پر سوار تھا کہ اُس کی ایک ٹانگ اُس کی کمر پر اور دوسرا گھٹنا اس طرح گردن پر جما ہوا تھا کہ جمشید کو غالباً سانس لینے میں بھی مشکل پیش آ رہی تھی۔ اس کے بعد اُس نے جمشید کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھنے میں بھی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ کمانڈو ایکشن کی تربیت اس وقت اُس کے بڑے کام آ رہی تھی۔ جمشید ماہیِ بے آب کی طرح نیچے پڑا مچل رہا تھا۔

”خبردار.....“ رحمت علی نے ریوالور اُس کی کنپٹی پر جماتے ہوئے کہا۔ ”اگر آواز نکالی

تو کھوپڑی اُڑا دوں گا۔“ جملے کے اختتام کے ساتھ ہی وہ برق رفتاری سے اُچھل کر نیچے آیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے جمشید کو بالوں سے پکڑ کر بستر پر بٹھا دیا پھر اُس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

”تم.....؟“ جمشید نے اُسے پہچانتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

”تعارف میں وقت برباد کرنے کی کوشش مت کرو، صرف میرے سوالات کا جواب دیتے رہو۔“ رحمت علی نے خوفناک لہجے میں آہستہ سے کہا۔

”لیکن تم.....اس وقت یہاں کیا معلوم کرنے آئے ہو؟ اور یہ طریقہ.....“

”یہ طریقہ میں نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ تم زہریلا کیپسول نہ کھا سکو۔“ رحمت علی کی آواز میں درندگی تھی۔

جمشید کیپسول کے نام پر چونکا، پھر فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکا تم کس کیپسول کی بات کر رہے ہو؟“

”وہی کیپسول جو اب تک تنظیم کے وفاداروں کے کام آتا رہا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو! میں یہاں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں، تمہیں ہر قیمت پر زبان کھولنی پڑے گی ورنہ تمہاری موت بڑی ہی عبرتناک ہو گی۔“ رحمت علی نے اُسے بالوں سے پکڑ کر اس بری طرح جھنجھوڑا کہ وہ چکرا کر رہ گیا۔ ”میری بات کا جواب دو.....!“ اُس کے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ ”تنظیم کا سربراہ کون ہے.....؟“

”مم.....میں نہیں جانتا۔“ جمشید بے بسی سے بولا۔ اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ رحمت علی کے مقابلے میں اُس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی شیر کے سامنے بکری کی ہو۔“

”پھر.....تمہیں پیغام کس طرح ملتے ہیں؟“

”فون کے ذریعے.....“

”اور تم اُسے شناخت کس طرح کر لیتے ہو؟“

”کوڈ نمبر سے.....“

”میں تمہاری بات پر یقین کئے لیتا ہوں۔“ رحمت علی نے ریوالور لہراتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ ”برلاس انٹرپرائز میں تمہارے علاوہ اور کتنے جاسوس ہیں؟“

”دو.....“ جمشید تھوڑے تامل سے بولا۔ ”سردار خان کام آ چکا ہے اور..... دوسرا غوری ہے۔“

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔“ رحمت علی نے کہا۔

جمشید ہونٹ چبا کر رہ گیا، اُس کے چہرے پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔

”تمہاری کیا حیثیت ہے تنظیم میں.....؟“

”میں اور غوری عام کارندوں میں شمار ہوتے ہیں۔“

''اور اس کے عوض تمہیں کیا ملتا ہے؟''

''دس ہزار روپے ماہوار۔'' جمشید نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''تمہیں اور کسی کے بارے میں نہیں معلوم...... میرا مطلب ہے کہ اور دوسرے کارندے جو سربراہ سے براہِ راست تعلق رکھتے ہو......؟''

''میں صرف غوری کو جانتا ہوں۔''

''بکتے ہو......'' رحمت علی نے ایک بھرپور ہاتھ اُس کے چہرے پر اتنی زور سے مارا کہ اُس کے ہونٹوں سے خون کی ایک لکیر پھوٹ پڑی۔ ''غلط بیانی سے کام لو گے تو اسی طرح تڑپا تڑپا کر اور سسکا سسکا کر ماروں گا۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے سوالوں کا جواب دو! دراز قد اور اُس کے پستہ قد ساتھی کا نام کیا ہے؟'' رحمت علی نے ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے کہ تم مجھے مار ہی ڈالو! ورنہ دوسری صورت میں اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ میں تمہاری نگاہوں میں آچکا ہوں تو وہ مجھے خارش زدہ کتوں ہی جیسی موت ماریں گے۔'' جمشید نے بے بسی سے کہا۔ ''اُن کے یہاں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔''

''میں زبان بند رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں، بشرطیکہ تمہاری زبان بھی میرے سلسلے میں بند ہی رہے۔''

''دراز قد والے کا نام واجد ہے اور پستہ قد گونگے کو وہ چینا کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔'' جمشید نے پشت پر ہاتھ ملتے ہوئے مُردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''ہمیں واجد کے ذریعے پیغامات موصول ہوتے ہیں۔ ممکن ہے وہ سربراہ کو جانتا ہو۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

''واجد اور چینا کا ایڈریس......؟''

''وہ...... وہ دونوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔'' جمشید نے آہستہ سے کہا، پھر اُن کا پتہ بتانے لگا۔

''تمہارے اور غوری کے ذمہ کیا کام ہے؟''

''ہر وہ کام جس کی ہدایت اُوپر سے ملے۔''

''سیٹھ جواہر والا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟'' رحمت علی نے معنی خیز لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا وہ سربراہ نہیں ہوسکتا؟''

''اُس نے مجھے ملازمت دلوانے میں سفارش ضرور کی تھی لیکن اس کے سوا مجھے اس کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بڑی بڑی رقمیں بڑی بڑی پارٹیوں کو ایک مخصوص منافع کے عوض دیتا رہتا ہے۔''

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے سلسلے میں تمہاری زبان بند رہے گی؟''

''میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔'' جمشید بے بسی سے بولا۔ ''اگر انہیں

میری ملاقات کا بھی علم ہوگیا تو وہ مجھے معاف نہیں کریں گے، اس کے لئے کہ مجھے اور غوری کو تم سے بطور خاص دُور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔''

''ڈاکٹر نادر کا نام سنا ہے کبھی؟'' رحمت علی نے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''نہیں......'' جمشید نے تیزی سے جواب دیا۔

''برلاس انٹرپرائز میں تمہاری اور غوری کی ضرورت کیوں پیش آگئی تھی؟ میرا مطلب ہے تمہارے ذمہ تنظیم نے کیا کام سونپا ہے؟''

''ہمیں واجد کو برلاس کمپنی کے ایکسپورٹ کے بارے میں معلومات فراہم کرنی پڑتی ہیں اور ان خاص خاص لوگوں کا نام بتانا پڑتا ہے جو میڈم سے ملاقات کے لئے آتے رہتے ہیں۔''

''اور کوئی اہم بات...... کوئی ایسا سراغ ہو جو مجھے سربراہ تک پہنچنے میں کام آسکے؟''

''مجھے نہیں معلوم......''

''کیا تمہاری شادی ہوچکی ہے؟''

''نہیں!''

''یہاں تنہا رہنے کا کوئی خاص مقصد......؟''

''میرے والدین اور بھائی گجرات میں رہائش پذیر ہیں۔''

''کیا سیٹھ جواہر والا پر تنظیم کا سربراہ ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہے؟''

''ہوسکتا ہے تمہارا شبہ درست ہو لیکن خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم۔'' جمشید رو دینے والے انداز میں بولا۔

''غوری پر کس حد تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟''

''میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دُوں گا۔'' جمشید نے تیزی سے کہا۔ ''وہ واجد کا خاص آدمی ہے۔''

''گڈ...... پھر تو وہ میرے لئے تم سے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''اب مجھے تمہارے زندہ رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''یہ تم بہتر سمجھ سکتے ہو، مجھے جو کچھ معلوم تھا تمہیں بتا چکا ہوں۔''

جواب میں رحمت علی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اُس نے جمشید کی نگاہوں میں ایک مخصوص چمک دیکھی تھی۔ اُس کی نگاہیں رحمت علی کی پشت پر کوئی چیز دیکھ کر چمکی تھیں لیکن اس سے پہلے کہ رحمت علی پلٹ کر حالات کا جائزہ لے سکتا کسی نے رائفل کی نال اُس کی پشت سے لگاتے ہوئے خوفناک لہجے میں حکم دیا۔

''خبردار...... اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو تمہارا جسم چھلنی کر دیا جائے گا...... زندگی عزیز ہو تو ریوالور پھینک دو!''

رحمت علی نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی۔ پھر اُس نے پلٹ کر دیکھا تو اُس کے سامنے

تین نقاب پوش رائفل اور ریوالور تانے کھڑے تھے۔ ایک وہ جس نے رحمت علی کو مخاطب تھا اور دو بالکونی میں موجود تھے۔

رحمت علی کی شریانوں میں دوڑنے والے خون کی حرکت تیز ہونے لگی......!!

☆☆☆☆☆

جمشید کی نگاہیں اُمید وبیم کی کیفیت سے دوچار تھیں۔ اُسے یقین سا ہو گیا تھا کہ تنظیم کے سربراہ نے بروقت اُس کی مدد کی ہے۔ کچھ ایسے ہی خیالات رحمت علی کے ذہن میں بھی چکرا رہے تھے۔ لیکن وہ نقاب پوشوں سے خائف نہیں تھا، بلکہ اُن کی کسی غفلت سے فائدہ اُٹھانے کے بارے میں غور کر رہا تھا، لیکن تینوں ہی بہت محتاط تھے۔

''تو تم نے آخر کار اپنی زبان کھول ہی دی...... کیوں؟'' رائفل والے نقاب پوش نے جمشید کو مخاطب کیا۔ اُس کا لہجہ خطرناک تھا۔

''ن......نہیں۔'' جمشید نے سنبھالا لینے کی خاطر جھوٹ بولا۔ ''ابھی ہمارے درمیان گفتگو مکمل نہیں ہوئی تھی۔''

''بکواس کرتے ہو۔'' رائفل والا سفاک لہجے میں غرایا۔ ''ہم تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن چکے ہیں۔''

جمشید نے کوئی جواب نہیں دیا، اُنہیں رحم طلب نظروں سے گھورنے لگا۔

''کیا تمہیں تنظیم کے خلاف زبان کھولنے کی سزا معلوم نہیں تھی؟''

''ت......تھی......ای......'' جمشید ہکلاتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے......مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!''

''ن......نہیں...... مجھے مت مارو!'' جمشید گڑگڑانے لگا۔ ''مم...... میں نے تنظیم کی بہت خدمت کی ہے۔''

''دوسری شکل میں ہمیں تمہارے دشمن کو ختم کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہے۔'' رائفل والے نے سرد آواز میں کہا، پھر رحمت علی کو گھورتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کیا فیصلہ ہے؟''

''میں موت سے نہیں ڈرتا...... لیکن اسلحہ کے بل پر کسی کو زیر کر لینا کوئی مردانگی نہیں ہے۔'' رحمت علی نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔ ''تم چاہو تو مجھے بڑے شوق سے گولی مار سکتے ہو۔''

''نہیں...... افسوس ہے کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں......؟''

"باس کا آرڈر ہے کہ تمہیں زندہ رکھا جائے۔"

"ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔" بالکونی میں کھڑے ہوئے نقاب پوش نے رائفل وا
سے کہا۔ "تفریح پھر کسی وقت ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے...... تم اسے سنبھالو!" اُس نے رحمت علی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے
"میں دوسرے کی خبر لیتا ہوں۔"

ریوالور والے نے آگے بڑھ کر رحمت علی کو کور کر لیا، دوسرا شخص بدستور بالکونی میں ریو
تانے کھڑا تھا، پھر رائفل والا شخص آگے بڑھا، اُس نے پلک جھپکتے میں کسی قصائی کی طر
جمشید کو مسہری پر لٹا کر بے بس کر دیا تھا...... پھر اُس نے تکیہ اُٹھا کر اُس کے سینے پر رکھا
رائفل کی نال تکیے میں دھنسا کر یکے بعد دیگرے دو فائر کئے...... جمشید کسی احتجاج کے بغیر
رائفل والے کے بوجھ تلے پھڑ پھڑایا، پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اُس کا گاڑھا گاڑھا خو
زمین پر گر رہا تھا۔ رحمت علی کے دل میں آئی تھی کہ کسی کمانڈو ایکشن کا مظاہرہ کر کے باز
پلٹ دے۔ لیکن وہ تین مسلح افراد کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ ایک معمولی سی غلطی بھی اُسے مو
کے گھاٹ اُتار سکتی تھی۔

جمشید کو مارنے کے بعد رائفل والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پھر ریوالور والے
رحمت علی کو باہر چلنے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ "شرافت کے ساتھ نکل چلو! ورنہ کسی کو علم ہو گیا
بلاوجہ کا کھڑاک کھڑا ہو جائے گا۔"

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" رحمت علی نے قدم اُٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"جہاں تم جانا پسند کرو۔"

"کیا مطلب......؟"

"تم ہمارے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟"

"جمشید کی موت کے بعد یہی سوچا جا سکتا ہے کہ تم نے اُسے زہریلا کیپسول کھانے ک
مہلت بھی نہیں دی اور دردناک موت مار دیا۔ ایسی صورت تمہارے بارے میں اور کیا سوچا جا
سکتا ہے کہ سوائے تنظیم کے تمہارا تعلق کسی اور گروہ سے نہیں ہو سکتا۔"

"ہم نہیں سمجھے کہ تم کس تنظیم کی بات کر رہے ہو؟"

"بہت خوب...... گویا تم اب بھی مجھے تاریکی میں رکھنا چاہتے ہو؟"

"نہیں میرے دوست...... کوئی حرکت کرنے کی حماقت مت کرنا!" ریوالور والے
رحمت علی کو گردن گھماتے دیکھ کر سرسراتی آواز میں کہا۔ "ایک بات تمہاری اطلاع کے لئے
دوں کہ کمانڈو ٹریننگ ہم بھی حاصل کر چکے ہیں اس لئے بازی پلٹنے کی کوئی کوشش فضول ہی
گی۔"

"کیا رائفل والا تمہارا سردار ہے......؟"

"نہیں...... لیکن اِس وقت اِسی کو ایکشن کرنے کی ہدایت ملی تھی اس لئے ہم اس کے ہر حکم
نے کے پابند ہیں۔"

"مرنے سے پہلے میں ایک بات جاننا پسند کروں گا۔" رحمت علی نے لاپرواہی سے
"تمہاری تنظیم کا سربراہ کون ہے؟"

"کیوں...... کیا تم اُس سے واقف نہیں ہو؟"

"نہیں......"

"اب شاید تم ہم سے مذاق کی کوشش کر رہے ہو۔" ریوالور والے نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم میڈم کو اچھی طرح نہیں جانتے؟"

"میڈم......؟" رحمت علی چونکا۔ "لیکن میڈم کا اس وقت کے ایکشن سے......"

"بہت گہرا تعلق ہے میرے دوست!" اس بار ریوالور والے کا لہجہ دوستانہ ہی تھا۔ "ہمیں
کے حکم پر تمہاری حفاظت پر تعینات کیا گیا ہے۔"

"پھر جمشید کی موت......"

"ضروری تھی۔" ریوالور والا تیزی سے بولا۔ "تم اُس کی نظروں میں آ چکے تھے اس لئے
کی موت ضروری تھی...... دوسری شکل میں تم خود خطرے میں پڑ سکتے تھے، اس کے علاوہ
ڈم کی ہدایت بھی یہی تھی کہ جمشید کو ختم کر دیا جائے۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"ذہن کو زیادہ مت اُلجھاؤ میرے دوست! بس یوں سمجھ لو کہ ہم تمہارے تعاقب میں کسی
ائیں کی طرح لگے ہوئے تھے۔ تمہاری اور جمشید کی گفتگو سننے کے بعد ہم نے فوری طور پر
یڈم کو آگاہ کیا اور میڈم نے جمشید کی موت ہی کا حکم صادر کیا تھا۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"ہم تمہیں کوئی حکم دینے کی جرات نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم میڈم
ت راست کی حیثیت رکھتے ہو۔"

رحمت علی نے پلٹ کر دیکھا، اُس کے پیچھے آنے والے دونوں نقاب پوش اپنے ریوالور
بوں میں رکھ چکے تھے۔

"کیا تم نے میڈم کو تمام گفتگو سے آگاہ کر دیا ہے......؟"

"ہاں...... یہ ضروری تھا۔ اور میڈم کا حکم بھی یہی ہے کہ اُسے تمہاری ایک ایک حرکت سے
باخبر رکھا جائے۔"

"گویا آئندہ بھی تم سائے کی طرح میرا پیچھا کرتے رہو گے......"

"فی الحال تو ہمیں یہی حکم ملا ہے۔"

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ تینوں ایک ساتھ ہی بلڈنگ سے باہر نکلے تھے کہ

دونوں نقاب پوش نیچے اُترتے ہی کسی چھلاوے کی طرح ایک گلی میں مُڑ کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ رحمت علی نے سکون کا ایک طویل سانس لیا، پھر اُس سمت قدم اُٹھانے لگا جہاں اُس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔

جمشید کی موت پر پہلے اُسے انسانی ہمدردی کے تحت افسوس ہوا تھا لیکن اب وہ بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ اُسے زندہ چھوڑ دینا اُس کے لئے پریشانی کا سبب بھی بن سکتا تھا۔ حالات کا علم جمشید کے ذریعے اگر غوری، واجد اور چینا کو ہو جاتا تو کیا عجب تھا کہ اُس کا بھی انجام ہوتا جو کچھ دیر پہلے جمشید کا ہو چکا تھا۔ تنظیم کے سربراہ نے اُسے ہر قیمت پر گروہ میں شامل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن اپنے چار آدمیوں کی نظروں میں آ جانے کے بعد اپنا ارادہ تبدیل بھی کر سکتا تھا اور اس جرم کی پاداش میں رحمت علی کو سنگین حالات سے دوچار کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ کسی کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ نہیں کرے گا۔ وہ دل ہی دل میں میڈم کا شکر گزار بھی تھا کہ اُس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے بروقت اُسے ایک خطرے سے بچا لیا تھا۔

☆

آئی جی کا چہرہ سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ اُس کی نظریں ایس پی رحمان پر مرکوز تھیں جو ابھی کچھ دیر پیشتر اُس کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔ کمرے میں اُن دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔

’’جانتے ہیں، میں نے آپ کو کس سلسلے میں طلب کیا ہے؟‘‘

’’مجھے افسوس ہے سر...... لیکن اتفاق ہی ہے جو مجرم ابھی تک قانون کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔‘‘ ایس پی رحمان نے سنجیدگی سے کہا۔ ’’میں سابقہ ریکارڈ......‘‘

’’میں جانتا ہوں۔ لیکن اب اُوپر سے یہی آرڈر موصول ہوئے ہیں کہ کیس دوسری ایجنسی کو ہینڈ اوور کر دیا جائے۔‘‘

’’سر......‘‘

’’میں مجبور ہوں مسٹر رحمان!‘‘ آئی جی نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔ ’’بم دھماکے، اغواء اور قتل کی وارداتوں نے اُوپر والوں کو بھی ایکشن لینے پر مجبور کر دیا ہے۔‘‘

’’مجرم اگر اشتہار دے کر جرائم کرنے لگیں تو پھر اُن کی گرفتاری بہت آسان ہو سکتی ہے۔ پولیس کا ایک معمولی سپاہی بھی اُن کے پتے پر جا کر اُنہیں ہتھکڑی لگا سکتا ہے۔ لیکن ایسے معاملات میں کچھ وقت تو درکار ہوتا ہے۔‘‘

’’کیا آپ کو علم ہے کہ کل رات کیا واردات عمل میں آئی ہے؟‘‘

’’جی ہاں...... ناظم آباد کے علاقے میں واقع ایک فلیٹ میں جمشید نامی ایک شخص کو پُراسرار حالات میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔‘‘ ایس پی رحمان نے کہا۔ ’’اتنے بڑے شہر میں تو آئے دن بہت سارے جرائم ہوتے رہتے ہیں، صرف ایک شخص......‘‘

’’دو روز پہلے سردار نامی ایک شخص اپنی گاڑی میں مُردہ پایا گیا تھا۔‘‘ آئی جی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

’’اس کی وجہ ڈاکٹروں نے ہارٹ فیلیور ظاہر کی تھی۔ لیکن......‘‘

’’لیکن کیا......؟‘‘ آئی جی نے ایس پی کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

’’پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے حرکت قلب بند ہو جانے کی کہانی دہرائی ہے لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔‘‘

’’وہ کیا ہے......؟‘‘

’’ایسے سینکڑوں ذرائع اور تشدد کے طریقے موجود ہیں جن کو بروئے کار لانے کے بعد ایسے حالات پیدا کئے جا سکتے ہیں جن سے حرکت قلب بند ہو جانے کا امکان ظاہر ہوتا ہے۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں......؟‘‘ آئی جی نے اُسے سنجیدہ نظروں سے گھورا۔

’’میرا خیال پہلے کچھ اور تھا سر! لیکن جمشید والی واردات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ دونوں اموات کسی ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔‘‘

’’کوئی وجہ......؟‘‘

’’میری معلومات کے مطابق سردار اور جمشید ایک ہی کمپنی میں ملازم تھے۔ اس طرح اُوپر تلے اُن کا موت سے ہمکنار ہونا حیرت انگیز نہیں ہے۔‘‘

’’آپ کا اشارہ کس کمپنی کی طرف ہے......؟‘‘

’’برلاس انٹرپرائز......‘‘ ایس پی رحمان نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔ ’’ایک ہی فرم سے متعلق دو افراد کا یکے بعد دیگرے مر جانا پولیس کی نگاہوں میں شبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔‘‘

’’آپ کا کیا خیال ہے...... کیا شہر میں تخریب کاری کی جو وارداتیں ہو رہی ہیں اُن کا تعلق برلاس انٹرپرائز سے بھی ہے؟‘‘

’’ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا سر...... لیکن حالات کے پیش نظر ہم اسے نظر انداز بھی نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے فرم کا ان معاملات سے براہِ راست کوئی تعلق نہ ہو، لیکن اس کے بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلقات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔‘‘

’’کیا آپ کو علم ہے کہ مسز برلاس کی کیا حیثیت ہے......؟‘‘

’’میں جانتا ہوں سر...... وہ ہمارے ایک ریٹائرڈ آئی جی کی بیوہ ہیں۔‘‘

’’اور یہ کہ میں بھی مسز برلاس کو براہِ راست بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔‘‘ آئی جی نے ہر بار اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ’’اُس فرم کا ریکارڈ بہت اچھا ہے اور......‘‘

’’یہی دشواریاں ہیں جناب! جو کیس کو اُلجھا دیتی ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب......؟‘‘

''شکوک سے بالاتر شخصیت صرف فرشتوں کی ہوتی ہے جناب! ہمیں تو ہر نکتے
رکھنا پڑتا ہے۔'' ایس پی رحمان نے سنبھل کر کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ بیگم برلاس سردار خان
جمشید کی موت کے سلسلے میں کوئی ایسا بیان دے سکیں جو قانون کے لئے مشعل راہ ثابت ہو
''ٹھیک ہے..... میں ذاتی طور پر اس کی معلومات حاصل کر لوں گا۔ لیکن آپ
مسز برلاس کو درمیان میں لانے کی حماقت نہ کریں۔ وہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی محکمے کے
معزز اعلیٰ آفیسر کی بیوہ ہیں بلکہ خود اپنا بھی ایک مقام رکھتی ہیں۔ اُونچے حلقوں میں بھی ان کی
پہنچ خاصی دُور تک ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدمزگی پیدا ہو اور ہمیں بعد میں شرمندگی اٹھانا
پڑے۔''

''جو حکم جناب.....'' ایس پی رحمان نے کہا، لیکن اُس کے جواب دینے کا انداز بتا رہا
کہ وہ آئی جی کے خیالات سے سو فیصد متفق نہیں تھا۔

''میں نے آپ کو ایک خاص مقصد سے بلایا تھا۔''

''کوئی نیا حکم.....؟''

''ہوں..... آپ موجودہ کیس کی تمام فائلیں مع تفتیشی رپورٹ سی آئی اے کے حوالے کر دیں۔''

''لیکن سر.....''

''آئی ایم سوری مسٹر رحمان!'' آئی جی نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کے سابقہ ریکارڈ کی بناء پر آپ کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن اس بار اُوپر کے احکامات اتنے سخت ہیں کہ میں ان میں کوئی مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔''

''اوکے سر..... میں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر آپ کے احکامات کی تعمیل کر دُوں گا۔'' ایس پی رحمان نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ اُس کے چہرے پر اچانک ہی ناخوشگوار تاثرات مرتب ہوئے تھے۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ ہر کیس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں..... یہی جذبہ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت ہے جو آپ کو کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔''

''شکریہ سر.....''

''آپ کیس کی فائل سی آئی اے کے حوالے کر دیں..... لیکن میں آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس کیس میں اپنی دلچسپی جاری رکھ سکتے ہیں لیکن اس طرح کہ آپ کا کوئی عمل دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کے زمرے میں نہ آ سکے۔''

''تھینک یو سر.....'' ایس پی رحمان نے تیزی سے کہا۔ ''میں یہی اُمید کر رہا تھا کہ آپ مجھے اپنی کارکردگی ثابت کرنے کا ایک موقع ضرور فراہم کریں گے۔''

''لیکن ایک شرط کے ساتھ.....'' آئی جی نے پائپ کا دُھواں اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''آپ

...ں کو ڈسٹرب نہیں کریں گے۔''

''مطمئن رہیں جناب! میں شکایت کا موقع نہیں دُوں گا۔''

''کیا آپ نے اب تک رونما ہونے والے حالات کے سلسلے میں کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو لیکن ایک بات بہرحال اپنی جگہ طے ہے کہ کچھ لوگ ...ں کی توجہ دوسری جانب مبذول کرنے کی خاطر تخریبی کارروائی کرنے میں مصروف ہیں۔''

''...کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ ایسے حالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔''

آئی جی..... گویا آپ کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ سیاسی بنیادوں پر اور آپس میں اختلاف کے سبب ہو رہا ہے۔''

''ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''اور دوسری کیا ہے.....؟'' آئی جی نے سوال کیا۔

''ناجائز تجارت اور ملک گیر سازش۔'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میرا خیال یہی ہے کہ دو بین الاقوامی پیمانے پر کام کرنے والے گروہ کے سربراہ آپس میں ٹکرا ...ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو اپنی بقاء کے لئے ناقابل برداشت محسوس کر رہے ...اب تک جو حالات اور واقعات رونما ہوئے ہیں، ان سے کم از کم یہی تاثر ملتا ہے۔''

''اور جو یہ آئے دن قتل و غارت گری اور اغواء وغیرہ کے کیس ہوتے رہتے ہیں؟''

''یہ سب معمولی مہرے ہیں جناب! جو بڑوں کی چال کی زد میں آ کر کام کر رہے ہیں۔ ...مجرم ابھی تک پس پردہ ہیں اور جلد از جلد اُن کی نقاب کشائی کرنا ہماری بنیادی ذمہ ...ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو.....'' آئی جی نے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''آپ کے ذہن میں کچھ نام بھی ہیں؟''

''ایک نام تو آپ کے علم میں بھی ہے سر.....''

''ہاں..... آں..... لیکن کسی ٹھوس کاغذی ثبوت کے بغیر ہم کسی سیاسی آدمی پر ہاتھ نہیں ...سکتے خواہ اُس کا تعلق مخالف گروہ سے ہی کیوں نہ ہو۔''

''میجر عاطف والا کیس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''چند افراد میجر کی بیوی کے ذریعے فوجی راز حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن میجر عاطف ایک ...اور محب وطن ہے جس نے قوم کی بقاء کی خاطر اپنی محبت کی پرواہ بھی نہیں کی۔''

''ہاں.....'' آئی جی نے گہرے غور و فکر سے کہا۔ ''ایسے معاملات میں تو ہمیں مجرم کو ...بے نقاب کر کے کیفر کردار تک پہنچانا ہو گا۔ میرے خیال میں تو ایسے ملک دشمن ...فرصت میں تختہ دار تک پہنچانا ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔''

''میں آپ کے خیال سے متفق ہوں۔''

''او کے۔'' آئی جی نے کہا۔ ''آپ مجھے برابر اپنی رپورٹ سے آگاہ کرتے رہئے گا۔''

''رائٹ سر......'' ایس پی رحمان نے بڑی گرمجوشی سے کہا، پھر وہ اُٹھا اور آئی جی کو سیلوٹ کر کے رُخصت ہو گیا۔

☆

فون کی گھنٹی بجی تو کمال احمد کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ نازو کی موت کے بعد اُن کا دل ٹوٹ گیا تھا جس تنظیم کی خاطر اُنہوں نے ہزاروں قربانیاں دی تھیں، بڑے بڑے مقدمات نمٹائے تھے، اُن کی حیثیت تنظیم میں دست راست کی سی تھی۔ لیکن خود اُن کی نازو کو کوئی تحفظ نہ ملا۔ اُنہوں نے حقارت سے فون کو دیکھا، پھر مجبوراً اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......!''

''کیا بات ہے...... تم آج کل عدالت کے کاموں میں بھی پہلے جیسی دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔'' دوسری جانب سے تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نازو کی موت کا زخم ابھی تک تازہ ہے...... رفتہ رفتہ ہی بھرے گا۔''

''جمشید کے بارے میں تمہاری کیا اطلاع ہے؟''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''اُسے کل رات اُس کے فلیٹ پر منہ پر تکیہ رکھ کر گولی ماردی گئی ہے۔''

''مجھے اس کی اطلاع ابھی تک نہیں ملی جناب!'' کمال احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

''جمشید کی موت کسی پرانی دشمنی کا شاخسانہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ قاتل نے وہاں سے کوئی چیز لے جانے کی کوشش نہیں کی، مگر اس کے باوجود ہمیں اس بات کے امکانات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے مخالف گروہ یا کسی دشمن کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔''

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے۔''

''صرف خیال نہیں...... عمل کی ضرورت بھی ہے۔'' سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔

''ہو سکتا ہے سردار خان کے کسی ایسے عزیز نے اُس کی موت کا انتقام لیا ہو جس کے علم میں جمشید کی اصلیت رہی ہو۔''

''ناممکن......'' دوسری جانب سے سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''سردار خان کو حالات کی وجہ سے مجبوراً راستے سے ہٹانا پڑا۔ لیکن وہ بہرحال! تنظیم کا وفادار تھا ہمیں اُس کی خدمات کو اتنی جلدی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔''

''اگر جمشید کی موت کو مخالف گروہ کی کارروائی سمجھ لیا جائے تو پھر غوری پر بھی اُن کی نظر یقیناً ہو سکتی ہے۔''

''گڈ......'' دوسری جانب سے تعریف کی گئی۔ ''میں بھی انہی خطوط پر غور کر رہا ہوں۔''

''کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ غوری کو کچھ دنوں کے لئے دفتر سے رخصت دلا کر منظر عام سے ہٹا دیا جائے؟''

''کب تک کے لئے؟...... نہیں! یہ راستہ ہماری بزدلی کے مترادف ہو گا۔''

''پھر آپ کا کیا حکم ہے......؟''

''سب سے پہلے ہمیں یہ پتہ کرنا ہے کہ جمشید کی موت میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے؟ مجھے پتہ ہوا ہے کہ گولی مارنے سے پیشتر اُس کے ہاتھ پشت کی جانب باندھ دیئے گئے تھے۔ مجبور اور بے بس کر کے موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے...... ہو سکتا ہے کہ زندگی کی لالچ دے کر اس سے تنظیم کے بارے میں کچھ اور اہم معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔''

''یہ تو کوئی گھر کا بھیدی ہی معلوم ہوتا ہے۔'' کمال احمد نے بظاہر سنجیدگی سے کہا، لیکن دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اب نازو کا خون رنگ لا رہا ہے۔

''ہو سکتا ہے۔''

''آپ کا شبہ کس پر ہے...... کیا میڈم براس......''

''نہیں...... وہ اتنی باہمت نہیں ہے کہ کھل کر میرے مقابلے کی جرات کر سکے۔''

''پھر...... آپ کا شبہ کس پر ہے؟''

''شبہ کا دائرہ وسیع کیا جائے تو اس میں تمہارا شمار بھی کیا جا سکتا ہے۔'' اس بار سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا۔

''م...... میں...... لیکن......''

''میں نے ایک امکانی بات کہی تھی...... کیوں؟ کیا تمہیں نازو کی موت کا غم نہیں ہے؟''

''آپ کا اندازہ غلط ہے۔ لیکن جمشید کی موت......''

''مجھے معلوم ہے کہ تم بھی اتنے باہمت نہیں ہو۔''

''پھر کون ہو سکتا ہے......؟''

''ہے ایک مشتبہ آدمی میری نظر میں۔ لیکن ابھی میں کھل کر اظہار نہیں کر سکتا، اس لئے کہ میری نگاہوں میں سردار خان کے علاوہ کوئی اور نہیں آ سکا تھا، ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ جمشید سے سردار خان کے تعلقات کی بناء پر اُس نے جمشید کو مشتبہ سمجھ لیا ہو۔''

''آپ کا کیا خیال ہے...... کیا جمشید نے زبان کھول دی ہو گی؟''

''وہ شخص ایک معمولی کارندہ تھا اور اُسے غوری کے علاوہ کسی اور کا علم نہیں تھا۔''

''آپ بھول رہے ہیں جناب...... کارندوں کو ہمیشہ واجد کی طرف سے احکامات دیئے جاتے تھے اس لئے کہ میرا براہِ راست تعلق واجد سے ہے۔ احکامات کو آگے پہنچانا اُسی کی ذمہ داری ہے۔''

''واجد اور چینا ہماری بساط کے بہت اہم اور کارگر مہرے ہیں۔'' دوسری جانب سے کہا

گیا۔ ''تمہارے اندیشے کی روشنی میں اب سب سے پہلے ہمیں واجد اور چینا کے بارے [illegible] سوچنا پڑے گا۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اُن دونوں کو فوری طور پر کسی اور جگہ منتقل کر دینا چاہئے اور کچھ [illegible] کے لئے گوشہ نشینی اختیار رکھنی چاہئے۔''

''میں سوچوں گا......'' ایک لمحے کے تامل کے بعد کہا گیا۔ ''تم فوری طور پر غوری کو [illegible] کے ذریعے ہدایت کر دو! کہ وہ کسی بہانے سے میڈم کی ملازمت سے مستعفی ہو جائے۔''

''بہتر ہے جناب!''

''اور واجد کو سختی سے ہدایت کر دو! کہ آئندہ جب تک میں براہِ راست اُس سے رابطہ قائم کر کے کوئی حکم نہ دُوں، وہ صرف اپنے گھر تک محدود رہے۔ لیکن اُسے ہر وقت اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے...... میں ابھی فون کئے دیتا ہوں۔''

''رحمت علی سے تمہارے تعلقات کس قسم کے ہیں؟''

''بہت اچھے ہیں جناب......!'' کمال احمد نے چونکتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے اپنا محسن سمجھتا ہے۔''

''کیا خیال ہے تمہارا...... اگر رحمت علی کو بھی تنظیم میں شامل کر لیا جائے...... اس طرح جمشید اور سردار خان کی جگہ بھی پُر ہو جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے لئے واجد سے بھی زیادہ کارآمد ہو سکتا ہے۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ رحمت علی......''

''اس کی مرضی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔'' تیزی سے بات کاٹتے ہوئے جواب ملا۔ 'ہم اُسے دوسرے ذریعے سے بھی مجبور کر سکتے ہیں۔''

''آپ بہتر سمجھتے ہیں جناب! مگر میرا اندازہ یہی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ ہمارا حکم نہیں مانے گا۔''

''ایسی حالت میں ہمیں گھی نکالنے کی خاطر اُنگلی ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہے...... ایک بات یاد رکھو! بچے انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔ اور رحمت علی دو بچوں کا باپ ہے۔''

''آپ کی اطلاع درست ہے...... لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں وہ دھن کا پکا ہے، مجھے اپنا محسن بھی سمجھتا ہے۔ برلاس انٹر پرائز میں اُس کو ملازمت بھی نازو نے دلوائی تھی۔''

''گڈ...... ایسی صورت میں تو تم اُس کو تنظیم میں شمولیت کے لئے رضامند کرنے کے [illegible] میں خاصے کارآمد ثابت ہو سکتے ہو۔''

''لیکن ایسی صورت میں مجھے اُس پر اپنی حیثیت بھی ظاہر کرنی ہوگی۔'' کمال احمد [illegible]

تیزی سے کہا۔ ''کیا اصلیت کا اظہار میرے حق میں مناسب ہو گا؟''

''میں تمہارا مقصد سمجھ رہا ہوں۔ مگر تم بہرحال! رفتہ رفتہ رحمت علی کو راضی کر سکتے ہو۔''

''وہ کس طرح......؟''

''اولاد کی رہائی کے سلسلے میں تمہاری معاونت اُسے تمہارا مزید گرویدہ بنا دے گی۔ اور اس کے بعد اُسے ہمارے اشارے پر چلنے کو رضامند ہونا پڑے گا۔''

''وہ ٹھوس ارادوں کا مالک ہے جناب...... آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔''

''اس کی ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو!''

''ایز یو وِش سر......''

''میڈم برلاس اور رحمت علی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میں سمجھا نہیں......''

''اُن کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟''

''ایک بار میڈم سے رحمت علی کے بارے میں سرسری بات ہوئی تھی۔'' کمال احمد نے سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ اُس پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔''

''یہ اور بھی اچھی بات ہے...... تنظیم میں شمولیت کے بعد وہ میڈم کے سلسلے میں بھی ہمارے لئے غوری اور جمشید سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

''ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔''

''مجھے ناممکن کو ممکن بنانے کے تمام گر معلوم ہے۔ تم اس کی پرواہ مت کرو!''

''میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جناب!'' کمال احمد نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔''

''پوچھو!''

''سردار خان کی موت کس جرم کی پاداش میں عمل میں آئی تھی...... میرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے خاصا کارآمد آدمی ثابت ہو رہا تھا۔''

''میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن ہر شے کی افادیت کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب اُس کی افادیت ختم ہو جائے تو اسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دینا چاہئے۔'' دوسری جانب سے لاپرواہی سے جواب ملا۔ ''سردار خان کی اصلیت چونکہ پوری طرح کھل کر میڈم کی نگاہوں میں آچکی تھی اس لئے ہمارے لئے اُس کی افادیت ختم ہو چکی تھی اس کے علاوہ نازو کی موت کی تفتیش کرتے ہوئے پولیس کے کارندے ٹیکسی کے حوالے سے اُس تک پہنچ سکتے تھے اور تم جانتے ہو...... حساس معاملات میں، میں کسی قسم کا رِسک لینے کا عادی نہیں ہوں۔''

''جمشید کی موت کے سلسلے میں آپ کا شبہ کس آدمی پر ہے؟'' کمال احمد نے کہا۔ ''میرا مطلب ہے کہ اگر اُس کی فوری سرکوبی نہ کی گئی تو وہ تنظیم کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا

ہے۔"

"نہیں...... ابھی اُس کی سرکوبی کا وقت نہیں آیا۔"

"کوئی خاص وجہ......؟"

"ضروری نہیں ہے کہ تمہارے ہر سوال کا جواب دیا جائے۔ تمہیں واجد اور چینا کے لئے میں جو ہدایت کی گئی ہے، صرف اسی پر عمل کرو!" اس جملے کے ساتھ رابطہ ختم ہو چکا تھا۔

کمال احمد نے ریسیور رکھ دیا۔ سردار خان کی موت کے بعد اُسے جو مایوسی ہوئی تھی، رحمت علی کے حوالے سے اُسے اتنی ہی خوشی ہو رہی تھی۔ رحمت علی اُسے اپنا محسن سمجھتا تھا۔ وہ رحمت علی کو شیشے میں اُتارنے کے بعد تنظیم کے سربراہ تک زیادہ آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ نازو کی موت کا انتقام لینے کی خاطر اُس کا خون ابھی تک جوش مار رہا تھا۔ رحمت علی کے ساتھ ساتھ میڈم کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ اپنے خیالات میں گم رہا، سربراہ تک پہنچنے کے منصوبے بناتا رہا پھر اُس نے واجد کو فون کیا اور اُسے سربراہ کی جانب سے ملنے والے احکامات سے آگاہ کرنے لگا۔

☆

وہ گولیاں چلنے کی آوازیں ہی تھیں جنہیں سن کر رحمت علی کی آنکھ کھلی تھی...... اُس نے برق رفتاری سے اپنا آٹو میٹک ریوالور نکال کر نائٹ گاؤن کی جیب میں ڈالا، دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی تو رات کے ساڑھے بارہ بجے کا عمل تھا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں اُس کے مکان کے باہر سے ہی آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹنے کی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی منظم گروہ نے اُس کے مکان کو ہدف بنا رکھا ہے۔ وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھا تھا، لیکن عذرا لپک کر درمیان میں آ گئی۔

"نہیں رحمتے...... نہیں! اس وقت میں تجھے باہر نہیں جانے دوں گی۔"

"تو کیا اندر بیٹھ کر تماشہ دیکھتا رہوں؟" رحمت علی کی آنکھوں میں خون تیر رہا تھا۔

"وہ اکیلے نہیں ہوں گے رحمتے...... نہ جانے کتنے ہوں۔ اور تیرے باہر نکلنے پر اندھیرے میں میرا سہاگ بھی اُجاڑ دیں...... نہیں رحمتے! تجھے میری قسم، میری بات مان لے، اس وقت تیرا باہر جانا مناسب نہیں ہے۔"

"مجھے دیکھنے تو دے کہ وہ کون لوگ ہیں اور کس مقصد سے ہمارے مکان کو تباہ کر رہے ہیں؟"

"ابھی نہیں......" عذرا نے تیزی سے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "کیا پتہ وہ تجھے باہر نکالنے کے لئے ہی یہ خطرناک کھیل تماشے کر رہے ہوں۔"

"تو مجھے بزدلی کا سبق پڑھا رہی ہے۔" رحمت علی جھلا کر بولا۔ "وہ مجھے للکار رہے ہیں، میں بزدلوں کی طرح اندر چھپا بیٹھا رہوں؟"

"یہی دانشمندی ہے......" عذرا بولی۔ "وہ کچھ دیر بعد تھک ہار کر خود ہی اپنا منہ کالا کر جائیں گے۔"

"اور ہمارا نقصان کون بھرے گا؟"

"زندگی اِس نقصان سے زیادہ قیمتی ہے۔" عذرا دیوار بنی کھڑی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو رحمت علی اُسے دھکا دے کر باہر نکل چکا ہوتا۔ اُسے یقین تھا کہ موت برحق ہے۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔ پھر بزدلی سے گھر کے اندر چھپے رہنا اُسے منظور نہیں تھا۔ لیکن عذرا اُس کے پیروں کی بیڑی بن گئی تھی۔ وہ اس بیڑی کو نہیں کاٹ سکتا تھا۔

اُس کا ذہن تیزی سے تنظیم کے سربراہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ رحمت علی خوشی خوشی اُس کے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ تو کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہو رہا تھا کہ وہ جان کے خوف سے اُن کی بات پر رضا مندی کا اظہار کر دیتا؟ اُس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں، اُسے سوچنے کا موقع دینے کا عہد کیا گیا تھا، پھر رابطہ قائم کئے بغیر یہ ہلڑ بازی کیوں کی جا رہی تھی؟ کیا وہ اُسے اپنی طاقت سے مرعوب کرنا چاہتے تھے......؟

"عذرا...... میری بات مان لے! مجھے باہر نکل کر حالات کا جائزہ لینے دے۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ وہ مجھے گولی مارنے کی حماقت نہیں کریں گے۔" رحمت علی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "اگر اُنہیں یہی کرنا ہوتا تو وہ گھر کے اندر بھی کود کر میرا کام تمام کر سکتے ہیں۔"

"کیا تو جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟" عذرا نے اُسے حیرت سے گھورا۔

"نہیں......" رحمت علی نے دانستہ دروغ گوئی سے کام لیا۔

"پھر تجھے اتنا اعتماد کس لئے ہے؟"

"تو...... تو سمجھنے کی کوشش کر...... ہو سکتا ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ گولیاں داغ رہے ہوں۔"

"نہیں...... میں تجھے باہر نہیں جانے دوں گی۔" عذرا نے اُس کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "تجھے اپنے بچوں کی قسم!"

"بچے......" رحمت علی چونکا۔ "بچے کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گے۔"

"مجھے چھوڑ دے عذرا......" رحمت علی پر جیسے اچانک کسی خیال سے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ وہ عذرا کا ہاتھ جھٹک کر پوری تیزی سے اُس کمرے کی جانب لپکا جہاں بچے موجود تھے۔ اسی دیوانگی کے عالم میں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا، فرزانہ اور اکبر دونوں اپنے اپنے بستر پر موجود تھے۔ وہ سکون کا سانس لے کر واپس پلٹا۔ باہر سے اب فائرنگ تھوڑے تھوڑے

وقفے سے ہو رہی تھی۔ پھر دس منٹ بعد فائرنگ بند ہوگئی۔ رحمت علی کے ذہن میں ایک خیال تیزی سے اُبھرا...... کہیں یہ سب کچھ جمشید کی موت کا ردِّعمل تو نہیں تھا......؟ کیا دشمنوں کو اِس بات کا علم ہوگیا تھا کہ وہ بغاوت پر اُتر آیا ہے......؟ ایسی صورت میں باہر سے گولیاں ضائع کرنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ اگر اتنے ہی نڈر اور بے خوف تھے تو مکان میں گھس کر اُسے گولی مار سکتے تھے...... اُس کے بچوں میں سے کسی ایک کو اغواء کر کے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ سکتے تھے...... صرف دہشت پھیلانے سے اُن کا کیا مقصد تھا......؟

''تو...... تو کس سوچ میں گم ہے رحمتے!'' عذرا نے مشکوک لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا تو جانتا ہے کہ فائرنگ کرنے والے کون تھے؟''

''نہیں......'' رحمت علی نے جلدی سے کہا۔ ''لیکن بہرحال! وہ میرے دشمن ہو سکتے ہیں...... دوست ہوتے تو گولیوں کی بوچھاڑ کر کے یہ تباہی کیوں مچاتے؟''

''لیکن دشمنی کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟ بلاوجہ تو کوئی کسی کا دشمن نہیں ہو سکتا۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں......؟'' رحمت علی نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں رحمتے...... تو مجھے ٹال رہا ہے...... تو جانتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے اور یہاں کیوں آئے تھے......''

رحمت علی کوئی تسلی بخش جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ اُسے اچانک چھت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی...... کوئی اندر تک آ گیا ہے...... رحمت علی کے ذہن میں یہ احساس برق رفتاری سے اُبھرا اور دوسرے ہی لمحے وہ عذرا سے خود کو چھڑا کر کسی آدم خور کی طرح دیوار کی آڑ لیتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عذرا نے گھبرا کر صحن میں جانے والی لائٹ آف کر دی، پھر وہ بھی دھڑکتے ہوئے دل سے رحمت علی کے پیچھے پیچھے دبے قدموں لپکی......!

☆☆☆☆☆

چھت پر سنائی دینے والے قدموں کی آہٹ نے اُسے خطرے کا احساس دلایا تھا، گولیاں چلنے کی آوازیں شاید اسی لئے بند ہوئی تھیں کہ اب وہ گھر کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

رحمت علی پوری طرح محتاط تھا۔ اُس نے اشارے سے عذرا کو بچوں کے کمرے میں جانے کو کہا، پھر دیوار سے چپک گیا۔ اُس کی پوزیشن مخدوش تھی۔ جو لوگ چھت کے اُوپر تھے وہ بہتر پوزیشن میں تھے اور اُوپر سے آڑ لے کر آسانی سے اُسے گولیوں کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ چنانچہ رحمت علی نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ زینے کے قریب پہنچ کر ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا اور کان لگا کر سن گن لینے لگا۔ جو لوگ اُوپر تھے وہ اگر سیڑھیوں پر آ جاتے تو اُنہیں آسانی سے ٹھکانے لگایا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر تک اُوپر سے قدموں کی آہٹ اُبھرتی رہی، پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ غالباً صحن کی لائٹ بند ہونے کے بعد سے اُنہیں بھی خطرے کا احساس ہوگیا تھا اور وہ گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔

رحمت علی کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر دشمنوں کو گھر میں داخل ہو کر کوئی نقصان پہنچانا تھا تو بلاوجہ گولیاں ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ فائرنگ کئے بغیر بھی خاموشی سے اندر آ سکتے تھے اور اپنا کام کر سکتے تھے۔ وہ اُسے للکار کر مارنے کے ارادے سے آئے تھے یا پھر یہ تاثر دینے کے بعد وہ اُسے صرف خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔ اور اب فائرنگ بند کر کے اُسے دھوکے میں رکھ کر پشت سے وار کرنے کے خواہشمند تھے۔ رحمت علی کا ذہن کسی کمپیوٹر کی طرح خیالات اور امکانات کے تانے بانے بن رہا تھا لیکن اُس کے کان صحن کی جانب اور چھت سے اُبھرنے والی کسی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ اچانک اُوپر سے سرگوشی کرتی ہوئی ایک مدھم آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''میرا خیال ہے کہ وہ لائٹ بند کر کے اپنے اپنے کمرے میں دبک گئے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو، لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔'' دوسری آواز اُبھری۔

''وہ کیا......؟''

''رحمت علی کا شمار اُن افراد میں نہیں کیا جا سکتا جو خوفزدہ ہو کر چوہے کی طرح بل میں دبک جاتے ہیں۔''

''پھر......؟''

''ہوسکتا ہے کہ اُس نے لائٹ آف کر کے پوزیشن سنبھال رکھی ہو۔''

''ہم جس طرح اندر داخل ہوئے تھے اُسی طرح گول زینے سے اُتر کر پشت کی دیوار پھلانگ کر واپس بھی لوٹ سکتے ہیں۔''

''اور اندھیرے میں کوئی سنسناتی ہوئی گولی ہماری زندگی کو بھی گھپ اندھیروں کا ایک حصہ بنا سکتی ہے۔''

''تو کیا ہم ساری رات اسی پوزیشن میں بیٹھے رہیں گے؟''

''مجھے سوچنے دو......''

اس کے بعد سرگوشیوں کی آواز آنی بند ہوگئی۔ رحمت علی کا ذہن اور تیزی سے کام کرنے لگا۔ اب یہ بات اُس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ وہ لوگ پشت کی جانب سے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے تھے اور پچھلی جانب اُترنے والے گول زینے کے ذریعے اُوپر تک پہنچ گئے تھے۔ وہ تنہا تھا، اس لئے ایک ہی وقت میں وہ دونوں راستوں کی ناکہ بندی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک لمحے تک وہ حالات کی پیچیدگی پر غور کرتا رہا، پھر قبل اس کے کہ وہ کوئی آخری نتیجہ اخذ کرتا اُوپر سے ایک سرگوشی اُبھری۔

''ہمیں کچھ دیر تک انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد واپسی کا وہی راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس راستے سے اندر داخل ہوئے تھے۔''

''فائرنگ کر کے لوگوں کو ہوشیار کرنے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بغیر بھی مشن کی کامیابی ممکن ہوسکتی تھی۔''

''یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ہے، ہمیں صرف وہی کرنا ہے جس کا حکم باس کی سمت سے ملتا ہے۔''

''یہ چوہے اور بلی کا کھیل تماشہ کب تک چلتا رہے گا؟''

''جب تک ایک فریق دوسرے پر پوری طرح حاوی نہیں ہو جاتا، یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔''

''ان ہنگاموں سے کیا فائدہ...... کیا ایک ہی وار میں معاملے کو نہیں نمٹایا جا سکتا؟''

''یہ سوچنا بھی باس کا کام ہے۔''

''ہمیں کتنی دیر تک چوروں کی طرح یہاں چھپے رہنا ہوگا؟''

''کم از کم آدھا گھنٹہ۔''

سرگوشیوں کی آواز دوبارہ بند ہوگئی۔ رحمت علی نے دیوار سے چپکے چپکے ہی اپنی پوزیشن بدلی اور دبے قدموں چلتا ہوا پچھلے لان کے قریب جا کر ایک درخت کی آڑ میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ یہاں سے وہ اُن گول زینوں پر نظر رکھ سکتا تھا جو لان میں اُترتے تھے۔ سرگوشیاں سن

لینے کے بعد یہ بات طے تھی کہ اُوپر جو لوگ بھی تھے وہ واپسی کے لئے بھی پچھلا راستہ ہی اختیار کریں گے۔

آدھے گھنٹے تک وہ کسی ہوشیار چیتے کی مانند درخت کی آڑ میں بیٹھا رہا۔ اُس کی نگاہیں زینوں پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر جان لیوا انتظار کے بعد اُسے ایک انسانی سایہ زینے پر نظر آیا جو آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔ اُن کی تعداد سرگوشیوں کے مطابق یقینی طور پر ایک سے زیادہ تھی، لیکن شاید اُنہوں نے ایک ایک کر کے نیچے اُترنے کا فیصلہ کیا تھا تا کہ ہنگامی صورتِ حال کے پیشِ نظر چھت پر موجود لوگ اپنے ساتھی کو بچانے کی خاطر جوابی کارروائی کر سکیں۔ جو شخص دبے قدموں نیچے اُتر رہا تھا اُس کے ہاتھ میں خود کار رائفل بھی موجود تھی۔ رحمت علی پوری طرح محفوظ پوزیشن میں تھا اس لئے جیسے ہی وہ شخص نیچے آیا، اُس نے گرج دار آواز میں اُسے للکارا۔

''خبردار...... رائفل پھینک کر ہاتھ اُوپر اُٹھا لو! ورنہ شوٹ کر دُوں گا۔''

جواب میں اُس کے حکم کی تعمیل میں کسی پس و پیش کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ نیچے آنے والے نے رائفل پھینک کر فوراً ہی اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر لئے تھے۔

''جو لوگ اُوپر ہیں وہ بھی ایک ایک کر کے نیچے اُتر آئیں!'' رحمت علی نے دوبارہ للکارا۔ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت مضبوط تھی۔ اُس کی نگاہیں کسی آدم خور درندے کی مانند اپنے شکار کو گھیرنے کی خاطر اپنے حلقوں میں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

''فائر کرنے کی حماقت مت کرنا!'' اُوپر سے دبی زبان میں کہا گیا۔ ''ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔''

''کون ہو پھر......؟''

''دوست......''

''کوئی ثبوت......؟'' رحمت علی نے بدستور سفاک لہجے میں دریافت کیا۔

''جمشید کے سلسلے کی پرانی کڑی۔'' اُوپر سے جواب ملا۔

''اس کا علم میرے دشمنوں کو بھی ہو چکا ہے...... ہوسکتا ہے تم مجھے دھوکے میں رکھ کر شکار کرنا چاہتے ہو۔''

''ہماری بات پر اعتماد کرو......''

''نہیں...... میں تم لوگوں کے درمیان ہونے والی سرگوشیاں سن چکا ہوں۔'' رحمت علی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اتنی آسانی سے ٹریپ نہیں ہوسکتا جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس لئے کہ مجھے موت کا ایک وقت معین ہونے کا یقین ہے جسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔''

''ہمیں نیچے آجانے دو، پھر اطمینان سے بات ہو جائے گی۔''

''نہیں...... میرے سوال کا جواب دو! ورنہ تمہارا ایک ساتھی تو بہر حال! میری زد پر ہے۔''

ٹریگر پر اُنگلی کا ایک ہلکا سا دباؤ ہی اس کی موت کا پیغام ثابت ہو سکتا ہے۔''

''ہماری بات پر اعتماد کرو...... ہم دوست ہیں۔''

''کوئی خاص کوڈ......؟'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''کیا اِس کے بغیر تم اپنا ارادہ تبدیل نہیں کر سکتے ؟''

''نہیں......'' رحمت علی کا لہجہ دوبارہ سفاک ہو گیا۔ ''تم وقت ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''ایم۔ بی تھری تھری زیرو......'' تھوڑے توقف سے جواب ملا۔

رحمت علی یکلخت چونک اُٹھا۔ تھری تھری زیرو کا کوڈ کم ہی لوگوں کو معلوم تھا۔ لیکن اس کے ساتھ میڈم برلاس کے نام کا مخفف ایم۔ بی بھی اس بات کی ترجمانی کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ وہی کمانڈوز تھے جنہوں نے جمشید والے معاملے میں اُسے ایک حماقت کر گزرنے سے بچا لیا تھا۔ وہ یقیناً اُس کے ساتھ سائے کی طرح چپکے ہوئے تھے لیکن اس طرح کہ رحمت علی کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا، اس وقت بھی غالباً دشمن کی جانب سے چوکنا ہونے کے بعد ہی اُنہوں نے چھت پر پہنچ کر مورچہ سنبھال لیا تھا۔

رحمت علی کے درخت کی آڑ سے باہر آنے کے ساتھ ہی وہ بھی نیچے آ گئے۔ اس وقت بھی اُن کی تعداد تین ہی تھی اور تینوں نے اپنے چہرے نقاب میں چھپا رکھے تھے۔

''کیا گولیاں چلانے والوں کو تمہاری موجودگی کا علم ہو گیا تھا جو وہ واپس چلے گئے؟'' رحمت علی نے رائفل والے سے سوال کیا۔

''نہیں...... میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو محض ہراساں کرنے کے خواہشمند تھے اسی لئے واپس لوٹ گئے۔ اچھا ہی ہوا جو اُنہوں نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی اور سامنے بھی نہیں آئے، دوسری صورت میں ہم اُنہیں بھون کر رکھ دیتے۔ میڈم کی جانب سے ہمیں کچھ ایسے ہی احکامات ملے ہیں۔''

''گویا تمہاری طرف سے فائرنگ کا جواب نہیں دیا گیا؟''

''نہیں...... کمانڈو تربیت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بلاوجہ گولیاں ضائع نہ کی جائیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تھری تھری زیرو کا کوڈ بار بار دوہرانا مناسب نہیں ہو گا۔'' رحمت علی نے کچھ سوچ کر کہا۔

''اس کا اصرار بھی آپ ہی کی جانب سے ہوا تھا ورنہ ہم نے تو دوستی ہی کا دعویٰ کیا تھا۔''

''آئندہ سے ہمارے درمیان ایک نیا کوڈ ہو گا...... بلائنڈ ایرو۔''

''ٹھیک ہے......'' رائفل والے نے جواب دیا، پھر وہ تینوں رحمت علی کی اجازت کے بعد پچھلے ہی راستے سے رات کی تاریکی میں گم ہو گئے۔

رحمت علی اُن تینوں کو رخصت کر کے کچھ ہی دُور گیا تھا کہ عذرا اچانک ایک ستون کی

نکل کر سامنے آ گئی۔ اُس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور پیشانی پر سلوٹیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے رحمت علی کو شکوہ بھری نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب کیا تھا رحمتے...... تو نے تو کہا تھا کہ تیرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا......''

''پھر یہ نقاب پوش اچانک تیرے سنگی ساتھی کیسے بن گئے؟ یہ سب ہماری چھت پر بیٹھے کیا کر رہے تھے؟ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے ہمارے پُر سکون ماحول کو گولیوں سے برباد کیا تھا؟'' عذرا مجسم سوال بن گئی۔

''جو لوگ چھت پر تھے وہ میڈم نے میری حفاظت کے لئے مقرر کئے ہیں۔'' رحمت علی نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''تو مجھ سے ضرور کچھ چھپا رہا ہے......'' عذرا بولی۔ ''مجھے سچ سچ بتا رحمتے! تجھے ایسا کون سا خطرہ لاحق ہے جو تیری حفاظت کے لئے اتنے خطرناک اور مسلح افراد تعینات کئے گئے ہیں؟''

''بس......'' اُس نے شانے اُچکاتے ہوئے کہا۔ ''میڈم کی نگاہوں میں، میں اہم ہوں۔ شاید اس لئے......''

''نہیں......'' عذرا نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غصے سے کہا۔ ''تو مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے۔''

''اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے......؟''

''تجھے میری جان کی قسم رحمتے...... تو میرا مرا منہ دیکھے جو کچھ چھپائے۔ سچ بتا! وہ لوگ کون تھے جنہوں نے تیری جان لینے کی کوشش میں گولیوں کی بارش کی تھی؟ وہ تیری جان کے لاگو کیوں ہیں؟''

''وہ...... وہ مجھے صرف خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔''

''مگر کیوں؟...... تو نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟''

''ہے ایک گروہ جو میڈم کے بزنس کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا۔ اور میں......''

''اگر اُن کی دشمنی میڈم کے ساتھ ہے تو پھر وہ تیرے مکان پر کیا لینے آئے تھے......؟''

''وہی تو بتا رہا ہوں۔'' رحمت علی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''اُن کا خیال ہے کہ برلاس انٹرپرائز میں میری شمولیت فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے۔''

''پھر...... وہ کیا چاہتے ہیں؟''

''یا تو میڈم کی ملازمت ترک کر دوں یا پھر اُن کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔''

''کیا وہ تجھ سے مل چکے ہیں؟'' عذرا نے سچائی جاننے کے لئے رحمت علی کی نگاہوں میں جھانکا۔

''نہیں...... ابھی تک صرف فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ ایسے

حالات پیدا کر دیں گے کہ میں اُن کے ساتھ شامل ہونے پر خوشی خوشی مجبور ہو جاؤں" رحمت علی نے کہا۔ "آج شاید اسی لئے اُنہوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کی خاطر فائرنگ کا ڈرامہ کھیلا تھا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ اور ارادہ دل میں لے کر یہاں آئے ہوں اور میرے لوگوں کو دیکھ کر فرار ہو گئے ہوں۔"

"ہاں...... یہ بھی ممکن ہے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تجھے مجبور کرنے کی خاطر مجھے، فرزانہ یا اکبر کو زبردستی اُٹھا لیں۔" عذرا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "تو، تو دن بھر گھر سے باہر میڈم کے بزنس میں اُلجھا رہتا ہے، میں عورت ذات بھلا اُن کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہوں؟"

"میری مان تو، تو بھی اسلحہ کا استعمال سیکھ لے۔ کم از کم اپنے بچاؤ کی خاطر دو چار آدمیوں کو ٹھنڈا تو کر سکتی ہے۔"

"مذاق چھوڑ رحمتے......" عذرا نے بڑی مسکین صورت بنا کر کہا۔ "میری ایک بات مان لے!"

"کیا......؟"

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا...... یہ سب ٹھاٹھ باٹ چھوڑ کر اپنی اُسی زندگی میں واپس لوٹ چل! جہاں غربت کے باوجود سکون تو تھا۔ یہ سب دنگا فساد نہیں تھا۔"

"نہیں...... اب یہ ممکن نہیں ہے۔" رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیوں......؟"

"میں اتنا آگے آ چکا ہوں کہ اب میری واپسی بھی ان خطروں کو نہیں ٹال سکتی جو میرے سر پر منڈلا رہے ہیں۔"

"خطرے...... کیسے خطرے؟" عذرا نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"بس! تو یہ سمجھ لے کہ میں نے شہد کی مکھی کے چھتے پر پتھر مار دیا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ان سے لڑنا ہوگا، اگر میں نے پشت دکھا کر بھاگنے کی کوشش بھی کی تو وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی، بھنبھوڑ کر رکھ دیں گی۔"

"مم...... میں کچھ بھی سمجھی نہیں رحمتے...... تجھے میری محبت کی قسم، مجھے سب کچھ بتا دے!" عذرا کے لہجے میں خوف مترشح تھا۔

"کچھ ملک دشمن عناصر سے بس اچانک میرا ٹکراؤ ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ یا تو مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے یا......"

"یا......؟"

"مجھے ہمیشہ کے لئے اپنے راستے سے ہٹا دیں گے۔"

"کون لوگ ہیں وہ...... تو پولیس کو اُن کی اطلاع کیوں نہیں دیتا؟"

"یہی تو مشکل ہے کہ اُن کا سربراہ ابھی تک میری نگاہوں سے روپوش ہے۔ خود اُس کے کارندے بھی اُسے نہیں جانتے۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا، پھر لمبی سانس لے کر بولا۔ "دو چار کارندوں کے چہرے ضرور بے نقاب ہوئے ہیں لیکن اگر وہ پولیس کے حوالے کر بھی دیئے جائیں۔ تو میں اُن کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکتا۔"

"پھر...... اب کیا ہوگا؟"

"وطن کی محبت کی خاطر اور زندگی کی بقاء کے لئے ہر حال میں جنگ کرنی ہوگی۔" رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اور مفاہمت کی جو صورت ہے وہ مجھے منظور نہیں ہے...... کسی قیمت پر بھی نہیں۔"

"پھر تو وہ مرتے دم تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔" عذرا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"...... اور ہمیں خدا پر بھروسہ کرنا ہوگا۔" رحمت علی نے کہا۔

"مجھے ایک بات بتا رحمتے......" عذرا نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔ "کہیں یہ ناجائز تجارت کا معاملہ تو نہیں ہے؟ دشمنی وہیں جنم لیتی ہے جہاں ایک پارٹی دوسرے کے مفاد کے راستے میں رُکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ اگر میڈم اور اُس کے مخالف ٹکرا رہے ہیں تو، تو چکی کے دو پاٹوں کے بیچ کیوں آ رہا ہے؟ ملازمت پر لعنت بھیج دے۔ تیرے دشمن تیرا پیچھا خود ہی چھوڑ دیں گے۔"

"تو نہیں سمجھے گی۔" رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "بات بہت آگے تک بڑھ چکی ہے۔"

عذرا جواب دینا چاہتی تھی کہ اندر فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی اور رحمت علی نے موقع غنیمت سمجھ کر عذرا کے سوالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر اپنے قدم اندر کی سمت اُٹھا دیئے۔

☆

کمال احمد ٹیلیفون کا ریسیور تھامے دوسری جانب سے بار بار گھنٹی کی آواز سن رہے تھے، پھر انہیں رحمت علی کی 'ہیلو' سنائی دی۔

"ہیلو...... بیرسٹر کمال احمد بول رہا ہوں۔"

"انکل آپ......؟" دوسری جانب سے رحمت علی نے کہا۔ "اتنی رات گئے...... سب خیریت تو ہے؟"

"تم اس وقت کس حال میں ہو؟"

"جی...... میں سمجھا نہیں؟" رحمت علی نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی دو منٹ پہلے میڈم نے مجھے کال کیا تھا۔''

''میری خاطر......؟''

''ہاں...... میڈم کا خیال ہے تمہاری طرف سے ایک باقاعدہ عدم تحفظ کا کیس داخل کر جائے تاکہ پولیس کا تحفظ حاصل ہو سکے۔''

''لیکن اس کی ضرورت کیوں محسوس کی جا رہی ہے؟''

''میڈم نے بتایا ہے کہ ابھی تقریباً بیس منٹ پہلے کچھ شر پسند عناصر نے تمہارے مکان پر حملہ کیا تھا۔''

''اوہ...... گویا میڈم کو یہ خبر فوراً ہی پہنچ گئی۔''

''تم اُسے اتنا نہیں جانتے، جتنا میں جانتا ہوں۔'' کمال احمد نے کہا۔ ''وہ اپنے ایک ایک سٹاف ممبر کے بارے میں تمام معلومات رکھتی ہے اور تم تو اُس کے خاص آدمی ہو...... بہر حال کیا تمہیں علم ہے کہ حملہ کرنے والے کون تھے؟''

''نہیں......'' رحمت علی نے جواب دیا، پھر کچھ سوچ کر کہا۔ ''میری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے...... ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے کسی غلط فہمی کی بناء پر میرے مکان کو ہدف بنا لیا ہو۔''

''گویا تم خود کو محفوظ سمجھتے ہو؟''

''جی ہاں انکل...... موت چونکہ برحق ہے اس لئے میں موت سے نہیں گھبراتا۔ اس کے علاوہ میں اپنی حفاظت خود بھی کر سکتا ہوں۔''

''جانتا ہوں......'' کمال احمد کا لہجہ معنی خیز تھا، تم ان گنت قابل فخر صلاحیتوں کے مالک ہو۔''

''سب اُوپر والے کی مہربانی ہے۔''

''ایک بات اور دریافت کرنا چاہتا ہوں۔'' کمال احمد نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ میں میڈم کا قانونی مشیر ہوں، تمہارے سلسلے میں اُسے کیا جواب دیا جائے؟''

''آپ پریشان نہ ہوں...... میں دفتر میں میڈم سے بات کر لوں گا۔''

''تم جیسا مناسب سمجھو...... ویسے حالات کے پیش نظر تمہاری جانب سے کیس داخل کر دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ انکل! لیکن میں فی الحال اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''یوں بھی پولیس کے معاملات میں ایک بار پھنس جانے کے بعد کسی بھی شریف آدمی کو بلاوجہ کی ذلیل بھگتانی پڑتی ہے۔''

''تمہارا خیال کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔ لیکن پانچوں اُنگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں۔ اگر تم چاہو تو میں ایس پی رحمان سے ذاتی طور پر تمہارے سلسلے میں گفتگو کر سکتا ہوں، اُن سے میری پرانی شناسائی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی بندوبست پرائیویٹ طور پر کر دیں۔''

''ٹھیک ہے......'' رحمت علی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

''تم صبح میڈم سے دفتر میں گفتگو کرنے کے بعد مجھ سے کسی وقت رابطہ قائم کر لینا۔''

''جی بہتر ہے۔''

''مجھے تم سے ایک شکایت بھی ہے۔''

''میں اسے جانے بغیر ہی معافی کا خواستگار ہوں۔'' رحمت علی نے انکساری سے کہا۔

''نازو کی موت کے بعد سے تم مجھ سے صرف ایک بار ملے ہو۔'' کمال احمد نے شکوہ کیا۔

''میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں انکل...... کوشش کروں گا کہ دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔''

پھر کمال احمد نے چند رسمی باتوں کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُن کا ذہن تنظیم کے سربراہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ رحمت علی از خود اُس کی سمت جھکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میڈم نے جس حملے کا حوالہ دیا تھا وہ بھی یقیناً اسی سلسلے کی ایک کڑی لگتی تھی...... لیکن میڈم کو حملے کی اطلاع اتنی جلدی کس طرح مل گئی؟...... کمال احمد نے سوچا۔ رحمت علی کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے میڈم کو حملے کی اطلاع نہیں دی تھی، پھر میڈم کے اپنے کون سے ذرائع تھے......؟

نازو کی موت کے بعد سے کمال احمد اندر سے ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ وہ اُن کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ اُسے اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے عرش تک لے جانے کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اُن کے خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ غلط ہاتھوں میں پھنس جانے کے بعد نازو کمال احمد کو داغ مفارقت دے کر منوں مٹی کے نیچے جا کر ابدی نیند سو گئی تھی اور اُس کی موت کے بعد سے کمال احمد کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا، وہ کسی نہ کسی طرح تنظیم کے سربراہ سے نازو کی موت کا انتقام لینے کے خواہش مند تھے خواہ اس کے لئے اُنہیں اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانا پڑتی۔ سربراہ نے رحمت علی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی خواہش کا اظہار کر کے اُن کی یہ مشکل آسان کر دی تھی۔ وہ رحمت علی کے ذریعے سربراہ تک پہنچنے کا پلان مرتب کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ اس طرح چونکے جیسے اچانک کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو...... اس وقت کون کال کر سکتا ہے......؟ اُنہوں نے سوچا۔ میڈم یا......

چند لمحے وہ فون کو گھورتے رہے، پھر چوتھی گھنٹی پر ریسیور اُٹھا لیا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم اس وقت جاگ رہے ہو گے۔'' دوسری جانب سے تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری۔ ''اور اچھا ہی ہوا جو اس وقت تم بیدار تھے، مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔''

''کوئی خاص بات......؟'' کمال احمد کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''ہاں...... مجھے معلوم ہے کہ تم میڈم کے قانونی مشیر ہو اور رحمت علی ابھی تک اُس کا اور خاص آدمی ہے۔'' دوسری جانب سے سرد آواز میں کہا گیا۔ ''ابھی کچھ دیر پیشتر میرے آدمیوں نے رحمت کے مکان کو گولیوں کا نشانہ بنایا تھا، اس طرح میں اُسے باور کرانا چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں اُس کی حیثیت کسی چیونٹی سے ذرا اہمیت نہیں رکھتی...... ممکن اس حملے کا علم میڈم کو ہو جائے اور وہ کسی مصلحت کی بنیاد پر تمہارے ذریعے رحمت علی کو پولیس پروٹیکشن دلانے کی کوشش کرے...... لیکن تم ایسا نہیں کرو گے، خواہ تمہیں کتنا ہی نقصان کیوں ہو...... یہ میرا حکم ہے۔''

کمال احمد گُنگ سا رہ گیا...... اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو بات کچھ دیر پہلے کے، رحمت علی اور میڈم کے درمیان ہو چکی تھی اُس کے امکانی پہلو سربراہ کے ذہن میں کس طرح روشن ہو گئے؟...... کیا یہ محض امکانی بات تھی یا پھر اُس کا فون باقاعدہ کسی خفیہ ذرائع سے ٹیپ کرایا جا رہا تھا؟ اُسے حالات کا علم بروقت کس طرح ہو جاتا تھا؟...... کمال احمد کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔

''تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔'' دوسری جانب سے بدستور سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

''سن رہا ہوں۔ لیکن اگر میڈم نے ایسی کسی بات کا اظہار کیا اور میں نے انکار کیا تو شاید......''

''برلاس انٹرپرائز سے تمہاری قانونی مشیر کی حیثیت ختم ہو جائے گی...... کیوں، یہی سوچ رہے ہو؟''

''ہاں......''

''ایسی صورت میں تمہارے نقصان کی رقم میں ادا کرتا رہوں گا۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو! میں نہیں چاہتا کہ فی الحال میرے اور رحمت علی کے درمیان پولیس کے کارندے مداخلت انداز ہوں۔''

''میں کوشش کروں گا......''

''کوشش نہیں...... تمہیں ہر قیمت پر ایسا کرنا پڑے گا۔ نازو کا انجام تمہارے سامنے مثال کی صورت ہے، اس کا دھیان رہے۔''

پھر دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا اور کمال احمد اُٹھ کر اپنے کمرے کے دبیز قالین پر کسی زخمی درندے کی مانند ٹہلنے لگا۔ وہ رہ رہ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے بھینچ رہا تھا۔ وہ اندھیرے میں روشنی کی صرف ایک ایسی کرن تلاش کر رہا تھا جو نازو کی موت کا قرض چکا سکے۔

☆

میڈم برلاس کے جسم پر زیور یا گھڑی وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ رحمت علی کے ساتھ ہی کی وجہ سے اس وقت بھی اُس نے اپنی وہی چھوٹی گاڑی استعمال کی تھی جسے شاذ و نادر ہی استعمال میں لایا جاتا تھا۔ گرین پارک تک میڈم گاڑی ڈرائیو کرتی رہی اور رحمت علی اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا رہا لیکن گرین پارک پہنچ کر میڈم نے گاڑی روک دی اور نیچے اُتر آئی۔ رحمت علی کو بھی اُس کی پیروی کرنی پڑی۔

''یہاں گاڑی روکنے کا کوئی خاص مقصد......؟''

''ہاں......'' میڈم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''گرین پارک بھی رات کے گیارہ بجے کے بعد لندن کا ہائیڈ پارک بن جاتا ہے۔ میں نے یہی سوچ کر گاڑی یہاں روکی تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں شاید اپنے مکان کے کھڑکی، شیشوں اور پلاسٹر اُدھڑنے کی فکر ابھی تک لاحق ہے۔'' میڈم نے بڑی اپنائیت اور بے تکلفی سے کہا۔ ''پریشان مت ہو! تمہارے تمام نقصانات برلاس انٹرپرائز کے اکاؤنٹ سے پورے کیے جائیں گے۔''

''غلط خیال ہے آپ کا......''

''پھر تم اتنی دیر سے کن خیالوں میں گم تھے؟''

''میں سوچ رہا تھا کہ تنظیم کے سربراہ نے مجھے خوفزدہ کرنے کی خاطر انتہائی بھونڈی اور حماقت انگیز چال چلی ہے۔''

''محبت اور جنگ میں ہر چال جائز ہوتی ہے۔''

''یہ اُس کی غلط فہمی ہے......'' رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''جب وہ مجھے جانتا ہے تو پھر یہ بھی اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ رحمت علی کسی موم کے بے جان پتلے کا نام نہیں جو ہلکی سی آنچ سے پگھل جائے۔''

''اوہ...... بڑا اعتماد ہے تمہیں خود پر۔''

''اسی اعتماد کے سہارے زندہ ہوں، ورنہ کب کا مر کھپ گیا ہوتا۔''

''بری بات ہے......'' میڈم برلاس نے ایک ادائے خاص سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری عمر ابھی اس قسم کی باتوں کی نہیں ہے۔''

''کیا آپ نے صرف یہی باور کرانے کی خاطر مجھے بلایا تھا؟''

''نہیں...... بلایا تو کسی اور مقصد سے تھا لیکن اب ارادہ ملتوی کر دیا۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ اب تم گاڑی چلاؤ گے اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر آرام کروں گی۔'' میڈم نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پہل قدمی اور آرام کا یہ انداز کیا عام ڈگر سے منفرد نہیں ہوگا؟'' رحمت علی نے اسٹیئرنگ

سنبھالتے ہوئے کہا۔
”نہیں......“ میڈم سنجیدگی سے بولی۔ ”لانگ ڈرائیو تھکے ہوئے ذہن میں تازگی اور سکون
پیدا کرتی ہے۔“
رحمت علی نے عقب نما شیشے میں میڈم کے موڈ کا سرسری جائزہ لیا، پھر گاڑی سٹارٹ
کرتے ہوئے بولا۔ ”کدھر چلوں......؟“
”ڈیفنس کے راستے ساحل سمندر کی جانب۔“
”وہاں کیا سمندر کی موجوں کا شور ذہن کے لئے تھکن دور کرنے کا ذریعہ ثابت ہو جائے
گا؟“
”تم کمسن ہو......“ میڈم نے لاپروائی اور شوخی سے جواب دیا۔ ”ابھی ان باتوں کو نہیں
سمجھو گے۔“
رحمت علی نے کوئی جواب دینے کی بجائے گاڑی سڑک پر لا کر اس کا رخ ڈیفنس کی
جانب موڑ دیا۔ لیکن کچھ دور جانے کے بعد ہی اسے اس بات کا شبہ ہو گیا کہ کوئی ان کا
تعاقب کر رہا ہے۔ سیاہ رنگ کی ایک لمبی کار ایک محدود فاصلے سے ان کے پیچھے آ رہی تھی۔
”میرا خیال ہے کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے......“ رحمت علی نے میڈم کو اپنے شبے سے
آگاہ کیا۔ ”سیاہ رنگ کی ایک کار غالباً گرین پارک کے علاقے سے ہی ہمارے پیچھے لگی
ہے۔“
”شبے کی کوئی خاص وجہ......؟“
”آپ کا کیا خیال ہے، کیا دشمن ہماری نقل و حرکت سے واقف ہونے کی کوشش نہیں
کریں گے؟“
”کرتے ہیں تو کرنے دو...... ہمارا کیا بگڑتا ہے؟“ میڈم نے سپاٹ آواز میں کہا، پھر
بولی۔ ”اچھا ہی ہے...... انہیں کم از کم اس طرح اس بات کا اندازہ تو ہو جائے گا کہ ہم دو نہیں
بلکہ ایک ہیں اور ہمیں علیحدہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا وہ سمجھ رہے ہیں۔“
”کوئی ہتھیار ہے آپ کے پاس......؟“ رحمت علی نے عقب نما شیشے میں سیاہ کار کو
گھورتے ہوئے سوال کیا۔
”نہیں...... جب تم ساتھ ہوتے ہو تو مجھے اپنے دفاع کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ شاید اس لئے
کہ میں جانتی ہوں کہ تم رات کو سوتے وقت بھی اپنے آٹومیٹک ریوالور سے دور نہیں رہتے۔“
”کیا خیال ہے...... گاڑی کو کسی اور طرف نہ موڑ دیا جائے؟“
”حاصل کیا ہو گا......؟“
”ہمارے شبہے کو تقویت ملے گی۔ کم از کم اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہمیں کوئی
لاحق نہیں ہے، دوسری صورت میں ہمیں کوئی احتیاطی تدبیر اختیار کرنی پڑے گی۔“

”کیا تم ان سے اتنی جلدی ٹکرا جانا چاہتے ہو...... میرا مطلب ہے کہ یہ معلوم کئے بغیر ہی
کہ ان کا سربراہ کون ہے؟“
”اس کے لئے میں نے ایک اور پلان مرتب کیا ہے۔“
”وہ کیا......؟“
”واجد اور چینا......“ رحمت علی نے سرد لہجے میں کہا۔ ”نہ جانے کیوں مجھے یقین ہے کہ وہ
سربراہ کی شخصیت یا اس کے کچھ ٹھکانوں سے ضرور واقف ہوں گے۔ خاص طور سے اس جگہ
سے جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔“
”جلد بازی سے کام مت لینا......“ میڈم نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ”اگر وہ مخالف گروہ
میں خاص اہمیت کے حامل ہوئے تو ان کا پراسرار باس ان کا خیال بھی زیادہ رکھتا ہو گا۔“
”ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو، لیکن مجھے بہرحال! کوئی نہ کوئی جوابی کارروائی تو
کرنی ہی پڑے گی، خاموشی کی صورت میں وہ اسے میری کمزوری بھی سمجھ سکتے ہیں۔“
”گڈ...... اس وقت میں بھی انہی خطوط پر سوچ رہی تھی۔“
”پھر...... آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے......؟“
”اس قسم کے فیصلے رات کو عموماً گیارہ بارہ بجے کے بعد ہی مناسب ہوتے ہیں اور گھڑی
موجود نہ ہونے کی صورت میں میرا اندازہ ہے کہ اس وقت بارہ کا عمل ضرور ہو گا......
شاہراہوں کی ویرانی بھی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔“
”میں سمجھا نہیں......“ رحمت علی نے وضاحت چاہی۔
”فی الحال چلتے رہو...... جو کچھ ہو گا تمہاری نگاہوں کے سامنے ہی ہو گا۔“
”کیا آپ کوئی آخری فیصلہ کر چکی ہیں؟“ رحمت علی نے تیزی سے پوچھا۔
میڈم برلاس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر کچھ دور جانے کے بعد اس نے اچانک گاڑی
روکنے کا حکم دیا تھا، رحمت علی نے گاڑی الٹے ہاتھ پر فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی، آئینے
میں اس نے سیاہ گاڑی کو بھی رکتے اور اس کی ہیڈ لائٹس آف ہوتے دیکھا تھا۔ پھر وہ میڈم
سے گاڑی رکوانے کا سبب دریافت کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک پشت کی سیٹ سے
گولیاں چلانے کی یکے بعد دیگرے متعدد آوازیں ابھریں......
فائرنگ کسی خود کار رائفل سے کی جا رہی تھی، رحمت علی نے اچانک گھوم کر دیکھا، سڑک
کے دوسری طرف ڈاکٹر نادر کا کلینک نظر آ رہا تھا جس کے نیون سائن اور کھڑکی دروازوں کے
شیشے تڑاتڑ ٹوٹ کر رات کے ویرانے میں جھنکار کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ دیوار کا پلاسٹر
بھی جگہ جگہ سے تباہ ہو رہا تھا، یہ سب کچھ اتنی برق رفتاری سے کیا گیا کہ رحمت علی کو کوئی سوال
کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا، پھر قبل اس کے کہ وہ کوئی سوال کرتا میڈم برلاس کی سفاک آواز
اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ”جلدی کرو...... گاڑی نکال لے چلو...... لیکن کچھ دور تک ہیڈ

لائٹس آن نہ کرنا!''

رحمت علی نے حالات کے پیش نظر کچھ زیادہ ہی عجلت کا مظاہرہ کیا، پھر خاصی دُور آ جانے کے بعد اُس نے ہیڈ لائٹس آن کرتے ہوئے پوچھا۔''نادر کلینک کی تباہی سے آپ کا کیا مقصد تھا؟''

''جوابی کارروائی اور اپنے شبہے کی تصدیق۔'' میڈم نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اگر میرے خیال کے مطابق ڈاکٹر نادر ہی ہمارا مطلوبہ دشمن ہے تو وہ اس نقصان پر تلملا کر فوری طور پر کوئی قدم اُٹھانے کی حماقت ضرور کرے گا۔''

''آپ نے غالباً اسی لئے پچھلی سیٹ پر قبضہ جمایا تھا۔''

''ہاں...... اور میں تمہیں یہ بھی باور کرانا چاہتی تھی کہ میں کوئی کمزور عورت نہیں ہوں، وقت پڑنے پر تم کبھی مجھے خود سے دُور اور علیحدہ نہیں پاؤ گے اور ہو سکتا ہے کہ میں ہر محاذ پر تم سے آگے ہی رہوں۔''

''میں اس کے لئے آپ کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

''شکریہ غیروں کا ادا کیا جاتا ہے اور تم...... تم کو میں اپنا بہترین ساتھی اور دوست سمجھتی ہوں۔'' میڈم برلاس کے لہجے میں خلوص تھا۔

''میں اسے بھی آپ کی ذرہ نوازی کہوں گا۔ ورنہ کہاں آپ اور کہاں میں۔'' رحمت علی نے کہا، پھر اُس نے آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''سیاہ رنگ کی کار بدستور ہمارے تعاقب میں ہے۔''

''فکر مت کرو...... وہ ہمارے ہی جاں نثار ہیں۔'' میڈم لاپروائی سے بولی۔

''اس کی کوئی خاص ضرورت تھی؟''

''ہاں...... ہمارا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہے جو ابھی تک گھپ اندھیروں میں چھپا ہوا ہے۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔''تمہارے مکان پر حملے کے بعد سے میں نے اپنے خاص لوگوں کو زیادہ الرٹ رہنے کا حکم دے دیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔''

''اسی خدا نے اپنی حفاظت کے لئے بھی کہا ہے۔''

دونوں کے درمیان اسی موضوع پر بات ہوتی رہی، پھر ایک چورستے کے قریب اچانک ایک پجارو نے بائیں ہاتھ سے نکل کر اُن کا راستہ بلاک کر دیا...... رحمت علی نے اگر فل بریک لگانے میں ذرا بھی سستی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا، اسی لمحے سیاہ کار دندناتی ہوئی اُس کی کار کے پیچھے آ کر ایک فاصلے پر رُک گئی تھی۔ پجارو کے رُکتے ہی اُس سے تین مسلح نقاب پوش کود کر سڑک پر آ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ اُن کے خودکار آتشیں اسلحہ کا رُخ انہوں نے میڈم کی کار ہی کی طرف کر رکھا تھا۔

''خطرہ......'' رحمت علی نے جیب سے اپنا آٹومیٹک ریوالور برق رفتاری سے نکالتے ہوئے کہا۔

''نیچے ہو جاؤ...... بی کوئیک...... جلدی کرو......'' میڈم نے رحمت علی کو ہدایت کی اور اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے پہلا برسٹ مارا گیا...... اگر رحمت علی نے میڈم کے حکم کے ساتھ ہی نیچے جھکنے میں ذرا بھی غفلت کا ثبوت دیا ہوتا تو اُس کی کھوپڑی میں ایک ساتھ کئی سوراخ نمودار ہو سکتے تھے...... گاڑی کا فرنٹ گلاس چکنا چور ہو کر گر رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے رحمت علی نے بڑی پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا تھا......!!

☆☆☆☆☆

"نہیں۔" میڈم برلاس کی سرگوشی تیزی سے اُبھری۔ "گاڑی سے نیچے اترنے کی حماقت نہ کرنا، ان کے ایک دو آدمی پجارو میں بھی ضرور ہوں گے۔"

"چوہے دان میں پھنس کر مرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم ان سے کھل کر مقابلہ کریں۔"

"حماقت کی بات مت کرو، پیچھے ہمارے آدمی بھی ہیں۔" میڈم نے کہا۔ "مقابلے کے دوران تاریکی میں سنسناتی ہوئی کوئی گولی تمہاری بھی مزاج پرسی کرسکتی ہے۔"

رحمت علی نے فوری طور پر نیچے اترنے کا ارادہ ملتوی کردیا، پجارو سے کودنے والے نقاب پوش اب ایک محدود فاصلے پر پہنچ کر رک گئے تھے، ان کے اسلحہ کا رخ بدستور گاڑی کی سمت تھا، پھر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔

"اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو شرافت سے نیچے اتر آؤ ورنہ تمہارا انجام خطرناک ہوگا؟"

"کیا خیال ہے؟" رحمت علی نے تلملا کر میڈم سے کہا۔ "ان کی دعوت قبول کرلیں۔"

میڈم نے جواب دینے کے بجائے رائفل سنبھال کر سر اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن اسی لمحے دوسرا برسٹ مارا گیا اس کے ساتھ ہی دوسری وارننگ دی گئی۔

"ہم تمہیں ایک منٹ کی مہلت سے زیادہ نہیں دے سکتے، ہاتھ بلند کر کے نیچے اتر آؤ ورنہ یہ گاڑی ہی تمہارے لئے قبر بن جائے گی۔"

میڈم نے ان میں سے ایک کو نشانے پر لے لیا تھا۔ وہ کسی شیرنی کی طرح محتاط تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ ٹریگر دباتی یکے بعد تین برسٹ ایک ساتھ مارے گئے، اس بار گولی گاڑی کی پشت سے میڈم کے آدمیوں نے چلائی تھی، پجارو سے کودنے والے ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے چلے گئے۔

"پجارو کو روکو...... وہ جانے نہ پائے۔" میڈم نے دروازہ کھول کر اپنے آدمیوں کو ہدایت دی۔

رحمت علی نے اتنی دیر میں اپنے آٹومیٹک ریوالور سے پے در پے فائر کئے اور پجارو جو محض چند گز آگے بڑھی تھی لہرا کر گھوم گئی۔

"خبردار۔" اس بار میڈم کے آدمیوں نے انہیں للکارا۔ "چپ چاپ نیچے اتر آؤ ورنہ ہم تمہیں بھون کر رکھ دیں گے، اپنے تین ساتھیوں کا انجام تم پہلے ہی دیکھ چکے ہو جو مرنے سے پیشتر ربر کی گیندوں کی طرح اُچھلے تھے۔"

اس وارننگ کا نتیجہ خاطر خواہ ہوا۔ پجارو سے دو آدمی نیچے اترے تھے ان میں سے ایک کے جسم پر ڈرائیور کی وردی تھی اور دوسرا غالباً ان تین آدمیوں کا چوتھا ساتھی تھا جو جہنم رسید ہو چکے تھے، دونوں ہی نے اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر رکھے تھے پھر میڈم کے تین نقاب پوشوں نے انہیں کور کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پجارو کا ڈرائیور بید مجنوں کی طرح تھر تھر کانپ رہا تھا لیکن دوسرا آدمی پرسکون ہی نظر آرہا تھا، میڈم اور رحمت علی نیچے اتر آئے۔

"تم نے ہمیں روکنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" میڈم نے دوسرے آدمی سے سوال کیا۔

"ہمیں تمہیں مار ڈالنے کا حکم ملا تھا۔"

"حکم کس نے دیا تھا؟"

"وہ جو مر چکا ہے اس میں سے ایک ہمارا سردار تھا، اسی نے حکم بھی دیا تھا۔"

"کس کے بندے ہو؟" میڈم غرائی۔

"اس کا جواب بھی مرنے والا ہی دے سکتا تھا۔"

"تم کیا کرتے ہو؟" میڈم نے سرد لہجے میں دریافت کیا، اتنی دیر میں اس کے ساتھی پجارو کو کھنگال چکے تھے۔

"قتل و غارت گری...... اسی پر اپنا گزارہ ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولا، چار رائفلوں اور ایک آٹومیٹک ریوالور کی زد میں ہونے کے باوجود وہ بڑا لاپرواہ نظر آرہا تھا، البتہ ڈرائیور کی حالت غیر ہورہی تھی۔

"پجارو میں اور کتنے آدمی ہیں؟" رحمت علی نے سوال کیا، شائد پشت ہونے کی وجہ سے وہ میڈم کے ساتھیوں کو پجارو میں جھانکتے نہیں دیکھ سکا تھا۔

"ہم چار ہی تھے۔"

"تین کا انجام تم دیکھ چکے ہو۔" میڈم بولی "زندگی چاہتے ہو تو شرافت سے اصلیت اگل دو۔"

"ہم شریف ہوتے تو قتل و غارت گری کو پیشہ نہ بناتے۔"

"تمہارے سردار کو حکم کس طرح ملا تھا؟"

"ٹرانسمیٹر پر......" اُس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "ہوسکتا ہے کہ بات چیت کرنے کا وہ کھلونا اس وقت بھی اس کی جیب میں ہو۔"

میڈم کے اشارے پر تینوں مرنے والوں کی تلاشی لی گئی ان میں سے ایک کے پاس سے واکی ٹاکی ہی برآمد ہوسکا۔

"ہمیں مارنے کی خاطر تمہیں کتنی رقم آفر کی گئی تھی؟"

"لین دین کی بات بھی سردار ہی نے کی تھی۔"

"اوہ......" رحمت علی دانت پیس کر بولا۔ "تم شرافت سے نہیں بولو گے۔"

’’تم بدمعاشی کر کے بھی دیکھ لو، میرا جواب پھر بھی یہی ہوگا۔‘‘ وہ بے جگری سے لہرا کر بولا۔

’’ہمیں مارنے کی کوئی وجہ بھی بتائی گئی تھی؟‘‘ میڈم نے سوال کیا۔

’’نہیں۔ بس سردار نے یہی کہا تھا کہ دو آدمیوں کو اوپر پہنچانا ہے۔‘‘

’’لے جاؤ اسے......‘‘ میڈم نے اپنے آدمیوں سے کہا اور انہوں نے شکروں ہی کی مانند لپک کر اپنے شکار کو دبوچ لیا تھا۔

’’تم مجھ سے کچھ بھی نہیں معلوم کرسکو گے اس لئے بہتر ہے کہ مجھے گولی مار دو‘‘ مرنے والوں کے چوتھے ساتھی نے کہا۔

’’اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔‘‘ میڈم نے کہا پھر ڈرائیور سے مخاطب ہوئی۔

’’تمہارا کیا بیان ہے؟‘‘

’’میں رات کی ڈیوٹی ختم کر کے واپس جا رہا تھا کہ ان چاروں نے گن پوائنٹ پر مجھے روک لیا۔‘‘ ڈرائیور نے بوکھلا کر جواب دیا۔

’’گاڑی کس کی ہے؟‘‘ رحمت علی نے دریافت کیا۔

’’گگ...... گاڑی...... بڑے صاحب کی ہے۔‘‘

’’تڑاخ......‘‘ رحمت علی کا الٹا ہاتھ اتنی تیزی سے گھوما کہ ڈرائیور تیورا کر گرتے گرتے بچا تھا، اس کے ہونٹ کے ایک گوشے سے خون کی لکیر پھوٹ پڑی تھی۔

’’نن...... نہیں...... نہیں۔‘‘ ڈرائیور گھگھیانے لگا، ’’مجھے مت مارو مم...... میں بے قصور ہوں۔‘‘

’’گاڑی کس کی ہے؟‘‘

’’ڈاکٹر صاحب کی۔‘‘

’’ڈاکٹر کا کوئی نام بھی ضرور ہوگا۔‘‘

’’ڈ...... ڈاکٹر نادر صاحب۔‘‘ ڈرائیور نے کہا، ’’میں انہیں اور بیگم صاحبہ کو گھر چھوڑ کر واپس جا رہا تھا کہ ان چاروں نے......‘‘

’’گویا میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔‘‘ میڈم نے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے رحمت علی کی جانب دیکھ کر انگریزی میں کہا۔ ’’یہ اسی کی سمت سے جوابی کارروائی کی گئی ہے لیکن حیرت ہے کہ اسے اتنی جلدی کس طرح خبر ہوگئی۔‘‘

’’ہوسکتا ہے ڈاکٹر نے اس کی موجودگی میں ہی اپنے آدمیوں کو جوابی کارروائی کا حکم دیا ہو۔‘‘

’’نہیں۔‘‘ میڈم بولی وہ اپنی بیگم پر اپنی اصلیت کبھی ظاہر نہیں کرسکتا پھر ان چاروں کا ساتھ ہونا...... نہیں وہ اپنی بیگم سے محتاط ہی رہتا ہے۔‘‘

’’کوئی خاص وجہ؟‘‘

’’ہاں...... میں اس سے بخوبی واقف ہوں، وہ بہت شریف اور سلجھی ہوئی خاتون ہے۔‘‘

’’پھر یقیناً یہ ہم سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔‘‘ رحمت علی نے ڈرائیور کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہوسکتا ہے۔‘‘

’’میرا خیال ہے کہ ہمارا یہاں زیادہ دیر رکنا خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔‘‘ ایک نقاب پوش نے میڈم سے کہا۔ ’’کسی گاڑی کے گزرنے کی صورت میں اس واقعے کی اطلاع پولیس تک بھی پہنچ سکتی ہے اور ہماری ٹانگیں بلاوجہ پھنس جائیں گی۔‘‘

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو......‘‘ میڈم نے کہا۔

’’پھر...... ہمارے لئے کیا حکم ہے۔‘‘

’’ان دونوں کو ساتھ لے جاؤ۔‘‘ میڈم نے سرد لہجے میں کہا۔ ’’کوشش کرنا کہ یہ شرافت سے زبان کھول دیں۔‘‘

’’اور اگر یہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو......‘‘

’’بلا جھجک ڈسپوز آف کر دینا......‘‘

’’رائٹ میڈم......‘‘

پھر ان کے جانے کے بعد میڈم بھی رحمت علی کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ سامنے کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اس لئے واپسی کی خاطر انہیں طویل روٹ اختیار کرنا پڑا۔

’’اب کیا آپ کو یقین آ گیا ہے کہ ڈاکٹر نادر ہی خفیہ تنظیم کا سربراہ ہے۔‘‘ رحمت علی نے تھوڑے توقف کے بعد گفتگو کا آغاز کیا۔

’’کلینک کی تباہی کے فوراً ہی بعد ہمارے اوپر جو حملہ کیا گیا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔‘‘

’’پھر کیا خیال ہے......؟‘‘ رحمت علی نے سرد لہجے میں کہا۔ ’’اس کو بھی ڈسپوز آف نہ کر دیا جائے؟‘‘

’’نہیں...... ہمیں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔‘‘

’’کیوں......‘‘

’’جب تک پوری طرح تصدیق نہ ہو جائے ہمیں حالات کا مزید جائزہ لینا پڑے گا۔‘‘

’’مطلب......‘‘

’’ہوسکتا ہے کہ بیچارے کے ڈرائیور کا بیان درست ہو اور کسی دوسری پارٹی نے ڈاکٹر کی گاڑی استعمال کر کے ہمیں محض غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہو۔‘‘

’’ واجد اور چینا کے بارے میں کیا خیال ہے۔‘‘ رحمت علی نے کہا۔ ’’میرا خیال ہے کہ ان

سے ٹکراؤ کی صورت میں تنظیم کا سربراہ کوئی نہ کوئی ایسی حماقت ضرور کرے گا جو اسے بے نقاب کر سکتی ہے۔''

''ہاں...... ہمیں سوچنا پڑے گا لیکن تم میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔'' میڈم نے مسکرا کر کہا۔ ''اس لئے کہ اب ہم دو نہیں بلکہ ایک ہیں۔''

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے......!

☆

نازو کی موت کے بعد وہ دوسری بار کمال احمد سے ملا تو وہ خاصے ملول اور آزردہ خاطر نظر آ رہے تھے، رحمت علی نے محسوس کیا تھا کہ اسے دیکھتے ہی کمال احمد کی آنکھوں میں بس ایک لمحے کے لئے ایک مخصوص چمک ابھری تھی پھر معدوم ہو گئی۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم میرے کہنے سے آ گئے۔'' کمال احمد نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری انکل...... آپ میرے محسن ہیں اور آج میں جس مقام پر بھی ہوں آپ کے اور نازو کی وجہ سے ہی ہوں لیکن کچھ مصروفیات ایسی تھیں جس کی وجہ سے نہیں حاضر ہو سکا۔ بہر حال آئندہ سے آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا......''

''کبھی کبھی آ جایا کرو بیٹا...... تمہیں دیکھ کر کم از کم نازو کی صورت ہی یاد آ جاتی ہے۔''

''میں معافی کا خواستگار ہوں۔''

''اور تمہاری ملازمت کیسی چل رہی ہے۔''

''خدا کا فضل ہے۔'' رحمت علی نے کہا اس کی نگاہیں کمال احمد کے ہاتھ کی دستی گھڑی کی ساخت پر پڑ رہی تھیں، ان کے سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی میں ایک بڑے نگینے والی انگوٹھی بھی موجود تھی۔

''میڈم برلاس بڑی اصول پسند اور شریف عورت ہے لیکن کبھی کبھی وہ بلاوجہ لوگوں سے بھڑ جاتی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......''

''میں اس کا قانونی مشیر ہوں اس لئے اسے بہت قریب سے جانتا ہوں۔'' کمال احمد نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اصول پسندی بہت اچھی چیز ہے لیکن کبھی کبھی انسان کو اس سے ہٹ کر بھی سوچنا پڑتا ہے۔ اب تم اپنی ہی مثال لے لو...... میڈم نے مجھے بتایا تھا کہ چند شر پسندوں نے تمہارے مکان پر حملہ کیا تھا اور وہ اس بات پر بضد تھی کہ تمہیں کسی طرح سے پولیس کا تحفظ حاصل ہو جائے، اسے تمہارا بہت خیال ہے، وہ تمہیں اپنا دست راست سمجھتی ہے۔ اس نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ میں حملے کے سلسلے میں باقاعدہ قانونی کارروائی کروں تا کہ تمہیں پولیس پروٹیکشن مل سکے۔''

''آپ کا کیا خیال تھا......''

''بات خیال کی نہیں دور اندیشی اور تجربے کی ہے۔'' کمال احمد نے کسی منجھے ہوئے وکیل جیسے انداز میں کہا۔ ''اس قسم کے معاملات میں پولیس کو درمیان میں لانا اکثر دوسری پارٹی کو زیادہ خونخوار بنا دیتا ہے۔''

''حیرت تو اسی بات کی ہے کہ میں اس دوسری پارٹی سے بالکل ہی ناواقف ہوں۔''

''ایک بات پوچھوں...... بشرطیکہ تم اس بات کا وعدہ کرو کہ وہ صرف ہمارے درمیان محدود رہے گی، تم اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے، میڈم سے بھی نہیں......''

''آپ کو مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے انکل۔'' رحمت علی نے سنبھل کر کہا۔ ''بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان ہونے والی گفتگو کا علم کسی اور کو نہیں ہونے پائے گا......''

''بیٹے......'' کمال احمد نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ پچھلے دنوں کچھ لوگوں نے تمہیں اغواء کر لیا تھا۔''

''حیرت ہے کہ جس بات کا علم خود مجھے نہیں وہ آپ تک کس طرح پہنچ گئی۔''

''تو کیا میری اطلاع غلط ہے؟''

''جی ہاں......''

''مجھے یہ بھی علم ہوا تھا کہ کچھ لوگ تمہیں میڈم سے توڑ کر اپنے ساتھ شامل کرنے کے خواہاں ہیں۔''

''کسی دشمن نے بے پر کی اڑائی ہے۔'' رحمت علی نے لاپرواہی سے مسکرا کر کہا پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں اب اجازت چاہوں گا انکل، اس وقت مجھے ایک ضروری کام نپٹانا ہے، پھر کسی وقت تفصیل سے بات ہو گی۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے......''

''ہے کچھ ضروری بات......'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا، اس کی دزدیدہ نگاہیں بار بار کمال احمد کی دستی گھڑی اور قیمتی انگوٹھی پر پڑ رہی تھیں۔

''جیسی تمہاری مرضی۔'' کمال احمد بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''کبھی کبھی ملتے رہنا، نازو کے بعد اب......''

''ہمت سے کام لیں انکل...... قدرت کے کاموں میں بھلا کون دخل دے سکتا ہے...... خدا حافظ۔''

''خدا حافظ......'' کمال احمد نے بھرائی آواز میں جواب دیا۔

رحمت علی نے اسی وقت بڑی رازداری سے ہونٹ پر انگلی رکھ کر کمال احمد کو چپ رہنے کا اشارہ کیا، دو چار قدم چلنے کے بعد وہ پنجوں کے بل واپس ہوا تھا پھر اس نے نہایت احتیاط

سے کمال احمد کی دستی گھڑی اور انگوٹھی اتار کر میز پر رکھی اور ہاتھ تھام کر انہیں باہر لان پر لے آیا...... کمال احمد کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی لیکن وہ خاموشی سے کسی معمول کی طرح عمل کر رہے تھے۔

''میرا خیال ہے اب ہم یہاں کھل کر گفتگو کر سکتے ہیں۔''

''مم...... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔'' کمال احمد نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

''گھڑی میرے ایک موکل نے بطور تحفہ دی تھی اور انگوٹھی میرے دوست سیٹھ جواہر والا کی نشانی ہے لیکن......''

''حالات کے پیش نظر ہمیں اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا ہوگا۔'' رحمت علی نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''کیا عجب ہے کہ اس گھڑی یا انگوٹھی میں کوئی ایسا طاقت ور آلہ موجود ہو جو ہمارے دشمن تک ہماری باتوں کو ٹرانسمٹ کرتا ہو؟''

''اوہ......'' کمال احمد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ''میں نے آج سے پیشتر اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔''

''آپ کا خیال درست ہے انکل کہ کوئی خفیہ تنظیم مجھے میڈم سے توڑ کر اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتی ہے۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور وہ حملہ......''

''وہ بھی مجھے اسی تنظیم کی شرارت معلوم ہوتی ہے، شاید وہ مجھے اپنی طاقت سے مرعوب کرنا چاہتے ہوں۔''

''کیا میں تم پر مکمل اعتماد کر سکتا ہوں۔''

''آپ میرے محسن ہیں انکل...... میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔''

''لیکن تم ان باتوں کا ذکر بھی کسی اور کے سامنے نہیں کرو گے۔'' کمال احمد نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ آواز میں کہا۔ ''ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ان کے نزدیک کسی کی موت کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور نازو...... نازو نے بھی انہی کے خوف سے خودکشی کر لی تھی۔''

''کیا۔'' رحمت علی نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا آپ بھی انہیں جانتے ہیں۔''

''ہاں...... وہ مجھے اپنا خاص آدمی سمجھتے ہیں، میں نے ان کی خاطر بہت سارے کام کئے ہیں، میری ایک کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے مجھے ٹریپ کر لیا ہے لیکن نازو...... انہوں نے میری خدمات کے باوجود میری بچی کی موت کا خیال بھی نہیں کیا۔''

''کیا آپ جانتے ہیں کہ اس تنظیم کا سربراہ کون ہے؟''

''نہیں......''

''کسی پر شبہ تو ہوگا......''

''میں نے اس سلسلے میں بارہا ذہنی ورزش کی ہے لیکن کسی ٹھوس نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''اب آپ کیا چاہتے ہیں......''

''میں......'' کمال احمد نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میں ان سے نازو کی موت کا انتقام لینا چاہتا ہوں خواہ اس کے لئے مجھے اپنی جان ہی کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے......''

''آپ پریشان نہ ہوں انکل...... ہمارا محاذ اب مشترک ہے لیکن ہمیں بہت محتاط رہ کر ہی قدم اٹھانا ہوگا۔''

''کیا ان لوگوں نے تمہیں اغواء کیا تھا۔''

''جی ہاں......''

''پھر چھوڑ کیوں دیا......''

''انہوں نے مجھے سوچنے کی خاطر کچھ مہلت دی ہے اور اس کے ساتھ یہ دھمکی بھی کہ اگر میری جانب سے انہیں کوئی مثبت جواب نہ ملا تو وہ ایسے حالات پیدا کر دیں گے جو مجھے ان کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کر دیں۔''

''تمہیں اغواء کرنے والے کون لوگ تھے...... میرا مطلب ہے کہ کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔''

''ہاں......'' رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک سردار تھا جو مارا گیا اور باقی واجد اور چینا ابھی زندہ ہیں۔''

''اوہ...... گویا تم ان کے کارندوں کے بارے میں جانتے ہو۔''

''ہاں...... ان کے دو کارندے سردار کے بعد بھی میڈم کی فرم میں موجود تھے، ان میں سے ایک جمشید نامی شخص مارا گیا لیکن دوسرا ابھی زندہ ہے۔''

''میں نازو کے سلسلے میں......''

''ہماری منزل مشترک ہے۔'' رحمت علی نے جلدی سے کہا۔ ''میڈم کو بھی نازو کی موت کا بڑا صدمہ ہے لیکن شاید اسے ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ آپ بھی اسی خفیہ تنظیم کے ایک کارندے ہیں۔''

''تم میڈم سے اس کا ذکر بھی نہ کرنا ورنہ......''

''آپ مطمئن رہیں...... میں آپ کی پوزیشن سمجھ رہا ہوں۔'' رحمت علی نے تسلی دی۔

''کیا تم یا میڈم کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔''

''نہیں...... لیکن ہم نے ہمت بھی نہیں ہاری ہے۔''

''میڈم بضد تھی کہ تمہیں پولیس کا تحفظ فراہم کرانے کے لئے باقاعدہ ایف آئی آر درج کرائی جائے جبکہ مجھے دوسری جانب سے ایسا کرنے سے روکا گیا تھا۔''

''کیا آپ کو اب بھی دوسری جانب سے ہدایتیں ملتی رہتی ہیں۔''

''ہاں...... اور میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سے تمہیں بھی ان سے آگاہ کرتا رہوں، نازو کے انتقام کے سلسلے میں مجھے تمہاری شدید ضرورت ہے۔'' کمال احمد کی آواز پھر بھرا گئی۔ ''یہ جانے کیوں اب زندہ رہنے کو دل نہیں چاہتا لیکن مرنے سے پہلے میں نازو کے دشمنوں کو نیست و نابود کرنا پسند کروں گا۔''

''خدا پر بھروسہ رکھیں انکل وہ بہتر کرے گا......'' رحمت علی نے کہا پھر وہ وہاں زیادہ دیر نہیں رکا تھا، ویسے وہاں سے روانہ ہونے سے قبل اس نے کمال احمد کو یہ بات اچھی طرح باور کرا دی تھی کہ آئندہ اسے خفیہ تنظیم کے سربراہ کی کھوج لگانے کے سلسلے میں اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا ہوگا۔

☆

ٹھیک نو بجے میڈم نے اپنی کار مطلوبہ ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی پھر وہ لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر پہنچ کر کمرہ نمبر 401 کے سامنے رکی تھی۔ تمام راستے وہ اس بات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتی رہی تھی کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا، ہوٹل پہنچنے کے بعد بھی وہ پوری طرح محتاط تھی۔ پھر اس بات کا یقین ہو جانے کے بعد کہ اس کا تعاقب نہیں کیا گیا۔ اس نے 401 نمبر کے دروازے پر تین بار دستک دی۔

''کون ہے......؟'' اندر سے کسی نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''تھری تھری زیرو...... دروازہ کھولو۔'' میڈم نے سرگوشی کی۔

اور میڈم کا جواب ملتے ہی دروازہ دوسری جانب سے کھول دیا گیا، میڈم کا استقبال ایک دہرے جسم کے سوٹڈ بوٹڈ شخص نے کیا جو اپنے رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے ہائی سرکل کا کوئی فرد نظر آ رہا تھا لیکن جس انداز میں اس نے میڈم کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے لئے راستہ چھوڑا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ میڈم کی شخصیت سے پوری طرح مرعوب ہے۔

میڈم برلاس نے پرس صوفے پر پھینک کر ایک سگریٹ جلائی پھر اس کے دو تین کش لینے کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا جو اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''بیٹھ جاؤ......'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں اسے حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے وہ کسی روبوٹ کی طرح صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''ان دونوں کا کیا رہا......''

''ہم نے ان سے الگ الگ باز پرس کی تھی۔'' سوٹڈ بوٹڈ شخص نے جو میڈم کے کمانڈو گروپ کا سربراہ تھا سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈرائیور نے اپنی زبان ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ کے بعد کھول دی ہے جبکہ نقاب پوش ابھی تک بڑی بے جگری سے اپنے بیان پر قائم ہے۔ شاید اسے یقین ہو چکا ہے کہ موت اس کا مقدر بن چکی ہے اس لئے موت سے اتنا خوفزدہ بھی نہیں ہے۔

کسی پرانے جرائم پیشہ گروہ کا چھٹا ہوا فرد معلوم ہوتا ہے۔''

''اس کا کیا کہنا ہے......''

''یہی کہ اسے صرف آپ کی کار اور اس میں بیٹھے ہوئے فرد یا افراد کی تباہی کا حکم ملا تھا، یہ حکم کس نے اور کیوں دیا تھا، اس کو اس سلسلے میں کسی بات کا علم نہیں ہے، ویسے مشن کی کامیابی کے بعد انہیں پچاس ہزار کی رقم کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا تھا۔''

''یہ حکم اسے کب ملا تھا......'' میڈم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''آپ لوگوں سے ٹکراؤ سے صرف دس منٹ پہلے۔''

''اس وقت وہ تمام لوگ کہاں تھے......''

''نقاب پوش کے بیان کے مطابق وہ گزشتہ دو روز سے نادر کلینک کے عقب میں اسی پہاڑ میں رات گزار رہے تھے، ان سے کہا گیا تھا کہ بس اچانک انہیں واکی ٹاکی پر رات کے کسی حصے میں بھی کوئی حکم مل سکتا ہے۔''

''مرنے والے تینوں نقاب پوشوں کے سلسلے میں تمہاری کیا اطلاع ہے۔''

''تینوں ہی کرائے کے قاتل تھے۔ دو تین بار پہلے بھی قتل کے کیس میں سزا بھگت چکے ہیں، ان میں سے ایک کی شناخت بھی ہوگئی ہے، اس کا نام تو جہانباز خان ہے لیکن اپنے حلقے میں اسے یارو بدمعاش کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس کا شمار چھٹے ہوئے بدمعاشوں میں ہوتا تھا، وہ پولیس کو دس بارہ کیس میں مطلوب تھا۔''

''پولیس نے اس کیس کو کیا رنگ دیا ہے۔''

''قاتلوں کی موت کے بعد اور ان کی شناخت ہو جانے پر اسے ڈاکوؤں کے درمیان ہونے والی ان بن اور ٹکراؤ قرار دیا جا رہا ہے۔''

''ڈرائیور کا کیا بیان ہے۔''

''اس نے تھوڑے ٹارچر کے بعد اپنی زبان کھول دی ہے۔''

''میں نے اس کا بیان دریافت کیا تھا۔'' میڈم نے تیزی سے کہا۔

''اب وہ سیٹھ جواہر والا کا نام لے رہا ہے۔''

''کیا مطلب......'' میڈم چونک اٹھی۔ ''پہلے تو اس نے ڈاکٹر نادر کا نام لیا تھا۔''

''جی ہاں...... اسے اوپر سے یہی حکم ملا تھا کہ پکڑے جانے کی صورت میں ڈاکٹر نادر ہی کا نام لیا جائے۔'' کمانڈو سردار نے مودبانہ جواب دیا۔ ''اس بات کے لئے اسے الگ سے رقم ملی تھی۔''

''کتنی......''

''دس ہزار......''

''کیا ضروری ہے کہ وہ سچ بول رہا ہو'' میڈم نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑ کر

بجھاتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے کوئی تصدیق کی۔''

''جی ہاں...... میں نے بطور خاص اس پجارو کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں سیٹھ جواہر والا کے نام پر ہی رجسٹر کی گئی ہے البتہ دو روز پیشتر سیٹھ جواہر والا نے اپنی پجارو کی گمشدگی کی رپورٹ کرائی ہے جو پولیس تھانے کے ریکارڈ پر موجود ہے۔''

''گاڑی کی نمبر پلیٹ......''

''ڈرائیور نے بتایا ہے کہ وہ اسے فرضی نمبروں سے چلا رہا تھا۔''

''پکڑے جانے کی صورت میں کیا اب بھی وہ سیٹھ جواہر والا کا دفاع کر سکتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اس نے ڈاکٹر نادر کا نام لے کر غلط بیانی کیوں کی تھی۔''

''اس کو اس سلسلے میں یہی حکم ملا تھا کہ وہ اپنے بیان کو بھی نقاب پوشوں کی طرف سے جانے والی سختی اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی سے منسوب کر دے۔''

''کیا وہ پولیس کے سامنے یہ بیان دینے پر آمادہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نے سیٹھ جواہر والا کی ہدایت پر کیا تھا۔''

''جی ہاں...... اس لئے کہ وہ تین بچوں کا باپ ہے اور ان کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہے۔''

''تمہاری اس اطلاع نے مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کوئی خاص بات......؟''

''ڈاکٹر نادر کا نام سامنے آجانے کے بعد میں سمجھ رہی تھی کہ مجھے اپنی منزل کا سراغ مل گیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر نادر کو ملوث کرنے کی خاطر ہی یہ تمام ڈرامہ رچایا گیا ہو۔'' کمانڈو سردار نے کہا۔ ''پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے کی صورت میں بھی ڈرائیور جلد ہی اصلیت اگل دیتا...... وہ کمزور دل کا واقع ہوا ہے اور محض دس ہزار کی لالچ میں آگیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس تمام ڈرامے کو سیٹھ جواہر والا اور ڈاکٹر نادر کی ملی بھگت سمجھ رہا ہو اس لئے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے واقف کار بھی ہیں۔''

''ہوسکتا ہے......'' میڈم نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ سب کچھ نادر کی کی تباہی کے بعد ہی کیوں کیا گیا؟''

''اسے جوابی کارروائی کے پیش نظر ایک سوچی سمجھی انتقامی کارروائی بھی سمجھا جاسکتا ہے اس طرح ڈاکٹر نادر کی شخصیت پہلے نمبر پر ابھر کر سامنے آسکتی ہے......''

''مگر اس کا بھانڈا بعد میں پھوٹ بھی سکتا تھا۔'' میڈم پرخیال لہجے میں بولی۔ ''... ذاتی خیال کیا ہے۔''

''حالات، واقعات اور ڈرائیور کے بیان کے پیش نظر سیٹھ جواہر والا کی پوزیشن زیادہ مشکوک نظر آتی ہے۔'' کمانڈو سردار نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''ڈاکٹر نادر جیسے کروڑ پتی آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک چھوٹے سے نقصان کے لئے اتنی تیزی سے اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔''

''یہی بات سیٹھ جواہر والا کے سلسلے میں بھی سوچی جاسکتی ہے۔'' میڈم نے جرح کی۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ کسی خاص وجہ سے ڈاکٹر نادر کی پوزیشن خراب کرنا چاہتا ہو۔'' کمانڈو سردار نے کہا۔ ''جمشید کے سلسلے میں بھی اسی نے آپ سے سفارش کی تھی۔''

''ٹھیک ہے...... اب ہمارے سامنے بہرحال دو نام ہیں اور ان دونوں میں سے ایک ہمارا مطلوبہ شخص ہے۔''

''آپ کا اشارہ ہو تو دونوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔'' کمانڈو سردار نے سرد آواز میں کہا۔

''نہیں...... اتنی جلدی کی ضرورت نہیں۔''

''میرے لئے کوئی اور خاص حکم......''

''نقاب پوش کا ڈسپوزل کردو لیکن ڈرائیور کو انڈر گراؤنڈ ہی رکھو، اس کا بیان ہمارے کام آسکتا ہے۔''

''اوکے......''

''آئندہ سے مجھے ڈبل تھری زیرو ہی کی فریکوئنسی پر کال کرنا۔'' میڈم نے اٹھتے ہوئے کہا پھر پاکٹ ریڈیو نما ایک ٹرانسمیٹر اس کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے یہ بالکل نیا لیا ہے اور اس کی فریکوئنسی بھی کوڈ نمبر ہی پر سیٹ کرائی گئی ہے لیکن اس کا استعمال تم خاص خاص موقعوں پر ہی کرو گے۔'' پھر میڈم نے اس کو نئے ٹرانسمیٹر کے میکنزم سے آگاہ کیا اور واپس لوٹ گئی، واپسی کے وقت بھی اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اس کا تعاقب تو نہیں کیا جارہا...... گھر پہنچتے پہنچتے میڈم کے ذہن میں سیٹھ جواہر والا کا نام سرفہرست تھا، اس لئے کہ وہ ڈاکٹر نادر کے بارے میں ایک بات بخوبی جانتی تھی کہ اس کی بیٹی غزالہ کا اغواء کیا جاچکا تھا جس کی واپسی کے لئے ڈاکٹر کو اپنی تجوری کا خاصا بڑا بوجھ ہلکا کرنا پڑا تھا، اگر وہ خود ہی ملوث ہوتا تو پھر اسے بھلا اپنی ہی بیٹی کو اغواء کرانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی......؟؟

☆

فون کی دوسری ہی گھنٹی پر رحمت علی نے ریسیور اٹھا لیا، اس وقت صبح کے تقریباً نو کا عمل تھا وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ''ہیلو......'' اس نے ریسیور کان سے لگا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم اس وقت گھر پر ہی ہو گے۔'' دوسری جانب سے خفیہ تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''تم ....'' رحمت علی نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''اس وقت گھر پر فون کرنے کا مقصد؟''

''تم شاید بھول رہے ہو کہ میں نے تمہیں ایک فیصلہ کرنے کی خاطر کچھ مہلت دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''یاد ہے مجھے......''

''پھر...... کس نتیجے پر پہنچے ہو؟''

''ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا......'' رحمت علی سپاٹ لہجے میں بولا۔

''تمہارا بے جگری سے یہ جواب دینا مجھے پسند آیا...... میں نے اسی لئے کچھ سمجھ کر ہی تمہارا انتخاب کیا ہے۔''

''کیا تم اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتے۔''

''میں سمجھا نہیں......''

''میرے علاوہ اس دنیا میں اور بھی بڑے دل والے اور ایک سے ایک نڈر اور بے خوف لوگ موجود ہیں۔''

''یقیناً ہوں گے لیکن تم میرا پہلا انتخاب ہو......''

''چاہتے کیا ہو......'' رحمت علی نے جھلا کر دریافت کیا۔

''تمہارا جواب...... فیصلے کے سلسلے میں۔'' دوسری جانب سے لاپروائی کا مظاہرہ کیا گیا۔

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کردوں تو......''

''یہ سوال تم نے پہلے بھی کیا تھا اور شاید میں اس کا جواب دے بھی چکا ہوں...... ایک بات کو بار بار دہرانا مجھے پسند نہیں ہے۔'' اس بار بے رخی سے کہا گیا۔

''تم...... مجھ سے کیا خدمت لینا چاہتے ہو۔'' رحمت علی نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

''اس کا جواب میں تمہارا فیصلہ سننے کے بعد دوں گا...... ممکن ہے تمہیں کچھ عرصے تک کچھ بھی نہ کرنا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں جو پہلی مہم تمارے سپرد کروں وہی تمہاری زندگی کی آخری مہم ثابت ہو...... سب کچھ حالات پر منحصر ہے، قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگلے ہی لمحے کیا کچھ ہونے والا ہے؟'' اس بار دوسری جانب سے انتہائی پراسرار اور معنی خیز لہجے میں کہا گیا۔

''اگر میں تم سے کچھ دنوں کی مہلت اور طلب کروں تو......''

''میں تمہاری درخواست پر غور کرسکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔''

''وہ کیا......''

''تم حماقتیں کرنا چھوڑ دو، میری تلاش میں تمہیں موت یا پھر اذیت ناک لمحوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''بولو...... تم مجھ سے کتنی مہلت کی درخواست کر

رہے ہو......''

''صرف ایک ماہ کی۔''

''بہت زیادہ ہے میں تمہیں محض پندرہ دن کی مہلت اور دے رہا ہوں، اسے آخری رعایت سمجھنا، اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے...... میں پندرہ دن کے اندر اندر کوئی فیصلہ کرلوں گا۔'' رحمت علی نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

''گڈ، مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی لیکن ایک بات میں تمہیں اور باور کرانا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا......''

''میڈم برلاس کو بھی سمجھانا کہ وہ اپنی اوقات سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اسے پچھتانا پڑے گا۔''

''یہ بات تم براہ راست بھی میڈم سے کرسکتے ہو۔''

''میں نے تمہیں اس لئے ترجیح دی ہے کہ تم اس کے زیادہ قریب ہو...... ویٹ از آل۔''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کردیا گیا، رحمت علی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، اچھا ہی ہوا جو اس وقت عذرا اس کے قریب ہی نہیں تھی ورنہ سوالات کی بوچھاڑ کردیتی پھر وہ سر جھٹک کر باہر جانے کے ارادے سے اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔

''ہیلو......'' اس نے ریسیور اٹھا کر غراتے ہوئے کہا۔

''میں میڈم صاحبہ کا ملازم بول رہا ہوں جناب...... صادق۔'' دوسری جانب سے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

''کہو...... کیا بات ہے......''

''میڈم صاحبہ پر کچھ دیر پہلے قاتلانہ حملہ ہوا ہے صاحب، انہیں سب لوگ ہسپتال لے کر گئے ہیں۔'' اس نے ہسپتال کا نام بتایا۔

''کیا حملہ آوروں میں سے کوئی پکڑا گیا۔''

''نہیں...... ہم میڈم صاحبہ کی چیخ سن کر ہی ان کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تھے۔'' صادق نے بدستور بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس وقت میڈم صاحبہ خون میں لت پت تھیں اور پچھلی کھڑکی جسے وہ ہمیشہ بند رکھتی تھیں چوپٹ تھی۔''

''کیا پولیس کو رپورٹ دے دی گئی......؟''

''جی صاحب...... میں نے فون کی کتاب دیکھنے کے بعد ایس پی رحمان صاحب کو اطلاع کردی ہے...... آپ جلدی پہنچئے صاحب۔''

''ٹھیک ہے...... میں ہسپتال جارہا ہوں لیکن تم پولیس والوں کو گول مول ہی جواب

دینا۔'' رحمت علی نے ریسیور رکھا پھر تقریباً دوڑتا ہوا باہر آیا اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے ہوا کی طرح اڑاتا ہوا ہسپتال کی سمت روانہ ہوگیا، اس کے ذہن میں صادق کے فون سے پہلے آنے والے فون کی گفتگو صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھی......!!

☆☆☆☆☆

رحمت علی آندھی اور طوفان کی طرح اُڑتا ہوا ہسپتال پہنچا جہاں اس وقت بہت سارے جانے پہچانے چہرے نظر آرہے تھے جن میں پیشتر کا تعلق برلاس انٹر پرائز سے تھا اور کچھ باہر کے لوگ بھی تھے۔ رحمت علی تیزی سے مونیکا کی جانب لپکا۔

''کیا حال ہے میڈم کا؟'' اس نے بے قراری سے دریافت کیا۔

''آپریشن تھیٹر میں ہیں!'' مونیکا سنجیدگی سے بولی۔ ''تین گولیاں لگی ہیں، ڈاکٹر کے بیان کے مطابق دو گولیاں جسم کو چھیدتی ہوئی نکل گئی ہیں جبکہ ایک گولی اندر موجود ہے۔''

''یہ سب کچھ کیسے ہوا......؟''

''مجھے صادق نے دفتر میں فون کیا تھا، میں جب یہاں پہنچی تو ڈاکٹر میڈم کو آپریشن کے لئے تھیٹر میں لے جا چکے تھے۔''

''ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔''

''قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا......لیکن گولی بہر حال گولی ہی ہوتی ہے۔''

''ڈاکٹر آن ڈیوٹی کون ہے......؟''

''ڈاکٹر فرشوری......''

رحمت علی تیزی سے ڈاکٹر آن ڈیوٹی کے کمرے کی طرف گیا جہاں ایس پی رحمان اور انسپکٹر زیدی بھی موجود تھے، ایس پی رحمان نے ایک نظر غور سے اُسے دیکھا پھر خود ہی اس کے قریب آگئے اور ایک طرف لے جاتے ہوئے بولے۔

''میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو میں تمہیں شاید پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''آپ کا اندازہ درست ہے سر!'' رحمت علی نے اپنی بے چینی کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔ ''آپ میرے محسن ہیں، پہلی بار آپ کی میری ملاقات ایک پولیس اسٹیشن پر ہوئی تھی آپ نے بیرسٹر کمال احمد کی سفارش پر مجھے پولیس کے ہاتھوں گلوخلاصی دلائی تھی۔''

''ہاں...... یاد آگیا۔'' ایس پی رحمان نے تھوڑے تامل سے کہا۔ ''اس وقت یہاں کیسے ہوا؟''

''میں اب برلاس انٹر پرائز سے وابستہ ہوں۔''

''گڈ! یہ اطلاع میرے لئے خوشی کا باعث ہے۔'' ایس پی رحمان نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ''میڈم سے میرے تعلقات بھی خاصے دیرینہ ہیں۔''

"حملہ آوروں کے سلسلے میں کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں...... اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں نے اس کیس کو معمولی چوری کا کیس بنا کر درج کیا ہے۔" ایس پی رحمان نے کہا۔ "کچھ افراد میڈم کی خوابگاہ کی پچھلی کھڑکی کے ذریعے چوری کی نیت سے اندر داخل ہوئے، اتفاق سے میڈم کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے چوروں کو للکارنے کی حماقت کی اور جان بچانے کی خاطر حملہ آور گولیاں چلاتے ہوئے بھاگ گئے چنانچہ اس جھڑپ میں تین گولیاں میڈم کو لگیں، دو پنڈلی کا گوشت اڑاتی ہوئی نکل گئیں جبکہ تیسری گولی بائیں شانے سے نکالنے کی خاطر سرجن اس وقت آپریشن میں مصروف ہیں۔"

"لیکن سر......"

"نہیں......" ایس پی رحمان نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "کبھی بڑی مچھلی کو دھوکہ دے کر پکڑنے کی خاطر چھوٹی مچھلیوں کو بطور چارہ بھی استعمال کیا جاتا ہے...... یہ طریقہ اگرچہ بہت پرانا ہے لیکن اب بھی بیشتر معاملات میں کامیاب ثابت ہوتا ہے، مجرم ہمیشہ کسی نہ کسی غلط فہمی یا پھر خوش فہمی کا شکار ہونے کے بعد ہی پولیس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنستا ہے...... تم چونکہ میڈم کے خاص کارندے معلوم ہو رہے ہو اس لئے تم بھی بوقت ضرورت اس کیس کو اسی انداز میں پیش کرنا جیسا میں نے کہا ہے...... بائی دی وے تمہارا نام کیا ہے؟"

"رحمت علی......"

"اوہ...... تو تم ہو رحمت علی۔" ایس پی نے اس بار بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میڈم نے متعدد بار مجھ سے تمہارا ذکر کیا ہے اور غالباً وہ تم کو اپنے دوسرے ورکروں پر سب سے زیادہ فوقیت دیتی ہے...... اسے تمہارے اوپر خاصا اعتماد بھی ہے۔"

"یہ میڈم کی ذرہ نوازی ہے سر ورنہ......"

"سر نہیں تم مجھے رحمان صاحب کہہ کر بھی مخاطب کر سکتے ہو۔"

"تھینکس......"

"میرا خیال ہے تم موجودہ کیس میں دُور دُور رہ کر ہمارے بہت کام آ سکتے ہو۔"

"دُور دُور کیوں رحمان صاحب؟" رحمت علی نے انہیں نام لے کر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ میڈم کے رشتے سے بھی مجھے قریب آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"

"نہیں...... میں نے پہلے بھی اسے مناسب نہیں سمجھا تھا اور اب یہ دُوری اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔" رحمان صاحب نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بڑے پُر معنی لہجے میں کہا۔ "مجرموں تک پہنچنے کی خاطر ہمیں خاصی دُور اندیشی سے کام لینا ہوگا......"

رحمت علی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، اسے رحمان صاحب کے جملے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا وہ اس کے بارے میں بہت پہلے سے جانتے ہیں لیکن کسی خاص مصلحت

... ابھی تک انہوں نے اس کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" رحمان صاحب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی......" وہ سنبھل کر بولا۔ "میں دراصل میڈم کے بارے میں پریشان ہوں۔"

"اس کی حالت زیادہ تشویش ناک نہیں ہے لیکن آپریشن سے پیشتر کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی...... ویسے خدا کا شکر ہے کہ جلدی میں قاتلوں کا نشانہ چوک گیا ورنہ شانے پر لگنے والی گولی میڈم کا بھیجا اڑا سکتی تھی یا پھر دل میں سوراخ بھی کر سکتی تھی۔"

"کیا میڈم نے واقعی حملہ آوروں کو للکارا تھا؟"

"وہ صرف کہانی ہے، پولیس ریکارڈ کے لئے۔" رحمان صاحب نے مدھم لہجے میں کہا پھر اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ قاتلانہ حملہ کے وقت وہ جاگ رہی تھی۔ ورنہ سونے کی صورت میں قاتلوں کا مقصد زیادہ آسانی سے حل ہو سکتا تھا۔"

"کیا میڈم سے آپ کی کوئی گفتگو ہوئی؟"

"نہیں...... خون زیادہ نکل جانے کے سبب وہ شدید بیہوشی کا شکار ہے۔"

"کیا میڈم کو خون کی ضرورت ہے؟"

"ڈونٹ وری مائی ڈیئر!" رحمان صاحب نے بے تکلفی سے اس کا شانہ تھپکا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میڈم کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہو۔"

"میرے لئے اب کیا حکم ہے جناب؟" انسپکٹر زیدی نے قریب آتے ہوئے رحمان صاحب سے دریافت کیا۔

"پولیس پارٹی کے پہنچنے کے بعد میڈم کی خواب گاہ کو عارضی طور پر لاک کر کے تالا لگا دیا ہے اور دو مسلح گارڈ تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ خواب گاہ کی تلاشی کے وقت ایک الماری کھلی ہوئی ملی جس میں غالباً میڈم کے قیمتی زیورات بھی موجود تھے، اس کا اندازہ پولیس کو ان زیورات کے ڈبوں سے ہوا جو فرش پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے لیکن ان میں سے بیشتر خالی تھے۔ خواب گاہ میں افراتفری کے تاثرات دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قاتلانہ حملے کے وقت میڈم نے مزاحمت بھی کی تھی لیکن ان تمام باتوں کی اصلیت کا اندازہ میڈم برلاس کے ... حاصل کرنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے...... کیا تم سمجھ رہے ہو......؟"

"یس سر......"

"تم اب ویسا ہی کرو جیسا میں نے پہلے کہا ہے البتہ رات کو دس بجے سے صبح چھ بجے تک ... اور پھر آٹھ آٹھ گھنٹے کے وقفے سے میڈم کے وی آئی پی روم پر دو گارڈز کی ڈیوٹی لگوا ... سب ہمارے اعتماد کے ہونے چاہئیں اور بغیر تمہاری اجازت کے میڈم سے کوئی بھی ..."

"آپ بالکل مطمئن رہیں جناب۔"

''ان سے ملو...... یہ رحمت علی ہیں۔'' رحمان صاحب نے انسپکٹر زیدی سے رحمت علی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے اصل مجرموں تک پہنچنے کی خاطر جن افراد کی فہرست بنائی ہے تم اب اس میں ان کا نام سرفہرست بھی کر سکتے ہو۔ یہ میڈم کے خاص ورکر ہیں اور میرے لئے قابل اعتماد بھی۔''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' رحمت علی نے انسپکٹر زیدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے رحمان صاحب سے کہا۔

''ٹھیک ہے...... آپ جائیں۔'' رحمان صاحب نے انسپکٹر زیدی سے کہا پھر اس کے جانے کے بعد مدھم لہجے میں بڑی سنجیدگی سے بولے۔ ''رحمت علی...... تم میری ایک بات کا خیال ضرور رکھنا...... بات دو آدمیوں کے درمیان سے نکل کر کسی تیسرے تک پہنچے، یہ کم از کم میرے اصول کے خلاف ہے، اس لئے میری باتوں کا کوئی ذکر کبھی کسی اور سے نہ کرنا۔''

''میں سمجھا نہیں جناب......''

''نہ جانے کیوں...... لیکن میرا خیال ہے کہ تم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔'' رحمان صاحب نے اسے پولیس والوں جیسی نظروں سے گھورا پھر بولے۔ ''میڈم پر جو حملہ کیا گیا ہے تم اس کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''میرا اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ کسی سوچی سمجھی اسکیم اور پرانی دشمنی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' رحمت علی نے سنبھل کر جواب دیا، اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ رحمان صاحب اس کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہوں گے اس لئے اس نے محتاط رہ کر بات کرنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

''کیا تم کسی دشمن سے واقف ہو......''

''سوری رحمان صاحب......'' رحمت علی نے اس بار زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ شاید میرا امتحان لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''یہ خیال تمہیں کیوں کر ہوا......؟''

''ابھی آپ ہی نے اپنے ایک زریں اصول کا ذکر کیا تھا...... دو کی بات کسی تیسرے کے علم میں نہیں آنی چاہئے۔''

''گڈ...... تم بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ پراعتماد اور ذہین بھی ہو......'' رحمان صاحب نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم جیسے لوگ اگر سیدھے رستے پر چلیں تو دنیا میں بڑا نام کما سکتے ہیں......''

''اور اگر الٹے رستے پر چلیں تو......'' رحمت علی نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

''اس کا جواب میں تمہیں وقت آنے پر دوں گا۔'' رحمان صاحب کا جواب معنی خیز تھا۔ اس سے پیشتر کہ رحمت علی کچھ کہتا ایک میل نرس نے قریب آتے ہوئے رحمان صاحب کو

مخاطب کیا۔

''سر...... آپ کو سرجن نادر یاد کر رہے ہیں۔''

''تم چلو...... میں آ رہا ہوں۔'' رحمان صاحب میل نے میل نرس سے کہا پھر اس کے جانے کے بعد جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر رحمت علی کو دیتے ہوئے بولے۔ ''اس میں میرے گھر کا پتہ اور فون نمبر بھی ہے...... کسی وقت فون کر کے ملاقات کا وقت اور جگہ طے کر لینا لیکن یہ سب صرف میری اور تمہاری حد تک محدود رہے گا اور ایک بات اور ذہن نشین کر لو میں جتنا رحم دل ہوں اتنا سخت بھی بن سکتا ہوں۔''

''میڈم کا آپریشن کس سرجن نے کیا ہے۔'' رحمت علی نے وزیٹنگ کارڈ لے کر جیب میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔ رحمان صاحب کی بات پر اس وقت اسے دھیان دینے کی فرصت نہیں تھی۔

''ڈاکٹر نادر نے...... کیوں۔'' رحمان صاحب نے کہا۔ ''وہ بھی میڈم کا پرانا واقف کار ہے۔''

''اوہ نو......'' رحمت علی کی زبان سے بے اختیار نکل گیا پھر اس نے تیزی سے دریافت کیا۔ ''کیا آپریشن ہو چکا ہے۔''

''تم یہیں رکو...... میں ڈاکٹر نادر سے مل کر واپس آتا ہوں اور خدا پر بھروسہ رکھو، دنیا کے ہر کام میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔''

رحمان صاحب نے اسے ہدایت دے کر قدم بڑھا دیئے اور رحمت علی کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زمین تیزی سے اس کے پیروں تلے کھسک رہی ہو، ڈاکٹر نادر کا نام اس کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ اس کے پورے جسم میں ایک اضطرابی لہر سی دوڑ رہی تھی، پھر وہ بھی قدم اٹھاتا باہر راہ داری کے اس حصے کی جانب آ گیا جہاں عملے کے دوسرے افراد جمع تھے۔ مونیکا کی سمت جاتے جاتے اچانک رحمت علی کو غوری نظر آ گیا جو ایک طرف کھڑا ہسپتال کے کسی عملے سے بات کر رہا تھا۔ رحمت علی کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا، اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسی وقت غوری کو جہنم رسید کر دیتا اس لئے کہ وہ بھی دشمنوں کے گروہ کا ایک فرد تھا۔ اس کے قدم آپ ہی آپ غیر اختیاری طور پر غوری کی جانب بڑھتے چلے گئے، غوری اسے قریب دیکھ کر چونکا تھا پھر اس نے بڑی تیزی سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''خدا کا شکر ہے کہ میڈم کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔''

''گویا مجرم اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔'' رحمت علی نے غوری کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں......'' غوری نے ڈھٹائی سے جواب دیا پھر قریب کھڑے ہوئے فرد کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''یہ سرجن نادر کے ساتھ کام کرتے ہیں، مسٹر لاشاری، ان کا کہنا ہے کہ گولی

نکالی جا چکی ہے، میڈم کو خون دیا جا رہا ہے۔"

"اور......" رحمت علی نے بدستور غوری کو گھورتے ہوئے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"اور...... یہ کہ میڈم کو صبح تک ہوش آ جائے گا۔"

"اور......"

"ہم میڈم کی صحت یابی کا جشن منائیں گے......"

"ہاں...... لیکن تمہیں کیا اس بات کا افسوس نہیں ہوگا کہ ہمارے کچھ پرانے ساتھی اس پارٹی میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں......" غوری نے اسے چونک کر دیکھا۔

"میڈم کی وجہ سے اس وقت فوری طور پر میری عقل بھی کام نہیں کر رہی ہے، اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی جشن منانے کا پروگرام مرتب کروں گا۔" رحمت علی نے بمشکل اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا پھر نفرت سے منہ پھیر کر مونیکا کی طرف چلا گیا۔ وہ بھی کسی پیرا میڈیکل اسٹاف سے میڈم کے آپریشن کے بارے ہی میں معلومات حاصل کر رہی تھی......!

☆......☆......☆

چینا اس وقت محض ایک نیکر اور بنیائن میں نظر آ رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ اس ڈیڑھ فٹ کی خودکار رائفل پر تھی جسے وہ خاصی دیر سے بڑے انہماک سے صاف کرنے میں مصروف تھا۔ واجد قریب ہی صوفے پر بیٹھا اسے ایک ٹک گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے کچھ دیر تک وہ خاموشی سے چینا کو گھورتا رہا پھر الجھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار فون کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ چینا نے ایک بار پلٹ کر واجد کو دیکھا، اس کے چہرے پر نظر آنے والی اضطرابی کیفیت کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر دوبارہ رائفل کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔

واجد خاصی دیر تک ٹہلتا رہا پھر وہ پلٹ کر تیزی سے فون کی سمت آیا اور ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تیس سیکنڈ کے جان لیوا انتظار کے بعد ہی دوسری جانب سے کال ریسیو کی گئی۔

"ہیلو...... کمال احمد اسپیکنگ۔"

"میں واجد بول رہا ہوں......" واجد نے کہا۔ "میڈم کی خیریت دریافت کرنی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں نے چینا کو روکا بھی تھا جناب۔" واجد نے جلدی سے وضاحت کی۔ "روانگی سے پہلے اسے سمجھایا بھی تھا کہ ٹھائیں ٹھوں سے حتی الامکان گریز کیا جائے لیکن جس وقت ہم پچھلی کھڑکی کے ذریعے خواب گاہ میں داخل ہوئے اس وقت میڈم کی آنکھ کسی کھٹکے سے کھل گئی،

ں نے برق رفتاری سے پلٹ کر کھڑکی کی جانب دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تکیے کی جانب بڑھا تھا کہ چینا نے پہلا فائر کر دیا، گولی غالباً میڈم کے شانے میں لگی تھی، وہ کراہ کر گری لیکن دوسرے ہی لمحے بڑی بے جگری سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھوں سے خون ابل رہا تھا، میں تنی دیر میں اسے کور کر چکا تھا۔ اس کا آٹومیٹک ریوالور بھی میں نے تکیے کے نیچے سے نکال کر قابو کر لیا تھا اور چینا کو آنکھوں کے اشارے سے مزید حماقت سے پرہیز کرنے کی تلقین بھی کی تھی۔"

"پھر......" کمال احمد کی سپاٹ آواز ریسیور پر ابھری۔

"ہمارے خودکار اسلحہ اور وارننگ کی پروا کئے بغیر زخمی ہونے کے باوجود میڈم کسی خون آشام درندے کی مانند جھپٹی تھی، خون بھل بھل اس کے شانے سے نکل کر لباس کو رنگین کر رہا تھا، اس کے جھپٹتے ہی میں نے اپنی پوزیشن تبدیل کر لی تھی لیکن دوسری بار میڈم کو مقابلہ پر آتا دیکھ کر چینا کے ذہن میں وہی پرانی فائرنگ کرنے والی خارش شروع ہو گئی اور میرے روکتے روکتے اس نے دو فائر اور کر دیئے اور اس بار گولی میڈم کی پنڈلی پر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گری تھی پھر مجھے واپسی کے لئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگاتا دیکھ کر ہی چینا بھی پلٹ آیا تھا، میرا خیال ہے کہ اب چینا کی اصلاح کی ضرورت ہے۔" آخری جملہ واجد نے چینا کی طرف گھورتے ہوئے معنی خیز لہجے میں ادا کیا تھا۔

"تمہیں میڈم پر حملہ کرنے کا حکم کس نے اور کب دیا تھا......"

"کیا مطلب......" واجد اچھل پڑا۔ "کل شام آپ ہی نے تو......"

"نہیں......" کمال احمد کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "تمہارا دماغ چل گیا ہے شاید میں نے تمہیں اس قسم کا کیا بلکہ سرے سے کوئی فون ہی نہیں کیا تھا......"

"لیکن وہ آواز...... وہ سو فیصد آپ ہی کی آواز تھی جناب، میرے کان دھوکہ نہیں کھا سکتے۔"

"گاڈ...... دی ہو تم...... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے میری آواز بنا کر تمہیں پھنسانے کی کوشش کی ہو۔"

"اگر ایسا ہوتا تو پولیس وہاں پہلے سے ہمارے استقبال کو موجود ہوتی لیکن ہمیں کسی ایسی سچویشن کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔" واجد نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "کیا واقعی آپ نے فون نہیں کیا تھا۔"

"نہیں...... میں اس قسم کے سنگین مذاق نہیں کرتا۔"

"پھر...... وہ کون ہو سکتا ہے سر۔" واجد نے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا پتہ ہمیں کرنا ہوگا ورنہ بگ باس تم دونوں کو معاف نہیں کرے گا۔"

"میڈم کا کیا بنا......"

''ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق آپریشن کامیاب رہا ہے، وہ خطرے سے باہر ہے۔''

''ہمارے لئے کیا حکم ہے......''

''فی الحال اپنے بنگلے تک ہی محدود رہو اور ہاں...... آئندہ سے اگر میری جانب سے بھی کوئی حکم ملے تو اس کی فون پر دوبارہ تصدیق کئے بغیر کسی اقدام سے گریز کرنا۔'' کمال احمد کی آواز ابھری۔ ''وہ یقیناً کوئی شاطر ہی رہا ہوگا جسے دوسروں کی آواز کی نقل کرنے میں مہارت ہوگی۔''

''چینا کے لئے آپ نے کیا سوچا ہے۔''

''اس سے کہو کہ آئندہ اپنی کھال کے اندر ہی رہنے کی کوشش کرے۔ بگ باس اسے دو بار پہلے بھی وارننگ دے چکا ہے۔''

پھر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ واجد نے بھی کریڈل پر ریسیور رکھ دیا، اس کے چہرے پر اب الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ پیشانی پر ابھرنے والی سلوٹیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔ سوچتے سوچتے ایک بار اس کی نظر چینا کی طرف اٹھی تو اس کے خون کی حدت اور بڑھ گئی، چینا رائفل کو ایک سمت رکھ چکا تھا اور اب دونوں ہاتھ ٹھوڑی سے ٹکائے بیٹھا واجد کو عجیب مضحکہ خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''کسی نے ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی ہے۔'' واجد نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''کل ہم نے جس کال پر ایکشن لیا تھا وہ کمال احمد نے نہیں کی تھی...... کسی دوسرے شخص نے ہمیں بڑا کامیاب دھوکہ دیا ہے۔''

''پھر...... اب کیا ہو سکتا ہے۔'' چینا نے اشاروں کی زبان میں کہا۔ ''جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔''

''اور اب تمہیں اس کی زیادہ سزا بھگتنا پڑے گی۔'' واجد تلملا کر بولا۔ ''تم نے میڈم پر فائر کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''وہ زندہ ہے یا مر کھپ گئی۔'' چینا نے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

''زندہ ہے...... مگر اس بار مجھے تمہاری خیریت نظر نہیں آتی۔''

''اللہ مالک ہے......'' چینا نے چھت کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''تم بگ باس کے عتاب سے ابھی ناواقف ہو۔'' واجد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میڈم کی حیثیت کے بارے میں میں نے تمہیں اسی لئے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن تم پھر وہی پرانی حماقت کا مظاہرہ کیا۔''

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور واجد نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

''یس......'' اس نے بڑی سنجیدگی سے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کل کے فون کے سلسلے میں پریشان مت ہو۔'' دوسری جانب سے بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''میں نے آواز بدل کر تمہیں آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن تم بہرحال دھوکے میں آ گئے......''

''م...... میں، معافی چاہتا ہوں سر۔'' واجد نے تھوک نگلتے ہوئے تیزی سے کہا۔ بگ باس کی آواز سنتے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہے...... آئندہ محتاط رہنا ورنہ کوئی دوسرا بھی ہماری حماقت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔''

''اس بار معاف کر دیجئے سر...... آئندہ میں......''

''ڈرو نہیں۔'' دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ ''تم نے جو کچھ کیا، وہ میری ہدایت پر ہی کیا ہے لیکن آئندہ کے لئے ایک کوڈ ذہن نشین کر لو احکامات میری جانب سے ملیں یا کمال کی جانب سے...... کوڈ ڈبل زیرو نائن کا حوالہ ضروری ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا سر......''

''چینا نے کل پھر اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔'' اس بار کرخت آواز میں جواب ملا۔ ''اس کی قسمت اچھی ہے میڈم بچ گئی ورنہ اسے بھی میڈم کے ساتھ ہی آخرت کے سفر پر روانہ ہونا پڑتا...... میں اسے تیسری اور آخری وارننگ دے رہا ہوں، اسے میرے حکم سے آگاہ کر دینا۔''

''رائٹ سر......''

''آئندہ کے لئے تمہیں بھی آنکھ اور کان کھلے رکھنے ہوں گے۔''

''م...... میں محتاط رہوں گا جناب......''

پھر دوسری طرف سے رابطہ ختم ہونے کے بعد ہی واجد نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا تھا، انداز ایسا ہی تھا جیسے موت کے منہ میں جاتے جاتے بال بال بچا ہو، چینا خاموش بیٹھا اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا......!

☆......☆......☆

ایس پی رحمان کے کہنے پر میڈم نے وہی بیان دیا جس کا ذکر وہ پہلے کر چکا تھا، اس واردات کو محض ایک عام چوری کے کیس کے رنگ میں پیش کیا گیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ انسپکٹر زیدی اپنا بیان لے کر جا چکا تو ایس پی رحمان نے میڈم سے کہا۔

''میں آپ کو ایک نئی زندگی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔''

''شکریہ۔'' میڈم نے مدھم آواز میں کہا۔ وہ اس وقت اپنے وی آئی پی روم کے بستر پر دراز تھی، کمرے میں مونیکا اور رحمت علی بھی موجود تھے جنہیں میڈم نے اصرار کر کے اندر طلب کیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری تفصیلی ملاقات باقی رہ گئی ہے۔" رحمان صاحب نے کن انکھیوں سے مونیکا اور رحمت علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے موجودہ کیس میں آپ سے کچھ اہم گفتگو بھی کرنی ہے۔"

"رحمت علی اور مونیکا دونوں ہی میرے خاص آدمی ہیں۔" میڈم بولی۔ "آپ چاہیں تو ان کی موجودگی میں بھی بات کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم دونوں باہر انتظار کئے لیتے ہیں۔" رحمت علی نے جلدی سے کہا پھر مونیکا کے ساتھ اٹھ کر باہر آ گیا۔

"مجھے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس کیس کو چوری کی ایک معمولی واردات کا رنگ دینا پڑا ہے۔" رحمان صاحب نے کہا۔ "دراصل میں چاہتا ہوں کہ مجرم اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ پولیس غلط خطوط پر سوچ رہی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو لیکن......"

"لیکن کیا......"

"میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا ان کا مقصد جان سے مارنا نہیں تھا۔"

"پھر........."

"ہوسکتا ہے کہ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر راہ فرار اختیار کرنے کے لئے انہیں مجبوراً فائرنگ کرنی پڑی ہو۔"

"آپ یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"رحمان صاحب......" میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم ایک دوسرے کے پرانے شناسا اور دوست بھی ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ ہم کھل کر گفتگو کریں لیکن اس شرط پر کہ ہماری باتیں صرف ہماری حدود تک محدود رہیں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"دراصل جس وقت وہ دونوں افراد جو نقاب میں چہرہ چھپائے ہوئے تھے میری خواب گاہ میں داخل ہوئے میں کچی نیند کی کیفیت سے دوچار تھی، وہ ایک ہلکی سی آہٹ ہی تھی جس نے مجھے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ فوری طور پر ان نوواردوں کو دیکھ کر میرا نفسیاتی ردعمل یہی ہوا کہ میرا ہاتھ تکیے کی سمت بڑھا جس کے نیچے میرا بھرا ہوا ریوالور موجود تھا، ایسی صورت میں وہی سب کچھ ہونا تھا جو ہوا، اگر حملہ آور مجھ پر فائر نہ کرتے اور میں اپنا پستول نکالنے میں کامیاب ہو جاتی تو میں ان دونوں کا خاتمہ کر دیتی۔"

"پھر......کیا وہ کسی اور مقصد سے آئے تھے۔"

"یقیناً" میڈم نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اگر ان کا ارادہ صرف مجھے ہلاک

کرنا ہوتا تو وہ باآسانی مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے، اتنے کلوز رینج سے تو کوئی اناڑی بھی گولی مار سکتا ہے جبکہ وہ دونوں باقاعدہ کسی جرائم پیشہ گروہ کے فرد لگ رہے تھے۔"

"ان کی آمد کا اور کیا مقصد تھا؟" ایس پی رحمان نے کہا۔ "میرا مقصد ہے کہ کیا وہ کسی اہم دستاویز کی خاطر آئے تھے یا پھر انہیں کسی دوسری ایسی مخصوص شے کی تلاش تھی جو آپ خواب گاہ میں رکھنے کی عادی ہوں۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھے اغواء کرنے کے ارادے سے آئے ہوں۔"

"اغواء......" رحمان صاحب نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیوں...... کیا میں اتنی بری ہوں کہ مجھے اس عمر میں اغواء بھی نہیں کیا جا سکتا؟" میڈم نے مسکرا کر کہا۔

"اغواء کرنے سے انہیں کیا حاصل ہو سکتا تھا۔" جواب میں ایس پی رحمان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"بہت کچھ......" میڈم نے دوبارہ سنجیدگی اختیار کر لی۔

"مثلاً........"

"مثلاً یہ کہ وہ مجھ سے میری واپسی کا تاوان بھی وصول کر سکتے تھے یا یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے کسی اور کے اشارے پر وہ اقدام کیا ہو۔"

"اور کون......؟" رحمان صاحب نے چونکتے ہوئے دریافت کیا۔

"میرے حریف......" میڈم بولی۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے بزنس میں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہوں یا پھر مجھے بدنام کر کے میری ساکھ خراب کرنے کے خواہش مند ہوں، تجارت میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے اور خاص طور پر مقابلے پر جب مجھ جیسی سرپھری عورت موجود ہو۔"

"آپ کا شبہ کن افراد پر ہے۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا......ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا آپ ان دونوں نقاب پوشوں کے بارے میں کوئی ایسی تفصیل بتا سکتی ہیں جو پولیس کی کارروائی میں کارآمد ثابت ہو سکے۔"

"جو کچھ ہوا اس قدر جلدی میں اور اس قدر خلاف توقع ہوا کہ میں ان باتوں پر غور نہیں کر سکی پھر ان کے چہرے چونکہ نقاب میں روپوش تھے اس لئے میں ٹھیک طور پر انہیں دیکھ بھی نہ سکی۔"

"اور کوئی خاص بات......؟"

"فی الحال میں آپ لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔"

"ایک درخواست اور ہے۔"

"درخواست نہیں، آپ حکم دیں رحمان صاحب۔" میڈم بولی۔ "ایک دوست کی حیثیت

ے بھی میں ہر طرح آپ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوں۔"

"ہوسکتا ہے موجودہ کیس میں مجھے رحمت علی کے تعاون کی ضرورت پیش آئے۔" رحمان صاحب نے پہلو بدل کر کہا۔ "وہ چونکہ آپ کا دست راست ہے اس لئے میں ایک ایس پی کی حیثیت سے بھی....."

"میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" میڈم نے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں..... رحمت علی ہر وقت ہر تعاون کے لئے آمادہ ہوگا، میں اسے آپ کے سلسلے میں بطور خاص ہدایت کردوں گی۔"

"ایک بار پھر نئی زندگی کی مبارکباد۔" رحمان صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا پھر مسکرا کر بولے۔ "مجھے یقین ہے کہ جشن صحت کے سلسلے میں کوئی پر تکلف دعوت کا اہتمام بھی ضرور کیا جائے گا....."

"جشن صحت کے علاوہ بھی غریب خانہ حاضر ہے، آپ جب چاہیں دعوت کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔"

"شکریہ........"

رحمان صاحب کے جانے کے بعد میڈم نے رحمت علی اور مونیکا کو دوبارہ اندر طلب کرلیا، مونیکا کو دفتر سے متعلق ضروری ہدایات دیں، پھر ان لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا جو فرم سے متعلق تھے اور عیادت کے لئے آئے تھے۔ تقریباً پچیس منٹ تک مزاج پرسی کا سلسلہ جاری رہا پھر میڈم کی ہدایت پر ڈیوٹی نرس نے لوگوں کو یہ کہہ کر رخصت کردیا کہ مریضہ چونکہ نقاہت محسوس کررہی ہیں اس لئے وہ دوبارہ کسی اور وقت زحمت کریں۔ کمرے میں رحمت علی اکیلا رہ گیا تو اس نے میڈم سے کہا۔

"اب آپ کیسا محسوس کررہی ہیں۔"

"کمزوری ہے..... دوایک دن میں جاتی رہے گی۔"

"ایس پی رحمان صاحب سے کیا گفتگو رہی۔"

"وہ حملہ آوروں کے بارے میں دریافت کررہے تھے اور تمہارے تعاون کی درخواست بطور خاص کررہے تھے۔"

"میرا تعاون....." رحمت علی نے حیرت سے کہا۔ حملہ آپ پر ہوا ہے اور وہ تعاون میرا چاہتے ہیں، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"رحمان صاحب کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ پولیس کے اعلیٰ افسر ہونے سے زیادہ ایک دوست بھی ہیں۔ ان کا ذکر میں تم سے پہلے بھی کرچکی ہوں۔" میڈم بولی۔ "میں نے انہیں یہی بتا رکھا ہے کہ تم میرے دست راست ہو اور اس رشتے سے وہ تمہارا تعاون چاہتے ہیں۔"

"کیا ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟" رحمت علی نے اس بار گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"کس سلسلے میں۔"

"میرا اشارہ ان دشمن یا دشمنوں کی طرف ہے جو ابھی تک روپوش ہیں لیکن ہماری فہرست پر ان کا نام مشتبہ افراد کی حیثیت سے آچکا۔"

"فی الحال اتنی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن رحمان صاحب بہرحال ایک اچھے دوست ثابت ہوئے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے یہ آپ کا ذاتی تجربہ ہو ورنہ میں نے تو یہی سنا ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں ہی سے خدا ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے۔"

"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔"

"جیسے ڈاکٹر نادر۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایک طرف اس کا نام ہماری فہرست پر ہے اور دوسری طرف اسی نے آپ کا آپریشن بھی کیا۔ کیا یہ محض اتفاق سمجھا جاسکتا ہے۔"

میڈم نے فوراً ہی کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس سے پیشتر کہ وہ کوئی جواب دیتی ڈاکٹر نادر سفید کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوا۔ میڈم کی مزاج پرسی اس نے جس انداز میں کی اس سے بہرحال یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ایک مشفق سرجن ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نرم انداز میں گفتگو کرنے کا عادی ہے، رحمت علی کے تعارف کے بعد اس نے بڑی محبت اور نہایت اخلاق سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا تھا، میڈم سے وہ خاصا بے تکلف تھا، کچھ دیر بعد جب وہ راؤنڈ مکمل کرکے چلا گیا تو میڈم نے رحمت علی سے پوچھا۔

"اب تمہاری کیا رائے ہے ڈاکٹر نادر کے سلسلے میں۔"

"بظاہر نیک، مہربان اور دوست نظر آتا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ دہری شخصیت کا مالک ہو۔"

"ممکن ہے تمہارا اندازہ درست ہو اس لئے کہ ہمیں وقتی طور پر ڈاکٹر نادر اور سیٹھ ظاہر والا میں ہی سے کسی ایک کو دشمن سمجھنا ہے۔"

"ایک خوشخبری اور بھی ہے آپ کے لئے۔"

"وہ کیا....."

"مجھے اس پراسرار شخصیت کی طرف سے سوچنے اور غور کرنے کے سلسلے میں پندرہ روز کی مزید مہلت اور مل گئی ہے جس نے مجھے اغواء کرایا تھا۔"

"اس کے بعد کیا ارادہ ہے....."

"تخت یا پھر تختہ....."

"کیا مطلب.....؟"

''اس مدت میں اگر وہ بے نقاب ہوگیا تو یہ میری جیت ہوگی بصورت دیگر مجھے اس کی پیشکش قبول کرنی ہوگی۔''

''یہ بات کیا تم دل سے کہہ رہے ہو......''

''آپ کا کیا خیال ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ ہم ہمیشہ دوست ہی رہیں گے۔'' میڈم نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ اور بات ہے کہ حالات کے پیش نظر ہمیں کچھ مصلحتوں اور وقتی تقاضوں کو پورا کرنا پڑے...... کیوں؟ کیا میرا اندازہ درست ہے۔''

''میں انکار نہیں کروں گا اس لئے کہ آپ کو فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔'' رحمت علی نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے تم سے ایک شکوہ بھی ہے۔'' میڈم نے کہا۔ ''تم نے ابھی تک قاتلانہ حملے کے سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں پوچھی۔''

''ہاں...... میرا خیال تھا کہ اگر آپ ضرورت سمجھیں گی تو بلا پوچھے ہی بتا دیں گی۔'' رحمت علی نے خاموشی کا جواز پیش کیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں ان سے پہلے بھی ایک بار مل چکی ہوں۔'' میڈم نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ ''خود تم ہی نے یہ سوال مجھ سے پوچھا تھا۔''

''کیا مطلب......'' رحمت علی چونکا۔

''میرا اشارہ ان دو افراد کی طرف ہے جن میں ایک کا قد بڑا اور دوسرے کا چھوٹا ہے اور دیکھنے والا اس فرق کو خاص طور پر محسوس کرتا ہے۔''

''واجد اور چینا......'' رحمت علی نے کہا۔ ''کیا آپ کو یقین ہے کہ دونوں وہی تھے۔''

''ہاں...... حالات کے تحت میرا ذہن فوری طور پر ان دونوں ہی کی طرف گیا تھا۔''

''کوئی خاص وجہ......''

''تم سردار اور جمشید کو کیوں بھول رہے ہو...... کیا جمشید سے خود تم ہی نے ان دونوں کے بارے میں نہیں دریافت کیا تھا؟''

''ہاں......'' رحمت علی نے مختصراً کہا پھر کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا۔

''کیا سوچ رہے ہو......'' میڈم نے اسے کریدا۔

''واجد اور چینا کے بھیانک انجام اور اذیت ناک موت کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔''

''نہیں......'' میڈم نے تیزی سے کہا۔ ''مجھ سے ایک وعدہ کرو جب تک میں صحت یاب نہیں ہو جاتی تم ان دونوں کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''کوئی خاص مصلحت......''

''ہاں......'' میڈم نے بڑے خلوص اور اپنائیت سے جواب دیا۔ ''میری خواہش ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے زندگی کے ہر محاذ پر ایک ساتھ مل کر جنگ کریں...... کیا تم میری خواہش کا احترام نہیں کرو گے؟''

رحمت علی کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اسی وقت ڈیوٹی نرس اندر داخل ہوئی اور اسے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ واجد اور چینا کے ہولناک انجام کے متعلق ہی کچھ سوچ رہا تھا......!!

☆☆☆☆☆

اس کا ذہن بڑی سنجیدگی سے چینا اور واجد کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں بس اچانک یہ خیال ابھرا تھا کہ وہ میڈم کی صحت یابی سے پیشتر ہی ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی لاشوں کا تحفہ میڈم کے سامنے پیش کر دے لیکن پھر اس نے سوچا کہ جلد بازی میں اٹھایا جانے والا کوئی قدم اس کے لئے خطرناک اور جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تنہا کئی محاذ پر نہیں لڑ سکتا تھا۔ خود میڈم کا کردار بھی گو دنیا کی نظروں میں بے داغ ہے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی، یہ رحمت علی کو بخوبی معلوم تھا اب تک وہ میڈم کی خاطر متعدد بار ناجائز تجارت کے کام سرانجام دے چکا تھا۔ دوسرے محاذ پر تنظیم کا وہ نادیدہ سربراہ تھا جس نے اسے اغواء کرایا تھا اور تیسرا محاذ ان پراسرار لوگوں کا تھا جو یقیناً اس کے ایک ایک اقدام کی نگرانی پر مامور ہوں گے۔

رحمت علی کا ذہن ان ہی خیالات میں غرق تھا کہ اچانک وہ چونکا واجد اور چینا کے بارے میں وہ متعدد بار غور کر چکا تھا کہ اس نے ان دونوں کو کہیں دیکھا تھا اس وقت اسے یکلخت یاد آ گیا تھا اس کی بربادی کا آغاز ان دونوں کے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔ ان ہی دونوں نے اس کی پرسکون زندگی کی خاموش لہروں پر پتھر مار کر اس میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا کی تھی۔ اس کے گھر میں ان ہی کے گروہ نے چوری کی تھی اور اس کی بیٹی کے جہیز کا تنکا تنکا لوٹنے کے علاوہ اس کی زندگی کی باقی تمام جمع پونجی بھی بٹور کر لے گئے تھے۔ پھر بابر نے ان دونوں کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد جہیز کی واپسی کا وعدہ کیا تھا لیکن قبل اس کے بابر اپنا وعدہ وفا کرتا اس کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا اور حیرت انگیز طور پر ایک ایسی فلم تیار کر لی گئی تھی جو اسے پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتی تھی۔ وہ فلم اسے کمال احمد نے دکھائی تھی۔ میڈم کے دفتر میں اس کی ملازمت کی سفارش نازو نے کی تھی پھر نازو بھی حالات کے بھنور میں پھنس کر موت کا شکار ہو گئی تھی۔

''کمال احمد کے ہاتھ وہ فلم کہاں سے لگی تھی؟''

رحمت علی نے سنجیدگی سے غور کیا۔ اور اُسے اس سوال کا جواب ملتا چلا گیا...... خود کمال احمد بھی پراسرار تنظیم کے سربراہ سے ملا ہوا تھا، یا پھر اس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور تھا؟ اسے حالات کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان لانے میں کمال احمد نے بھی ایک فرضی فلم دکھا کر اپنا کردار ادا کیا تھا لیکن اب نازو کی موت کے بعد اس نے خود کو رحمت علی کے سامنے بے نقاب کر دیا تھا۔ وہ

رحمت علی کو ساتھ ملا کر تنظیم کے سربراہ کو بے نقاب کر کے اس سے نازو کی موت کا حساب بے باک کرنے کا خواہشمند تھا۔ وقت اور حالات نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ پہلے اس نے کھل کر کبھی سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اسے حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے میں پھانسنے کی خاطر بڑی منظم سازش کی گئی تھی جس میں نازو، کمال احمد، بابر اور شیرا نے باری باری اپنا کردار ادا کیا تھا، راجو اور سردار خان بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ثابت ہوئے تھے لیکن پھر ایک ایک کر کے وہ اپنے اپنے کیفر کردار تک پہنچتے گئے صرف کمال احمد منظر عام پر موجود تھا۔ یہ سب کچھ کیا تھا؟ کیا تنظیم کا پراسرار سربراہ زیادہ عرصے تک اپنے کسی کارندے کو برداشت کرنے کا عادی نہیں تھا اور بقول ہیلتھ کلب کے گرینڈ ماسٹر شہباز خان کے وہ بڑی پھرتی اور نہایت مہارت سے بازی پلٹنے کی بھرپور صلاحیتوں کا مالک تھا۔ بہرحال اسے کسی نہ کسی طرح پھانس کر منظم طور پر تنظیم میں شمولیت اختیار کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اور میڈم......!

''کیا میڈم بھی اسی سلسلے کی کوئی درمیانی کڑی ہے؟'' رحمت علی کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا پھر ماضی کے حقائق صدائے بازگشت بن کر اس کے دماغ کے پردوں پر رینگنے لگے، نازو کے ذریعے اسے میڈم کی فرم میں ملازمت کا ملنا، نازو کا پراسرار تنظیم سے تعلق ہونا، کمال احمد کا اسے وہ فلم دکھانا جسے اسے پھانسنے کے لئے بڑی مہارت سے تیار کیا گیا تھا۔ کمال احمد کا اسے پولیس کے ہاتھوں سے بچانا اور شیرا کی موت؟ رحمت علی کو اچھی طرح یاد تھا کہ میڈم نے اسی کی موجودگی میں کسی سے شیرا کی موت کے سلسلے میں فون پر بات کی تھی اور پھر شیرا اور اس کا دوست صمدانی دونوں مارے گئے تھے۔ اس مہم میں راجو بھی مارا گیا تھا اس نے بھی نازو کی طرح تنظیم کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے کیپسول چبا لیا تھا جس نے میڈم کی خواہش پر نہ صرف شیرا اور صمدانی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے بلکہ آڈیٹوریم میں دھماکہ کرا کے اور بھی زندگیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا؟ میڈم اور اس کے تعلقات کس نوعیت کے تھے؟ اور اب جب کہ واجد اور چینا کا جرم بے نقاب ہو چکا تھا میڈم اسے ان سے ٹکرانے سے کیوں روک رہی تھی؟''

رحمت علی کے وجود کے اندر اس کے دل و دماغ میں سرخ بتی بار بار جل بجھ کر خطرے کا اعلان کر رہی تھی کمال احمد، میڈم برلاس، ڈاکٹر نادر اور سیٹھ جواہر والا کے علاوہ اس وقت وہ فضل رحمان کے بارے میں بھی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا جس نے قاتلانہ حملہ کو چوری کا معمولی کیس بنا دیا تھا اور میڈم نے نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر واجد اور چینا کے نام کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ کیا وہ ان دونوں کو ذاتی طور پر کیفر کردار تک پہنچانے کی متمنی تھی؟ کیا اسے ڈر تھا کہ پولیس کے ہاتھوں میں جانے کے بعد زندگی بچانے کی خاطر ان کی زبانیں کھل سکتی تھیں؟ وہ کیا باتیں تھیں جن کا راز میں رہنا ضروری تھا؟

رحمت علی کے ذہن میں گرم ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ لا تعداد سوالات بار اچانک ہی ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ اس کی چھٹی حس نے جیسے اسے اچانک ہی اس کے گرد منڈلاتے ہوئے خطروں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ میڈم، ڈاکٹر نادر، سیٹھ جواہر والا، کمال احمد اور ایس پی رحمان کا آپس میں ایک دوسرے سے گٹھ جوڑ اور دوستی کا ہونا ان خطرات کو ہوا دے رہا تھا جو اس وقت اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے پھر حالات کے پیش نظر رحمت علی نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اسے اب تمام محاذ کا تنہا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس فیصلے پر عمل کرنے کی خاطر اسے ایک ایک قدم پھونک کر اٹھانا ہوگا اس طرح کہ کسی کو پتہ بھی نہ ہو اور وہ پیش آنے والے خطرات سے بھی محفوظ رہ سکے۔

''یہ تم بیٹھے بیٹھے اچانک کہاں گم ہو گئے؟'' ڈیوٹی نرس کے جانے کے بعد میڈم برلاس نے پوچھا۔

''واجد اور چینا کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' رحمت علی نے سنبھل کر کہا۔ ''اگر وہ زندہ ہمارے ہاتھ لگ جائیں تو تنظیم کے سربراہ کے بے نقاب ہونے کے امکانات بھی روشن ہو سکتے ہیں۔''

''کیا خیال ہے تمہارا۔'' میڈم نے تیزی سے کہا۔ ''وہ اپنے ماتحتوں کی نظروں سے بھی اوجھل رہنے کا عادی ہے۔''

''آپ اتنے وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتی ہیں؟'' رحمت علی نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''خیال ہے میرا۔''

''اور یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہاں...... آں۔'' میڈم نے پرخیال لہجے میں جواب دیا پھر تیزی سے بولی۔ ''اسی لئے میں نے کہا ہے کہ تم تنہا ان دونوں سے ٹکرانے کی حماقت نہیں کرو گے۔ ہم دونوں مل کر ہی کوئی پلان مرتب کریں گے۔''

''دیر ہونے کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ ہماری دسترس سے دور نکل جائیں۔ آپ ان کا حلیہ نہ سہی لیکن ان کے قد و قامت کو بہرحال دیکھ چکی ہیں جس کا علم تنظیم کے سربراہ کو بھی ہو چکا ہوگا ایسی صورت میں دو ہی باتیں ممکن ہیں یا تو ان دونوں کو صرف بنگلے تک محدود رہنے کے احکام ملے ہوں گے یا پھر وقتی طور پر انہیں انڈر گراؤنڈ کر دیا گیا ہوگا۔''

''میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتی ہوں لیکن جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانا دانشمندی کے منافی ہوگا۔''

''ایک مشورہ دوں؟''

''کیا......؟''

''آپ اپنے اس ذریعے کو استعمال کیوں نہیں کرتیں جس کے ذریعہ آپ نے شیرا اور بدلی کو ٹھکانے لگوا دیا تھا۔''

میڈم نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے کو وہ چونکی تھی لیکن پھر خود پر اتنی ہی جلد قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''میرے پاس اور بھی متعدد ذرائع ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے واجد اور چینا کی اہمیت کا احساس بھی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''جن لوگوں کو مجھ پر قاتلانہ حملہ یا اغواء کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ یقیناً اہمیت کے حامل ہوں گے اور پھر بقول تمہارے اگر وہ زندہ ہمارے ہاتھ آ جائیں تو ممکن ہے ہمارے ہاتھ کچھ ایسے اشارے لگ جائیں جن کی بناء پر ہم تنظیم کے سربراہ کو بے نقاب کر سکیں۔''

''ایک بات کہوں اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ گزرے؟''

''تم شاید بھول رہے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بے تکلف دوست ہیں۔'' میڈم نے شکوہ کیا۔ ''کیا تمہیں اس کے باوجود اجازت کی ضرورت ہے؟''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو غالباً ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں......''

''ناجائز کاروبار۔'' رحمت علی نے قدرے تامل سے کہا۔ ''دولت کی ہوس ہی انسان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتی ہے، ایک فرد جس لائن میں ناجائز کاروبار کر رہا ہے اس میں وہ کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتا اور آپس کی یہی دشمنیاں قانون کے محافظوں کے لئے کارآمد ثابت ہوتی ہیں، یہی اختلافات مخبروں کو جنم دیتے ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے بازی لے جانے کے لئے تمام حربے استعمال کرتا ہے۔ ایک دوسرے کا وجود برداشت نہیں کرتا اور اسی کے نتیجے میں قتل و غارتگری کے بازار گرم ہیں۔''

''میں تمہارے خیالات سے متفق ہوں۔'' میڈم مسکرائی۔ ''تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ حرف بحرف درست ہے۔''

''ایسی صورت میں کیا ایک دوست کی حیثیت سے آپ مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتیں؟''

''کیسا اعتماد......؟''

''پلیز...... مجھے ان لوگوں کے نام اور پتے بتا دیجئے جو اس میدان میں آپ کے دشمن ہیں۔ میں ایک ایک کو ٹھکانے لگانے کا وعدہ کرتا ہوں۔'' رحمت علی نے جان بوجھ کر وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جوشیلے انداز میں کہا۔

''جذباتی مت بنو......'' میڈم زہرخند سے بولی۔ ''جو شخص جتنا بڑا مجرم ہوتا ہے اس کے ہاتھ اتنے ہی لمبے ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کی پہنچ بھی اوپر تک ہوتی ہے۔ تم تنہا ان ہاتھوں سے نہیں ٹکرا سکتے اور میں دیدہ و دانستہ تمہیں کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔''

"گویا آپ اپنے دشمنوں کے نام اور ان کے چہروں سے بخوبی واقف ہیں۔"

"ہاں...... میں انکار نہیں کروں گی۔"

"کیا ان ہی میں سے کوئی تنظیم کا پراسرار سربراہ نہیں ہوسکتا؟"

"ہوسکتا ہے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میدان میں کچھ افراد ایسے بھی ہوں جنہیں آپ اپنا دوست سمجھتی رہی ہیں مگر وہی آپ کے بدترین دشمن بھی ہوں۔"

"تمہارا اشارہ کس سمت ہے؟" میڈم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال دو شخصیتیں ہماری فہرست پر ہیں جنہیں پراسرار تنظیم کا سربراہ سمجھا جاسکتا ہے۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ان دونوں افراد میں سے ایک ڈاکٹر نادر بھی ہے جس نے آپ کا آپریشن بھی کیا، اگر آپ کو ڈاکٹر کی شخصیت اور اس کی دوستی پر اعتماد ہے تو پھر سیٹھ جواہر والا ہی فی الحال ہمارا مطلوبہ دشمن ہے۔"

"میں فی الحال کوئی آخری نتیجہ اخذ نہیں کرسکتی۔" میڈم نے اس بار ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں......" رحمت علی نے تیزی سے سوال کیا۔ "کیا کچھ اور نام بھی آپ کی فہرست میں موجود ہیں؟"

"میں اس وقت نقاہت محسوس کر رہی ہوں۔" میڈم نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "ہم یہ باتیں اور کسی وقت بھی کرسکتے ہیں۔"

"آئی ایم سوری۔" رحمت علی نے مسکرا کر جواب دیا پھر کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میڈم سے اجازت لے کر رخصت ہوگیا لیکن کمرے سے باہر نکلنے سے پیشتر اس نے آئندہ میڈم برلاس سے بھی محتاط رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ میڈم کچھ باتیں اس سے بھی راز رکھنا چاہتی ہے اسی لئے اس نے وقتی طور پر نقاہت کا بہانہ تراشا تھا......!



گہرے سیاہ رنگ کی ہنڈا اکارڈ نے برج سے اترنے کے بعد آگے جا کر سیدھے ہاتھ کو موڑ کاٹا اور اب اس کا رخ باتھ آئی لینڈ کے بنگلوں کی سمت تھا۔ اگلی نشست پر ڈرائیونگ سیٹ پر ایک دہرے بدن کا سوٹڈ بوٹڈ اور کسرتی جسم کا شخص نظر آرہا تھا اس کی شخصیت خاصی جاندار دکھائی دے رہی تھی، کار کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا شخص زاہد خان کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ معمول کے مطابق وہ اس وقت بھی دودھیا رنگ کے سفید شلوار سوٹ اور سیاہ واسکٹ میں نظر آرہا تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ قویٰ بیحد مضبوط تھے اور بڑی بڑی گھنی مونچھوں نے اس کی شخصیت کو خاصا رعب دار بنا رکھا تھا بظاہر وہ لباس کے اعتبار اور ظاہری

رکھ رکھاؤ سے کوئی اعلیٰ سرکاری آفیسر معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی حقیقت اس سے بھی کہیں زیادہ تھی وہ شہر کا ایک مشہور کروڑ پتی تھا، اس کے بہت سارے کارخانے اور دفاتر شہر کے مختلف حصوں میں واقع تھے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی کہ اس نے اتنی ڈھیر ساری دولت ہیروئن کی اسمگلنگ کے ذریعے کمائی تھی۔ اس کی رسائی حکومت کے خصوصی حلقوں میں بہت اونچی حد تک تھی اس لئے چھوٹے موٹے سرکاری افسر اور قانون کے محافظ بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اپنی ناجائز آمدنی ہی کو جائز دکھانے کی خاطر اس نے شہر کے پررونق علاقوں میں سپر اسٹور اور چھوٹے موٹے تفریحی کلب بھی کھول رکھے تھے جہاں روزانہ لاکھوں کا کاروبار ہوتا تھا اس کی کروڑوں کی جائیداد اور لاکھوں کی آمدنی پر باقاعدہ انکم ٹیکس ادا کیا جاتا تھا۔ اپنی حفاظت کی خاطر زاہد خان نے بہت سارے شہرہ پشت بدمعاشوں کو پال رکھا تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ کچھ عرصے سے اپنے ان حریفوں سے مات کھاتا چلا آرہا تھا جو اسی کی طرح بظاہر سفید پوش نظر آتے تھے لیکن خود بھی کالا پیلا دھندا کرتے تھے۔

زاہد خان اگر چاہتا تو اپنے حریفوں کو اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے بھی مات دے سکتا تھا لیکن یہ بات اس کی سرشت کے خلاف تھی چنانچہ اس نے وقتی طور پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ ڈھیل دے کر پیچ لڑانے کا عادی تھا لہٰذا اس نے دشمن پر پلٹ کر جوابی حملہ کرنے کی حماقت نہیں کی، دشمنوں کے چہرے اس کے لئے جانے پہچانے تھے اس لئے وہ اس کی نظر سے دور نہیں تھے اس کے آدمی اس کے دشمنوں کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے لمحے لمحے کی رپورٹیں ملتی رہتی تھیں، کئی بار اسے بدلا لینے کے مواقع بھی ملے لیکن وہ ٹھنڈا کرکے کھانے کا عادی تھا اس لئے گرم گرم نوالے پر ہاتھ مار کر منہ نہیں جلانا چاہتا تھا۔ تیں چالیس لاکھ کا نقصان اس کے لئے کوئی بڑا نقصان نہیں تھا اس لئے کہ وہ اتنی رقم اپنے صرف ایک کنسائنمنٹ پر کماتا تھا۔ دنیا کو دکھانے کی خاطر اس نے شور و واویلا ضرور مچایا تھا لیکن قانون کے نگہبانوں کو اس نے اصلی مجرموں کی بابت کچھ نہیں بتایا تھا اس لئے کہ وہ شکار خود کرکے اپنی حس کو تسکین کو سکون پہنچانے کا عادی تھا۔ وہ شکار پھانسنے اور اسے بے بس کرکے مارنے میں زیادہ لطف محسوس کرتا تھا اس لئے اس نے اپنے نقصانات پر بھی بظاہر خاموشی اختیار کرلی تھی لیکن اس نے اسے فراموش نہیں کیا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے زمان خان کو اس کا دست راست ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ گزشتہ پندرہ سال سے زاہد خان کے لئے کام کر رہا تھا اور اس عرصے میں وہ کبھی کسی محاذ پر ناکام نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر لمحہ سائے کی طرح زاہد خان سے چمٹا رہتا تھا چنانچہ اس وقت بھی جب زاہد خان ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار کے ہاں ڈنر پر مدعو تھا وہ اس کے ساتھ ہی تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، زمان خان؟" زاہد خان نے طویل خاموشی کے بعد کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "کیا سیٹھ جواہر والا آسانی سے تمہارے آدمیوں کے قبضے میں آجائے گا۔"

"اسی میں اس کی زندگی کی ضمانت ہے۔" زمان خان نے لاپرواہی سے کہا۔ "دوسری صورت میں میرے حکم کے مطابق میرے آدمی اس کے جسم کو چھلنی کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔"

"لیکن اتنی بڑی رقم وہ رات گئے لائے گا کہاں سے؟"

"آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے خان کہ جواہر والا نے اپنا ذاتی بنک اپنے بنگلے کے تہہ خانے میں کھول رکھا ہے۔ مجھے بھی کچھ روز پہلے ہی اس کا علم ہوا ہے...... وہ قیمتی ہیرے جواہرات اور موٹی موٹی رقمیں انہی زمین دوز تجوریوں میں رکھنے کا عادی ہے۔"

"تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا؟"

"پچاس ہزار خاصی بڑی رقم ہوتی ہے اور خاص طور پر کسی گھریلو ملازم کے لئے۔" زمان خان کے ہونٹوں پر ایک زہریلا تبسم جاگ اٹھا۔ "میں نے جواہر والا کے دیرینہ ملازم کو وقتی طور پر خرید لیا ہے۔"

"گڈ......" زاہد خان نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن تمہیں اس کا علم بھی ہے کہ سیٹھ جواہر والا تک پہنچنے کی خاطر کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ میرا اشارہ ان حفاظتی تدابیر کی جانب ہے جو اس گھونس کی اولاد نے اختیار کر رکھی ہے۔"

"میرے آدمی پوری طرح ہر مقابلے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے...... اسے کس پر شبہ ہوگا؟"

"میڈم برلاس کی خوبصورت مگر اجڑی ہوئی شخصیت پر۔" زمان خان نے زہرخند سے جواب دیا۔ "ایک بار میڈم نے رقم کی لین دین پر بھی اسے اپنے دفتر سے ذلیل کر کے نکالا تھا اور اس موقع پر رحمت علی بھی موجود تھا۔"

"رحمت علی......!" زاہد خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میری رپورٹ کے مطابق اس نے میڈم کی نگاہوں میں ایک اچھا مقام پیدا کر لیا ہے۔"

"وہ دلیر، نڈر اور جاندار شخصیت کا مالک ہے، اس کی حیثیت میڈم کے لئے کسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے کم نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو......؟"

"ہاں خان...... کسی مرد کی تعریف نہ کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔" زمان خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میڈم برلاس پر قاتلانہ حملہ کس کی جانب سے ہوا؟"

"ہوسکتا ہے اس کے پس پردہ بھی ان ہی لوگوں کا ہاتھ ہو جنہوں نے ہمارا سپر اسٹور تباہ کیا تھا۔"

"ڈاکٹر نادر کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"کاروباری رشتے سے وہ بھی ہمارا ساتھی ہے لیکن پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کا عادی ہے...... ایک کامیاب اور مشہور سرجن ہونے کی وجہ سے ابھی تک اس کی شخصیت شکوک سے بالاتر ثابت ہو رہی ہے۔"

"پراسرار تنظیم کے اس چوہے کا کوئی پتہ چلا جو ابھی تک پردہ میں چھپا بیٹھا ہے۔"

"آج نہیں تو کل...... وہ بھی زیادہ دنوں تک ہماری نظروں سے روپوش نہیں رہ سکے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہی درپردہ میڈم برلاس کی مدد کر رہا ہے ورنہ یہ عورت اتنی دلیر بھی نہیں ہے۔"

"ہمیں اس سے کیا لینا خان۔" زمان خان نے کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تو صرف ان لوگوں سے انتقام لینا ہے جنہوں نے ہمیں نقصان پہنچایا تھا ان افراد کو چن چن کر ٹھکانے لگانا ہے جو ہماری خاموشی کو ہماری بزدلی سے تعبیر کرتے ہیں۔"

"کمال احمد کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"ایک معمولی کارندہ جو نازو کی موت کے بعد سے خود بھی کسی زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا ہے۔"

"میری رپورٹ کے مطابق نادیدہ تنظیم کا پراسرار سربراہ اسی کے ذریعے اپنے کارندوں تک احکامات پہنچاتا ہے۔"

"آپ نے غلط نہیں سنا۔"

"جبکہ میری اطلاع یہ ہے کہ میڈم پر واجد اور چینا نے حملہ کیا تھا...... یہ دونوں بھی پراسرار تنظیم سے منسلک ہیں۔"

"رحمت علی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں؟"

"اگر ہم اسے خرید لیں تو وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"ابھی نہیں...... جب ضرورت ہوگی تو میں خان کے حکم کے مطابق اسے اپنا حامی بنانے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ فی الحال میری اسکیم یہ ہے کہ دشمنوں کی صفوں میں ایسا انتشار پیدا کیا جائے کہ وہ آپس میں ٹکرا جائیں۔ اس وقت ہم تماشہ دیکھیں گے اور ہوسکتا ہے کہ اسی انتشار کے نتیجے میں وہ چوہا بھی بے نقاب ہو جائے جو پراسرار تنظیم کا سربراہ ہے۔"

"تم نے اپنے آدمیوں کو ایکشن کا کیا وقت دیا ہے؟"

"ٹھیک گیارہ بجے۔" زمان خان نے لاپرواہی سے جواب دیا پھر اپنی گاڑی اس وسیع و عریض بنگلے کے گیٹ پر روک دی جہاں اور بھی متعدد جھلملاتی اور بڑی بڑی کاریں موجود تھیں۔ زاہد خان مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا کار سے نیچے اترا تھا......!!

☆

وہ چاروں نقاب پوش آٹھ لاشوں کو پھلانگنے کے بعد ہی سیٹھ جواہر والا کی خوابگاہ تک پہنچے تھے، محافظوں کو ٹھکانے لگانے کی خاطر انہوں نے بے آواز پش فائر کے ذریعے سریع الاثر زہریلی سوئیاں ان کے جسموں میں اتار دی تھیں اور وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر گرے تھے اور گرتے ہی ٹھنڈے ہوگئے تھے۔ جواہر والا کی خوابگاہ دوسری منزل پر تھی اور اس وقت وہ آبنوسی لکڑی سے بنی ہوئی میز پر بیٹھا ان ہیروں کو پرکھ رہا تھا جو اس کے سامنے سرخ مخمل کے کپڑے پر بکھرے ہوئے تھے ان کی تعداد کل بارہ عدد تھی لیکن قیمت تقریباً پچاس لاکھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چوبیس گھنٹے بعد اسے وہ جواہرات ایک عرب پارٹی کے حوالے کرنے تھے اور اس سودے میں اسے پچیس لاکھ کے منافع کی توقع تھی۔ مال کسی پارٹی کے حوالے کرنے سے پیشتر حسب عادت وہ محدب شیشے کے ذریعے ان کے اصل ہونے کی تصدیق کر رہا تھا، وہ جواہرات اس نے ابھی کچھ دیر پہلے اپنی لوہے کی الماری کے چور خانے سے نکالے تھے۔ اس وقت جب موت اس کی خوابگاہ کے اردگرد منڈلا رہی تھی وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ پھر دروازے پر ہونے والی دستک کی پہلی ہی آواز پر وہ اس طرح چونکا تھا جیسے کسی نے اسے اچانک چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو، اس نے بڑی پھرتی سے جواہرات کو کپڑے میں لپیٹ کر دراز میں رکھا اور دروازے کی سمت خشمگیں نظروں سے گھورنے لگا ملازموں کو اس نے بڑی سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ رات گیارہ بجے کے بعد اسے کسی قیمت پر ڈسٹرب نہ کیا جائے اور اس وقت سوا گیارہ کا عمل تھا کچھ دیر تک وہ اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتا رہا پھر اس نے کرخت اور بلند آواز میں پوچھا..... "کون ہے؟"

"میں شرفو ہوں مالک۔" باہر سے اس کے خاص ملازم کی آواز سنائی دی۔ "ایک بہت ضروری کام آن پڑا ہے۔"

"نان سینس۔" جواہر والا نے حقارت سے کہا پھر اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب تین سیاہ لباس میں ملبوس نقاب پوش اسے دھکا دیتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے، تینوں ہی مسلح تھے اور نقاب سے جھانکتی ہوئی ان کی انگاروں جیسی دہکتی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں اس بات کی ترجمان تھیں کہ اس وقت کسی نیک ارادے سے وہاں نہیں آئے ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ طے تھی کہ انہوں نے خوابگاہ تک پہنچنے والے راستوں پر تعینات تمام مسلح محافظوں کو بھی ضرور ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔ ان مسلح محافظوں سے ٹکرائے بغیر چڑیا کا کوئی بچہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا، جواہر والا نے کچھ ایسے ہی مستحکم انتظامات کر رکھے تھے لیکن اس وقت وہ خود کو بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔

"تت..... تم..... کک..... کون ہو؟" اس نے بڑی مشکل سے اپنی بکھری بکھری سانسوں کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہمیں بن بلائے مہمان ہی سمجھ سکتے ہو۔" اس نقاب پوش نے جس کے ہاتھوں میں ایک جدید ساخت کا پستول موجود تھا۔ سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اور تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دیں کہ ہم یہاں کسی نیک ارادے سے نہیں آئے ہیں۔"

"پر..... تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"

"ایک کروڑ روپے نقدی کی صورت میں اور اس کے علاوہ اگر تم کچھ قیمتی ہیرے اور جواہرات بھی نذر کر سکو تو ہم اسے تمہاری جانب سے اپنے ذاتی استعمال کے لئے یادگار تحفہ سمجھ کر قبول کر لیں گے۔"

"ایک..... کروڑ!" جواہر والا نے حیرت سے کہا۔ "پر اس وقت اتنا روکڑا اپن کہاں سے لائیں گے۔"

"یہ سوچنا تمہاری دردسری ہے۔ ہمیں صرف مطلوبہ رقم سے سروکار ہے۔"

"مگر اس وقت۔ اتنی رات گئے جرا سوچو تو سہی کہ اس وقت....."

"تم اپنا اور ہمارا دونوں کا وقت ضائع کر رہے ہو۔" اسی نقاب پوش نے جو اپنے دو ساتھیوں سے ایک قدم آگے کھڑا تھا انتہائی سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔ "زندگی عزیز ہے تو بلا تاخیر رقم ہمارے حوالے کر دو۔"

"جندگی تو اچھی ہے مگر اپن اس ٹیم....."

"شٹ اپ....." نقاب پوش گرج کر بولا۔ "ہم صرف پانچ تک گنیں گے اس کے بعد ہمیں تمہاری دردناک موت پر کوئی افسوس نہیں ہوگا اور تمہاری موت کے بعد ہم اپنی مطلوبہ رقم تمہاری تجوریوں کا پیٹ پھاڑ کر بھی وصول کر لیں گے۔ اوپر سے یہی حکم ملا ہے۔"

"کک کیا تم ہمیں ایک دن کی مہلت نہیں دے سکتے۔"

جواب میں نقاب پوش نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو کچھ اشارہ کیا تھا اچانک یکے بعد دیگرے دو مدھم کھٹکوں کی آواز ابھری اور خواب گاہ کے ایک گوشے سے لگا ہوا قیمتی فانوس فرش پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

"اس فانوس کی طرح ہم تمہارے جسم کے بھی ٹکڑے کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔" اسی نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا۔

"م..... میں تمہیں..... روکڑا دے سکتا ہوں۔ پر ایک سرط پر۔"

"جلدی بکو....."

"تم جیادہ کا مطالبہ نہیں کرو گے۔"

"مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے سیٹھ۔"

پھر زندگی بچانے کی خاطر جواہر والا کو وہ خفیہ تجوری کھولنی پڑی جو نہایت چابک دستی سے دیوار میں لگائی گئی تھی اور اس کے اوپر ایک دیدہ زیب پینٹنگ موجود تھی جس کی وجہ سے وہاں

تجوری کے ہونے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ جواہر والا نے مطلوبہ رقم بڑے بڑے نوٹوں کی صورت نکال کر ان کے حوالے کردی پھر وہ تجوری بند کر کے پینٹنگ درست کرنے کے بعد پلٹا ہی تھا کہ اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ایک نقاب پوش اپنے ہاتھ میں مخمل کا وہ سرخ کپڑا لئے کھڑا مسکرا رہا تھا جس کے اندر بارہ عدد قیمتی ہیرے موجود تھے۔

''یہ کیا......!'' جواہر والا نے احتجاج کیا۔ ''تم نے مردوں کی جبان دی تھی۔''

''صرف روکڑے کے لئے...... یہ قیمتی پتھر ہماری محنت کا پھل ہیں۔'' نقاب پوش نے زہرخند سے کہا۔ ''ہم نے دروازے پر دستک دینے سے پیشتر روشن دان کے راستے اندر جھانک کر اس بات کی تصدیق کر لی تھی کہ خواب گاہ میں تمہارے علاوہ اور کوئی تو نہیں تم اس وقت ان ہی ہیروں کی چمک دمک سے لطف اندوز ہو رہے تھے جواب ہمارے قبضے میں ہیں۔ یہ ہیرے اور جواہرات تمہاری جانب سے ہماری محنت کا پھل ہیں۔''

جواہر والا بڑی بے بسی کے عالم میں کھڑا اپنے ہونٹ چبا رہا تھا ویسے دل ہی دل میں اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ نقاب پوشوں کو اس کی نچلی منزل کی خوابگاہ اور اس کے اندر بنے ہوئے زمین دوز تہہ خانوں کا کوئی علم نہیں تھا جہاں عربوں کی دولت نقدی اور دوسرے ساز وسامان کی صورت میں موجود تھی۔

''ایک بات کا اور دھیان رکھنا سیٹھ۔'' پہلے نقاب پوش نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''کسی کی خوابگاہ میں گھس کر سوتے میں اس پر قاتلانہ حملہ کرانا مردانگی کی نہیں بزدلی کی علامت ہے آئندہ تم ایسے گھٹیا اقدام سے گریز کرو گے۔''

''تم میڈم برلاس کی بات کر رہے ہو۔'' جواہر والا چونکا۔

''شکر ہے ہماری بات جلدی ہی تمہاری سمجھ میں آ گئی ورنہ ہم اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے آتشی اسلحہ کی زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔''

''تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' جواہر والا نے تیزی سے کہا۔ ''میں قسم اٹھاتا ہوں وہ حملہ میں نے نہیں کرایا تھا۔''

''اس کا یقین تم براہ راست میڈم کو دلانا، ہم صرف حکم کی پیروی کرنے کے عادی ہیں اور ہاں...... ایک بات اور...... یہ معاملہ پولیس تک نہیں جانا چاہئے ورنہ اس کا انجام بھیانک ہوگا۔ ہم تمہارے پورے کنبے کو سڑکوں پر گھسیٹ گھسیٹ کر اذیت ناک موت سے دوچار کریں گے۔''

''یہ سراسر جلم ہے، جیادتی ہے۔'' جواہر والا نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ فیصلہ تمہارے اور میڈم کے درمیان ہی ہوگا کہ کس نے ظلم کیا ہے اور کون بے قصور ہے۔''

''کک کیا...... میں میڈم سے اسی وقت بات کرسکتا ہوں۔'' جواہر والا نے رو دینے

والے انداز میں پوچھا۔

''نہیں......'' نقاب پوش کڑک کر بولا۔ ''ہمارے جانے کے بعد بھی تم آدھے گھنٹے تک اسی کرسی پر بے حس وحرکت بیٹھے رہو گے جس پر اس وقت موجود ہو۔ ہمارا آخری ساتھی ہمارے جانے کے ٹھیک تیس منٹ بعد ہی یہاں سے روانہ ہوگا۔ وہ تمہاری نظروں کے سامنے نہیں ہوگا مگر ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی صورت میں کوئی سنسناتی ہوئی گولی تمہارے وجود کو ختم کردے گی۔'' پھر وہ تینوں تیزی سے پلٹے اور خوابگاہ سے باہر نکل گئے۔ جواہر والا بدستور اپنی کرسی پر بت بنا بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پر موت کے تاریک سائے کپکپا رہے تھے لیکن دل ہی دل میں وہ میڈم برلاس سے کسی جوابی انتقامی کارروائی کے منصوبے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ ایک کروڑ روپے نقد اور پچاس لاکھ کے جواہرات کا جھٹکا کوئی معمولی دھچکہ نہیں تھا جسے وہ خاموشی سے برداشت کر لیتا......!

☆

رحمت علی اس وقت عذرا کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مشغول تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''بجنے دے اسے۔'' عذرا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''دو گھڑی پیار سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے تو یہ درمیان میں بجنے لگتی ہے۔''

''ہوسکتا ہے کوئی ضروری کال ہو۔''

''اتنی رات گئے۔'' عذرا نے تنک کر کہا۔ ''اسی تیری چہیتی میڈم کے پیٹ میں درد اٹھا ہوگا۔''

''بری بات ہے کسی کے بارے میں شک نہیں کرتے۔''

''کل سے دس بجے رات کے بعد میں اسے مستقل طور پر بند کردیا کروں گی۔''

رحمت علی نے جواب دینے کے بجائے ریسیور اٹھالیا۔ اس وقت رات کے تقریباً سوا بارہ بجے کا عمل رہا ہوگا۔

''ہیلو۔''

''میں بول رہا ہوں۔'' دوسری جانب سے بھرائی ہوئی آواز ابھری اور رحمت علی محتاط ہوگیا اس نے پراسرار تنظیم کے سربراہ کی مانوس آواز پہچان لی تھی۔

''اتنی رات گئے کیا ضرورت پیش آ گئی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ابھی تو پندرہ دن کی مہلت پوری ہونے میں خاصی مدت باقی ہے۔''

''میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ تم اس وقت گھر پر ہو یا نہیں۔''

''کوئی نیا چکر......''

''تمہارے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال کیوں ابھرا؟''

''ظاہر ہے، تم نے مجھے ڈنر یا لنچ کی دعوت دینے کے لئے فون نہیں کیا ہوگا۔'' رحمت علی نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا۔

''میں صرف تمہیں چیک کرنا چاہتا تھا۔''

''تمہارے آدمیوں کی کیا رپورٹ ہے۔'' رحمت علی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''رحمت علی...... میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔''

''میں نے بھی مذاق نہیں کیا۔'' رحمت علی نے برجستہ کہا۔ ''تم ہر قیمت پر مجھے تنظیم میں شامل کرنے کا تہیہ کر چکے ہو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ تمہارے کچھ گرگے میرے سائے کی بھی نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

''غلط خیال ہے تمہارا، میں بلاضرورت اپنے آدمیوں کو پریشان نہیں کرتا۔''

''بڑا اعتماد ہے اپنی ذات پر۔''

''ہاں...... اعتماد نہ ہوتا تو ہم اب تک تمہیں اپنے ساتھ ملا چکے ہوتے۔''

''زبردستی......''

''محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے ہم چاہیں تو ایسے حالات بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ تم صرف چوبیس گھنٹے کے اندر ہم میں شامل ہونے کو آمادہ ہو جاؤ گے۔''

''پھر تم نے مجھے پندرہ روز غور کرنے کا موقع کس لئے دیا تھا۔''

''یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم پیار محبت کو سختی اور زبردستی پر ترجیح دیتے ہیں اور پھر جہاں گھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے وہاں بلاوجہ انگلی ٹیڑھی کرنے سے کیا حاصل۔''

''ایک سوال پوچھوں۔''

''پوچھو۔''

''کیا تم بھی مجھے ناجائز تجارت کے گھناؤنے کاروبار میں استعمال کرو گے۔''

''یہ سب حالات پر منحصر ہے قبل از وقت یقین سے نہیں کہا جا سکتا ویسے ممکن ہے کہ تم کو کسی شعبے کا سربراہ بنا دیا جائے۔'' دوسری جانب سے لاپرواہی سے کہا گیا۔ ''اب تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہے...... تم کتنی دیر سے گھر پر ہو۔''

''دس بجے سے......'' رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کوئی خاص بات؟''

''ہاں...... کسی نے بلاوجہ جواہر والا کو پریشان کرنے کی حماقت کی ہے۔''

''پریشان کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''کچھ نامعلوم لوگوں نے اس سے ایک لمبی رقم لوٹ لی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے میڈم برلاس پر ہونے والے حملے کا انتقام لیا ہے۔''

''اور میڈم کے حوالے سے تمہارے ذہن میں میرا نام ابھر آیا...... کیوں؟''

''اصلیت کیا ہے ہم اس کی تصدیق کر لیں گے...... تم فی الحال آرام کرو۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

''کون تھا۔'' عذرا نے جو ٹکٹکی باندھے رحمت علی کو گھور رہی تھی اسے ریسیور کریڈل پر رکھتے دیکھ کر دریافت کیا۔

''وہی...... جو مجھے اپنے ساتھ ملانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''اس وقت فون کیوں کیا تھا؟''

''شہر میں کہیں ایک مخصوص قسم کی واردات ہوگئی ہے اس کو شبہ ہوا تھا کہ کہیں اس میں میرا ہاتھ تو شامل نہیں۔''

''رحمتے......'' عذرا نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ان خطرناک باتوں کا انجام کیا ہوگا، مجھے اب اس ماحول سے گھٹن سی ہونے لگی ہے۔''

''خدا پر بھروسہ رکھ عذرا...... وہ بہتر کرے گا۔''

''میں پھر یہی کہوں گی رحمتے کہ اس عیش و آرام کو لات مار کر واپس لوٹ چل اپنی اسی پرانی دنیا میں۔''

''نہیں...... اب میرے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''پھر ان باتوں کا حاصل کیا ہوگا۔'' عذرا بولی۔ ''کیا تو غلط راہوں کو اپنا لے گا اور اگر تو نے ایسا کیا تو تیرے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا کبھی یہ بھی سوچا ہے تو نے......''

''میں بہت کچھ سوچتا ہوں عذرا، جان بوجھ کر کون اندھے کنویں میں چھلانگ لگاتا ہے لیکن کبھی کبھی تاریکی اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں انسان بھٹک بھی جاتا ہے اسے کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی...... آنکھیں ہوتے ہوئے بھی وہ کسی ایک راستے کا انتخاب نہیں کر پاتا لیکن تو فکر مت کر، خدا نے چاہا تو میں بہت جلد حالات پر قابو پا لوں گا۔''

''مگر کیسے......؟''

''فی الحال پریشان مت کر اگر ہو سکے تو ایک کپ چائے بنا دے بڑی شدت سے خواہش ہو رہی ہے۔''

عذرا خاموشی سے اس کا منہ تکتی ہوئی اٹھ کر باہر گئی تو رحمت علی کا ذہن جواہر والا کے بارے میں سوچنے لگا، پراسرار تنظیم کے سربراہ نے کہا تھا کہ اس حملے کو میڈم پر ہونے والے حملے کی انتقامی کارروائی ظاہر کیا گیا ہے۔ ''تو کیا یہ سچ ہے۔'' اس نے سوچا۔ ''کیا میڈم نے نظر انداز کر کے کہیں پھر اسی نامعلوم شخص سے تو مدد حاصل نہیں کی جس نے میڈم کی خواہش کی تکمیل کی خاطر شیرا اور صمدانی کو ٹھکانے لگایا تھا مگر اس کا نام درمیان میں کیوں نہیں آیا کسی نے جان بوجھ کر تو اسے ملوث کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟ پراسرار تنظیم کے سربراہ نے محض تفریحاً تو اس سے تصدیق نہیں کی ہوگی۔''

رحمت علی کا ذہن الجھ رہا تھا جیسے حالات چاروں طرف سے اس کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر رہے ہیں وہ اس حلقے کو توڑ کر نکاسی کے راستے کے بارے میں غور کرنے لگا پھر اچانک مونا کا نام اس کے ذہن میں بجلی بن کر کوندا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے ڈوبتے ڈوبتے اسے کسی مضبوط تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔!!

☆☆☆☆☆

ہلکے آسمانی رنگ کی وہ گاڑی ایئر پورٹ کی طرف جانے والے راستے پر دوڑ رہی تھی۔ اگلی نشست پر دو افراد بیٹھے تھے۔ اسٹیئرنگ وہیل پر دُبلا پتلا آدمی موجود تھا لیکن اس کی آنکھوں کی چمک اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ عملی میدان میں بڑا چست و چالاک ثابت ہوگا۔ اس کے ہونٹوں کے درمیان ادھ جلا سگریٹ موجود تھا جو آہستہ آہستہ دھواں دے رہا تھا۔ برابر والی سیٹ پر جو شخص بیٹھا تھا وہ درمیانہ قد اور چھریرے جسم کا مالک تھا۔ اس نے ایک مقامی ایئر کمپنی کی یونیفارم پہن رکھی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسی کمپنی کا ایئر بیگ موجود تھا بظاہر وہ جہاز راں کمپنی کا کریو ہی دکھائی دے رہا تھا۔ شکل وصورت سے وہ کرسچین معلوم ہوتا تھا۔

دونوں کی نگاہیں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں، رفتار بتانے والی سوئی تیس اور چالیس کے ہندسے کے درمیان متحرک تھی دونوں ہی اپنی اپنی سوچ میں ڈوبے نظر آرہے تھے پھر گفتگو کی پہل چھریرے بدن والے نے کی تھی۔

"شیراز...... میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہ سلسلہ ختم کردینا چاہئے۔"

"خیریت......" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہونٹوں کے درمیان سے سگریٹ نکال کر سڑک کی جانب اچھالتے ہوئے کہا۔ "یہ اچانک تمہیں بیٹھے بٹھائے سلسلہ ختم کرنے کا خیال کیسے آگیا؟"

"برا وقت آتے دیر نہیں لگتی مائی ڈیئر......" چھریرے بدن والے نے جس کا نام راڈرک تھا سپاٹ آواز میں کہا۔ "یوں بھی اب ہم دونوں نے خاصی رقم کما لی ہے...... زیادہ لالچ بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"دولت جتنی کمائی جائے اسی اعتبار سے خرچ بھی ہوتی ہے۔" شیراز نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "ضرورتیں قدم قدم پر منہ پھاڑے کھڑی رہتی ہیں اور یہی ضرورتیں انسان کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں۔"

"لیکن غلط راستے پر چلنے کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا......"

"بڑی جلدی خیال آگیا تمہیں۔" شیراز کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "کیا خیال ہے کہ ں ہمیں اتنی آسانی سے چھوڑ دے گا۔"

"میں کروں گا باس سے بات۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا استاد رضوی ہی ہمارا اصل باس ہوگا۔"

"کیا مطلب......؟" راڈرک نے چونک کر کہا۔ "اور کون ہے ہمارا باس......"

"یہ بات جو تم مجھ سے پوچھ رہے ہو اس کا جواب شاید استاد کے فرشتوں کو بھی نہیں ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں......"

"صرف موٹی موٹی رقم وصول کر لینا ہی دانشمندی نہیں کہلاتا میری جان۔" شیراز نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "عقل سے بھی سوچنا پڑتا ہے، جو لوگ سفید اور کالا دھندا کرتے ہیں وہ کھل کر کبھی سامنے نہیں آتے، دوسروں کو دولت کا لالچ دے کر خریدتے ہیں اور تمام احکامات فون پر یا کسی اور ذریعے سے اپنے کارندوں تک پہنچاتے ہیں، خود اپنی مثال لے لو...... استاد سے تمہاری ملاقات بھی دو پھیروں کے بعد ہی ہوئی تھی...... ہم جس منزل کے مسافر ہیں وہاں ہر کام انڈر گراؤنڈ چلتا ہے۔"

"تو کیا اب اس دھندے سے ہمیں کبھی نجات نہیں ملے گی۔"

"تمہیں خوف کس بات کا ہے؟"

"پہلے میں نے جو کچھ کیا وہ مجبوری کے تحت کیا تھا۔" راڈرک اپنی نشست پر پہلو بدل کر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ میں شادی شدہ ہوں اور میرے دو بچے بھی ہیں...... اگر کبھی مجھ پر برا وقت آ گیا تو میری وائف اور بچوں کا کیا ہوگا۔"

"اس کی ذمہ داری استاد نے لے لی ہے...... پکڑے جانے کی صورت میں ایک معقول رقم ہر مہینے تمہارے گھر پہنچتی رہے گی بشرطیکہ تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کس طرح کہہ رہے ہو۔"

"تجربہ انسان کو آہستہ آہستہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔" شیراز نے بدستور لاپروائی سے جواب دیا۔ "ہوائی راستے پر تبدیل ہونے سے پہلے میں خشکی کا سفر کیا کرتا تھا، ایک بار جیل کی ہوا بھی کھا چکا ہوں لیکن میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔ پھر استاد نے بھاگ دوڑ کر کے ضمانت کرائی۔ دو مہینے تک اندر کی ہوا کھا چکا ہوں۔ وہ بھی ایک الگ دنیا ہے، ایک بار ہو آؤ گے تو یہ جو ڈر اور خوف تمہارے اندر چھپا بیٹھا ہے جاتا رہے گا، پھر تمہیں کسی بات کی فکر نہیں ہوگی۔"

"مم...... میں اپنا الگ کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔" راڈراک نے مدھم آواز میں کہا۔

"کالے دھندے کا۔"

"نہیں...... میں اب عزت کی روٹی کمانا چاہتا ہوں، حرام کا مال اب مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ بات کسی اور کے سامنے زبان سے مت نکالنا۔" شیراز نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "جس دن استاد کو اور اس سے اوپر والوں کو تمہارے ارادے کا علم ہو گیا وہ دن تمہاری زندگی

[illegible] کا آخری دن بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

راڈرک نے کوئی جواب نہ دیا، اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا۔ گاڑی اسی رفتار سے اپنا سفر طے کر رہی تھی کہ اچانک کسٹم کے اینٹی اسمگلنگ اسکواڈ برق رفتار گاڑیوں نے عقابی انداز میں نمودار ہو کر اُن کا راستہ روک لیا، شیراز نے بڑے اطمینان سے گاڑی سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ اس کے چہرے سے کسی گھبراہٹ یا پریشانی کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

"اب کیا ہوگا؟" راڈرک نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پیکٹ میرے سفری بیگ میں موجود ہے۔"

"اپنے حواس درست رکھو۔" شیراز نے تیزی سے کہا۔

"میری ملازمت......"

"شٹ اپ......" شیراز نے کرخت اور سفاک لہجہ اختیار کیا۔ "تمہارے پاس جو پیکٹ ہے اس میں سینڈوچ کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے، گھبرانے کی حماقت مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔"

کسٹم کے عملے نے پہلے ان دونوں کی جامہ تلاشی لی پھر گاڑی کے ایک ایک کونے اور کل درازوں کو کنگھال ڈالا، خاص طور پر اس ایئر ٹائٹ پیکٹ کو دیکھ کر ان کی نگاہوں میں اُمید کی کرن اُبھری تھی۔

"اس میں کیا ہے......؟" ایک مسلح سپاہی نے سوال کیا۔

"سینڈوچ......" راڈرک نے بمشکل سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس پیکٹ کے اندر سے یقیناً چکن سینڈوچ ہی برآمد ہوئے تھے، کسٹم کے عملے نے سینڈوچ کے ٹکڑے بھی کر ڈالے لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ راڈرک کے چہرے پر اُلجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے لیکن شیراز بدستور لاپروا نظر آ رہا تھا۔ تلاشی مکمل ہونے کے بعد اس نے کسٹم آفیسر سے پوچھا۔

"خیریت تو ہے جناب...... کیا آپ کو ہمارے اوپر کسی قسم کا کوئی شک ہے۔"

"نہیں......" کسٹم آفیسر نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "جنرل چیکنگ کے پیش نظر ہم آپ کو بھی زحمت دی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" شیراز بولا۔ "حکومت سے تعاون کرنا تو ہر معزز شہری کا فرض ہے۔"

پھر گاڑی دوبارہ حرکت میں آنے کے بعد ہی راڈرک نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"آج تم نے پہلی بار بزدلی کا ثبوت دینے کی حماقت کی تھی۔" شیراز نے سرد لہجے میں کہا۔ "دوبارہ ایسی حماقت کبھی نہ کرنا۔"

"لیکن وہ پیکٹ......" راڈرک بولا۔ "استاد نے تو اس کے بارے میں کچھ اور بتایا تھا۔"

"وہ بھی درست تھا۔" شیراز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن بعد میں پروگرام تبدیل

کر دیا گیا تھا۔''

''کوئی خاص وجہ......؟''

''ہاں...... استاد کی اطلاع کے مطابق کسی دشمن نے ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کی تھی جس کی بروقت اطلاع مل گئی اور اسی اطلاع کے پیش نظر پیکٹ تبدیل کر دیا گیا تھا۔''

''اب کیا پروگرام ہے؟''

''تم حسب دستور اپنی ڈیوٹی انجام دو گے...... کیا تمہیں پیشگی اس کام کی اجرت نہیں ملی؟''

''لیکن وہ پیکٹ......؟''

''پیکٹ کا خیال ذہن سے نکال دو...... اس کے بارے میں غور کرنا استاد کا کام ہے لیکن ایک بات غور سے سن لو، اگر تم نے دوبارہ کبھی پکڑنے جانے کے بعد کسی حماقت کا ثبوت دیا تو ہوسکتا ہے کہ تمہارے حق میں میری دوستی، دشمنی میں بدل جائے، مجھے اس تبدیلی پر کوئی افسوس نہیں ہوگا۔''

شیراز کا لہجہ سرد اور سفاک تھا۔ راڈرک نے کوئی جواب نہیں دیا، ہونٹ چبانے لگا......!

☆

مونیکا نے اسے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے زیر مطالعہ فائل اٹھا کر ایک طرف رکھ دی اور رحمت علی کو ایسی نگاہوں سے گھورنے لگی جیسے وہ اس کے لئے کوئی اجنبی شخص رہا ہو۔

''کیوں؟'' رحمت علی نے مسکرا کر پوچھا۔ ''ایسی خطرناک نظروں سے کیوں گھور رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہوں کہ آج یہ چودھویں کا چاند بھول کر میرے آفس میں کس طرح طلوع ہو رہا ہے۔'' مونیکا شوخی سے بولی۔ ''کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' رحمت علی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا پیئو گے، چائے ٹھنڈا یا......''

''تمہاری موجودگی میں ''یا'' کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔'' رحمت علی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''سوچ لو...... اگر میڈم کو تمہارے جواب کا علم ہوگیا تو کیا ہوگا؟''

''کیا ہوگا......؟''

''میرا خیال ہے کہ آج تم کچھ زیادہ ہی فرصت میں ہو۔'' مونیکا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ہاں......'' رحمت علی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''آج مجھے سردار خان کی یاد بڑی شدت سے آرہی ہے۔''

''دشمنوں کو یاد کرنے سے کیا حاصل۔'' مونیکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کبھی دوستوں کو بھی

یاد کر لیا کرو۔''

''اس نے کہا تھا کہ مونیکا سے بچ کر رہنا...... اس لئے کہ تمہارے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہے۔''

''اور میڈم نے میرے سلسلے میں تم سے کیا کہا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں......''

''اس کے باوجود تمہیں مجھ سے ملنے کی فرصت نہیں ملتی۔''

''غلط خیال ہے تمہارا۔'' رحمت علی نے جواب دیا۔ ''تم سے تو میں روز ہی ملتا ہوں۔''

''صرف دفتری معاملات کی حد تک۔'' مونیکا نے شکایت کی۔

''ایک بات کہوں؟''

''اجازت ہے۔'' مونیکا نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

''تمہاری جیسی آزاد خیال لڑکی کے اندر حسد اور جلن کا مادہ نہیں ہونا چاہئے۔''

''کیا تم اس وقت یہی کہنے کی غرض سے آئے ہو۔'' مونیکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں...... اس وقت میں تمہاری طرف سے بغیر دعوت کے ایک کپ گرم گرم چائے پینے آیا ہوں۔''

پھر چائے کے دوران بھی ان کے درمیان اسی قسم کی گفتگو چلتی رہی۔

''غوری کے بارے میں کوئی خاص رپورٹ؟'' اچانک رحمت علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''نہیں...... ویسے میرا خیال ہے کہ اسے اپنی اصلیت بے نقاب ہونے کا شبہ ہوگیا ہے۔''

''اس خیال کی کوئی وجہ......؟''

''ایک وجہ تو تمہارے سامنے موجود ہے۔'' مونیکا شوخی سے بولی۔ ''پہلے وہ اکثر کسی نہ کسی بہانے سے میرے کمرے میں جھانک لیا کرتا تھا لیکن جمشید کی موت کے بعد سے وہ محتاط ہوگیا ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے...... کیا آستین میں سانپ پالنے کو دانشمندی کہا جاسکتا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''میرا اشارہ غوری ہی کی طرف تھا۔'' رحمت علی بولا۔ ''کیا حالات کے پیش نظر اسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔''

''نہیں...... لیکن میڈم کا مزاج کچھ اور ہی ہے۔'' اس بار مونیکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''میں سمجھا نہیں شاید تم میڈم کے مزاج سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''وہ خطرات سے کھیلنے کی عادی ہے۔'' مونیکا نے جواب دیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ سردار خان کی اصلیت سے بھی واقف تھی لیکن اس کے باوجود

اسے برداشت کر رہی تھی شاید اس لئے کہ سردار خان بہت کام کا آدمی تھا۔ اگر اس نے تمہارے ساتھ دھوکا نہ کیا ہوتا تو شاید آج بھی زندہ رہتا۔''

''کیا مطلب......؟'' رحمت علی چونکا۔ ''کیا سردار خان کی موت میں میڈم کے کسی ارادے کو بھی دخل ہے۔''

''تم میڈم کے قریب ضرور ہو گئے ہو لیکن ابھی اسے سمجھنے میں تمہیں خاصی مدت درکار ہو گی۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو......؟''

''ہاں......'' مونیکا نے حسرت بھری نظروں سے رحمت علی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''نہ جانے تمہارے اندر کیا خاص کشش ہے کہ تم پر اعتبار کر لینے کو جی چاہتا ہے ورنہ سردار خان نے میرے بارے میں تم سے غلط نہیں کہا تھا کہ میرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہے۔''

''تم میڈم کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔''

''ڈر لگتا ہے تم سے......!'' مونیکا عجیب انداز میں مسکرائی۔ ''اگر تم نے کہیں میڈم کے سامنے ان باتوں کا اظہار کر دیا تو شاید وہ میری اب تک کی ساری خدمات کو فراموش کر دے۔''

''تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''سچ پوچھو تو اب میں بھی اس زندگی سے گھبرا گیا ہوں۔''

''میری ایک بات مانو گے؟''

''کیا......؟''

''جو کچھ تم نے مجھ سے کہا ہے اس کا اظہار میڈم کے سامنے کبھی نہ کرنا ورنہ شاید وہ تمہاری خدمات کو بھی یکسر نظر انداز کر دے۔'' مونیکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ لوگ اپنی شخصیت کے اندر بڑے پراسرار ہوتے ہیں، اپنے مفاد کی خاطر وہ کسی کو بھی داؤ پر لگا سکتے ہیں۔ خواہ وہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔''

''تم کچھ مبہم مبہم سی باتیں کر رہی ہو۔'' رحمت علی نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ ''میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں اور دوستوں کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہونا چاہئے۔''

''تم کو شاید علم نہیں لیکن تمہارے آنے سے پیشتر وہ سارے کام میں انجام دیا کرتی تھی جو اب تم کر رہے ہو...... خطرناک راستوں پر چلنے والے موت سے نہیں گھبراتے...... میں بھی نہیں گھبراتی تھی، قانون کے محافظ شکاری کتوں کی طرح میرے تعاقب میں نکلے رہتے تھے لیکن میں کسی محاذ پر کبھی ان سے خوفزدہ نہیں ہوئی...... کئی بار تو موت نے بھی میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنے کی کوشش کی لیکن میری قسمت اچھی تھی جو تمہارے سامنے موجود ہوں...... مگر تمہارے آنے کے بعد سے میری زندگی جیسے زنگ آلود ہو کر رہ گئی ہے...... میڈم

آج بھی آنکھ بند کر کے مجھ پر اعتبار کرتی ہے لیکن اب تم اس کے لئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو رہے ہو۔ مجھے علم ہے کہ ان باتوں کا اظہار کر کے میں کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دے رہی ہوں...... اگر میڈم کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو میرا انجام میری توقع سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے لیکن تم...... تم نے شاید میرے اوپر جادو کر دیا ہے...... یقین جانو، تم وہ پہلے مرد ہو جس کی خاطر میں ہنستے ہنستے موت کو بھی لبیک کہہ سکتی ہوں ورنہ میں نے آج تک مردوں کو ہمیشہ انگلیوں پر نچایا ہے مگر تم......'' مونیکا نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تم شاید جادوگر ہو......''

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔'' رحمت علی نے مسکرا کر کہا۔ ''تم انگلی پر نچائے بغیر بھی مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو، میں تمہارے یقین کو کبھی ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

''تھینکس......'' مونیکا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''مگر ایک بات کا خیال رکھنا، میڈم کو ہماری دوستی کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہئے اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے اور تمہارے درمیان کسی اور کو برداشت نہیں کرے گی...... ان کو بھی نہیں جن سے اسے لاکھوں کا فائدہ ہوتا ہے اور ان کو بھی نہیں جو اس کے ہمسفر بھی ہیں۔''

''آئی سی۔'' رحمت علی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''گویا تمہیں بہت کچھ معلوم ہے۔''

''شاید......''

''ایک بات بتاؤ...... کیا تم جانتی ہو کہ پراسرار تنظیم کا سربراہ کون ہے۔''

''نہیں......'' مونیکا نے تھوڑے توقف اور تامل کے بعد جواب دیا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سوال کے جواب سے کترانا چاہتی ہو پھر اس نے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ ''سردار خان میڈم کے لئے کسی نایاب اور انمول ہیرے سے کم نہیں تھا لیکن اس نے نازو کے ساتھ میجر عاطف کے بنگلے پر جا کر حماقت ہی کی تھی اس حماقت کا انجام کیا نکلا یہ تم بھی جانتے ہو۔''

''یہ تمہیں اچانک میجر عاطف کا خیال کیسے آ گیا؟''

''میں اس کی بیوی شمائلہ سے مل چکی ہوں، میری اس کی ملاقات رین بو کلب میں ہوئی تھی۔'' مونیکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''خاصی دلچسپ شخصیت تھی اس کی لیکن اسے بھی بلیک میلرز نے ٹریپ کر لیا۔''

''اور اب شاید تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کرو گی کہ میجر عاطف ایک محب وطن اور نہایت دیانت دار فوجی افسر ہے، جس نے اپنی چہیتی بیوی کو بھی اپنے فرض اور وطن کی محبت پر قربان کر دیا۔''

”ہاں..... یہ غلط نہیں ہے۔“ مونیکا نے تیزی سے کہا۔ ”تم شاید تصور بھی نہ کرسکو گے کہ وہ اپنی مسز سے کس قدر ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ لیکن شاید اسے فرض سے زیادہ پیار ہے ورنہ وہ اگر چاہتا تو شمائلہ کو بچا بھی سکتا تھا۔“

”شمائلہ کو ٹریپ کرنے والے کون تھے.....“

”وطن دشمن عناصر جو دولت کی ہوس کی خاطر ملک کی سلامتی کو بھی فروخت کرنے سے گریز نہیں کرتے۔“

”کیا تم ان کے نام سے واقف ہو.....“

”کئی لوگ میری نگاہوں میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہوسکتا ہے۔“

”اور اب شمائلہ کا کیا بنے گا۔“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن اتنا ضروری جانتی ہوں کہ میجر عاطف جیسا فرض شناس آفیسر اسے بچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔“

”کیا ہم بھی وطن کی خدمت نہیں کر رہے ہیں۔“ رحمت علی نے زہر خند سے کہا۔ ”کیوں نہیں؟۔“ مونیکا کے لہجے میں بھی طنز تھا۔ ”ملک کو کھوکھلا کرنا بھی بہرحال کسی کارنامے سے کم نہیں۔“

”مونیکا.....“ رحمت علی نے اس بار گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا تم کسی مشکل میں میرا ساتھ دے سکتی ہو۔“

”حکم دے کر دیکھ لو..... تمہاری خاطر میں اپنی جان پر بھی کھیل جاؤں گا۔“ مونیکا کا انداز جذباتی ہوگیا۔

”میں اس زندگی سے تنگ آچکا ہوں..... کیا تم واپسی کا کوئی راستہ بتا سکتی ہو۔“

”صرف موت.....“ مونیکا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ”کچھ پالینے کی خاطر ہم نے جو کچھ کھو دیا ہے وہ اب واپس نہیں آسکتا۔ ہم جس راہ کے مسافر ہیں اس میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا اور جو واپسی کی کوشش کرتا ہے اس کا انجام بڑا اذیت ناک ہوتا ہے۔“

”اس کے باوجود اگر میں واپسی کا ارادہ کرلوں تو.....“

”میں موت کی آخری سانس تک تمہارا ساتھ دوں گی۔“ مونیکا بڑے یقین سے بولی، اس کے لہجے میں خلوص شامل تھا۔

”میری اطلاع کے مطابق میڈم پر واجد اور چینا نے قاتلانہ حملہ کیا تھا لیکن میڈم نے مجھے جوابی کارروائی سے روک دیا ہے..... آخر کیوں؟“

”ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں ان معاملات سے الگ رکھنا چاہتی ہو۔“

”کوئی وجہ.....؟“

”وجہ تم اپنے دل سے بھی پوچھ سکتے ہو۔“ مونیکا مسکرائی۔ ”واجد اور چینا خطرناک لوگ

ہیں اور تم میڈم کو عزیز ہو..... کیا اب بھی کسی وضاحت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے.....“

رحمت علی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

”کیا تم جانتی ہو کہ شیرا اور صمدانی کی موت کا پلان کس نے مرتب کیا تھا۔“

”میڈم نے.....“

”اور ان دونوں کو کس نے موت کے جال میں پھانسا تھا۔“

”میری ایک بات مان لو..... اتنا گہرائی میں جانے کی کوشش مت کرو، اسی میں تمہاری بہتری ہے اس لئے کہ وہ لوگ تمہارے تصور سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، کسی کو موت کے گھاٹ اتارنا ان کے لئے ایک دلچسپ مشغلے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔“

”تم ان کے نام سے واقف ہو.....“

”ہاں لیکن فی الحال میں اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گی۔“

”سبب.........“

”آج ہماری دوستی کی ابتداء ہوئی ہے.....“ مونیکا نے رحمت علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ”میں اتنی جلدی تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔“

”ان لوگوں کے نام تو بتا سکتی ہو جو میڈم کے ہمسفر ہیں۔“

”ہاں..... بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ مجھ سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔“

”میں ہر قیمت پر واپسی کا ارادہ کرچکا ہوں۔“ رحمت علی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ”خواہ اس کی قیمت مجھے زندگی کی صورت میں ہی کیوں نہ دینی پڑے۔“

”میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔“ مونیکا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ”تم نے مجھے دوست کہا ہے تو تمہیں میرے مشوروں پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا..... جلد بازی میں اٹھایا ہوا قدم ہمارے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتا ہے، میں تمہیں ایسے طریقے بھی بتا سکتی ہوں جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے..... مجھ پر اعتماد کرو..... میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے..... میں تمہارے مشورے پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔“ رحمت علی نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر خلاء میں گھورنے لگا، مونیکا اسے بڑی اپنائیت سے دیکھ رہی تھی..... یوں جیسے اسے اس کا گوہر مراد حاصل ہوگیا ہو..........!!

☆

میڈم ابراس اس وقت ہسپتال کے وی آئی پی روم میں ایک صوفے پر بیٹھی کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجی اور اس نے میگزین رکھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

”آپ کے لئے کال ہے میڈم۔“ ریسیور پر آپریٹر کی آواز ابھری۔ ”لیکن فون کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا۔“

''ٹھیک ہے...... ملادو۔'' میڈم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''ہیلو میڈم برلاس...... کیسی ہو تم؟'' ایک بھاری آواز سنائی دی لہجہ بتا رہا تھا کہ دوسری جانب سے آواز بنا کر گفتگو کی جارہی تھی۔

''کون ہو تم......؟'' میڈم نے تیزی سے پوچھا، اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''تم چاہو تو مجھے اپنا ایک دیرینہ دشمن بھی سمجھ سکتی ہو اور دشمن ہونے کے ناتے مجھے تمہارے زندہ بچ جانے پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔''

''شٹ اپ......'' میڈم کا لہجہ کرخت تھا۔

''شاید تمہارے ذہن کے پردے پر میرا نام نہیں ابھرا ورنہ تم اس لہجے میں گفتگو کرنے کی حماقت کبھی نہ کرتے۔''

''فون کرنے کا مقصد کیا ہے......''

''میں تمہیں ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔'' سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ ''تمہارے اوپر جن لوگوں نے حملہ کیا تھا وہ ڈاکٹر نادر کے آدمی تھے اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم پہلی فرصت میں ڈاکٹر کو اپنے راستے سے ہٹا دو ورنہ وہ تمہارے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔''

''آئی سی......'' میڈم نے حقارت سے کہا۔ ''تم شاید مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''حماقت کی باتیں مت کرو......'' اس بار خشک آواز میں کہا گیا۔ ''ڈاکٹر نے تمہارے ساتھ ڈبل گیم پلے کیا ہے، ایک طرف تمہارے اوپر حملہ کرایا اور دوسری جانب تمہاری زندگی بچا کر قانون کی نظروں میں اپنے بے گناہ ہونے کی جگہ بنالی۔''

''حیرت ہے۔'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم میرے دشمن ہو اور مجھے ڈاکٹر سے ہوشیار رہنے کا مشورہ بھی دے رہے ہو۔''

''ہاں...... میرے ذمے تمہارا ایک بہت پرانا قرض باقی ہے، تم نے ایک بار مجھے لاکھوں کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی...... بڑی پرانی بات ہے تمہاری وجہ سے مجھے ایک طویل مدت تک گمنامی کی زندگی بسر کرنی پڑی ہے لیکن اب میں دوبارہ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کی کوشش کر رہا ہوں، وہ کرم فرما جو میری ہٹ لسٹ پر ہیں ان میں تمہارا نام بھی ہے لیکن میں تمہیں کچھ عرصے زندہ رہنے کا موقع ضرور دوں گا۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میڈم نے سٹپٹا کر کہا، دوسری جانب سے بولنے والے کا لہجہ یکلخت اتنا سفاک ہوگیا تھا کہ وہ مرعوب ہوگئی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نے مجھے خواہ مخواہ ملوث کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''میں نادر کی بات کر رہا تھا...... تم نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''ابھی میری صحت اس قابل نہیں ہے کہ میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔''

''تم جس کمرے میں ہو میں اسے تمہاری قبر بھی بنا سکتا ہوں۔'' کرخت لہجے میں جواب ملا۔ ''زندگی چاہتی ہو تو ڈاکٹر نادر کا قصہ پاک کردو۔''

''مم...... میں تمہاری بات پر غور کروں گی۔''

''یہ موقع تمہارے لئے زیادہ سنہری ہوگا...... تم ہسپتال میں ہو، ڈاکٹر نے تمہارا آپریشن کیا ہے، ایسی صورت میں کوئی بھی تمہارے اوپر شبہ نہیں کرے گا۔''

''لیکن......''

''بکومت......'' تیزی سے جواب ملا۔ ''تم یہ کام کسی بگلا بھگت سے بھی لے سکتی ہو۔''

''مم...... میں سمجھی نہیں۔'' میڈم نے حیرت سے پوچھا۔ ''تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔''

''اسی کی طرف جو اس عمر میں بھی تمہارا پرستار ہے۔ کیا اب مجھے اس کا نام بھی بتانا پڑے گا۔''

''کک...... کون ہو تم۔'' میڈم نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری موت...... زندگی کی صرف ایک شرط ہے۔ تمہیں ڈاکٹر نادر کو پہلی فرصت میں ختم کرنا ہے...... دیٹ از آل۔'' اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

میڈم برلاس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ذہن میں آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے وہ گنگ سی بیٹھی فون کرنے والے کی شخصیت کے بارے میں اپنے ذہن کو کرید رہی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی پھر اس نے کچھ دیر بعد اپنی پھولی ہوئی سانس پر قابو پاتے ہوئے آپریٹر سے ڈائریکٹ لائن طلب کی اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی......!!

☆

بنگلے کے دونوں مسلح چوکیدار پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے گھوم پھر کر بنگلے اور اس کے مشرقی گوشے میں بنی ہوئی انیکسی کی نگرانی کر رہے تھے، ایک وقت میں ایک چوکیدار سامنے کی سمت ہوتا تھا تو دوسرا عقبی حصے کا راؤنڈ لے رہا ہوتا تھا لیکن پھر بھی دور اندیشی ان کی بے بسی کا سبب بن گئی۔ مین گیٹ کے چوکیدار نے آہنی پھاٹک کے قریب پہنچ کر سرسری طور پر باہر کی جانب نظر ڈالی پھر وہ پلٹا ہی تھا کہ اس کی کوٹھری کی چھت سے چپکے ہوئے شخص نے بڑی پھرتی سے اس پر چھلانگ لگادی۔ چوکیدار نے جوابی حملے کی کوشش کی لیکن اس کی مزاحمت سودمند ثابت نہیں ہوئی حملہ کرنے والے نے پشت سے اس کی ناک پر کلوروفارم میں ڈوبا ہوا کپڑا رکھ دیا، اس کی گرفت اس قدر بھرپور تھی کہ چوکیدار کو منہ سے کوئی آواز نکالنے کا موقع بھی نہ ملا، کلوروفارم کی تیز بو اس کے دماغ کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس نے اپنے بچاؤ کی خاطر ہاتھ پیر چلائے لیکن اس کا ذہن تیزی سے بیہوشی کی کیفیت میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر وہ حملہ کرنے والے کے آہنی شکنجوں میں کسی بے جان لاش کی طرح جھول گیا، عین اسی وقت عقبی حصے میں اس کے دوسرے ساتھی پر بھی یہی افتاد ٹوٹی تھی۔ پھر

تقریباً آٹھ دس مسلح افراد منہ پر ڈھاٹا باندھے حد بندی کی دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے۔ اس کے بعد وہ غالباً پہلے سے طے شدہ اسکیم کے تحت دو ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ایک ٹولی بنگلے کے صدر دروازے کی جانب بڑھی تھی اور دوسری نے انیکسی کا رخ اختیار کر لیا تھا۔

واجد اس وقت فون پر کسی سے گرما گرم گفتگو میں مصروف تھا۔ اس کے غصے کا یہ عالم تھا کہ وہ ان دو افراد کو بھی نہ دیکھ سکا جو اس کی خواب گاہ میں پہنچ کر عین اس کے سر پر مسلط ہو چکے تھے، واجد فون پر کہہ رہا تھا۔

''تم کون ہو اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا ہوں کہ تم اپنی ہی لائن کے کوئی آدمی ہو ورنہ تمہیں میرے فون کا پتہ نہ چلتا۔''

''اب تمہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ہم تمہارے لئے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔''

''شاید ہنسانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' اس بار واجد نے سرد لہجے میں کہا پھر بولا۔ ''ویسے تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں کہ ہم نے بھی ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں...... ہمیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا بھی آتا ہے۔''

''غلط فہمی کا شکار نہ ہو میری جان۔'' ریسیور پر دبنگ اور ٹھوس آواز میں کہا گیا۔ ''جو شخص تمہارا فون نمبر معلوم کر سکتا ہے وہ کسی بھی وقت تمہاری شہ رگ تک بھی پہنچ سکتا ہے...... ذرا غور کرو...... اس کے بعد تمہارا انجام کیا ہوگا۔''

''انجام کی پرواہ وہ کرتے ہیں جو بزدل ہوتے ہیں۔'' واجد بولا۔ ''اگر مرد ہو تو کھل کر سامنے آؤ۔ فون پر تو عورتیں بھی دھمکی دے سکتی ہیں۔''

''شاید تمہارے ذہن میں میرا نام نہیں آیا ورنہ اس قسم کی گفتگو نہ کر سکتے۔''

''کک کون...... باس؟'' واجد کا لہجہ یکلخت نرم ہو گیا، اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔ ''میرے لئے کوئی نیا حکم۔''

''ہاں...... مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''کون ہو تم......؟'' واجد کے لب و لہجے میں دوبارہ تبدیلی آ گئی۔

''تمہاری موت جو ہو سکتا ہے تمہارے سر پر منڈلا رہی ہو۔''

''شٹ اپ......'' واجد نے حقارت سے کہا پھر ریسیور رکھ کر پلٹا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ غیر اختیاری طور پر بلند ہوتے چلے گئے، دونوں مسلح افراد نے اسے خودکار رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا، واجد کی آنکھوں میں موت کے سائے لہرا گئے۔

''ہاتھ اسی طرح اٹھائے رکھنا......'' ایک شخص نے سرد لہجے میں کہا پھر اپنے ساتھی سے بولا۔ ''اس کی تلاشی لو لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کا ہاتھ جیب تک نہ پہنچ سکے...... ہم اسے کیپسول کھا کر سکون کی موت نہیں مرنے دیں گے۔''

کیپسول کا نام سن کر واجد کے ذہن میں چھناکا سا ہوا، وہ یقیناً کسی دشمن کے ہتھے چڑھ گیا تھا، اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی حماقت نہیں کی، ڈھاٹا باندھے ہوئے دوسرے جوان نے اس کی جیبوں سے کیپسول کے علاوہ اور بھی ضروری چیزیں نکال لی تھیں خاص طور پر وہ آٹومیٹک پستول بھی جو ایک لمحے کو بھی اس کے وجود سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ابھی وہ حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ تین افراد چینا کو آتشی اسلحہ سے کور کئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ پھر ان پانچوں نے اسے اور چینا کو جکڑ کر ان کے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے نائیلون کی موٹی رسی سے اتنی شدت سے جکڑ کر باندھے کہ خون کی شریانیں بھی ابھر آئیں۔ وہ دونوں پانچ رائفلوں کی زد میں تھے، بچاؤ کا بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔

''اب سیدھی طرح ہمارے سوالات کے جواب دو۔'' ایک نو وارد نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تمہارا باس کون ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ تم غلط جگہ آ گئے ہو ورنہ......''

''تڑاخ......'' سوال کرنے والے کا بھرپور تھپڑ اتنی شدت سے پڑا کہ واجد کے ہونٹ کے گوشے سے خون کی لکیر بہنے لگے۔ ''زندگی عزیز ہے تو کھل جاؤ ورنہ تمہاری موت بڑی اذیت ناک ہوگی۔'' تھپڑ مارنے والے نے سرد لہجے میں کہا۔

''مم...... میں براہ راست کسی کو نہیں جانتا۔'' واجد نے آہستہ سے کہا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن چینا اس وقت بھی بڑا لاپروا نظر آ رہا تھا۔

''احکامات کس کے ذریعے ملتے ہیں۔''

''بیرسٹر کمال احمد کے ذریعے لیکن شاید وہ بھی سربراہ سے واقف نہیں ہوگا۔''

''یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔'' حقارت سے کہا گیا۔ ''اب ہمیں اپنے اس ٹھکانے کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ جہاں رحمت علی کو اغواء کرنے کے بعد لے جایا گیا تھا۔''

رحمت علی کا نام سن کر واجد چونکا تھا، اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

''ہمارے پاس وقت کم ہے...... کیا تم شرافت سے اپنی زبان نہیں کھولو گے......؟''

''وہ...... وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔'' واجد نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ ''مجھ پر رحم کرو۔''

''ہمارے رحم کرنے کا انداز ذرا مختلف ہوتا ہے۔'' گفتگو کرنے والے نے کہا پھر اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر بولا ''اس کا ساتھی گونگا ہے، ہمارے کسی کام کا نہیں ہے، اس پر رحم کر دو۔''

جواب میں دوسرے شخص نے جیب سے ایک پستول نکال کر اس کی لبلبی دبا دی، ''کھٹ'' کی ایک مدھم آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی چینا کسی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند ڈھیر ہوتا چلا گیا، بس چند لمحے کو وہ کسی ماہی بے آب کی مانند تڑپا تھا پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا، واجد کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس کے خوفزدہ چہرے پر موت کے سائے کپکپا رہے تھے۔

''اب کیا جواب ہے تمہارا......؟'' چینا کی موت کا اشارہ کرنے والے نے سفاک لہجے میں واجد کو مخاطب کیا۔ ''کیا تم بھی اپنے ساتھی کے پاس جانا پسند کرو گے۔''

''نن......نن......نہیں۔'' واجد گڑگڑایا۔ ''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔''

''بڑے خان کا یہی خیال تھا کہ تم بہت جلد کسی جھاگ ہی کی طرح بیٹھ جاؤ گے۔'' اس بار نفرت اور حقارت سے کہا گیا۔

''خ......خا...... خان۔'' واجد کے چہرے پر لرزتے ہوئے موت کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے۔ بڑی لجاجت سے بولا۔ ''قسم لے لو، میں نے کبھی خان صاحب کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔''

''اس کی وضاحت تم بڑے خان کے سامنے ہی کرنا۔'' حقارت سے جواب دیا گیا پھر بولنے والے کے اشارے پر اس کے دوسرے ساتھی نے پشت سے واجد کی گردن پر ایسا ناپا تلا کراٹے کا ہاتھ رسید کیا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے، وہ چکرا کر گرنے والا تھا لیکن وار کرنے والے نے اسے ایک ہی جھٹکے میں کسی بوری کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

تین افراد بند گاڑی میں واجد کے ساتھ گئے تھے اور باقی بنگلے کو کھنگالنے میں مصروف ہو گئے......!!

☆☆☆☆☆

رات کے تقریباً دو بجے کا عمل تھا جب انسپکٹر زیدی نے رحمت علی کو اس کے گھر سے سوتے سے اٹھایا تھا، پولیس کی گاڑی دروازے پر دیکھ کر عذرا کے علاوہ خود رحمت علی کو بھی تعجب ہوا تھا۔

''خیریت؟'' رحمت علی نے حیرت سے پوچھا۔ ''اتنی رات گئے......''

''تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔'' انسپکٹر زیدی نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ ''گاڑی میں ایس پی رحمان صاحب موجود ہیں۔''

وہ لباس تبدیل کرنے کی مہلت لے کر اندر آیا تو عذرا کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

''خیر تو ہے رحمتے...... اس وقت پولیس کی گاڑی آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے انہیں مجھ سے کوئی ضروری کام ہو۔'' رحمت علی نے لاپرواہی سے کہا لیکن خود بھی اس وقت ایس پی رحمان اور انسپکٹر زیدی کے آنے سے کچھ مطمئن نہیں تھا۔

''اتنی رات گئے کیا ضروری کام ہو سکتا ہے......'' عذرا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''رحمتے نہ جانے کیوں میرا دل اندر سے بیٹھا جا رہا ہے...... خدا خیر ہی کرے۔''

''تو فکر نہ کر، پولیس کے یہ افسران میرے واقف کار ہیں۔'' رحمت علی نے اسے جھوٹی تسلی دی۔

''تیری واپسی کب تک ہو گی۔'' عذرا بولی۔ ''جب تک تو واپس نہ آ جائے گا میرے دل کو چین نہیں آئے گا۔''

''پریشان نہ ہو...... اللہ بہتر ہی کرے گا۔'' رحمت علی نے کہا پھر باہر آ گیا، انسپکٹر زیدی نے غلط نہیں کہا تھا گاڑی میں ایس پی رحمان صاحب بھی موجود تھے، رحمت علی کو پچھلی سیٹ پر انسپکٹر زیدی کے ساتھ بیٹھنا پڑا پھر گاڑی حرکت میں آ گئی۔

''ہمیں اس وقت تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے۔'' رحمان صاحب نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ ''کیا میں امید رکھوں کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔''

''آپ میرے محسن ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کروں۔'' رحمت علی نے محتاط انداز میں کہا۔

''کیا تم کسی واجد اور چینا کے نام سے واقف ہو۔''

''جی......'' رحمت علی ایک لمحے کو گڑبڑا گیا پھر خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''کیا میڈم

نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے اس وقت تم سے سوال کیا ہے؟'' رحمان صاحب کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''تمہارا کیا جواب ہے۔''

''ان دونوں نے ہی میڈم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔'' رحمت علی نے نپے تلے جملے استعمال کیئے۔

''کیا یہ دونوں نام تم نے پہلی بار میڈم کی زبان سے سنے تھے؟''

''جی ہاں...... لیکن میرا خیال ہے کہ میں ان دونوں کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔'' رحمت علی نے رحمان صاحب کے تیور کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ایک بار اغواء کیا گیا تھا وہ ان دونوں نے ہی کیا تھا اس کے علاوہ ان دونوں نے ہی بہت عرصہ قبل میرے مکان پر ڈاکہ بھی ڈالا تھا۔''

''تمہیں کس مقصد سے اغواء کیا گیا تھا۔''

''وہ مجھے اپنے ساتھ کسی خفیہ تنظیم میں شامل کرنا چاہتے ہیں، مجھے سوچنے کے لئے مہلت دی گئی ہے۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر میں نے انکار کیا تو وہ ایسے حالات پیدا کردیں گے کہ ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاؤں گا۔''

''دھمکی کس نے دی تھی......''

''ایک پراسرار آواز نے جو مائیک کے ذریعے میرے کانوں تک پہنچی تھی...... میرا مطلب یہ ہے کہ گفتگو کرنے والا کھل کر میرے سامنے نہیں آیا تھا۔''

''تمہیں اغواء کرنے کے بعد کہاں لے جایا گیا تھا۔''

''مجھے نہیں معلوم اس لئے کہ میں اس وقت بیہوشی کی کیفیت سے دوچار تھا۔''

''بیہوشی کس طرح واقع ہوئی تھی۔'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''اس میں سردار نامی ایک شخص کو دخل تھا جو میڈم کے آفس میں کام کرتا تھا اور شاید اسی لئے میں اس کے دھوکے میں آگیا تھا۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ خفیہ تنظیم کا سربراہ تمہیں کس مقصد کے لئے اپنے ساتھ ملانے پر مجبور کررہا ہے۔''

''وہ یقیناً کوئی غیر قانونی ہی کام ہوگا جس کے لئے انہوں نے غیر قانونی طریقہ اختیار کیا ہے۔''

''اس کے بعد سردار نامی شخص کی لاش پولیس کو دستیاب ہوئی تھی۔''

''جی...... ہاں۔''

''اور تم نے اس کے باوجود پولیس کو ان معاملات سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔'' رحمان صاحب نے قدرے سختی سے سوال کیا۔ ''پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے ایسا

کیوں کیا؟''

''وہ...... دراصل میڈم نے مجھے منع کردیا تھا۔'' رحمت علی نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ ''شاید براہ راست آپ سے گفتگو کرنا چاہتی تھیں۔''

''کیا تم نے کبھی کسی کے منہ سے کسی فارم ہاؤس کا نام سنا ہے۔''

''جی نہیں......''

''تم نے ترقی کا سفر بہت تیزی سے طے کیا ہے مسٹر رحمت علی۔'' رحمان صاحب نے خالص پولیس والوں جیسے انداز میں کہا۔ ''تمہیں بابر نامی شخص کے قتل کے جرم میں حراست میں لیا گیا تھا۔ میں نے کمال احمد کی سفارش پر تمہیں پولیس کے شکنجے سے نجات دلائی پھر نازو نے تمہاری سفارش میڈم سے کی اور تم کچی آبادی کے ایک چھوٹے سے مکان سے نکل کر عالی شان بنگلے میں منتقل ہوگئے۔ زندگی کی تمام آسائشیں تمہیں بہت کم وقت میں حاصل ہوگئیں۔ اس کے بعد متعدد وارداتیں ہوتی رہیں، نازو کی موت ہوئی۔ پھر جمشید نامی آدمی مارا گیا۔ ساحل سمندر کے کنارے زاہد خان کی ہٹس کے چوکیداروں کو گولی ماری گئی اور ہٹ کو دھماکے سے اڑادیا گیا...... اسی قسم کی دوسری وارداتیں بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں...... کیا یہ سب کچھ اتفاقیہ باتیں تھیں۔''

''لیکن میرا ان وارداتوں سے کیا تعلق ہے۔'' رحمت علی نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ چینا کو گولی مار کر ہلاک کیا جاچکا ہے اور واجد ہماری تحویل میں ہے۔'' رحمان صاحب کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''کیا واجد نے میڈم پر قاتلانہ حملے کا اقرار کرلیا ہے۔''

''ہاں...... اس کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں پولیس کی فائل پر آچکی ہیں۔''

''ایک بات دریافت کرسکتا ہوں؟'' رحمت علی نے ہمت کر کے سوال کیا۔

''پوچھو......''

''واجد اور چینا کا پتہ آپ کو کس کی وساطت سے ہوا تھا۔''

''یہ پولیس سیکریٹ ہے مائی ڈیئر۔'' رحمان صاحب نے روکھے لہجے میں جواب دیا پھر بولے۔ ''غوری کا نام بھی سنا ہے۔''

''جی ہاں...... اس نام کا ایک شخص میڈم کے آفس میں ملازم ہے۔''

''ہم اسے بھی واجد کے بیان پر حراست میں لے چکے ہیں۔'' رحمان صاحب نے کہا۔

''کیا وہ بھی کسی جرم میں ملوث ہے۔''

''رحمت علی......'' رحمان صاحب نے اسے پلٹ کر گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہم اس کے علاوہ بھی بہت سارے حقائق سے واقف ہوچکے ہیں مثلاً یہ کہ واجد اور چینا کو خفیہ تنظیم کے نامعلوم

سربراہ کے احکامات کمال احمد کے ذریعے ملتے ہیں اور کمال احمد میڈم کے قانونی مشیر بھی ہیں۔"

"تو کیا........"

"نہیں......" رحمان صاحب نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "ابھی ہم نے کمال احمد پر ہاتھ ڈالنے سے مصلحتاً پرہیز کیا ہے اور تم بھی اس ضمن میں اپنی زبان بند ہی رکھو گے...... یہ میرا حکم ہے اور حکم عدولی کی صورت میں مجھے مجبوراً تمہارے ساتھ قانونی کارروائی کرنی ہوگی۔"

"میں حکم عدولی نہیں کروں گا۔" رحمت علی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"جس بنگلے سے چینا اور واجد کو برآمد کیا گیا ہے وہاں سے کچھ ایسے کاغذات اور دیگر اشیا بھی ملی ہیں جو ہمارے لئے بہت کارآمد ثابت ہوں گی۔"

"کیا چینا کی موت پولیس مقابلے کا نتیجہ تھی۔" رحمت علی نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ تم نڈر، بے خوف اور دلیر ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو لیکن اتنے بھی نہیں کہ میری زبان سے کسی خفیہ بات کو اگلوا سکو......"

"میں سمجھا نہیں جناب۔" رحمت علی نے بڑی معصومت سے کہا۔

"تم نے ایک ہی سوال کو دو مختلف انداز میں کیا ہے اور میں نے کہا تھا کہ یہ سب کچھ پولیس سیکریٹ ہے۔"

"ہم اس وقت کہاں جا رہے ہیں......" رحمت علی نے تھوڑے توقف کے بعد سوال کیا لیکن قبل اس کے رحمان صاحب کوئی جواب دیتے کار میں لگے ہوئے وائرلیس پر سگنل موصول ہوا اور انہوں نے جلدی سے اسے اٹینڈ کرتے ہوئے کہا۔

"ایس پی رحمان آن دی لائن...... کیا رپورٹ ہے۔"

"فارم ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا جا چکا ہے...... اب کیا حکم ہے۔"

"اس بات کا خیال رکھو کہ چڑیا کا کوئی بچہ بھی نکل کر فرار نہ ہو سکے، خاص طور پر چوکیدار کے کوارٹر پر نظر رکھو۔" رحمان صاحب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق زمین دوز تہہ خانے کا راستہ اسی کوارٹر سے تعلق رکھتا ہے۔"

"آپریشن کے بارے میں کیا حکم ہے۔"

"دس منٹ ویٹ کرو، میں پہنچ رہا ہوں۔"

پھر دس بارہ منٹ بعد ہی ان کی گاڑی ملیر کے علاقے کے ایک فارم ہاؤس پر پہنچ کر رکی تھی۔ گاڑی رکتے ہی ایک انسپکٹر نے تیزی سے قریب آتے ہوئے کہا۔

"ہم نے چوکیدار کو گرفتار کر لیا ہے سر...... وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا، غالباً اسے پولیس ریڈ کی بھنک مل گئی تھی۔"

"گڈ......" رحمان صاحب نے کہا پھر ان کے حکم پر آپریشن شروع کر دیا گیا، پولیس کی بھاری نفری نے جو مورچہ بنائے بیٹھی تھی نکل کر فارم ہاؤس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا، آپریشن کے نتیجے میں فارم ہاؤس سے دو ملازموں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پھر مسلح جوانوں نے تہہ خانے کا راستہ بھی چوکیدار سے اگلوا لیا۔ تہہ خانے سے صرف ایک آدمی برآمد ہوا تلاشی کے بعد وہاں سے کثیر تعداد میں ایسا مواد ملا جو دوسروں کو بلیک میل کرنے میں کام آتا تھا، اس کے علاوہ تہہ خانے کے ایک کمرے سے آہنی صندوقوں میں بند ہیروئن کے سربند پیکٹ بھی بھاری مقدار میں پولیس کے ہاتھ لگے تھے۔ اسلحہ کا ذخیرہ بھی برآمد ہوا تھا۔

رحمت علی کو وہ کمرہ پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی جہاں اسے اغواء کرنے کے بعد رکھا گیا تھا، اس بات کا اقرار اس نے رحمان صاحب سے بھی کر لیا، جو افراد گرفتار ہوئے ان کی حیثیت عام ملازموں جیسی تھی۔ ان کے بیان کے مطابق وہ فارم ہاؤس ایک ایسے شخص کی ملکیت تھا جو ایک طویل عرصے سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا لیکن ملازموں کو ہر ماہ ایک معقول تنخواہ کسی نہ کسی اجنبی کے ذریعے پابندی سے ملتی رہتی تھی۔

"مسٹر رحمت علی......" واپسی پر ایس پی رحمان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اس بات کا خیال رہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوئی ہیں اور جو کچھ تم نے آپریشن کے دوران دیکھا ہے وہ تم صرف اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں جناب......"

"ایک بات اور سمجھ لو...... ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہم کسی شخص کو بھی شامل تفتیش کرنے کے سلسلے میں حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے......"

"ذاتی تعلقات کو قانون کی پیروی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اس لئے تم میڈم اور کمال احمد کے سامنے بھی اپنی زبان بند ہی رکھو گے۔" رحمان صاحب نے سرد اور خشک لہجے میں کہا اور رحمت علی جواب میں اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا وہ بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ فارم ہاؤس پر ہونے والے آپریشن میں اس کی موجودگی خفیہ تنظیم کے پراسرار سربراہ کو اس کے خلاف سوچنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"آئندہ جو حالات بھی پیش آئیں تم پولیس کو اس سے باخبر رکھنے کے پابند ہو گے۔" رحمان صاحب نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "تمہاری ذات موجودہ واقعات میں کہاں تک ملوث ہے اس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔"

"اور میرا خیال ہے کہ اب شاید پولیس بھی میرا تحفظ نہیں کر سکے گی۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"آپریشن میں میری شمولیت میرے دشمنوں کو میرے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر بھی مجبور کرسکتی ہے۔"

"آئی سی۔" رحمان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم چونکہ اس کیس میں میرے لئے خاصے کارآمد ہو اس لئے میں تمہارے تحفظ کا خیال رکھوں گا۔"

"نوازش......" رحمت علی نے معنی خیز انداز میں جواب دیا تھا......!!

☆

زاہد خان اپنے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ زمان خان حسب معمول اس وقت بھی اس کے ساتھ موجود تھا لیکن اس کی نگاہیں بار بار فون کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"پریشان مت ہو......" زاہد خان معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے حالات کی تفصیلی رپورٹ مل چکی ہے، فارم ہاؤس سے مجرموں کے خلاف اچھا خاصا مواد ملا ہے اس کے علاوہ ہیروئن اور اسلحہ بھی پکڑا گیا ہے۔"

"مجھے آپ کی ایک بات سے اختلاف ہے خان۔" زمان خان نے سنجیدگی سے کہا۔ "واجد کو مسٹر رحمان کے حوالے کر کے ہم نے اچھا نہیں کیا۔"

"کیوں......؟"

"مسٹر رحمان کا دماغ کل یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ہم نے اس معاملے میں ٹانگ کیوں پھنسائی تھی اور واجد ہمارے ہاتھ کس طرح لگ گیا، ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی دوستانہ برتاؤ نہیں کیا ہوگا۔"

"یہ سوال میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا، اسی لئے میں نے آئی جی سے بات کرلی تھی۔" زاہد خان نے لاپروائی سے کہا۔ "آئی جی کے حکم پر جو ایف آئی آر کاٹی گئی ہے وہ دوسری کہانی سناتی ہے...... ایس پی رحمان کو فون پر اطلاع ملی تھی کہ ایک بنگلے میں کچھ شرپسند عناصر موجود ہیں، اسی اطلاع پر اس نے وہاں چھاپہ مارا تھا اور چھاپے کے دوران ہی واجد اور چینا ہاتھ لگے تھے، چینا کی موت کے سلسلے میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ اس نے پولیس پارٹی پر فائرنگ کی تھی چنانچہ پولیس کی جانب سے جوابی کارروائی میں وہ کام میں آگیا...... اپنے ریکارڈ کے لئے میں نے ایف آئی آر کی کاپی بھی حاصل کرلی ہے۔ صبح آئی جی کا فون آیا تھا، وہ میرے تعاون کا شکریہ ادا کر رہے تھے، میں نے انہیں ایک بار پھر باور کرادیا ہے کہ ہمارا نام کہیں بھی درمیان میں نہیں آنا چاہئے۔"

"آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں خان لیکن میرا خیال ہے کہ اگر فارم ہاؤس پر ہمارے آدمیوں نے شب خون مارا ہوتا تو وہاں سے حاصل ہونے والا ذخیرہ ہمارے کام بھی آسکتا تھا۔"

"جواہروالا کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔" زاہد خان نے اس کی بات نظر انداز

کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ میڈم کے آدمیوں نے ہی اسے لوٹا ہے۔"

"اور سیٹھ جواہروالا ابھی تک خاموش بیٹھا ہے۔" زاہد خان نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "ڈیڑھ کروڑ کی رقم اتنی معمولی بھی نہیں ہوتی میرا خیال ہے کہ اب اسے بھی جوابی کارروائی کرنی چاہئے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے۔" زمان خان نے سنجیدگی سے دریافت کیا، بڑے خان کا جملہ سن کر اس کی نگاہوں میں کسی آدم خور درندے ہی جیسی چمک ابھری تھی۔

"تم نے کیا سوچا ہے۔" زاہد خان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میڈم ابھی تک ہسپتال میں ہے، میری رپورٹ کے مطابق اسے دو روز بعد ہی چھٹی ملے گی، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اس کی رہائش گاہ کو تو کم از کم کھنڈرات کی شکل میں تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"نہیں......" بڑا خان تیزی سے بولا۔ "تم ہمارے سپر اسٹور کی تباہی کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟ ہماری ہٹ کے ساتھ ساتھ ہمارے دو جوان بھی کام آچکے ہیں...... سیٹھ جواہروالا کو ڈیڑھ کروڑ کی رقم سے محروم کیا گیا ہے، اس کے نام پر ہماری طرف سے جوابی حملہ بھی خاطر خواہ ہونا چاہئے تاکہ اس عورت کو احساس ہوسکے کہ کوئی بہت بڑا نقصان برداشت کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے...... کل اس نے ہم پر وار کیا تھا اب دھماکہ کرنے کی ہماری باری ہے......"

"برلاس انٹرپرائز......" زمان خان نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک سمجھے تم لیکن دھماکہ دن کو نہیں رات کو ہونا چاہئے۔"

"کوئی خاص مصلحت......"

"ہاں......" زاہد خان نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگیں گے لیکن یہ سب کچھ اس قدر خاموشی سے ہو کہ کسی کو ہمارے اوپر شبہ نہ ہوسکے۔"

"آپ مطمئن رہیں خان...... میں نے آج تک اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔" زمان خان نے ایک لمبی سانس لے کر کہا پھر خاموشی سے اٹھ گیا، زاہد خان بدستور صوفے پر بیٹھا رہا، اس کے چہرے پر پھیلتی ہوئی مسکراہٹ سے بھی سفاکی مترشح تھی۔

☆

دوسری صبح شائع ہونے والا اخبار بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ برلاس انٹرپرائز میں ہونے والے دھماکے کی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپی گئی تھی۔ دفتر کے دو فلور جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئے تھے۔ ملبے سے نائٹ ڈیوٹی پر تعینات گارڈز کی جلی ہوئی لاش بھی برآمد ہوئی تھی۔ مختلف

نامہ نگاروں نے اس واقعہ کو علیحدہ علیحدہ رنگ دے کر شائع کیا تھا لیکن ایک بات پر سب متفق تھے کہ اس دھماکے کی پشت پر کسی پرانی دشمنی کا ہاتھ ضروری ہے۔ چند ایک اخبارات نے شہر میں ہونے والے دھماکوں کا حوالہ دیتے ہوئے اسے پولیس کی نااہلی قرار دیا تھا، دھماکے کی خبروں کے ساتھ ہی جائے حادثہ کی کچھ تصاویر بھی شائع ہوئی تھیں۔

میڈم برلاس اس وقت بھی ہسپتال کے وی آئی پی روم ہی میں تھی جب صبح کے اخبارات نے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں اسے اپنے ہونے والے نقصان سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ اس حادثے کی پشت پناہی میں کس کا ہاتھ ہے، اس کے ذہن میں پہلا نام سیٹھ جواہر والا ہی کا گونجا تھا پھر خیال کی ایک رو ڈاکٹر نادر کی طرف بھی گئی تھی جس کی وجہ وہ فون کال تھی جس کے ذریعے اسے اس بات پر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ پہلی فرصت میں ڈاکٹر کو اپنے راستے سے ہٹا دے۔ ان خیالات کے ساتھ ہی اسے فارم ہاؤس پر ہونے والی پولیس ریڈ کا خیال بھی آیا جس کی تفصیل اسے اخبارات سے زیادہ خود ایس پی رحمان کی زبانی معلوم ہوئی تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ رحمت علی آ گیا۔ اس کے چہرے پر بھی گہری تشویش اور الجھن کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

”جو کچھ ہوا مجھے اس پر صدمہ ہے میڈم۔“ اس نے میڈم برلاس سے کہا۔ ”لیکن اس واردات میں یقینی طور پر ہمارے کسی دشمن کا ہاتھ ہوگا۔“

”ظاہر ہے کہ کوئی دوست نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے؟“

”کوئی ایسی شخصیت جو دو پارٹیوں کے درمیان دشمنی کی جڑیں مضبوط کرنے کی خواہاں ہے۔“

”میں سمجھی نہیں......“

”سیٹھ جواہر والا پر جو اوچھا وار کیا گیا تھا اس میں آپ کا نام درمیان میں لانے کی کوشش کی گئی تھی۔“ رحمت علی نے کہا۔ ”ہوسکتا ہے کہ برلاس انٹرپرائز پر بھی اسی نے حملہ کیا ہو اور اس طرح وہ آپ کو اور جواہر والا کو آپس میں ٹکرا جانے پر مجبور کرنا چاہتا ہو۔“

”کون ہوسکتا ہے وہ......؟“

”خفیہ تنظیم کا سربراہ۔“ رحمت علی نے کہا۔ ”ظاہر ہے کہ فارم ہاؤس پر کی جانے والی پولیس کارروائی کو اس نے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا ہوگا۔“

”لیکن اس ریڈ میں میری شخصیت کا کیا دخل ہے۔“ میڈم نے جھلا کر کہا۔

”ایس پی رحمان اور آپ کے تعلقات بھی دوسرے کے ذہن میں غلط فہمی پیدا کر سکتے ہیں۔“

”میں تمہارے ایک خیال سے متفق ہوں۔“ میڈم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”کوئی تیسری شخصیت باقی پارٹیوں کو آپس میں لڑوانے کی خواہاں ہے۔“

”وہ کس کی شخصیت ہوسکتی ہے۔“ رحمت علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ”کیا آپ کے ذہن میں کوئی نام ہے۔“

”میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتی ویسے میں ایک بات ضرور جانتی ہوں۔“ میڈم کا لہجہ سفاک تھا۔ ”برلاس انٹرپرائز پر جس نے بھی دھماکہ کرایا ہے میں اسے کسی خارش زدہ کتے سے بھی بدتر موت ماروں گی۔“

رحمت علی کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر نادر اندر داخل ہوا، اس کی اور رحمت علی کی نظریں بس ایک لمحے کو چار ہوئی تھیں لیکن رحمت علی کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس ایک لمحے میں کسی زہریلے ناگ کی پھنکار بھی شامل تھی جو اسے ڈس لینا چاہتا تھا، ڈاکٹر نادر کے پیچھے ہسپتال کے شعبہ انتظامیہ کا ایک ذمہ دار فرد بھی داخل ہوا۔ اس نے میڈم سے بڑے مہذب لہجے میں کہا تھا کہ کچھ اخباری نمائندے اس سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔

”نہیں......“ میڈم کے بجائے ڈاکٹر نادر نے ناخوشگوار لہجے میں جواب دیا۔ ”ان اخباری نمائندوں کو یہ کہہ کر ٹال دو کہ میڈم کی حالت ٹھیک نہیں ہے اور میں کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”ایز یو وش سر......“ انتظامیہ سے متعلق شخص نے جواب دیا پھر تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”مجھے آپ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے پر دلی صدمہ ہوا ہے۔“ ڈاکٹر نادر نے میڈم سے کہا۔ ”لیکن یہ سب کچھ ہوا کس طرح۔“

”محبت اور جنگ میں ہر حربہ جائز ہوتا ہے ڈاکٹر۔“ میڈم نے زہرخند سے جواب دیا۔ ”ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسے شخص کی کارستانی ہو جو مجھے بہت قریب سے جانتا ہو اور اس نے دوستی کی آڑ میں دشمنی کا ثبوت دیا ہو۔“

”لیکن ان فضول باتوں سے حاصل کیا ہوتا ہے۔“

”بہت کچھ......“ میڈم کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ”آپ نے وہ خبر ضرور پڑھی ہوگی ڈاکٹر! جس میں ایس پی رحمان نے ملیر کے علاقہ میں واقع ایک فارم ہاؤس پر ریڈ کر کے کثیر مقدار میں ایسی اشیاء قبضے میں کر لی ہیں جن کا تعلق بلیک میلنگ، اسمگلنگ اور اسلحے کی تجارت سے تھا، ظاہر ہے کہ فارم ہاؤس کے مالک کو ان فضول باتوں سے لاکھوں کا فائدہ ہوتا ہوگا ورنہ اتنا رسک کون لے سکتا ہے۔“

”کیا فارم ہاؤس کے مالک کا پتہ چلا......؟“ ڈاکٹر نادر نے کچھ عجیب پراسرار انداز میں سوال کیا۔

”کاغذات کی روشنی میں وہ بہت عرصے سے ملک سے باہر ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور صورت میں ہمارے درمیان موجود ہو۔“

’’اٹ از اسٹرینج......‘‘ ڈاکٹر نے حیرت کا اظہار کیا۔’’ آپ کا تجزیہ تو زندگی کے تاریک شعبوں میں بھی خاصا دقیق معلوم ہوتا ہے۔‘‘

’’اپنے وجود کو قائم رکھنے اور منوانے کی خاطر انسان کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔‘‘ میڈم نے ڈاکٹر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔’’برلاس انٹر پرائز کو موجودہ حادثے سے جو نقصان پہنچا ہے اسے میک اپ کرنے کے لئے مجھے جدوجہد تو بہر حال کرنی ہوگی۔‘‘

’’آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟‘‘ ڈاکٹر نے گفتگو کا رخ بدل کر پوچھا۔

’’جہاں آپ جیسا مسیحا ہو وہاں مریض کو زیادہ دن ہسپتال میں رہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔‘‘

’’شکریہ......‘‘ ڈاکٹر مسکرایا پھر رحمت علی کی طرف دیکھ کر بولا۔’’ مجھے خوشی ہے کہ میڈم کو آپ جیسے جاں نثار اور مخلص دوستوں کی بھی خدمات حاصل ہیں۔‘‘

’’ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ میں تو میڈم کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔‘‘ رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اسی وقت ڈیوٹی نرس نے کمرے میں داخل ہو کر ڈاکٹر نادر سے کسی مریض کو فوری طور پر دیکھنے کی درخواست کی تھی، ڈاکٹر نادر میڈم کی اجازت لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا لیکن جاتے جاتے اس نے ایک بار پھر رحمت علی کو بھرپور نظروں سے دیکھا تھا اور میڈم نے اس بات کو خاص طور پر محسوس کیا تھا کہ ڈاکٹر نادر کو رحمت علی کا وہاں موجود ہونا گراں گزر رہا تھا......مگر کیوں؟؟

☆

وہ فون کی گھنٹی کی مسلسل آواز ہی تھی جس نے کمال احمد کو ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کیا تھا، اس نے آنکھ ملتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی، اس وقت رات کے سوا بجے کا عمل تھا۔

’’ہیلو......‘‘ کمال احمد نے ریسیور اٹھا کر جماہی لیتے ہوئے ماؤتھ پیس سے کہا۔

’’مجھے معلوم تھا کہ تم اس وقت چین کی نیند سو رہے ہو گے۔‘‘ دوسری جانب سے تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

’’مجھے صدمہ بھی ہے اور تشویش بھی مگر آپ کا کنٹیکٹ نمبر میرے پاس نہیں تھا۔‘‘ کمال احمد نے جلدی سے کہا۔

’’کیا تمہیں علم ہے کہ چینا کام آ چکا ہے اور واجد پولیس کی تحویل میں ہے۔‘‘

’’ج......جی ہاں۔‘‘

’’غوری کو بھی حراست میں لے لیا گیا ہے۔‘‘

’’جی......‘‘

’’اور فارم ہاؤس پر پولیس ریڈ کے وقت رحمت علی بھی تمہارے دوست ایس پی رحمان کے ساتھ تھا۔‘‘

’’مجھے بھی یہی اطلاع ملی ہے جناب......‘‘ کمال احمد نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

’’کیا تمہیں اندازہ ہے کہ مجھے ایک ہی جھٹکے میں کتنا خسارہ ہوا ہے۔‘‘ سرد آواز میں دریافت کیا گیا۔

’’جی......جی......ہاں۔‘‘

’’فارم ہاؤس کا پتہ تمہارے رحمان صاحب کو کس طرح چلا۔‘‘ اس بار خونخوار انداز میں سوال کیا گیا۔

’’واجد......اسی نے بتایا ہوگا۔‘‘

’’اور واجد کا پتہ ہمارے دشمنوں کو کس طرح ہوا۔‘‘ جرح کی گئی۔

’’مم......مجھے......نہیں معلوم سر۔‘‘

’’تم جمشید کی موت کو کیوں فراموش کر رہے ہو......؟ میری اطلاع کے مطابق موت سے پہلے اس کی آخری ملاقات رحمت علی سے ہوئی تھی اور مجھے اس حقیقت سے غوری نے آگاہ کیا تھا۔‘‘

’’مم......میں کیا کہہ سکتا ہوں۔‘‘

’’تمہیں نازو کی موت کا بہت صدمہ ہوا تھا۔‘‘ اس بار حقارت سے کہا گیا۔’’تم نے میرا سراغ لگانے کی خاطر رحمت علی کو ملانے کی کوشش کی۔‘‘

’’یہ......یہ غلط ہے۔‘‘ کمال احمد نے دروغ گوئی سے کام لیا۔’’رحمت علی سے میرا ملنا جلنا بہت پرانا ہے۔‘‘

’’اور رحمان صاحب سے بھی تمہارے تعلقات خاصے دیرینہ ہیں۔‘‘

’’جی......ہاں......‘‘

’’شیراز اور راڈرک بھی پولیس کی حراست میں ہیں لیکن ان دونوں نے سختی سے زبان بند کر رکھی ہے......استاد رضوی ابھی تک محفوظ ہے۔‘‘

’’لیکن یہ سب ہوا کس طرح......؟‘‘ کمال احمد نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

’’یہی تو میں تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں بیرسٹر کمال احمد......تمہارے اور رحمت علی کے تعلقات......رحمان صاحب سے تمہاری دیرینہ دوستی......صرف واجد اور چینا ہی فارم ہاؤس کے ایڈریس سے واقف تھے......انہیں تمہارے دوست نے اپنے قبضے میں کر کے زبان کھلوالی......رحمت علی کا رحمان صاحب کے ساتھ ریڈ میں شامل ہونا اور پھر حالات کو ایک نیا موڑ دینے کی خاطر برلاس انٹر پرائز میں ہولناک دھماکہ......کیا تم ان تمام باتوں کو محض اتفاقیہ سمجھ رہے ہو......‘‘

’’اور کیا کہا جا سکتا ہے جناب۔‘‘ کمال احمد نے بوکھلاتے ہوئے جواب دیا۔’’میری سمجھ میں ابھی تک یہ تمام گتھی نہیں آئی۔‘‘

"میں سمجھتا ہوں تمہیں...... گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ شہر کی سمت بھاگتا ہے...... چیونٹی کا آخری وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں اور زر خرید کتے اس وقت بھونکنا شروع کر دیتے ہیں جب ان کے اندر سے وفا کی خوشبو جاتی رہتی ہے...... انسان حالات کے بھنور میں پھنس کر الٹے سیدھے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیتا ہے...... لیکن ایک بات یاد رکھو، ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اور ریس کا گھوڑا جب دوڑنے بھاگنے کے قابل نہیں رہتا تو اسے گولی مار دی جاتی ہے...... کیا تم ان حقائق سے انکار کر سکو گے۔"

"مم...... میں، اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔" کمال احمد نے خوفزدہ لہجے میں بات بناتے ہوئے کہا۔

"بات بہت سہل اور آسان سی ہے بیرسٹر...... نازو کی موت کے غم نے تمہارا دماغ پلٹ دیا ہے، تم شاید یہ بھول گئے کہ میں پوشیدہ رہ کر بھی تمام باتوں سے باخبر رہتا ہوں...... تم کو میں نے بہت زیادہ ڈھیل دے رکھی تھی شاید اسی لئے تمہارا دماغ خراب ہو گیا اور تم نے مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی۔"

"یہ...... غلط ہے جناب۔"

"صحیح کیا ہے یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" اس بار سفاک لہجے میں جواب ملا۔ "تم اب میرے کام کے نہیں رہے اس لئے میں تمہیں موت کی نوید سنا رہا ہوں۔"

"نن...... نہیں...... سر...... آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہوسکتا ہے تم مرنے سے پہلے سچ بولنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن میں اپنے فیصلے بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں اب سلسلہ منقطع کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ہی زندگی سے تمہارا رابطہ بھی ٹوٹ جائے گا...... گڈ بائی بیرسٹر کمال احمد۔"

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا، کمال احمد نے بوکھلا کر ریسیور رکھ دیا پھر اس نے تیزی سے پلٹ کر حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن موت نے اسے اس کی مہلت نہیں دی، خواب گاہ کے دروازے پر کھڑے نقاب پوش کے پستول سے یکے بعد دیگرے پانچ فائر ہوئے تھے اور کمال احمد کے جسم سے خون کے فوارے ابل پڑے پھر وہ کسی کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ڈگمگا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا......!

☆

رحمت علی اس وقت مونیکا کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا، مونیکا کے چہرے سے بھی سنجیدگی ٹپک رہی تھی، خاصی دیر تک دونوں اپنے اپنے خیال میں ڈوبے رہے پھر رحمت علی نے کہا۔

"کمال احمد کی موت نے ہماری کمر توڑ دی ہے، ان کے ذریعے سے ہمیں تنظیم کے سربراہ تک پہنچنے کی جو امید تھی وہ بھی جاتی رہی۔"

"مجھے قوی یقین ہے کہ کمال احمد کی موت میں اسی کا ہاتھ ہے جو ابھی تک ہماری نظروں سے روپوش ہے۔" مونیکا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"میرا ذہن نہ جانے کیوں بار بار ڈاکٹر نادر ہی کی طرف جاتا ہے۔" رحمت علی نے کہا۔ "اسی غرض سے ہم نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت میڈم کو فون پر بدلی ہوئی آواز میں ڈاکٹر کی موت پر اکسانے کی کوشش کی تھی لیکن نتیجہ صفر ہی نکلا۔"

"برلاس انٹر پرائز کے دھماکے میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔" مونیکا نے پوچھا۔

"عین ممکن ہے کہ سیٹھ جواہر والا نے......"

"نہیں......" مونیکا نے تیزی سے کہا۔ "وہ سب کچھ کرسکتا ہے لیکن اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"پھر تمہارے خیال میں یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔"

"تم زاہد خان کو کیوں بھول رہے ہو؟" مونیکا بولی۔ "وہ بہت گھاگ اور دور اندیش آدمی ہے، ممکن ہے اس نے اپنے ہونے والے نقصانات کے سلسلے میں اب جوابی کارروائی کی ہو اور حالات کے پیش نظر ہر شخص یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ میڈم نے اپنے اوپر ہونے والے قاتلانہ حملے کا بدلہ لینے کی خاطر جواہر والا سے ڈیڑھ کروڑ روپے وصول کر لئے اور جوابی کارروائی کے طور پر جواہر والا نے برلاس انٹر پرائز میں دھماکہ کرا دیا...... کیا یہ کھیل زاہد خان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتا۔"

"ون منٹ......" رحمت علی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے ابھی تک اس شخص کا نام نہیں بتایا جس نے میڈم کے اشارے پر شیرا اور صمدانی کو ٹھکانے لگایا تھا۔"

"وہ ہیلتھ کلب کا گرینڈ ماسٹر شہباز ہے۔" مونیکا بولی۔ "بذات خود بھی وہ ناجائز تجارت ہی کا کام کرتا ہے۔ ہیلتھ کلب اس نے محض آڑ کے لئے کھول رکھا ہے، بڑا خطرناک اور زہریلا شخص ہے لیکن میڈم کے اشاروں پر چلتا ہے اس لئے کہ وہ اس عمر میں بھی میڈم کے خاص پرستاروں میں سے ہے۔"

"آئی سی......" رحمت علی نے حیرت سے کہا۔ پھر تھوڑے توقف کے بعد پہلو بدل کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ایس پی رحمان نے فارم ہاؤس کے ریڈ کے موقع پر مجھے ساتھ لے جا کر حماقت ہی کا ثبوت دیا تھا، کمال احمد کی موت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اب تنظیم کا سربراہ میرے خلاف بھی کسی انتقامی کارروائی سے گریز نہیں کرے گا۔"

"پھر...... تم نے کیا سوچا ہے۔" مونیکا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر نادر...... میرا ذہن ایک بار پھر اس کی شخصیت کے پس پردہ تنظیم کے سربراہ کی نشاندہی کر رہا ہے، ہمیں بہر حال اپنے شبہے کی تصدیق کی خاطر ڈاکٹر کے خلاف کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"تم نے کمال احمد کی موت کا گہرا اثر لیا ہے لیکن میں تمہیں کسی جذباتی انتقامی کارروائی کا مشورہ نہیں دوں گی۔ ہمیں چوکھی لڑنے سے پیشتر بہت پھونک پھونک کر نپے تلے قدم اٹھانے ہوں گے۔"

"کیا تمہارے ذہن میں ایسا کوئی نام آتا ہے جو تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے واقف ہو۔" رحمت علی نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نہیں، میں ابھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"ایسی صورت میں میرے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے۔" رحمت علی نے اٹھتے ہوئے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ "ہمیں ایک ایک کر کے تمام مشتبہ افراد کو اس وقت تک ٹھکانے لگانے کا عمل جاری رکھنا ہوگا جب تک تنظیم کے سربراہ کی کال آنی بند نہیں ہوتی۔"

"تم جلد بازی کرو گے۔" مونیکا بولی۔ "ابھی اس کا وقت نہیں آیا، ہمیں کچھ دنوں اور خاموش رہ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔"

"میڈم کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری...... کیا اس تمام کھیل کے پیچھے اس کا ہاتھ نہیں ہوسکتا؟"

"کوئی بھی ہوسکتا ہے۔" مونیکا نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "اسی لئے تو میرا مشورہ ہے کہ ہمیں بہت غور وخوض کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔"

"ممکن ہے تمہارا مشورہ درست ہو لیکن میری چھٹی حس بار بار اس خطرے کی نشاندہی کر رہی ہے کہ کمال احمد کے بعد اب تنظیم کے سربراہ کا دوسرا قدم میرے ہی خلاف ہوگا۔"

مونیکا کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے تیزی سے ریسیور اٹھالیا۔

"اگر میری انفارمیشن غلط نہیں ہے تو رحمت علی اس وقت تمہارے پاس ہی موجود ہے۔" دوسری جانب سے بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جی ہاں......" مونیکا نے سنجیدگی سے کہا پھر ریسیور رحمت علی کو تھما دیا۔

"ہیلو...... رحمت علی اسپیکنگ۔" رحمت علی نے ریسیور لیتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ تمہیں فارم ہاؤس پر ریڈ کے وقت پولیس پارٹی کے ساتھ شامل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"واجد کی گرفتاری کے بعد ایس پی رحمان نے مجھے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔" رحمت علی نے تنظیم کے سربراہ کی مانوس آواز سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

"ممکن ہے تم سچ بول رہے ہو لیکن حالات کے پیش نظر تمہاری شخصیت کو مشکوک افراد کی فہرست سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔"

"مم میں تمہیں ہر طرح اپنی بے گناہی کا ثبوت دینے کو تیار ہوں۔" رحمت علی نے تیزی سے کہا۔

"تم مجبور بھی ہو مائی ڈیئر رحمت علی۔" سرد لہجے میں جواب دیا گیا۔ "میں کسی قسم کا رسک لینے کا عادی نہیں ہوں اس لئے کمال احمد کو ٹھکانے لگا دیا گیا لیکن تم میرے کام کے آدمی ہو اس لئے میں نے تمہیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے...... ویسے بائی دی وے اگر میں تم سے یہ کہوں کہ کسی شخص کو میرے اشارے پر گولی مار دو تو کیا تم میرا حکم مان لو گے۔"

"نہیں......" رحمت علی نے جواب دیا۔ "کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے میں اس کی معقول وجہ دریافت کرنا ضروری سمجھوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کرسکو گے اس لئے کہ تمہارا بیٹا اکبر اب میرے قبضے میں ہے۔ اسے یرغمال بنانے کی خاطر ہمیں تمہارے ڈرائیور کو راستے سے ہٹانا پڑا تھا اس کی لاش تمہیں اکبر کی درس گاہ کے قریب والے پارک کی جھاڑیوں میں مل سکتی ہے۔" اس بار سرد لہجے میں کہا گیا۔

"نہیں...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔" رحمت علی دیوانوں کی طرح چیخا، اس کے لہجے میں وحشت عیاں تھی۔

"ایسا ہو چکا ہے مائی ڈیئر اور اب تم میری دوسری کال کا انتظار اپنے گھر جا کر کرو۔" دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا اور رحمت علی مونیکا کو حیران اور پریشان چھوڑ کر دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا اُس کے ڈرائنگ رُوم سے باہر نکلا تھا......!!

☆☆☆☆☆

عذرا ماہی بے آب کی طرح پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ مجمع کی دو عورتوں نے اسے سنبھال رکھا تھا لیکن وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ بار بار خلا میں وحشت ناک انداز میں دیکھ کر اکبر کو آوازیں دینے لگتی تھی وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ حالات کے بھنور نے اس سے اس کا گوہر مقصود چھین لیا تھا اس کی ممتا کو نشتر چبھو دیئے تھے۔ فرزانہ ماں کو سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ خود بھی بھائی کو یاد کر کے رو رہی تھی، صبح تک اسی گھر کے در و دیوار سے خوشیوں اور مسرتوں کا رنگ چھلک رہا تھا لیکن اب حالات اس کے برعکس تھے عذرا کے ساتھ ساتھ جیسے ہر شے...... نوحہ خواں نظر آ رہی تھی۔ اس پر اچانک جو ستم ٹوٹا تھا اس نے بے زبان چیزوں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔

رحمت علی دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو عذرا نے اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورا۔ پڑوس کی عورتیں منہ چھپا کر رخصت ہو گئیں۔ فرزانہ کے آنسو بھی تھم گئے۔ ماں بیٹی دونوں کی پر امید نگاہیں رحمت علی پر مرکوز تھیں جو خود بھی پریشان حال تھا۔ اندر سے ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ دشمن نے اس کی شہ رگ پر وار کیا تھا لیکن اس نے اپنی دیوانگی کو بڑی مشکلوں سے سنبھال رکھا تھا۔ حالات نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا دوسری صورت میں اولاد کے ملنے کی جو ایک آس تھی وہ بھی ٹوٹ سکتی تھی۔ وقت کی رفتار نے اسے پوری طرح اپنے شکنجوں میں جکڑ کر بے بس کر دیا تھا اور اس کی آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی مگر وہ کھلم کھلا اس درندگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ مشین کے کسی ایسے پرزے کی طرح بے بس نظر آ رہا تھا جسے متحرک کرنے کی برقی رو کسی اور کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے بیوی اور بیٹی کی حالت دیکھی تو خود کو سنبھالا دینے پر مجبور ہو گیا۔

"رحمتے......" عذرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تجھے اکبر کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔"

"اسے کسی نے اغوا کر لیا ہے۔" فرزانہ نے بڑی مشکل سے سسکتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر پہلے کسی نے فون کیا تھا۔"

"ہاں...... عذرا جلدی سے بولی۔ "اس نے کہا تھا کہ تو اگر چاہے تو اکبر کو واپس لا سکتا ہے۔"

"ڈیڈی" فرزانہ نے اسے مخاطب کیا۔ "آپ بھائی کو ان سے واپس لے آئیں۔"

"تو چپ کیوں کھڑا رہے رحمتے......" عذرا جھلا گئی۔ "کیا تجھے سانپ سونگھ گیا ہے؟"

"خدا جانے انہوں نے بھائی کو کس حال میں رکھا ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

"وہ میرے اکبر کو کیوں لے گئے؟" عذرا نے سینے پر دو ہتڑ مارتے ہوئے کہا۔ "اس معصوم نے بھلا ان کا کیا بگاڑا تھا۔"

"ڈیڈی...... کہیں ان لوگوں کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا رحمتے۔" عذرا تڑپ کر بولی۔ "تو جس راہ پر چل رہا ہے وہ غلط ہے، بول جواب دے کیا میں نے تجھے واپس لوٹ چلنے کو نہیں کہا تھا۔ قصوروار تو ہے اور اس کی سزا میرے جگر گوشے کو مل رہی ہے۔"

"تو فکر نہ کر......" رحمت علی نے خود پر قابو پاتے ہوئے عذرا سے کہا۔ "تیرے اکبر کو کچھ نہیں ہو گا۔"

"مگر وہ ہے کہاں۔" عذرا نے بلکتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ...... وہ جہاں بھی ہے محفوظ ہے...... اسے کچھ نہیں ہو گا...... مم...... میں اسے واپس لاؤں گا چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔" رحمت علی نے کہا۔ "اپنے آنسو پونچھ لے عذرا...... تیرے آنسو میرے حوصلے کو پست کر دیں گے اور وہ...... وہ جنہوں نے تجھ سے تیری اولاد چھینی ہے وہ کچھ اور چاہتے ہیں...... تو ان باتوں کو نہیں سمجھے گی۔"

"مجھے تیری باتوں سے کوئی غرض نہیں...... تیری مجبوریاں ایک ماں کے دل کی تڑپ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتیں۔"

"میں بکھر گیا ہوں عذرا...... مجھے خود کو سمیٹنے کا موقع دے......" رحمت علی نے بے بسی سے جواب دیا۔ "مجھے اس وقت تیرے سہارے کی ضرورت ہے تو بھی اگر روٹھ گئی تو میری ہمت جواب دے جائے گی۔"

"مجھ سے ایک وعدہ کر۔" عذرا نے اسے وحشت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اکبر کی واپسی کے بعد تو تمام ٹھاٹ باٹ کو لات مار دے گا اپنی پرانی دنیا میں واپس لوٹ چلے گا۔"

"ہاں" رحمت علی نے حسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ اکبر کے آ جانے کے بعد میں تیرا کہا مان لوں گا۔"

"ڈیڈی...... کون ہیں وہ لوگ جو بھائی کو لے گئے ہیں؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"کاش میں انہیں جان سکتا۔" رحمت علی نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر...... بھائی کی واپسی کیسے ہو گی......؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"تو نہیں سمجھے گی ان باتوں کو...... رحمت علی تڑپ کر بولا اس کے لہجے میں بے بسی اور درندگی کا ملا جلا احساس مچل رہا تھا۔

رہتے۔ عذرا نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''کہیں تو مجھے جھوٹا دلاسہ دینے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہے۔''

''مجھ پر شبہ نہ کر عذرا ورنہ میرے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ مجھے اس وقت بڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔''

پھر فون کی گھنٹی بجی تو رحمت علی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

''رحمت علی بول رہا ہوں۔'' اس نے امید و بیم کی کیفیت سے کہا۔

''اب کیا سوچا ہے تم نے۔'' بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا گیا۔ ''کیا اب بھی تم میرے کسی حکم سے انکار کر سکو گے۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے ہونٹ چباتے ہوئے جلدی سے کہا۔ ''اکبر کی خاطر میں تمہارے حکم پر خود اپنے آپ کو بھی گولی مار سکتا ہوں۔''

''مجھے معلوم تھا...... تم بہت جلدی راہ راست پر آ جاؤ گے۔'' دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ ''اولاد کی محبت انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ویسے کیا تم اب بھی نہیں بولو گے کہ فارم ہاؤس کی تباہی اور واجد اور چینا کی گرفتاری میں تمہارا کتنا ہاتھ تھا۔''

''میری بات کا یقین کرو......'' رحمت علی نے بڑی عاجزی کا اظہار کیا۔ ''مجھے ان حالات کے بارے میں کوئی علم نہیں۔''

''کمال احمد کے بارے میں کیا کہو گے...... کیا اس نے تمہیں اپنے ساتھ ملا کر مجھ تک پہنچنے کی حماقت نہیں کی تھی۔''

''ہاں...... میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا۔''

''گڈ......'' دوسری جانب سے مضحکہ اڑانے والا لہجہ اختیار کیا گیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم اب ہم سے جھوٹ بولنے کی حماقت نہیں کرو گے۔''

''اکبر کی واپسی کے لئے تمہاری کیا شرط ہے؟''

''کیا مطلب...... کیا تم ہمارے ساتھ سودے بازی کرو گے؟''

''نہیں......'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔ ''میری زبان پر اعتماد کرو، میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔''

''میڈم کے بارے میں کیا خیال ہے...... کیا تم اب بھی اس کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو گے۔''

''اکبر کی واپسی کے بدلے میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔''

''سوچ لو...... کہیں تمہارا ارادہ بعد میں بدل نہ جائے۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے اب تمہاری طاقت کا اندازہ ہو گیا ہے۔''

''اور اب تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں...... میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے اشارے پر ناچنے کو مجبور ہو جاؤ گے۔''

''اکبر کی ماں رو رو کر اندھی ہو جائے گی...... اس پر رحم کرو۔'' رحمت علی نے دہائی دی۔

''سیٹھ جواہر والا سے ڈیڑھ کروڑ کی رقم کس نے وصول کی تھی۔'' اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا گیا۔ ''کیا اس میں تمہاری میڈم کا ہاتھ تھا۔''

''نہیں...... مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''شیرا اور صمدانی کی موت کے بارے میں کیا کہو گے...... کیا اس معاملے میں بھی میڈم بے قصور تھی۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے جلدی سے کہا۔ ''شیرا کو اسی کے ایما پر راستے سے ہٹایا گیا تھا۔''

''اور اس کام کو کس نے سرانجام دیا تھا۔''

''میں پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی پشت پر ہیلتھ کلب کے گرینڈ ماسٹر شہباز کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''گڈ...... اب تم نے ایک کام کی بات کی ہے، شہباز کے سلسلے میں ہمیں بھی شبہ تھا۔''

''تم نے اکبر کی واپسی کی شرط نہیں بتائی۔''

''اتنی جلدی مت کرو۔'' دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔ ''میرا مشورہ مانو تو رحمان صاحب کو اکبر کے اغوا کے سلسلے میں آگاہ کر دو ڈرائیور کی لاش اس بات کا ثبوت ہو گی۔''

''لیکن......''

''میری بات پر عمل کرو اسی میں تمہاری بہتری ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے رحمان صاحب کو بھی میری طاقت کا اندازہ ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے...... میں رحمان صاحب کو ابھی فون کر کے مطلع کر دیتا ہوں مگر اکبر کی واپسی......''

''تین روز بعد ہو گی اور ان تین دنوں کے اندر تمہیں ہمارا ایک کام کرنا ہو گا۔''

''وہ کیا............''

''شہباز کی موت...... میں نہیں چاہتا کہ وہ میڈم کے مزید کسی کام آ سکے۔''

''میں تیار ہوں......'' رحمت علی نے جذباتی انداز میں جواب دیا۔

''ایک بات اور ذہن نشین کر لو...... مردوں کا قول اٹل ہوتا ہے، اکبر تین روز بعد تمہیں زندہ واپس مل جائے گا لیکن اس کے بعد بھی تمہیں ہمارے لئے کام کرنا ہو گا۔''

''مجھے منظور ہے......''

''اب کیا یہ بھی کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم میرے سلسلے میں ذہنی جمناسٹک کرنے سے باز ہی رہو گے۔'' اس بار سرد لہجے میں جواب ملا اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

رحمت علی نے عذرا اور فرزانہ کی سمت دیکھا ان کی نگاہوں میں بہت سارے سوالات تڑپ رہے تھے لیکن ان کے سوالات کے جواب دینے سے پیشتر اس نے ایس پی رحمان صاحب کو اکبر کے اغواء کی رپورٹ دینی ضروری سمجھی تھی۔ رحمان صاحب سے گفتگو کرتے وقت اس کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی......!!

☆

فارم ہاؤس کے چھاپے نے ایس پی رحمان کی ساکھ کو جس قدر بحال کیا تھا۔ برلاس انٹر پرائز کے دھماکے اور اکبر کے اغواء نے ان کی کارکردگی کے گراف کو اتنا ہی نیچے گرا دیا تھا۔ شہر کے بیشتر اخبارات دھماکے اور اغوا کی اس واردات کو فارم ہاؤس پر ہونے والی ریڈ کی جوابی کارروائی قرار دے رہے تھے اور اسے پولیس کی نااہلی سستی سے تعبیر کر رہے تھے۔

ایس پی رحمان خود بھی اس پے در پے ہونے والی واردات سے پریشان تھے انہیں بھی اسی بات کا گمان ہو رہا تھا کہ پولیس ریڈ سے جن جرائم پیشہ افراد کو نقصان پہنچا ہے وہی اس جوابی کارروائی میں ملوث ہیں۔ جن افراد کو ریڈ کے دوران گرفتار کیا گیا تھا انہوں نے اپنی زبانیں سختی سے بند کر رکھی تھیں۔ وہ خود کو ادنیٰ ملازم ظاہر کر رہے تھے جبکہ اصل مالک کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ چھان بین کے دوران چودھری کرم دین نامی ایک شخص اس فارم ہاؤس کے مالک کی حیثیت سے کتابوں اور کھاتوں میں درج تھا لیکن بظاہر اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔

گرفتار ہونے والوں نے اس کا جو حلیہ بیان کیا تھا وہ ایک عام آدمی کی شخصیت سے ملتا جلتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بیان بھی تھا چودھری کرم دین عرصہ تین چار سال قبل ایک غیر ملکی دورے کا ذکر کرنے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد پھر کسی کو نظر نہیں آیا البتہ ملازموں کو کسی نہ کسی مختلف ذریعے سے ان کی ماہانہ تنخواہ ملتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی رحمان صاحب اپنے دفتر کے کمرے میں بیٹھے حالات کی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھے جب انسپکٹر زیدی رحمت علی کے ہمراہ داخل ہوا تھا، رحمت علی کے چہرے پر نفرت، حقارت اور الجھن کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے اسے اس وقت اپنی طلبی بھی گراں گزر رہی تھی مگر انسپکٹر زیدی کے ساتھ جبراً آ گیا تھا۔ رحمان صاحب نے حالات کے پیش نظر بڑی خندہ پیشانی سے رحمت علی کو اپنے دفتر میں خوش آمدید کہا تھا اور اس کے جواب میں رحمت علی کے ہونٹوں پر خشونت بھری مسکراہٹ جاگ اٹھی تھی۔

''تمہارے بیٹے کے اغواء کی خبر سن کر مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔'' رحمان صاحب نے کہا۔

''کیا تم کسی شخص پر اپنا شبہ ظاہر کر سکتے ہو۔''

''کیا مجھے اسی سوال کے جواب کی خاطر یہاں طلب کیا گیا ہے۔'' رحمت علی نے سرد اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہارے گھر بھی آ سکتا تھا لیکن ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کی خاطر تمہارا یہاں آنا بہرحال ضروری تھا۔'' رحمان صاحب نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔ ''تمہارا تفصیلی بیان پولیس کے لئے تمہارے بیٹے کی بازیابی کے سلسلے میں بہت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

''میرا صرف ایک ہی بیان ہے...... میرے بیٹے کو کسی دشمن نے اغواء کرلیا ہے۔ وہ کون ہے؟ یہ مجھے نہیں معلوم لیکن اخبارات نے جو رائے زنی کی ہے اس کی روشنی میں یہی ظاہر ہوتا ہے یہ کارستانی فارم ہاؤس پر ریڈ کا ردعمل ہے۔''

''کیا تم کسی پر شک کر رہے ہو۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر میرا شبہ کسی پر ہوتا تو شاید اس وقت میں یہاں آپ کے سامنے ہونے کے بجائے اس کے قتل کے جرم میں ہتھکڑی اور بیڑیوں میں جکڑا پولیس کے کسی لاک اپ میں بند ہوتا۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو۔'' رحمان صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''پولیس ہر طرح تمہاری مدد کرنے کو آمادہ ہے لیکن.........''

''شرط یہ ہے کہ میں اغوا کرنے والوں کو لا کر پولیس کے حوالے کر دوں۔'' رحمت علی نے زہر خند سے جواب دیا پھر تیزی سے بولا۔ ''آپ نے مجھے فارم ہاؤس والی ریڈ میں شامل کر کے دشمنوں کو میرے خلاف بھڑک اٹھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں نے ریڈ کے بعد آپ سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان لوگوں کو کسی نہ کسی زاویے سے جانتے ہو۔'' رحمان صاحب نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کمال احمد کا قتل بھی شاید اسی لئے ہوا کہ وہ بھی مجرموں کی نشاندہی کر سکتا تھا۔''

''جی ہاں......... کچھ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ میڈم کے ساتھ کام کروں۔ کمال احمد کی حیثیت بھی برلاس انٹر پرائز میں قانونی مشیر کی تھی اور کیسا عجیب اتفاق ہے کہ کمال احمد کا قتل اور میرے بیٹے کا اغواء تقریباً ایک ساتھ ہی عمل میں آیا۔'' رحمت علی نے سرد آواز میں کہا۔ ''آپ کے خیالات کے بموجب میں نے ترقی کے زینے بڑی تیزی سے طے کئے ہیں...... لیکن یہ کس کتاب میں درج ہے کہ ترقی کرنا جرم ہے۔ آپ نے مجھے سختی سے زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی۔ میں نے ابھی تک آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ مگر کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ حکم کس مصلحت کے پیش نظر دیا تھا۔ کیا میرا یہ اندازہ غلط ہے کہ آپ بھی کچھ بڑی مچھلیوں کے نام سے واقف ہیں لیکن ان پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے ہیں...... سوچئے ایس پی صاحب ہو سکتا ہے کہ ان ہی میں سے کوئی اکبر کے

اغواء کا ذمہ دار ہو...... آپ نے تو کہا تھا کہ میں آپ کے لئے بہت کارآمد ہوں اور آپ میرے تحفظ کا خیال رکھیں گے لیکن ان باتوں کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے آپ کی یا قانون کی نگاہوں میں مشتبہ ہوں لیکن اکبر تو معصوم تھا اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا جو اسے اغواء کرلیا گیا۔''

''ایسا ہوتا ہے مائی ڈیئر......'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔''ایک شخص کے جرم کی سزا کسی اور کو بھی بھگتنی پڑتی ہے۔''

''اور یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مقصد کی خاطر کسی کو استعمال کرتا ہے اور بعد میں سزا بھی اسی کو بھگتنی پڑتی ہے۔'' رحمت علی نے جذباتی انداز میں کہا۔''میں اب آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ اب میرا تعلق کسی سے بھی نہیں رہا، میں نے جو بویا ہے اب اسے خود ہی کاٹوں گا اس لئے کہ میں اب سمجھ چکا ہوں کہ بڑی مچھلیوں کی آزادی کا راز کیا ہے......''

ایس پی رحمان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کرسی پر پہلو بدلا تھا لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے رحمت علی کا جواب دینے کے بجائے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آئی جی کی آواز ابھری تھی۔

''آپ نے اب تک کمال احمد کے قاتلوں اور رحمت علی کے بیٹے کے اغواء کے سلسلے میں کیا کیا ہے۔''

''میں اس وقت یہی تفتیش کر رہا ہوں سر...... رحمت علی میرے سامنے موجود ہیں۔''

''اسے بالوجہ ضابطے کی کارروائی میں الجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' آئی جی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔''میڈم برلاس کے علاوہ کچھ اور لوگوں کا بھی خیال ہے کہ رحمت علی کے زخموں کو کریدا جارہا ہے۔ ہمیں قانونی چارہ جوئی کے ساتھ ساتھ اوپر والوں کو بھی جواب دینا پڑتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں جناب لیکن..........''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔'' اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا گیا۔''کمال احمد کا قتل کوئی معمولی سانحہ نہیں ہے۔ کوشش کیجئے قاتلوں کی گرفتاری کا کوئی نتیجہ جلد برآمد ہو۔ بار ایسوسی ایشن کے چیدہ چیدہ قانون دانوں نے اس جرم کو پولیس کی جانب سے قاتلوں کو کھلی چھٹی دینا قرار دیا ہے۔ حکومت کے سربرآوردہ لوگوں کی جانب سے بھی قاتلوں کی گرفتاری پر زور دیا جارہا ہے۔''

''آپ مطمئن رہیں جناب...... میں پوری پوری کوشش کر رہا ہوں۔''

''صرف کوشش نہیں...... ہمیں کوئی نتیجہ بھی برآمد کرنا ہے۔''

''رائٹ سر......''

''ایک بات اور ہے......'' آئی جی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''جن معززین نے فارم

ہاؤس کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا تھا ان کا پرزور مطالبہ ہے کہ رحمت علی کو بلاوجہ قانونی الجھاوؤں سے دُور رکھا جائے...... اس کے بیٹے کی بازیابی بہت ضروری ہے۔''

''بہتر ہے جناب......''

''فارم ہاؤس کے مالک کا کوئی پتہ چلا......''

''جی نہیں۔'' رحمان صاحب نے کہا۔''جن افراد کو گرفتار کیا گیا ہے ان سے بھی کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔''

''یہ جواب اوپر والوں کو مطمئن نہیں کرسکتا۔'' آئی جی کا خشک لہجہ سنائی دیا۔''اتنے بڑے پیمانے پر ناجائز کاروبار کرنے والوں کے اصل چہروں کی نقاب کشائی بہت ضروری ہے۔''

''میں اس سلسلے میں آپ سے براہ راست مل کر کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں جناب۔'' رحمان صاحب نے خلاء میں گھورتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے...... آپ کل کسی وقت تشریف لے آئیں۔'' دوسری جانب سے جواب کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے......'' رحمت علی نے فون پر ہونے والی گفتگو ختم ہونے کے بعد بے زاری سے پوچھا۔

''ڈونٹ وری مائی ڈیئر...... ہم تمہارے بیٹے کو بہت جلد بازیاب کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔''

''شکریہ......'' رحمت علی نے معنی خیز انداز میں کہا پھر تیزی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆

میڈم برلاس نے ہسپتال سے گھر آتے ہی سب سے پہلے رحمت علی کو بلایا تھا، اسے رحمت علی کے بیٹے کے اغواء کا شدید صدمہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ذہن میں ان ممکنہ لوگوں کے نام بھی گونج رہے تھے جنہوں نے برلاس ہنٹر پرائز کو اپنا ہدف بنایا تھا، وہ ابھی تک کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھیں۔ کمال احمد کی موت کی خبر بھی اس کے لئے ایک کھلا چیلنج تھی۔ دشمن پے درپے وار کر کے اس کو اپنی برتری کا احساس دلانا چاہ رہا تھا لیکن میڈم نے شکست قبول نہیں کی تھی، اسے صرف کسی ایسے ثبوت کی تلاش تھی جو صحیح معنوں میں اس کے دشمن کی نشاندہی کرسکتا۔ اس وقت بھی اس کا ذہن ان ہی الجھنوں سے دوچار تھا جب رحمت علی اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا۔

''آپ نے مجھے یاد کیا تھا۔'' رحمت علی نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب......؟'' میڈم چونکی...... ''کیا اگر میں تمہیں یاد نہ کرتی تو تم نہ آتے۔''

''آپ کو شاید تمام حالات کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''ہاں...... اور میں خود کو ان حالات سے الگ نہیں سمجھتی۔'' میڈم نے جواب دیا۔

''برلاس انٹر پرائز پر دھماکہ، کمال احمد کا بہیمانہ قتل اور تمہارے بیٹے کا اغواء...... ان تمام واقعات کے پیچھے کسی ایک ہی آدمی کا ہاتھ ممکن ہو سکتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب آپ بہتر طور پر سمجھ سکتی ہیں اس لئے کہ آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں دونوں سے واقف ہیں۔'' رحمت علی نے جواب دیا۔

''تم پریشان مت ہو، میں بہت جلد تمہارے بیٹے کی بازیابی کی کوشش کروں گی۔''

''کیا آپ اسے جانتی ہیں جس نے ہمارے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے...... اگر ایسا ہے تو آپ مجھے صرف اس کا نام بتا دیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جھوٹی تسلیوں سے کیا فائدہ۔'' رحمت علی خشک آواز میں بولا...... ''میں از خود بھی اپنے درد کی دوا کر سکتا ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں۔'' میڈم نے حیرت سے کہا۔ ''کیا ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں ہیں۔''

''صرف دوستی کی حد تک۔''

''کیا مطلب......''

''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب میرا برلاس انٹر پرائز سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' رحمت علی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میڈم کی سمت بڑھاتے ہوئے کہا...... ''یہ میرا استعفیٰ ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے...... کیا تمہارا یہ استعفیٰ ہمارے دشمنوں کو مطمئن کر دے گا۔''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میں نے اب ہر حال میں تمام ناجائز کام سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ہم اب صرف ایک دوسرے کے مخلص دوست رہیں گے۔''

''میرے لئے کوئی اور حکم......'' رحمت علی نے پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا تم بہت جلدی میں ہو۔'' میڈم نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں...... میرے پاس وقت بہت کم ہے اور اس کم وقت میں مجھے اس دشمن کو بھی تلاش کرنا ہے جس نے ایک ماں کی ممتا کو تڑپنے، رونے، سسکنے اور بلکنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''تمہارا شبہ کس پر ہے۔''

''ہر اس شخص پر جو غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔'' رحمت علی نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''ظاہر ہے جن لوگوں نے اکبر کو اغواء کیا ہے ان کو مجھ سے کوئی ذاتی دشمنی یا پرخاش نہیں

تھی۔ اگر کوئی پرخاش تھی تو اس کی پشت پر میری ذات کو نہیں برلاس انٹر پرائز کو دخل ہو سکتا ہے۔''

''تم بہت دل برداشتہ نظر آ رہے ہو۔'' میڈم نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''ہاں...... شاید میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ اپنی اولاد کے اغواء پر کھڑے ہو کر قہقہے بکھیر سکوں۔'' رحمت علی نے زہر خند سے جواب دیا۔

''کیا اکبر کے اغواء کے بعد کسی نے تم سے فون پر بھی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی؟''

''نہیں......'' رحمت علی نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھہرو...... میں دیکھتی ہوں۔'' میڈم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی، اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

''ہیلو......'' ایک منٹ بعد ہی دوسری جانب سے ایک بھاری اور ٹھوس آواز ابھری۔

''میں مسز برلاس بول رہی ہوں۔'' میڈم نے بدستور سنجیدگی سے کہا...... ''کیا تمہیں میرے ساتھ پیش آنے والے حالات کا علم ہے۔''

''ہاں...... میرا خیال ہے کہ دشمن ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں، کمال احمد کا قتل اور رحمت علی کے بیٹے کا اغواء ایک ہی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتے ہیں......''

''مجھے اپنے تمام نقصانات سے زیادہ اکبر کی بازیابی درکار ہے...... تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''خادم ہوں تمہارا......'' دوسری جانب سے بے تکلفی کا اظہار کیا گیا...... ''بولو...... میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''مجھے یقین ہے کہ کسی دوسرے شخص نے مجھے اور جواہر والا کو لڑوانے کی کوشش کی ہے۔'' میڈم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ایسی صورت میں اصل دشمن کو دھوکے میں رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔''

''وہ کیا......''

''جواہر والا کو راستے سے ہٹ جانا چاہئے...... ہمیشہ کے لئے......'' میڈم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''اس طرح ہم دشمن کو اندھیرے میں رکھ کر پشت سے اس کے اوپر بھرپور وار کر سکتے ہیں۔''

رحمت علی خاموشی سے بیٹھا میڈم کی بات سن رہا تھا لیکن اس کا چہرہ کسی اندرونی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

''ٹھیک ہے...... میں بہت جلد جواہر والا کا کریا کرم کر دوں گا۔'' دوسری جانب سے ٹھوس لہجے میں کہا گیا۔

"میری اطلاع کے مطابق وہ ہر جمعرات کو ایک مقامی بزرگ کی درگاہ پر بڑی پابندی سے حاضری دیتا ہے، اس وقت اس کے گارڈز درگاہ کے احاطے کے باہر ہی رہتے ہیں۔" میڈم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ موقع تمہارے لئے بہت سنہری ثابت ہوسکتا ہے اور اس کام کے لئے میں تمہیں اپنا مخصوص سگار بھی پیش کرسکتی ہوں۔"

رحمت علی مخصوص سگار کے حوالے پر چونکا، میڈم برلاس نے ایک مخصوص سگار اسے بھی دیا تھا جس کے اندر زہریلی سوئیاں موجود تھیں۔ سگار کو ایک خاص زاویئے پر رکھ کر اس کے نچلے حصے کو دبانے سے زہریلی سوئیاں برق رفتار سے نکل کر اپنا کام انجام دیتی تھیں، میڈم نے ایک بار اپنے دفتر کے ایک ایش ٹرے پر اس کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ ایش ٹرے دھواں بن کر غائب ہوگیا۔

"بہت زیادہ لگاؤ ہے تمہیں رحمت علی سے......" سپاٹ اور معنی خیز انداز میں پوچھا گیا۔

"بکواس نہیں......... ہم ایک دوسرے کے مخلص دوست ہیں۔" میڈم نے کہا...... "تم وہ سگار مجھ سے آج ہی کسی وقت حاصل کرسکتے ہو لیکن یہ کام بہرصورت جمعرات کو سرانجام پاجانا چاہئے، صرف کل کا دن بیچ میں ہے۔"

"سمجھو تمہارا کام ہوگیا......" دوسری جانب سے پورے یقین سے جواب ملا۔

میڈم نے ایک دو باتوں کے بعد سلسلہ ختم کردیا پھر رحمت علی کو بڑی اپنائیت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا تمہیں اب بھی میری دوستی پر شبہ ہے۔"

"پوچھ سکتا ہوں کہ یہ فون آپ نے کس کو کیا تھا......"

"اسی کارآمد شخص کو جس نے شیرا اور صمدانی جیسے شاطر لوگوں کو بڑی خوبصورتی سے کیفرکردار تک پہنچایا تھا۔"

"اس کا کوئی نام بھی ہوگا۔" رحمت علی نے سوال کیا۔

"ابھی نہیں......" میڈم نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "اکبر کو بازیاب ہولینے دو اس کے بعد میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی۔"

رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن شیرا اور صمدانی کے قتل کے حوالے پر اس کی آنکھوں میں مسرت کی ایک لہر جاگ اٹھی اس کے ذہن کے پردوں پر ہیلتھ کلچر کے گرینڈ ماسٹر شہباز کا نام ابھر آیا تھا......!!

☆

درگاہ کے سامنے لوگوں کا اچھا خاصا اژدھام تھا بے شمار لوگ عارضی ٹھیلوں اور مستقل دکانوں سے باہر پھول اور چڑھاوے کا سامان خریدنے میں مصروف تھے۔ درگاہ کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر بھی اوپر جانے والے اور نیچے آنے والے لوگوں کا ہجوم رواں دواں نظر

آرہا تھا۔ درگاہ کے سامنے والی کشادہ سڑک کی دوسری جانب ایک وسیع وعریض پارک تھا جس کے اطراف متعدد گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ پارک کے عقبی حصے کی جانب سفید رنگ کی ایک گاڑی پارک تھی جس میں ایک غیرملکی جوڑا بیٹھا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں دوربین تھی جس سے وہ اطراف کے مناظر دیکھ رہے تھے۔ صورت شکل کے اعتبار سے وہ دونوں ہی امریکہ کی کسی سیاہ فام کالونی کے باشندے نظر آرہے تھے مرد کے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی تھی جو اس کی شخصیت پر بڑی خوبصورت معلوم ہورہی تھی۔ عورت نے ڈھیلا ڈھالا اسکرٹ پہن رکھا تھا اس کے چہرے پر میک اپ کی دبیز تہہ نظر آرہی تھی۔ رنگ روپ کے اعتبار سے اسے حسین نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اس کی گہری نیلی آنکھیں اپنے اندر خاصی جاذبیت رکھتی تھیں۔

اس وقت شام کے پانچ بجے کا وقت تھا اور رفتہ رفتہ درگاہ پر لوگوں کے ہجوم میں اضافہ ہوتا جارہا تھا لیکن سفید کار میں بیٹھا ہوا شخص بظاہر اس سے قطعی لاتعلق نظر آرہا تھا۔ اس کی دوربین کا رخ اس وقت پارک کے مغربی میدان کی سمت تھا جہاں عارضی طور پر گزشتہ ایک ہفتے سے میلا لگا ہوا تھا۔ دونوں ہی سیاح معلوم ہورہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے غیرملکی سیاحوں کی گاڑیاں ادھر ادھر پارک تھیں ان میں سے زیادہ تر ساحل سمندر کے پاس کھڑے لطف انداز ہورہے تھے۔ کچھ جوڑے دُھوپ کی تمازت سے بچنے کی خاطر ابھی تک اپنی گاڑیوں میں بیٹھے مختلف مشروبات سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

سفید رنگ کی وہ گاڑی کوئی بیس منٹ پیشتر آکر وہاں پارک کی گئی تھی اس دوران ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی دونوں ہی اطراف میں ہونے والے دلچسپ ہنگاموں سے لطف اندوز ہورہے تھے خاص طور پر ان کی توجہ کا مرکز وہ پائرٹ بوٹ تھی جو بار بار فضا میں بلند ہوتی تھی اور پھر اس میں بیٹھے ہوئے افراد کی ملی جلی آوازوں کے ساتھ تیزی سے نیچے آکر عقبی سمت میں اونچی ہونے لگتی تھی۔ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم اس پائرٹ بوٹ کے چاروں طرف جمع تھا جو بوٹ سے باہر ہونے کے باوجود اس میں بیٹھے ہوئے افراد کی چیخ وپکار کی آوازوں سے آوازیں ملا کر لطف اندوز ہورہے تھے۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمیں ہر وقت ان کے یہاں پہنچنے کی اطلاع مل جائے گی۔" سفید کار میں بیٹھے ہوئے مرد نے اپنی ساتھی سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا سوانگ بھرنا محض تفریح بن کر رہ جائے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ سردار نے میرے بارے میں تم سے کیا کہا تھا۔" عورت نے جو مونیکا کے سوا کوئی اور نہیں تھی رحمت علی سے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہے لیکن تم وہ پہلے شخص ہو جس نے کسی ماہر سپیرے کی طرح مجھے بے ضرر بنادیا ہے۔"

"میرے پاس وقت بہت کم ہے۔" رحمت علی نے بدستور دوربین نگاہوں سے لگائے

لگائے مدھم آواز میں کہا۔ ''آج مجھے ہر صورت میں اس کا شکار کرنا ہے خواہ اس کا انجام میرے حق میں کچھ ہی ثابت ہو۔''

''پریشان مت ہو........ جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو کامیابی یقیناً تمہارا ساتھ دے گی۔'' مونیکا کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

''اور میں تمہارا یہ احسان تمام زندگی فراموش نہیں کروں گا۔''

مونیکا نے نظریں گھما کر بڑی حسرت بھری نگاہوں سے رحمت علی کو دیکھا پھر وہ کوئی جواب دینے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ابھری اور اس نے جلدی سے اپنی دستی گھڑی کی چابی کو باہر کی جانب کھینچ لیا پھر منہ نیچے کر کے بولی۔

''کیا خبر ہے......؟''

''وہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ چکا ہے اور کسی بھی لمحے روانہ ہونے والا ہے۔''

''دوسری پارٹی کے بارے میں تمہاری کیا رپورٹ ہے۔''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے آدمی بھی جواہر والا کی روانگی پر نظر جمائے ہوں گے۔''

''اس خیال کی کوئی خاص وجہ......''

''میری اطلاع کے مطابق شہباز اپنا وقت ضائع کرنے کا عادی نہیں ہے اس لئے ظاہر ہے کہ وہ جواہر والا کی روانگی کی خبر ملنے کے بعد ہی اپنے ٹھکانے سے روانہ ہوگا۔''

''گڈ......'' مونیکا نے سرگوشی کی پھر پوچھا۔ ''کیا اس کے ساتھ کچھ گارڈز بھی ہیں؟''

''اپنی گاڑی میں وہ ڈرائیور کے ساتھ تنہا بیٹھا ہے البتہ دوسری گاڑی میں اس کے چار آدمی ہیں...... دونوں گاڑیاں اب حرکت میں آ چکی ہیں میرے لئے کیا حکم ہے کیا میں بھی ان کا تعاقب کروں۔''

''ہاں...... مگر اس بات کا خیال رہے کہ کسی کو شبہ نہ ہونے پائے۔'' مونیکا نے بڑی آہستگی سے کہا۔ ''یہاں پہنچ کر تمہیں صرف حالات کی نگرانی کرنی ہوگی، شکار ہم خود کھیلیں گے البتہ اگر وہ بچ کر نکلنے کی کوشش کرے تو پھر تمہیں اختیار ہوگا...... اوور اینڈ آل۔'' مونیکا نے چابی کو اس کی اصلی حالت میں کیا پھر رحمت علی سے بولی۔ ''ہمارا شکار آدھے گھنٹے کے اندر اندر یہاں پہنچنے والا ہے۔''

''یہ اطلاع میرے لئے بڑی خوش آئند ہے۔'' رحمت علی نے لاپرواہی سے کہا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ شکار کھیلتے وقت میں بھی تمہارے ساتھ رہوں تو......''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' رحمت علی نے جواب دیا ''تمہیں دور ہی رہنا ہوگا تاکہ پانسہ اگر غلط پڑ جائے تو تم میری مدد کر سکو۔''

''ٹھیک ہے۔'' مونیکا نے کہا۔ ''لیکن کیا تمہیں امید ہے کہ تم ہجوم کے درمیان اسے اتنی

خوبصورتی سے شکار کر لو گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شہباز اور میرا طریقہ کار ایک ہی ہوگا اور کسی کو مطلق شبہ نہیں ہوگا۔'' رحمت علی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''میڈم نے اسی قسم کا ایک سگار شہباز کو بھی دیا ہے جیسا وہ مجھے دے چکی ہے۔''

''آئی وش یو بیسٹ آف لک۔'' مونیکا نے کہا پھر دوبارہ دوربین گود سے اٹھا کر آنکھوں سے لگا لی۔

رحمت علی ٹھیک بیس منٹ بعد ہی گاڑی سے اتر کر درگاہ کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اس نے درمیانی راستہ طے کرنے میں پورے دس منٹ لگا دیئے تھے پھر درگاہ کے قریب پہنچتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ جواہر والا اسے اپنی گاڑی سے اترتا نظر آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والی دوسری گاڑی کچھ فاصلے پر رکی تھی پھر اس میں سے چار آدمی جو پھرتیلے گارڈز ہی نظر آ رہے تھے اتر کر بھیڑ میں ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔

جواہر والا نے اتر کر ہار پھول خریدے پھر درگاہ کی سیڑھیوں کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ رحمت علی ایک مخصوص فاصلے سے اس پر نظر جمائے نپے تلے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا ایک دوبار اس نے نظریں گھما کر بظاہر لاپرواہی سے اپنے اطراف نظر ڈالی تھی لیکن ابھی تک وہ شہباز کو کہیں قرب و جوار میں حرکت کرتے نہیں دیکھ سکا تھا۔ پھر یکلخت اس کی نظر اس فقیر نما شخص پر جا کر تھم گئی جو سیڑھیوں کی منڈیر پر بیٹھا دیوانوں کی طرح اپنی الجھی ہوئی داڑھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اوپر کی جانب تھا اس لئے نشیب میں حرکت کرتے ہوئے ہجوم کو بآسانی دیکھ سکتا تھا اس فقیر کو دیکھ کر رحمت علی کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ شہباز کے بہت قریب رہ چکا تھا اس لئے اس نے اسے فقیر کے میک اپ میں ہونے کے باوجود پہچان لیا تھا پھر سگار دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں جو فقیر نے اپنے کان اور سر کے الجھے ہوئے بالوں کے درمیان اڑس رکھا تھا۔ وہی مہلک ہتھیار تھا جو کچھ دیر میں پیغام اجل بن کر جواہر والا کی زندگی کا خاتمہ کرنے والا تھا۔ رحمت علی اپنی جگہ کچھ اور محتاط ہو گیا اس لئے کہ اکبر کی رہائی کا دارومدار اس کی کامیابی پر منحصر تھا اس کی دزدیدہ نگاہیں اب ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جواہر والا آہستہ آہستہ شہباز کی سیدھ میں پہنچا تو شہباز نے دیوانوں کی طرح داڑھی کھجلاتے ہوئے منڈیر کو خیرباد کہہ دیا وہ اب مجمع کو کاٹتا ہوا جواہر والا کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رحمت علی اپنی جگہ ایک لمحے کو رکا پھر وہ بھی ہجوم کے درمیان کھسکتا ہوا شہباز کے پیچھے آ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں دو تین سیڑھیوں کے فاصلے سے ایک دوسرے کے پیچھے ہو گئے تھے رحمت علی کی گرفت جیب میں رکھے ہوئے سگار پر مضبوط ہو گئی وہ ایسی پوزیشن میں تھا کہ شہباز کو بآسانی شکار کر سکتا تھا لیکن وہ اس انتظار میں تھا کہ شہباز جواہر والا کے سلسلے میں پہل کرے

دو تین منٹ اسی شش و پنج میں گزر گئے پھر وہی ہوا جو رحمت علی چاہتا تھا شہباز نے سگار کا استعمال اس قدر خوبصورتی سے کیا تھا کہ جواہر والا کو بھی اپنی موت کی خبر اس وقت ہوئی جب وہ منہ کے بل سیڑھیوں پر گرا تھا اور لوگ اسے اٹھانے میں مصروف ہوگئے تھے۔

اپنے شکار کو ٹھکانے لگانے کے بعد شہباز دیوانوں ہی جیسے انداز میں داڑھی اور سر کے بال کھجلاتا ہوا مجمع سے کتراتا ہوا دور ہو رہا تھا۔ مخصوص سگار اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن مکافات عمل سے قطعی بے خبر تھا رحمت علی نے جواہر والا کے گرتے ہی اپنی پوزیشن تبدیل کر لی تھی کچھ اور لوگوں کی طرح اس نے بھی اپنا رخ واپسی کے لئے موڑ دیا تھا اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں پھر وہ لمحہ بھی قریب آگیا جس کا اسے شدت سے انتظار تھا۔ شہباز اپنی کامیابی اور دیوانگی کے رول کو نبھاتے ہوئے جھومتا جھامتا اس کے قریب سے گزرا تھا۔ رحمت علی نے اسے آگے جانے دیا پھر جیسے ہی دو سیڑھیوں کا فاصلہ ہوا رحمت علی نے پل بھر میں اپنا کام کر دیا سگار کو اس نے ہاتھ میں دبا کر نکالا تھا اس کے بعد نتیجہ وہی نکلا جو اسے منظور تھا۔ شہباز ایک لمحے کو یوں اپنی جگہ رکا رہا جیسے اسے سکتہ ہوگیا ہو پھر وہ اپنا توازن کھو کر بائیں جانب جھومتا چلا گیا لوگ یہی سمجھے تھے کہ شاید دیوانگی میں اس کا پیر سیڑھیوں پر الٹ گیا ہو پھر جتنی دیر میں لوگوں کو اصل صورت حال کا پتہ چلتا اتنی دیر میں رحمت علی سڑک عبور کر کے پارک کے احاطے میں داخل ہو چکا تھا اس کے بعد اس نے گاڑی تک پہنچنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

''کیا رہا......'' مونیکا نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

''دونوں شکار ہوگئے۔'' رحمت علی نے جواب دیا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے نکالتا ہوا ملحقہ کھلی سڑک پر آگیا اس کے بعد اس نے مونیکا سے کہا تھا۔ ''میں تمہاری دوستی اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں تمہارا یہ احسان مجھے آخری سانسوں تک یاد رہے گا۔''

''اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ میرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہے۔'' مونیکا نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے کہا، اس کے لہجے میں خلوص اور اپنائیت کا اظہار تھا لیکن رحمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہیں سامنے سڑک پر تھیں اور ذہن آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہا تھا......!!

☆☆☆☆☆

اگر علاقے کی پولیس نے بروقت جائے حادثہ پر پہنچ کر ان کی تصویریں نہ اتار لی ہوتیں تو شاید مرنے والی شخصیتوں کی شناخت بھی قانون کے نگہبانوں کے لئے ایک مسئلہ بن جاتی، اخبارات نے صفحہ اول پر ان تصاویر کو شائع کیا تھا۔ پہلی دونوں تصاویر شہباز اور جواہر والا کی لگ رہی تھیں لیکن دوسری تصاویر میں جلے ہوئے کوئلے کی طرح دو انسانی مجسمے نظر آرہے تھے۔ مرنے کے آدھ گھنٹے کے اندر اندر دونوں لاشیں جل کر گہری سیاہ ہوگئی تھیں بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے انہیں کسی بھٹی میں ڈال کر نکالا گیا ہو۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے ان دونوں کی موت کو کسی ایسے سریع الاثر زہر کا نتیجہ قرار دیا تھا جس نے نہ صرف انہیں فوری طور پر موت سے ہمکنار کر دیا تھا بلکہ اس زہر کی تپش نے ان کے جسم بھی جلا کر کوئلے کے مجسموں میں تبدیل کر دیئے تھے۔ سیٹھ جواہر والا کو فوری طور پر شناخت کر لیا گیا تھا جبکہ شہباز کو میک اپ میں ہونے کے باعث ہیلتھ کلب کے ایک ممبر ابرار نے شناخت کیا تھا۔ ابرار کے بیان کے مطابق شہباز بڑی پابندی سے اس درگاہ پر جانے کا عادی تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی اصل حالت میں وہاں حاضری دیا کرتا تھا لیکن اس روز روانگی سے پیشتر اس نے ابرار کو بتایا تھا کہ وہ فقیروں کا روپ بنا کر درگاہ پر آنے والے عقیدت مندوں کو قریب سے دیکھنے کا خواہاں ہے۔ ابرار نے پولیس کو بتایا تھا کہ اس روز وہ شہباز کے ساتھ ہی درگاہ تک آیا تھا لیکن اس کی ہدایت کے مطابق اس سے دُور دُور ہی تھا اور اس وقت شہباز کی سمت لپکا تھا جب اس نے اسے سیڑھیوں پر گر کر لڑھکتے دیکھا تھا لیکن کسی بروقت طبی امداد کے نہ ملنے کی صورت میں شہباز نے زندگی سے منہ موڑ لیا تھا پھر لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی لاش کا رنگ کوئلے کی مانند سیاہ ہوتا چلا گیا تھا۔

مقامی اخباروں نے ایک بار پھر درگاہ سے ملنے والی لاشوں کے سلسلے میں پولیس کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ دونوں مرنے والوں کا تعلق چونکہ اہم اور خاص لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا اس لئے ان کی زندگی کے بارے میں بھی کچھ تفصیلات شائع ہوئی تھیں لیکن بیشتر مواد پولیس کی مخالفت ہی میں تھا۔ اخبار نے اس بات کو خاص اہمیت دی تھی کہ مرنے والوں کی لاشیں ایک ہی انداز میں درگاہ کی سیڑھیوں پر پڑی تھیں جہاں اس وقت لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا لیکن قاتل یا قاتلوں کے سلسلے میں کسی نے کوئی نشاندہی نہیں کی تھی۔ کسی مشتبہ افراد کو بھی نہیں دیکھا گیا تھا لیکن اس کے باوجود انسانی زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور قاتل ابھی

تک قانون کی دسترس سے دور تھا۔ اخبارات نے جواہر والا اور شہباز کی موت کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر شہر میں آئے دن ہونے والے دھماکوں اور اموات کا احوال رقم کرتے ہوئے کھلم کھلا انداز میں ان حادثات کو پولیس کی جانب سے کھلی چھٹی قرار دیا تھا اور اعلیٰ حکام پر زور دیا گیا تھا کہ وہ ان حادثات کی روک تھام کے لئے جلد از جلد کوئی مؤثر قدم اٹھائیں ورنہ پولیس پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا، قاتلوں کی فوری گرفتاری اور انہیں قرار واقعی سزا دینے کا پر زور مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ مختلف طبقہء فکر کے خواص نے بھی شہر میں آئے دن رونما ہونے والے سنگین اور جان لیوا حادثات پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

ایس پی رحمان صاحب انسپکٹر زیدی کے ہمراہ اس وقت اس تھانے میں موجود تھے جس کی حدود میں واردات ہوئی تھی اور پولیس نے ابرار نامی گواہ کو مزید پوچھ گچھ کے لئے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا۔

’’کیا اس واردات سے پہلے بھی شہباز کبھی میک اپ میں درگاہ پر آ چکا تھا‘‘ رحمان صاحب نے ابرار سے دریافت کیا جو نہایت آرام سے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔

پولیس کی حراست میں ہونے کے باوجود اس کے چہرے سے گھبراہٹ یا پریشانی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔

’’ہو سکتا ہے پہلے بھی ایسا ہو چکا ہو لیکن میری اطلاع کے مطابق آج وہ پہلی بار فقیروں کے لباس میں آیا تھا۔‘‘ ابرار نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

’’کیا تم ہمیشہ مرنے والے کے ساتھ ہی درگاہ پر حاضری دیتے تھے۔‘‘

’’جی نہیں...... لیکن درگاہ پر ہم دونوں کا آمنا سامنا اکثر ہوتا رہتا تھا اس لئے کہ ہم دونوں ہی جمعرات کے روز شام کے وقت ہی وہاں جاتے تھے۔‘‘

’’کیا آج روانگی سے پیشتر تم نے شہباز کے طرز عمل سے کوئی ایسی بات محسوس کی تھی جسے اس کی موت سے نتھی کیا جا سکے۔‘‘

’’جی نہیں...... شہباز صاحب ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور نارمل نظر آ رہے تھے۔‘‘

’’روانگی سے قبل تم دونوں کی ملاقات کہاں ہوئی تھی۔‘‘

’’ہیلتھ کلب میں......‘‘

’’تمہارے بیان کے مطابق مقتول نے فقیروں کا روپ اس لئے دھارا تھا کہ وہ درگاہ پر آنے والے عقیدت مندوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا‘‘

’’جی ہاں......‘‘

’’ایسی صورت میں کیا یہ بات عجیب نہیں کہ اس نے بطور خاص تم ہی سے نہ صرف یہ کہ اپنی خواہش کا اظہار کیا بلکہ تمہارے ساتھ ہی درگاہ تک آیا۔‘‘

’’اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں۔‘‘

’’تم وہ واحد شخص ہو جس نے شہباز کی لاش کو شناخت کیا ہے۔‘‘

’’لاش کو نہیں......‘‘ ابرار نے تصحیح کی۔ ’’میں نے گرینڈ ماسٹر کو شناخت کیا تھا۔‘‘

’’تم مرنے والے کو کب سے جانتے ہو؟‘‘

’’ہماری ملاقات تقریباً پانچ ساڑھے پانچ سال پہلے اس وقت ہوئی تھی جب میں نے ہیلتھ کلب جوائن کیا تھا۔‘‘

’’آج سے پیشتر تم اور کتنی بار گرینڈ ماسٹر کے ہمراہ درگاہ آ چکے ہو۔‘‘ رحمان صاحب نے پہلو بدل کر سوال کیا، ان کی دوربین نگاہیں پوری توجہ سے ابرار کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات کو دیکھ رہی تھیں۔

’’میرا خیال ہے کہ دو تین بار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔‘‘

’’کیا تم دونوں ایک ساتھ درگاہ پہنچنے کے بعد گاڑی سے اترے تھے۔‘‘

’’جی نہیں......‘‘ ابرار نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ’’شہباز صاحب چونکہ میک اپ میں تھے اس لئے وہ تقریباً دو ڈھائی فرلانگ پہلے ہی اتر گئے تھے۔‘‘

’’گاڑی کس کی تھی۔‘‘

’’میری اور میں ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔‘‘

’’کیا تم دونوں کی واپسی بھی ایک ساتھ ہونی تھی......‘‘

’’جی نہیں......‘‘ ابرار نے کہا۔ ’’شہباز صاحب نے کہا تھا کہ واپسی پر وہ اپنی گاڑی سے جائیں گے، ان کے بیان کے مطابق انہوں نے اپنے ڈرائیور کو دو گھنٹے بعد درگاہ کے قریب کسی مخصوص مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔‘‘

’’کیا یہ تمام باتیں تمہیں عجیب نہیں لگی تھیں۔‘‘ رحمان صاحب نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’پہلے نہیں لگی تھیں، لیکن اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ شہباز صاحب کا فقیر کی حیثیت سے بھیس بدلنا کچھ اور معنی بھی رکھتا تھا۔‘‘ ابرار نے کہا۔ ’’ممکن ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت میک اپ میں درگاہ آئے ہوں لیکن انہیں ناکامی ہوئی اور دشمن اپنا کام کر گیا......‘‘

’’کیا تم اس مقصد کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہو۔‘‘ رحمان صاحب نے نرمی سے دریافت کیا۔

’’میں نے محض حالات کے پیش نظر ایک امکانی بات کہی ہے...... اصل مقصد تو مرنے والوں کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔‘‘

’’میرا خیال ہے کہ تم کوئی اہم بات پولیس سے چھپانا چاہ رہے ہو......‘‘ اس بار رحمان صاحب کا لہجہ قدرے تحکمانہ تھا۔

’’اور میرا خیال ہے کہ یہی باتیں عوام اور پولیس کے درمیان فاصلے کا سبب بنتی جا رہی

ہیں۔

''کیا مطلب......'' رحمان صاحب نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ نہ میں نے مرنے والے کی شناخت کے سلسلے میں زبان کھولی ہوتی، نہ مجھ پر شبہ کیا جاتا۔'' ابرار نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اتنا احمق ہوں کہ مجھے مرنے والے کی موت کا اصل سبب معلوم تھا اس کے باوجود میں نے زبان بند رکھنے کے بجائے پولیس کی رہنمائی کرنے کی حماقت کی اور خود کو بیٹھے بٹھائے ایک اُلجھن میں گرفتار کرا دیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہیں اس بات کا خدشہ لاحق ہو کہ کسی نہ کسی طرح تمہارا نام پولیس کی فہرست پر آجائے گا اس لئے تم نے ہمارے ساتھ تعاون کرنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی ہو۔''

''اور دوسری لاش کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔''

''لوگوں کے بیان کی روشنی میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے مرنے والا سیٹھ جواہروالا تھا......شہباز کی موت اس کے بعد واقع ہوئی تھی۔''

''میں نے بھی پولیس کو یہی بیان دیا ہے۔''

''کیا تم اندازے سے بتا سکتے ہو کہ ان دونوں کے قتل کا درمیانی وقفہ کیا رہا ہوگا۔''

''زیادہ سے زیادہ دس منٹ۔''

''جس وقت شہباز کی موت واقع ہوئی تم اس سے کتنے فاصلے پر تھے۔''

''کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ میرے سلسلے میں کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' اس بار ابرار کے تیوروں میں بھی تیکھاپن شامل تھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔

''مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں بتا چکا ہوں۔ اس سے زیادہ میں آپ کی معلومات میں کوئی اضافہ کرنے سے قطعی قاصر ہوں۔''

''تم اس وقت تھانے میں پولیس کی حراست میں ہو...... کیا سمجھے۔''

''آپ اگر چاہیں تو بخوشی مجھے مجرم گردان کر آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتے ہیں۔''

''میری بات غور سے سنو......'' رحمان صاحب ٹھوس آواز میں بولے۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ شہباز نے کسی خاص وجہ سے سیٹھ جواہروالا کو قتل کیا ہو اور اس کے بعد تم نے کسی خاص مصلحت کی بناء پر اسے اپنے راستے سے ہٹا دیا۔''

''اور اسی ضمن میں، میں آپ کو ایک خاص بات اور بتا دوں۔'' ابرار نے تیزی سے کہا۔ ''میں ایل ایل ایم کا طالبعلم ہوں اور سیشن جج افضال صاحب کا سب سے بڑا بیٹا ہوں اور بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے بلاوجہ پریشان نہیں کرسکتے...... دوسری صورت میں میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرنے کا حق بھی محفوظ رکھتا ہوں......''

رحمان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، ابرار کا جواب اور افضل صاحب کا نام سننے کے بعد وہ ٹپٹا کر رہ گئے تھے۔

☆

زاہد خان اس وقت اپنے ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھا اخبارات کے گہرے مطالعے میں غرق تھا۔ جواہروالا کی موت اس کی مرضی کے عین مطابق ہوئی تھی لیکن شہباز کے درمیان میں آجانے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ خاصی دیر تک وہ اخبارات کے صفحات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر اس نے گھنٹی بجا کر زمان خان کو طلب کیا۔ زمان خان کے آنے تک وہ خلاء میں سنجیدگی سے گھورتا رہا تھا۔ حالات جس پراسرار انداز میں رونما ہوئے تھے وہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ جواہروالا کی موت پر میڈم برلاس پر شبہ کیا جاسکتا تھا لیکن شہباز کا چکر درمیان میں آجانے سے وہ اُلجھ گیا تھا۔ پھر لاشیں جس حالت میں ملی تھیں وہ بھی قابل غور مسئلہ تھا اس کے علاوہ یہ بات بھی تعجب انگیز تھی کہ جواہروالا اور شہباز کو قتل کرنے کے لئے درگاہ ہی کا کیوں انتخاب کیا گیا؟ اور وہ شخص کون تھا جس نے لوگوں کے ہجوم میں یکے بعد دیگرے دو قتل کئے؟ لیکن زاہد خان کی اطلاع کے مطابق پولیس ابھی تک کسی مشکوک فرد کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی تھی، اس کے ذہن میں متعدد سوالات ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے کہ زمان خان کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا تم نے درگاہ پر پیش آنے والے حالات کی تفصیل پڑھ لی ہے۔'' زاہد خان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''جی ہاں......'' زمان خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میری اطلاع کے مطابق ایس پی رحمان صاحب اور علاقے کی پولیس بھی اس دہرے قتل کے معمے کو حل کرنے میں ابھی تک ناکام رہی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے...... جواہروالا کی موت میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔''

''میڈم برلاس کے علاوہ کسی اور پر شبہ نہیں کیا جاسکتا خان۔''

''اور شہباز کے بارے میں تم کیا کہو گے؟''

''ہوسکتا ہے کہ میڈم برلاس کے اشارے پر ہی شہباز نے جواہروالا کو ٹھکانے لگایا ہو۔'' زمان خان نے کہا۔ ''شہباز کے سلسلے میں یہ بات میرے علم میں پہلے سے ہے کہ وہ میڈم کا پرستار تھا اس کے علاوہ بذات خود بھی وہ پہلودار شخصیت کا مالک تھا۔ شیرا اور صمدانی کو بھی میری اطلاع کے مطابق اسی کے آدمیوں نے درمیان سے ہٹا دیا تھا۔''

''تم یہ بات مجھے پہلے بھی بتا چکے ہو۔'' زاہد خان نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کچھ سوالات ابھی تک میرے ذہن میں گونج رہے ہیں مثلاً یہ کہ میڈم برلاس یا شہباز نے جواہروالا کے قتل کے سلسلے میں درگاہ ہی کا انتخاب کیوں کیا جبکہ وہاں خاص طور پر جمعرات کے

دن عقیدت مندوں کا زیادہ ہجوم رہتا ہے۔''

''یہ بات میڈم برلاس کے علاوہ اور بھی بہت سارے لوگ جانتے ہیں کہ جواہر والا ہر جمعرات کو درگاہ پر پابندی سے جانے کا عادی تھا۔'' زمان خان نے جواب دیا۔''شہباز کے بارے میں بھی یہ بات مشہور تھی کہ وہ ہیلتھ کلب کی آڑ میں اور بھی بہت سارے ناجائز اور خطرناک کام کرنے کا عادی تھا۔''

''میں نے بھی سن رکھا ہے لیکن موجودہ حادثے میں ایک چیز خاص طور پر قابل وضاحت رہ جاتی ہے۔''

''وہ کیا......''

''شہباز کو کس نے قتل کیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ میڈم نے ایک تیر سے دو شکار کئے ہوں...... شہباز نے میڈم کی خاطر جواہر والا کو ہلاک کیا اور اسی وقت کسی تیسری شخصیت نے میڈم ہی کے اشارے پر شہباز کا کانٹا بھی درمیان سے نکال دیا۔''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ تیسری شخصیت کس کی تھی جس نے اتنے ہجوم میں اپنا کام بڑی خوبی سے کیا اور قانون کی نگاہوں سے بھی محفوظ رہا۔''

''ہوسکتا ہے کہ شہباز کو اپنے راستے سے ہٹانے کا کام میڈم کے بجائے خفیہ تنظیم کے سربراہ کے اشارے پر عمل میں آیا ہو۔''

''ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تنظیم کے سربراہ کو اس بات کا علم کس طرح ہوا کہ جواہر والا کا قتل ایک مخصوص وقت اور ایک مخصوص مقام پر ہونے والا ہے۔''

''ممکن ہے میڈم اور تنظیم کا سربراہ اندرونی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت رکھتے ہوں۔''

''امکان کی بات مت کرو زمان خان۔'' زاہد خان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔''مجھے ہر قیمت پر اس شخص کا نام درکار ہے جس نے شہباز کو قتل کیا ہے۔''

''دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہے خان...... میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد اس شخص کو بے نقاب کرسکوں۔''

''دونوں لاشوں کے کوئلہ بن جانے کے بارے میں تم کیا کہو گے۔''

''اس سلسلے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے کسی ایسے زہر کی نشاندہی کی ہے جو نہ صرف یہ کہ موت کا باعث بنا بلکہ اس کی حدت نے مرنے والوں کے جسم کو بھی جلا ڈالا۔''

''میڈم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' زاہد خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''جواہر والا کی موت کے بعد ہمارے راستے کا ایک پتھر درمیان سے ہٹ گیا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں خان لیکن ابھی ہمارا کوئی دوسرا قدم مناسب نہیں ہوگا۔'' زمان خان

نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''کوئی خاص وجہ..........''

''میرے خیال میں میڈم ہی اب واحد ذریعہ ہے جس کے توسط سے ہم تنظیم کے سربراہ تک پہنچ سکتے ہیں اور اس وقت ویسے بھی حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھائیں۔''

''رحمت علی کے سلسلے میں کوئی نئی رپورٹ۔''

''ابھی تک اس کا لڑکا بازیاب نہیں ہوسکا۔''

''اس پر خاص نظر رکھو...... وہ ہمارے کام کا آدمی ہے۔'' زاہد خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس کے بعد وہ دفتری امور کے سلسلے میں گفتگو کرنے لگے۔

☆......☆......☆

میڈم برلاس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا، وہ ٹکٹکی باندھے رحمت علی کو گھور رہی تھی جو اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا بڑی لاپرواہی سے ایک میگزین پڑھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں میگزین پڑھنے کے لئے نہیں بلایا تھا۔'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''فرمائیے...... کیا حکم ہے؟'' رحمت علی نے رسالہ رکھتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

''کیا آج کا اخبار تمہاری نظروں سے گزر چکا ہے۔''

''نہیں...... لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی کچھ خبریں میرے علم میں ہیں۔''

''مثلاً......'' میڈم نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''مثلاً یہ کہ سیٹھ جواہر والا اور گرینڈ ماسٹر شہباز کی موت اور ان کی کوئلہ بنی لاشیں جو پولیس کے لئے معمہ بنی ہوئی ہیں۔''

''جواہر والا کی موت میرے اشارے پر ہوئی تھی۔'' میڈم نے کہا۔

''اور شہباز کو ٹھکانے لگانے کے لئے مجھے بھی ویسا ہی سگار استعمال کرنا پڑا جیسا شہباز کے پاس موجود تھا۔'' رحمت علی نے بدستور لاپرواہی سے کہا۔''اس سگار کا ایک حیرت انگیز اور ناقابل یقین مظاہرہ آپ میرے سامنے کرچکی تھیں۔''

''شہباز کو تم نے کس لئے مارا ہے؟'' میڈم نے جھلا کر دریافت کیا۔

''وہ میری ضرورت تھا......'' رحمت علی نے سادگی سے جواب دیا۔

''کیا مطلب......؟''

''اکبر کی واپسی کے لئے تنظیم کے سربراہ نے یہی شرط رکھی تھی کہ میں گرینڈ ماسٹر کو ٹھکانے لگادوں۔''

''اور اکبر......؟''

''وہ کل رات ہی واپس گھر آگیا ہے۔'' رحمت علی تیزی سے بولا۔''تنظیم کا سربراہ اپنے

وعدے کا پکا ثابت ہوا۔''

''تم نہیں جانتے رحمت علی۔'' میڈم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔''شہباز میرے لئے کس قدر اہم تھا۔''

''اس کا تذکرہ آپ نے مجھ سے پہلے کبھی نہیں کیا۔'' رحمت علی کے لہجے میں ہلکا طنز بھی شامل تھا۔

''لیکن تم کو اس بات کا علم بہر حال میرے ہی ذریعہ ہوا تھا کہ میں نے فون پر جواہر والا کی موت کے لئے درگاہ کا حوالہ دیا تھا۔'' میڈم برلاس نے رحمت علی کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔''میں نے کس سے بات کی تھی اس کا علم اس وقت تمہیں نہیں تھا پھر وہ کون تھا جس نے تمہیں شہباز کے بارے میں بتایا تھا......''

''آپ اسے موت کی مہربانی بھی سمجھ سکتی ہیں۔'' رحمت علی نے کہا۔''جواہر والا کی موت کا تماشا دیکھنے گیا تھا اور قسمت ہی سے میں نے شہباز کو وہاں فقیر کے روپ میں بھی پہچان لیا...... پھر وہی ہوا جس کی ہدایت مجھے تنظیم کے سربراہ نے دی تھی۔''

''اور اگر تمہیں پہلے سے اس بات کا علم ہوتا کہ شہباز میرے خاص آدمیوں میں سے ایک تھا تو تم کیا کرتے۔'' میڈم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''ایسی صورت میں بھی اکبر کی زندگی بچانے کی خاطر مجھے شہباز کو راستے سے ہٹانا پڑتا اس لئے کہ کم از کم میرے لئے اکبر کی بازیابی شہباز کی موت سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔''

''میں اگر چاہوں تو ایس پی رحمان کو دونوں لاشوں کے جل کر کوئلہ ہونے کا سبب بتا سکتی ہوں۔'' اس بار میڈم کا لہجہ قدرے خشک تھا۔

''لیکن آپ ایسا نہیں کریں گی۔'' رحمت علی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس لئے کہ ایسی صورت میں آپ کو رحمان صاحب کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ پراسرار اور حیرت انگیز سگار شہباز اور مجھ تک کس طرح پہنچے تھے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو رحمت علی...... میرے لئے۔'' میڈم نے تعجب کا اظہار کیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اب برلاس انٹر پرائز سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا، میں اپنا استعفیٰ بھی آپ کے حوالے کر چکا ہوں۔''

''لیکن دوست کی حیثیت سے ہمیں ایک دوسرے کا مفاد پیش خاطر رکھنا چاہئے۔''

''آپ کی یہ شکایت بھی بیجا ہے۔'' رحمت علی نے کہا''گرینڈ ماسٹر شہباز کے سلسلے میں آپ نے کبھی اشارۃً بھی مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''لیکن تم بہر حال کسی نہ کسی طرح اس کے بارے میں جانتے تھے۔''

''میں انکار نہیں کروں گا۔'' رحمت علی نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔''یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ شیرا اور صمدانی کی موت کے پیچھے بھی گرینڈ ماسٹر کا ہاتھ تھا۔''

''کیا میں ایک دوست کی حیثیت سے تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تمہیں اس راز سے کس نے آگاہ کیا ہے۔'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی میرا دوست ہی ہے اس لئے میں اس کے ساتھ دغا نہیں کر سکتا۔''

''گویا اب تم مجھے چھوڑ کر تنظیم کے سربراہ کا ساتھ دو گے۔'' میڈم نے رحمت علی کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''ضروری نہیں......''

''تم......'' میڈم نے تھوڑے سے توقف سے کہا۔''تم اب میرے لئے بڑے پراسرار ہوتے جا رہے ہو، مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔''

''یہ آپ کی سوچ ہے ورنہ میں آج بھی آپ کے ساتھ ہوں...... ایک دوست کی حیثیت سے۔'' رحمت علی نے پہلو بدل کر کہا۔''میں آج بھی آپ سے آپ کے دشمنوں کی فہرست مانگتا ہوں...... انہیں ٹھکانے لگانا میرا کام ہوگا۔''

''مجھے اب تمہارے بارے میں سوچنا پڑے گا۔''

''میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں...... آپ جب چاہیں مجھے آزما سکتی ہیں۔''

''اگر میں تمہیں اپنے دشمنوں کے نام سے آگاہ کر دوں تو کیا تم تنظیم کے سربراہ کو بھی برے راستے سے ہٹا دو گے۔''

''آپ نام بتا کر دیکھیں...... ہوسکتا ہے کہ میں آپ کی کسوٹی پر پورا اتروں۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے......'' میڈم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔''میں تمہاری دوستی کو ضرور آزماؤں گی۔''

''یہ میری خوش قسمتی ہوگی......''

''ایک بات یاد رکھو......'' میڈم نے اس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''رحمان صاحب یا پولیس کے کسی کارندے کو بھی شہباز یا جواہر والا کی موت اور سگار کے بارے میں کوئی بھنک بھی نہیں ملنی چاہئے۔''

''اسی میں ہم دونوں کی عافیت بھی ہے۔'' رحمت علی معنی خیز انداز میں مسکرایا اور میڈم برلاس ایک بار پھر اسے ٹٹولتی نظروں سے گھورنے لگی۔

☆

فون کی گھنٹی دوبارہ بجی تو رحمت علی کی پیشانی پر آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہوگئیں۔ کوئی پندرہ منٹ پیشتر اسے ایک پیکٹ موصول ہوا تھا جو سربمہر تھا۔ مہر کے طور پر بھونرے کی ابھری ہوئی سیل استعمال کی گئی تھی جو تنظیم کے سربراہ کا مخصوص نشان تھا۔ اس کے بعد اسے فون پر حکم ملا تھا کہ اسے وہ پیکٹ مغربی گھاٹ پہنچ کر تنظیم نامی لانچ کے ناخدا کے حوالے کرنا تھا، ہدایت

تنظیم کے سربراہ نے دی تھی۔ روانگی کا وقت بھی طے کر دیا گیا تھا اور حالات کے پیش نظر رحمت علی نے دل پر جبر کر کے حامی بھی بھر لی تھی لیکن اس کا ذہن برابر کام کر رہا تھا۔ وہ تنظیم کے سربراہ اور دوسرے ایسے تمام افراد کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ملک کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرنے میں ملوث تھے۔ وہ ایسے تمام افراد کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کچھ نام اس کے ذہن میں نقش تھے کچھ کی دھندلی دھندلی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ خود بھی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث رہ چکا تھا لیکن اب اس نے عذرا کے بے حد اسرار پر واپسی کا ارادہ کر لیا تھا، اکبر کے اغواء نے اس کی واپسی کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ اسے اپنی موت کی مطلق کوئی فکر نہیں تھی۔ اس نے اپنے مستقبل کے انجام کے بارے میں بھی کوئی غور وخوض نہیں کیا تھا۔

مغربی گھاٹ تک جانے کا حکم سننے کے بعد بھی اس کے ذہن میں آندھیاں چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں آیا تھا کہ وہ اس حکم کی بجا آوری سے کھل کر انکار کر دے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ہر قیمت پر دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا لیکن ابھی تک وہ تنظیم کے سربراہ کی حیثیت سے کسی نام کو ذہن میں پختہ نہیں کر سکا چنانچہ اس نے وہ پیکٹ مغربی گھاٹ تک پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی اس وقت وہ خاموش بیٹھا اس مہر شدہ پیکٹ کو حقارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جب فون کی گھنٹی کی آواز نے اس کے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا، اس نے نفرت بھری نظروں سے فون کو دیکھا پھر مجبوراً اسے کال ریسیو کرنی پڑی، دوسری جانب سے مونیکا کی مانوس آواز ابھری تھی۔

''میں تم سے ایک خاص سلسلے میں فوری طور پر ملنا چاہتی ہوں۔''

''سوری مونیکا۔'' اس نے دستی گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت میں تم سے کسی قیمت پر نہیں مل سکتا۔''

''کیا مطلب......؟'' دوسری جانب سے مونیکا کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

''مجھے ایک خاص مشن پر جانا ہے۔'' رحمت علی نے مدھم لہجے میں کہا۔ 'بھنورے کی شکل کا ایک حکم پورا کرنا ہے۔''

''آئی سی......لیکن تم نے تو کچھ اور فیصلہ کیا تھا۔''

''شیر کو شکار کرنے کے لئے اکثر صحت مند جانوروں کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔''

''جو قدم بھی اٹھانا سوچ سمجھ کر اٹھانا۔'' مونیکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں ٹریپ کرنے کی خاطر کوئی جال بچھایا گیا ہو۔''

''میری فکر نہ کرو......تم سناؤ کیا ضروری کام پیش آ گیا ہے۔''

''فون پر تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکتی......تم اپنے مشن سے کب تک فارغ ہو جاؤ گے۔''

''یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''ٹھیک ہے......میں کل صبح تمہیں دوبارہ فون کروں گی۔''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو غالباً تم شہباز کی موت کے سلسلے میں......''

''کیا تمہارا فون محفوظ ہے۔'' مونیکا نے تیزی سے سوال کیا۔

''ہاں......تم جو چاہو آرام سے کہہ سکتی ہو۔''

''بڑے خان کا نام سنا ہے تم نے......؟''

''ہاں......کیوں؟'' رحمت علی نے تیزی سے دریافت کیا بڑے خان کے حوالے پر اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''میرے پاس اس کی نقل وحرکت کی ایک خاص اطلاع ہے۔''

''گڈ......'' رحمت علی نے ایک بار پھر اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس وقت رات کے پونے بارہ بجے تھے اور اسے تنظیم کے سربراہ کی ہدایت کے مطابق ٹھیک ساڑھے بارہ بجے گھر سے روانہ ہونا تھا، مغربی گھاٹ تک جانے کا روٹ بھی بتایا گیا تھا جس پر اسے سختی سے عمل کرنے کی تاکید کی گئی تھی، وقت کا خیال کرتے ہوئے اس نے مونیکا سے کہا۔ ''خان کا شکار بھی میرے لئے یقیناً دلچسپ ہی ثابت ہوگا۔''

''خیال ہے تمہارا......وہ کسی لومڑی سے زیادہ چالاک اور آدم خور چیتے سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا ہے......تم اسے تنہا شکار نہیں کر سکو گے۔''

''پھر......''

''میرے خیال میں اسے شکار کرنے کے دو طریقے ممکن ہیں۔'' مونیکا کی آواز سنائی دی۔ ''تم چاہو تو رحمان صاحب کی نگاہوں میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے انہیں بھی ٹپ دے سکتے ہو، دوسری صورت میں تنظیم کے سربراہ کو بھی آزمایا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس طرح تم ان دونوں کے ٹکرانے سے اپنی منزل کا سراغ لگا سکو......''

''نقل وحرکت کب تک متوقع ہے......''

''دو روز بعد......''

''اور تمہیں ابھی سے اطلاع مل گئی......'' رحمت علی نے تعجب کا اظہار کیا۔

''تم خوش قسمت ہو جو تمہاری دوستی نے مجھے بے دام خرید لیا ہے ورنہ سردار نے غلط نہیں کہا تھا کہ میرے کاٹے کو پانی بھی نصیب نہیں ہوتا۔''

''تمہارے سلسلے میں میں نے ایک جوا کھیلا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میرا پانسہ غلط نہیں پڑا۔''

''تم جواری نہیں بلکہ جادوگر ہو جس نے زندگی کی آخری سانسوں تک مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔'' مونیکا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے......اوکے، باقی باتیں صبح ہوں گی۔'' رحمت علی نے جواب

دیا پھر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی مہم پر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ عذرا سامنے آ گئی۔

"اتنی رات گئے تو کہاں جا رہا ہے رحمتے......"

"قرض اتارنے......" رحمت علی نے ریڈیو نما ٹرانسمیٹر اٹھاتے ہوئے کہا جو اسے پیکٹ کے ساتھ ہی موصول ہوا تھا۔

"کیا مطلب......؟" عذرا نے اسے حیرت سے گھورا۔ "کچھ دنوں سے تو عجیب وغریب اور موٹی موٹی باتیں کرنے لگا ہے، اتنی رات گئے یہ قرض کہاں سے آ گیا۔"

"تو یہ کیوں بھول رہی ہے عذرا! کہ اکبر کی واپسی کے لئے میں نے اس کے اغواء کرنے والوں کو کچھ زبان دی تھی۔" رحمت علی سنجیدگی سے بولا۔

"تو کیا............ تو پھر کسی ایسے ویسے کام کے لئے جا رہا ہے۔" عذرا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ سلسلہ کب ختم ہوگا رحمتے...... تو نے مجھ سے واپسی کا وعدہ کیا تھا۔"

"فکر مت کر عذرا...... اب یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہو جائے گا...... واپسی ضرور ہوگی خواہ اس کے لئے مجھے کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔"

"اپنا دھیان رکھنا رحمتے۔" عذرا اُس کے بازو تھام کر بڑے پیار سے بولی۔ "ہم سب تیری وجہ سے زندہ ہیں۔"

"تو کفر بک رہی ہے دیوانی۔" رحمت علی نے تیزی سے کہا۔ "ہم سب اوپر والے کی مرضی سے زندہ ہیں اور اپنے اپنے نمبر کی راہ تکتے رہتے ہیں...... رہا میرا سوال تو میں واپسی کی طرف ضرور قدم اٹھاؤں گا۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ انسان کو اپنی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ ہر حال میں ادا کرنا پڑتا ہے...... اور میں اس کے لئے خود کو تیار کر چکا ہوں۔"

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں......"

"اب آنے لگیں گی......" رحمت علی ایک سرد آہ بھر کر بولا پھر اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آ گیا۔

پانچ منٹ بعد ہی اس کی کار مغربی گھاٹ جانے والے راستے پر فراٹے بھر رہی تھی اور گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہا تھا، واپسی کے سفر کے لئے اسے قربانی بھی دینی تھی، اپنا راستہ بھی صاف کرنا تھا اور ان لوگوں کے طویل القامت بت بھی ڈھانے تھے جنہوں نے اسے غلط راستے پر ڈالا تھا، جو اس کی کمزوری اور مجبوری سے فائدہ اٹھا رہے تھے جنہوں نے اس کی واپسی کے راستے قدم قدم پر مسدود کر رکھے تھے۔ وہ ان تمام رکاوٹوں کو توڑنے کا عہد کر چکا تھا۔ واپسی کی راہ رحمت کا پہلا قدم تھا۔ اس کی لسٹ پر میڈم اور زاہد خان کے نام بھی تھے لیکن وہ سب سے پہلے خفیہ تنظیم کے پراسرار

سربراہ کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا، اسے شبہ تھا کہ ڈاکٹر نادر ہی تنظیم کا سربراہ تھا لیکن اس شبہے کو یقین کی صورت میں بدلنے سے پہلے وہ کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

اپنے راستے کے وزنی اور بھاری پتھروں کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کا ذہن مونیکا کی سمت گھوم گیا جس نے اس کے ساتھ دوستی نبھانے کا وعدہ کیا تھا، وہ اپنی ذات میں کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ میڈم براس کے ساتھ منسلک ہونے کے باوجود اس وجود کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شہباز کی موت میں بھی اسی نے معاونت کی تھی اور اب اس کے پاس زاہد خان کے سلسلے میں کوئی مخصوص اطلاع تھی اس کے تعلقات لامحدود اور اثر ورسوخ بے پناہ تھا۔ رحمت علی نے زندگی کے دوراہے پر کھڑے ہو کر بڑی امیدوں سے اس کی جانب قدم اٹھایا تھا اور اسے اپنے منصوبے میں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

ہوا کے سرد تھپیڑے اس کے بالوں کو اڑا رہے تھے۔ سنسان سڑک پر اس کی گاڑی برق رفتاری سے فراٹے بھر رہی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی واپسی کے راستوں کا تعین بھی کرتا جا رہا تھا۔ اب تک وہ تنظیم کے سربراہ کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا جس نے اسے مغربی گھاٹ تک پہنچنے کے لئے طویل راستہ اختیار کرنے کی تاکید کی تھی، اسی راستے کے درمیان ایک گوٹھ بھی پڑتا تھا جہاں دودھ والوں نے غیر آباد زمین پر قبضہ کر کے اپنی بستی بسا رکھی تھی، وہ ابھی اس بستی سے پچاس گز دور تھا کہ اچانک اس کا ریڈیو ٹرانسمیٹر جاگ اٹھا۔

"ہیلو۔" اس نے ٹرانسمیٹر منہ کے قریب کر کے لاپروائی سے کہا۔

"آگے خطرہ ہے......" دوسری جانب سے تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "کسٹم کے اسپیشل چیکنگ اسکواڈ کے پانچ آدمی مغربی گھاٹ تک آنے جانے والی گاڑیوں کی تلاشی لے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ تم سے ٹکرانے کی کوشش کریں۔"

"پھر...... میرے لئے کیا حکم ہے۔" رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے محض تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کیا ہے تاکہ تم محتاط رہ سکو۔" دوسری جانب سے ٹھوس آواز میں جواب ملا۔ "قدم آگے بڑھا کر پیچھے ہٹانا بزدلوں کا شیوہ ہے تم فکر مت کرنا، جن لوگوں نے مجھے کسٹم کے شکاریوں کی اطلاع دی ہے وہی ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، خطرے کی صورت میں وہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کردار ادا کرنا ہے، موت اور زندگی کا کھیل کھیلنا میری فطرت ہے...... تم گاڑی کو اسی راستے لے جاؤ گے جس کی نشاندہی پہلے سے کردی گئی ہے...... اوور اینڈ آل۔" دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا، رحمت علی محتاط ہو گیا کر بیٹھ گیا، اس نے اپنا خاموش آٹومیٹک ریوالور نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ لیا تاکہ اس کے استعمال میں دیر نہ لگے، اس کی نگاہیں ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سامنے کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن اس کے ذہن میں سربراہ کا ایک جملہ صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ "موت اور زندگی کا کھیل میری فطرت ہے۔" اور اس جملے کی پشت پر اسے ڈاکٹر نادر کی شکل واضح ہوتی

نظر آ رہی تھی۔

گوٹھ میں داخل ہوتے ہی کسٹم کے افراد نے اچانک تاریکی سے روشنی میں آ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا لیکن قبل اس کے رحمت علی اپنی کار کی رفتار کم کرتا سامنے روشنی میں کھڑا ہوا نوجوان افسر خون میں نہا کر زمین بوس ہو گیا۔ فضا میں اچانک خودکار آتشی اسلحہ کی گونج ابھر کر رات کے سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ تنظیم کے سربراہ کے زرخرید لوگوں نے کسٹم کے افراد پر فائر کھول دیا تھا۔ پھر دوسری جانب سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی رات کے سناٹے میں گولیوں کی آواز بڑی پراسرار اور دہشت ناک معلوم ہو رہی تھی۔ رحمت علی نے فوری طور پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں۔ فائرنگ کی آواز سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ دو پارٹیوں کے درمیان گھر گیا ہے۔ ایک لمحے کو اس نے کچھ سوچا پھر تیزی سے اندھیرے کے باوجود اس نے اندازے سے وہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھ گیا۔ گاڑی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی برق رفتاری سے آگے بڑھی تھی لیکن شاید رحمت علی کی بدقسمتی تھی کہ اندھیرے میں سنسناتی ہوئی کوئی گولی اس کے اگلے ٹائر کا سینہ چیرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ تیز رفتار گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی رحمت علی کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ اسی لمحے ایک کرخت آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''خبردار! بھاگنے کی کوشش مت کرنا...... تم پوری طرح ہمارے گھیرے میں ہو۔''

اس آواز کے اختتام کے ساتھ ہی ایک کربناک چیخ کی آواز بلند ہوئی اس کے بعد فائرنگ کے تبادلے میں تیزی آ گئی۔ رحمت علی نے گاڑی کا انجن بند کر دیا۔ پیکٹ کو جیب میں رکھنے کے بعد وہ اپنا آٹومیٹک ریوالور لیتا ہوا تیزی سے باہر کی سمت لپکا تھا لیکن نیچے اترتے ہی لوہے کی ایک سرد اور ٹھوس شے اس کی گردن پر جم گئی اس کے ساتھ ہی ایک سرسرائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''پیکٹ میرے حوالے کر دو......''

''کون ہو تم......؟'' اس نے تیزی سے اپنی پوزیشن بدل کر جوابی حملے کی کوشش کی لیکن اس کے ستارے شاید گردش ہی میں تھے کہ ایک ضرب اس کے ہاتھ پر لگی اور آٹومیٹک ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی نگاہوں کے سامنے سینکڑوں سورج طلوع ہو کر تیزی سے غروب ہوتے چلے گئے۔ پشت سے کیا جانے والا حملہ اتنا ہی شدید تھا کہ اس کا ذہن بیہوشی سے ہمکنار ہونے لگا، کسی کے آہنی ہاتھوں نے اسے چکرا کر گرنے سے بچا لیا تھا۔

''تم گاڑی کا وہیل تبدیل کرنے کی کوشش کرو...... جلدی، اتنی دیر میں ہمارے ساتھی دشمنوں سے نپٹ لیں گے۔'' رحمت علی کے ذہن میں کسی کی سرگوشی گونجی پھر اس کا ذہن بیہوشی کی شدید کیفیتوں سے دوچار ہوتا چلا گیا، بس اسے اتنا یاد رہ گیا تھا کہ وہ کسی تناور درخت کی کٹی ہوئی شاخ کی مانند کسی کے آہنی ہاتھوں پر جھول گیا تھا......!!

☆☆☆☆☆

آنکھ کھلی اور ذہن بیدار ہوا تو اس نے خود کو کسی ہسپتال کے کمرے میں پایا، سورج کی روشنی روشندان کے ذریعے کمرے میں آ رہی تھی، ابھی وہ کروٹ لینے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ایس پی رحمان کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''حادثہ رات کے کس وقت پیش آیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت رات کے گیارہ سوا گیارہ کا عمل تھا۔ ہم دونوں برگر ہاؤس سے پونے گیارہ بجے واپسی کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔'' کسی تیسری شخصیت نے جو کمرے میں پہلے سے موجود تھی بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''وہ اسکوٹر والا بس اچانک ہی سائیڈ لین سے مین روڈ پر آ گیا تھا۔ اگر رحمت علی نے اسے بچانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو وہ چٹنی بن جاتا لیکن اس کوشش میں گاڑی قابو سے باہر ہو گئی اور روکتے روکتے اسکول کی دیوار سے ٹکرا گئی، اسپیڈ کم نہ ہوتی تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کی جان بھی جا سکتی تھی۔''

''اور آپ نے اس حادثے کی اطلاع قریبی تھانے میں کر دی۔'' رحمان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''حالانکہ اگر چاہتے تو آپ وہاں سے بغیر پولیس کو اطلاع دیئے ہوئے بھی جا سکتے تھے۔''

''قانونی خانہ پُری کرنا میں نے ضروری سمجھا تھا۔'' تیسری شخصیت نے جواب دیا۔ ''اس وقت تک مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میرے دوست کو زیادہ شدید چوٹ نہیں آئی ہے۔''

''ڈاکٹروں کا کیا کہنا ہے۔''

''معمولی طور پر بیہوشی کا اثر باقی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہوش آنے پر آج ہی ہسپتال سے رخصت کر دیا جائے۔''

رحمت علی کا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ وہ اس آواز کو بھی پہچان چکا تھا جو ایس پی رحمان کو ایک فرضی کہانی سنا رہی تھی۔ مغربی گھاٹ والے حادثے کے وقت بیہوش ہونے سے قبل وہی آواز اس کے ذہن میں گونجی تھی۔ اس نے اپنے کسی ساتھی سے گاڑی کا وہیل تبدیل کرنے کو کہا تھا۔ جس انداز میں وہ ایس پی رحمان سے گفتگو کر رہا تھا اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے خود کو رحمت علی کا دوست ہی ظاہر کیا ہوگا اور ہسپتال میں اس کی موجودگی کا مقصد بھی غالباً یہی تھا کہ وہ رحمت علی کو ہوش آتے ہی تاکید کر سکے کہ اسے پولیس کو کیا بیان دینا ہے۔ لیکن ایس پی رحمان کو اس حادثے کی اطلاع کس طرح ہو گئی تھی۔ رحمت علی نے سوچا پھر

اس کا جواب بھی اسے کسی ذہنی جمناسٹک کے بغیر ہی مل گیا۔

''تمہارا دوست میرے اچھے خاصے واقف کاروں میں سے ہے۔'' رحمان صاحب کی آواز ابھری۔ ''تم نے جس تھانے میں رپورٹ لکھوائی تھی وہاں کا ایک آفیسر اس بات سے واقف ہے۔ اسی نے مجھے اطلاع دی تھی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ حادثہ جان لیوا ثابت نہیں ہوا ورنہ گاڑی جس انداز میں کاٹی گئی تھی اس نے مجھے بوکھلا ہی دیا تھا۔''

''ٹھیک ہے، اب میں چلتا ہوں۔'' رحمان صاحب نے کہا۔ ''رحمت علی کو ہوش آجائے تو اسے میری آمد کی اطلاع ضرور دے دینا۔''

''رائٹ سر......''

پھر قدموں کی آواز ابھر کر دور ہوتی چلی گئی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے بعد ہی رحمت علی نے کروٹ بدلی تھی۔ کمرے میں وہ تنہا نہیں تھا۔ چھریرے بدن کا ایک شخص اور بھی تھا جسے رحمت علی پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

''تم......؟''

''خاکسار کو استاد رضوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' اجنبی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا پھر معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ جب میں تمہارے دوست رحمان صاحب سے گفتگو کر رہا تھا اس وقت تم ہوش ہی میں تھے، تمہارا بیان وہی ہونا چاہئے جو میں نے دیا ہے...... باس کا حکم بھی یہی ہے۔''

''باس کون......؟'' رحمت علی نے سوال کیا۔

''وہی جس نے تمہیں مغربی گھاٹ جانے کا حکم دیا تھا۔'' استاد رضوی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ٹکراؤ کا نتیجہ کیا نکلا......''

''دونوں طرف کے لوگ کام آئے ہیں لیکن باس کا مشن ادھورا نہیں رہا۔ وہ پیکٹ جو تمہیں دیا گیا تھا اس کی ڈلیوری کی ذمہ داری میں نے پوری کی تھی۔''

''کیا تم باس سے کبھی ملے ہو......''

''یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تمہارا جواب بھی نفی میں ہوگا۔'' استاد رضوی نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''ہمیں کام کا جو معاوضہ ملتا ہے وہ ہماری محنت سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اس لئے ہمیں صرف آم کھانے سے غرض ہونی چاہئے۔''

''تم باس کے لئے کب سے کام کر رہے ہو......''

''کل رات ہم دونوں سوسائٹی کے علاقے میں برگر ہاؤس پر تھے۔ ہماری واپسی پونے گیارہ بجے ہوئی تھی، روڈ سنسان تھی اس لئے تم گاڑی خاصی رفتار سے چلا رہے تھے پھر ایک

اسکوٹر والے کے اچانک سامنے آجانے سے تم بوکھلا گئے، تم نے اسے بچانے کی خاطر اسٹیئرنگ کو تیزی سے کاٹا تھا اور اس کے نتیجے میں تمہاری گاڑی ایک گرلز اسکول کی دیوار سے ٹکرا گئی تھی، اس کے بعد تمہیں کوئی ہوش نہیں رہا۔ ہوش آنے پر تم نے خود کو اسی کمرے میں پایا تھا۔'' استاد رضوی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے سنجیدگی سے کہا۔ ''باس کے حکم کے مطابق تمہارا یہی بیان ہونا چاہئے۔''

''اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کب سے واقف ہیں۔'' رحمت علی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''دو تین مہینے سے۔'' استاد رضوی نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہماری ملاقات ایک ورائٹی پروگرام میں ہوئی تھی اس کے بعد ہی ہم دونوں خیالات کی ہم آہنگی کے سبب قریب ہوتے گئے۔''

''تمہاری رہائش گاہ کا پتہ کیا ہے۔''

''ٹوئنٹی فور ویلکم گیسٹ ہاؤس، کلفٹن جہاں میں تنہا رہتا ہوں۔'' استاد رضوی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''کام کیا کرتے ہو......''

''ناتجربہ کار لوگوں کو موت کے منہ سے بچاتا ہوں......'' استاد رضوی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کل رات ہی کا واقعہ لے لو اگر میں نے بروقت تمہاری مدد نہ کی ہوتی تو شاید تم بھی اندھیرے میں سنسناتی ہوئی گولی کی زد میں آگئے ہوتے اور وہ پیکٹ جو باس نے تمہیں دیا تھا اس وقت کسٹم کے عملے کی تحویل میں ہوتا۔''

''مجھے امید ہے کہ ہماری ملاقات آئندہ بھی دوستوں کی طرح ہوتی رہے گی۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ تم میرے بارے میں کھوج لگانے کا ارادہ کبھی نہیں کرو گے۔''

''باس کے خاص آدمی معلوم ہوتے ہو......''

''ہم دونوں میں کون زیادہ اہم ہے اس کا فیصلہ باس ہی کر سکتا ہے۔'' استاد رضوی نے جواب دیا۔

''تم خاصے دلچسپ آدمی ہو۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔''

''میں اب چلتا ہوں...... شام کو کسی وقت دوبارہ آؤں گا ویسے میرا خیال ہے کہ تمہیں آج یا کل کسی وقت یہاں سے چھٹی مل جائے گی۔'' استاد رضوی نے اٹھتے ہوئے کہا پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ حالات کے پیش نظر مجھے تمہارے اوپر کاری ضرب لگانی پڑی تھی لیکن اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا...... پیکٹ ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں باس ہم دونوں کو کبھی معاف نہ کرتا۔''

"تمہارا کیا خیال ہے...... کیا کل رات کو مغربی گھاٹ کے قریب درپیش آنے والے خونی حادثے کا ذکر اخبارات میں نہیں آجائے گا۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ضرور آئے گا لیکن میں نے وہاں سے روانگی سے قبل اس بات کی تصدیق کرلی تھی کہ پولیس کو بیان دینے کے لئے ہمارا کوئی آدمی زندہ حالت میں نہیں تھا جو بچ گئے ہیں انہیں کچھ دنوں تک انڈر گراؤنڈ رہنے کی ہدایت کردی گئی ہے اور کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں...... صرف ایک اہم سوال۔"

"پوچھو......"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ کسٹم کے عملے کے ہاتھ گرفتار ہوجانے کی صورت میں باس ہمارے لئے کسی کام آسکتا تھا۔"

"میں نے آج تک ان فضول باتوں میں سر نہیں کھپایا...... جو کام کرتا ہوں اس کی منہ مانگی اجرت وصول کرتا ہوں اس لئے پیش آنے والے حادثے کی ذمہ داری بھی ہماری اپنی ہی ہوتی ہے۔" استاد رضوی نے زہر خند سے جواب دیا پھر تیزی سے ایڑیوں کے بل گھوما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

رحمت علی کے ذہن میں گزشتہ رات پیش آنے والے واقعات کی یاد تازہ ہونے لگی پھر اس کے ذہن میں تنظیم کے سربراہ کا جملہ گونجنے لگا۔ "موت اور زندگی کا کھیل میری فطرت ہے۔" اور اس جملے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر نادر کی شخصیت بھی مشکوک سے مشکوک تر ہوتی چلی گئی، اس نے استاد رضوی کے بارے میں بھی غور کیا۔ وہ انتہائی چالاک، پھرتیلا اور چلتا پرزہ لگا تھا لیکن شاید وہ پراسرار تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ناواقف ہی تھا لیکن رحمت علی کے ذہن میں بہرحال وہ شدید ضرب محفوظ تھی جس نے اسے بیہوشی کی کیفیت سے دوچار کردیا تھا۔ وہ اس حساب کو چکتا کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆

ریسیور پر ابھرنے والی آواز سنتے ہی میڈم برلاس کے چہرے پر نفرت اور حقارت کے ملے جلے تاثرات پھیل گئے تھے۔

"فون کرنے کا مقصد بیان کرو۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"مجھے معلوم ہے مائی ڈیئر...... تمہیں شہباز کی موت کا بہت صدمہ ہے لیکن وہ صرف تمہارے لئے نہیں میرے لئے بھی کسی وقت خطرے کی گھنٹی ثابت ہوسکتا تھا۔"

"کام کی بات کرو......"

"تم چاہو تو میں تمہاری سمت دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تمہاری پیشکش قبول کرلوں گی۔"

"دانشمندی کا یہی تقاضا ہے کہ ہم مل کر کام کریں۔" سنجیدگی سے کہا گیا۔ "سیٹھ

جواہر والا اور شہباز کے بعد ہمارے راستے کا ایک ہی کانٹا باقی رہ گیا ہے...... زاہد خان...... ہم مل کر اسے نیچا دکھا سکتے ہیں۔"

"اوہ......" میڈم نے زہر خند سے کہا۔ "گویا تم مجھے ساتھ ملائے بغیر زاہد خان سے نہیں ٹکرا سکتے۔"

"خیال ہے تمہارا ورنہ زاہد خان بھی میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تم نے شہباز کو خطرے کی گھنٹی کہا تھا...... کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں...... اس نے تمہاری رعایت حاصل ہونے کے سبب ہاتھ پیر نکالنے شروع کردیئے تھے۔" دوسری جانب سے سنجیدگی سے کہا گیا۔ "تم کو شاید یقین نہ آئے لیکن وہ کئی بار ہمارے راستے کاٹنے کی حماقت کرچکا تھا چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ درخت کو تناور ہونے سے پہلے ہی جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔"

"اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کرسکتے ہو......؟"

"ہم جس راستے کے مسافر ہیں اس میں ایک معمولی سا شبہ بھی بہت بڑا ثبوت ہوتا ہے لیکن تم نے آنکھ بند کرکے اس پر اندھا اعتماد شروع کردیا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ تمہارے پرستاروں میں سے ایک تھا۔"

"ایک تھا سے تمہاری کیا مراد ہے۔" میڈم نے تیزی سے سوال کیا۔

"تم چاہو تو اب مجھے شہباز کی جگہ دے سکتی ہو۔"

"کمینگی کی باتوں سے پرہیز کرو! میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونے کی عادی نہیں ہوں۔"

"میں نے اسی اجنبیت کو دور کرنے کی خاطر تمہیں دوستی کی دعوت دی ہے۔ اسی میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔"

"زاہد خان کا کیا کرو گے۔" میڈم نے قدرے تامل سے کہا۔ "کیا ہمارے مل جانے کے بعد وہ راستے سے ہٹ جائے گا۔"

"نہیں میں اس کی خصلت سے بخوبی واقف ہوں۔ بہت کینہ پرور اور گھٹیا ذہنیت کا مالک ہے۔ انتقام لینا اس کی سرشت میں داخل ہے مگر وہ ٹھنڈا کرکے کھانے کا عادی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ برلاس انٹرپرائز کی تباہی میں اسی کا ہاتھ ہو اور اس نے نہایت خوبصورتی سے اس تمام ذمہ داری سیٹھ جواہر والا کے سر ڈال دی ہو۔"

"یہی شبہ میں تمہارے لئے بھی کرسکتی ہوں۔"

"نہیں...... میں چوروں کی طرح سے چھپ کر پشت پر وار کرنے کا عادی نہیں ہوں، للکار کر مارنے کا عادی ہوں۔"

"شہباز کے سلسلے میں کیا وضاحت پیش کرو گے؟" میڈم برلاس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

''میں اسے بھی متعدد بار وارننگ دے چکا تھا لیکن شاید موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔''

''اور اکبر کے اغواء کو کس خانے میں فٹ کرو گے۔'' میڈم نے تیزی سے کہا۔ ''کیا تم نے رحمت علی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی؟''

''کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''میں چاہتا تو رحمت کو اکبر کے عوض اپنا بے دام غلام بنا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا...... شہباز کا کانٹا صاف ہوتے ہی اکبر کو حسب وعدہ آزاد کر دیا گیا تھا۔''

''رحمت علی کے بارے میں تم نے اب کیا سوچا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کیوں...... کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس نے برلاس انٹرپرائز کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔''

''وہ اس کا ذاتی فیصلہ ہوگا...... میں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا ویسے رحمت علی جیسا آدمی ہمارے کام کے لئے موزوں ترین کہا جا سکتا ہے۔''

''زاہد خان کے بارے میں تم نے کیا پلان مرتب کیا ہے۔''

''اس کی راہ و رسم سرکاری حلقوں میں بہت اوپر تک ہے۔ کیا تم یقین کرو گی کہ چینا اور واجد کو اسی کے گرگوں نے اغواء کر کے ایس پی رحمان کے حوالے کیا تھا۔''

''لیکن اسے ان دونوں کی رہائش گاہ کا علم کس طرح ہوا تھا۔''

''اس میں بھی ہمارے ہی کسی دشمن کا ہاتھ ہوگا۔ ہو سکتا ہے زاہد خان نے میرے کسی آدمی کو بھاری رقم دے کر خرید لیا ہو۔''

''تم یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ان دونوں کو زاہد خان کے گرگوں نے ہی اغواء کیا تھا۔''

''ہمارے اپنے بھی کچھ ذرائع ہوتے ہیں۔'' دوسری جانب سے سرسری انداز میں جواب ملا۔ پھر پوچھا گیا۔ ''تم نے میری پیشکش کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔''

''اگر میں تمہاری پیشکش مسترد کر دوں تو۔''

''مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا لیکن تم خسارے میں رہو گی اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے سارے خاص خاص مہرے پٹ چکے ہیں۔''

''اس ہمدردی کی کوئی وجہ......''

''تم کام کی چیز ہو...... ہمارا گٹھ جوڑ ہمارے حریفوں کے لئے نقصان دہ ہی ثابت ہوگا۔''

''آئی سی...... گویا تم میرے تعلقات کو کیش کرنا چاہتے ہو۔''

''ظاہر ہے کہ دو فریق جب ایک دوسرے سے کسی مشترکہ کاروبار کا سمجھوتا کرتے ہیں تو

ان کا اپنا اپنا مفاد ہوتا ہے۔''

''میں تمہاری پیشکش پر غور کر سکتی ہوں لیکن دو شرط پر۔''

''وہ کیا......''

''تم رحمت علی سے کہو گے کہ وہ برلاس انٹرپرائز سے علیحدہ نہ ہو۔''

''اور دوسری شرط۔''

''تمہیں اپنی اصلیت ظاہر کرنی ہوگی۔'' میڈم برلاس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس لئے کہ میں آنکھ بند کر کے کسی نادیدہ فریق پر اعتماد نہیں کر سکتی۔''

''رحمت علی کے سلسلے میں مجھے تمہاری پیشکش منظور ہے۔''

''اور اپنے سلسلے میں تم کیا کہو گے؟''

''تم چاہو تو میری بات پر اعتماد کر سکتی ہو...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے مفاد کو ہمیشہ ترجیح دوں گا لیکن فی الحال میں اپنی شخصیت کو بے نقاب نہیں کر سکتا۔''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔''

''تم چاہو تو یہی سمجھ لو۔''

''پھر میرا فیصلہ بھی سن لو...... ہمارا گٹھ جوڑ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے سے مکمل طور پر واقف ہوں۔''

''کیا صرف یہ جان لینا کافی نہیں ہے کہ میں بھی تمہارے پرستاروں میں سے ہوں۔''

''بات ٹالنے کی کوشش مت کرو...... دوستی کرنی ہے تو تمہیں میرے سامنے آنا ہوگا۔''

''ایک بار پھر سوچ لو...... ہو سکتا ہے کہ تمہیں بعد میں اپنے فیصلے پر کف افسوس ملنا پڑے۔''

''تم شاید بھول رہے ہو کہ میں نے زندگی میں کبھی نقصان پر افسوس نہیں کیا...... رہا زاہد خان کا معاملہ تو اگر اس نے کبھی میری راہ میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی تو اسے اپنی حماقت بہت مہنگی پڑے گی مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے تمہارے کہنے پر خان کے کچھ آدمیوں کو ٹھکانے لگایا تھا لیکن اب میں تمہارے اشارے پر نہیں چل سکتی۔''

''میں تمہیں سوچنے کا موقع دے رہا ہوں...... جلد بازی میں کئے گئے فیصلے اچھے نہیں ہوتے اور ایسی صورت میں جبکہ تم میری طاقت سے بخوبی واقف ہو۔''

''میں اپنے فیصلے بدلنے کی عادی نہیں ہوں...... دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو تو کھل کر سامنے آؤ۔'' میڈم برلاس نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا پھر دوسری طرف سے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆

ہسپتال میں رحمت کو اسی رات رخصت کر دیا گیا تھا۔ سر کی چوٹ زیادہ شدید نہیں تھی،

رخصت ہونے سے پیشتر اسے ایک بار دوبدو ایس پی رحمان صاحب سے بھی گفتگو کرنی پڑی۔ رحمت علی نے وہی کہانی دہرادی جو اس سے پیشتر استاد رضوی نے پولیس کو سنائی تھی۔ ایس پی رحمان کی زبانی ہی اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ اس کی گاڑی کو اچھی خاصی ڈینٹنگ اور پینٹنگ کی ضرورت پیش آئی ہے۔ میڈم برلاس بھی عین اسی وقت پہنچی تھی جب رحمت علی اور رحمان صاحب کے درمیان اس حادثے کی بابت گفتگو ہو رہی تھی۔

''کیا حادثے کے وقت تم تنہا تھے یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ تھا۔'' میڈم نے سوال کیا۔

''میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی تھا۔''

''اس نے اپنا نام شاید استاد رضوی بتایا تھا۔'' ایس پی رحمان نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''عجیب سا نام ہے۔ بشیر رضوی یا مغیر رضوی تک تو ٹھیک ہے لیکن یہ استاد رضوی چہ معنی دارد...... بہرحال آدمی وہ استاد ہی لگتا ہے۔''

رحمت علی نے میڈم برلاس کو استاد رضوی کے نام پر چونکتے دیکھا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہی پھر اس نے رحمان صاحب کے جانے کے بعد رحمت علی سے بہت سنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

''استاد رضوی کو تم کب سے جانتے ہو۔''

''کل رات سے......'' رحمت علی نے سنجیدگی ہی سے جواب دیا۔ ''ہماری ملاقات بس اتفاقیہ ہی ہوئی تھی اس نے بیچ سڑک پر آکر مجھ سے لفٹ مانگی تھی انداز اس قدر دوستانہ تھا کہ مجھے گاڑی روکنی پڑی اور پھر......''

''پھر جب تمہیں ہوش آیا تو تم نے خود کو ہسپتال میں پایا۔'' میڈم برلاس نے اس کا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے کہا۔ ''وہ بیان جو پولیس کی فائل پر موجود ہے وہ یقیناً استاد رضوی ہی کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے اور اسی بیان کو اصلیت کا رنگ دینے کی خاطر تمہاری گاڑی کو ایک حادثے سے دوچار کیا گیا...... کیوں، کیا تمہیں میری بات سے اختلاف ہے؟''

''میں کچھ سمجھا نہیں......'' رحمت علی نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ''اتنی قیمتی گاڑی میں نے جان بوجھ کر تو دیوار سے نہیں ٹکرائی ہوگی۔''

''بلکہ یوں کہو کہ تمہارے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوگا کہ گاڑی کا حادثہ کب، کہاں اور کیوں پیش آیا تھا۔''

''وہ...... دراصل ایک موٹر سائیکل سوار اچانک......''

''موٹر سائیکل نہیں بلکہ اسکوٹر سوار'' میڈم نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم نے رحمان صاحب کو اسکوٹر ہی کی کہانی سنائی تھی۔''

''کیا آپ کو میری بات پر شبہ ہے۔''

''پہلے صرف شبہ ہی تھا مگر اب یقین آگیا ہے۔'' میڈم نے سپاٹ اور خشک لہجے میں کہا۔ ''صبح کا اخبار پڑھنے کے بعد ہی میرے ذہن میں تمہارا نام ابھرا تھا لیکن اب استاد رضوی کے نام نے میرے شبہ کی تصدیق کردی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ کل رات سے پیشتر تم کسی استاد رضوی سے واقف نہیں تھے۔'' میڈم نے پورے وثوق سے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تمہاری اور اس کی پہلی ملاقات اسی ہسپتال میں ہوئی ہوگی اور تم نے جو کہانی پولیس کو سنائی ہے اس کا بھی حقیقت سے دور کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''پھر...... آپ کے خیال میں حقیقت کیا ہے۔'' رحمت علی نے دریافت کیا۔ ''کیا صبح کے اخبارات نے اس حادثے کو کوئی اور رنگ دیا ہے۔''

''نہیں...... کسی اخبار میں بھی تمہاری گاڑی کے حادثے کی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی۔''

''لیکن ابھی تو آپ نے کہا تھا......''

''رحمت علی۔'' میڈم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کیا اب تم مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگے ہو جو ایک تلخ حقیقت سے پردہ پوشی کر رہے ہو۔''

''میں...... اب بھی نہیں سمجھ سکا کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' رحمت علی نے ایک بار پھر انجان بننے کی کوشش کی۔ ''اخبار میں شائع ہونے والی خبر کا حوالہ تو آپ ہی نے دیا تھا۔''

''ہاں لیکن اس خبر کا تعلق تمہاری گاڑی کے حادثے سے نہیں بلکہ اس تصادم سے ہے جو گزشتہ رات مغربی گھاٹ کے قریب ایک گوٹھ میں کسٹم کے عملے اور اسمگلروں کے درمیان پیش آیا تھا اور دونوں طرف کے کچھ لوگ بھی اس حادثے میں کام آگئے ہیں۔''

''لیکن......''

''میں آج بھی تمہیں اپنا دوست سمجھتی ہوں۔'' میڈم برلاس نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے پوری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے صرف اتنا بتادو کہ تم مغربی گھاٹ کی طرف کیا کرنے جارہے تھے اور استاد رضوی کو کب سے جانتے ہو۔''

رحمت علی نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر سپاٹ آواز میں بولا۔

''مغربی گھاٹ کی سمت لوگ رات کو کس ارادے سے جاتے ہیں اس کا اندازہ آپ کو بھی بخوبی ہوگا۔ رہا استاد رضوی تو آپ کا یہ خیال درست ہے کہ میں نے اسے ہوش آنے پر پہلی بار اسی ہسپتال میں دیکھا ہے۔''

''کیا تم کسٹم والوں کی نظروں میں تو نہیں آگئے۔'' میڈم کے لہجے میں تشویش تھی۔

''نہیں...... جو کچھ ہوا وہ سب کچھ گھپ اندھیرے میں ہوا تھا۔''

''تم مغربی گھاٹ کیا کرنے جارہے تھے۔''

''مجھے کسی کا سامان ایک خاص آدمی تک ڈلیور کرنا تھا۔''

''پراسرار تنظیم کا سربراہ؟'' میڈم برلاس نے مدھم اور رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''سوری...... یہ بزنس سیکریٹ ہے۔''

''میری ایک بات مانو گے۔''

''فرمائیے......''

''استاد رضوی سے بچ کر رہنا...... وہ انتہائی خطرناک اور چلتا پرزہ ہے، ضرورت پڑنے پر وہ حالات کو کوئی نیا رنگ دینے کی خاطر تمہارا خون کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔''

''استاد رضوی کے بارے میں آپ اور کیا جانتی ہیں۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کسی زمانے میں یہ بھاڑے کا ٹٹو کہا جاتا تھا۔'' میڈم برلاس نے حقارت سے جواب دیا۔''ایک معقول معاوضے کے عوض کوئی پارٹی بھی اس کی خدمات حاصل کرسکتی تھی کچھ دنوں تک میرے لئے بھی کام کرچکا ہے۔ اپنے پیشے کے اعتبار سے قابل اعتماد ضرور ہے لیکن کسی راز کو پوشیدہ رکھنے کے سلسلے میں دوسروں کی کھال اتارنے میں بھی بڑی مہارت رکھتا ہے لیکن آج کل بہت اونچا اڑ رہا ہے میری معلومات کے مطابق اب وہ صرف پراسرار تنظیم کے سربراہ کے لئے کام کررہا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا کل رات بھی یہ تمہارے ساتھ تھا۔''

''ہوسکتا ہے لیکن میری اس کی ملاقات روشنی میں آج ہسپتال ہی میں ہوئی ہے۔''

''اس کے دو ساتھی اور بھی ہیں...... شیراز اور راڈرک لیکن رحمان نے ان دونوں کو فارم ہاؤس کی ریڈ کے بعد حراست میں لے لیا ہے اور فارم ہاؤس کے پیچھے کس کا ہاتھ کام کررہا ہے اس کا اندازہ تمہیں بھی ہے، ایسی صورت میں اس استاد رضوی اور تمہاری ملاقات کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم کل رات تنظیم کے سربراہ ہی کے کسی کام سے مغربی گھاٹ جارہے تھے کہ راستے میں کسٹم کے عملے سے مڈبھیڑ ہوگئی اور وہاں سے استاد رضوی ہی نے تمہیں ہسپتال میں داخل کرایا ہوگا۔ اس کا ذہن شیطان سے بھی زیادہ تیز کام کرنے کا عادی ہے۔''

''ممکن ہے کہ آپ کا خیال درست ہو۔''

''لیکن تم اپنی زبان سے اس کی تصدیق نہیں کرو گے...... کیوں؟'' میڈم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''رازداری ہمارے پیشے کا پہلا اصول ہے۔'' رحمت علی نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا پھر بولا۔''کیا آپ نے ابھی تک تنظیم کے سربراہ کے سلسلے میں اپنی زبان بند نہیں کررکھی ہے جبکہ اسی کے اشارے پر آپ نے زاہد خان کی ہٹ تباہ کی تھی اور اس کے دو محافظوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

''ابھی مجھے اس کے بارے میں صرف شبہ ہے۔'' میڈم برلاس نے اس بار کسی خطرناک

ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔''جس دن یقین آگیا وہ دن اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

''کیا آپ ایک دوست ہونے کے ناتے اپنے شبہ کا اظہار بھی نہیں کرسکتیں۔'' رحمت علی کے لہجے میں دوستی کے حوالے سے ایک ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔

''دوست ہوں اسی لئے میں نے اپنی زبان ابھی تک بند کررکھی ہے۔''

''کوئی خاص وجہ۔''

''ہاں۔'' میڈم کا انداز جذباتی ہوگیا۔''مجھے تمہاری زندگی اپنی سانسوں سے زیادہ عزیز ہے لیکن اب شاید اس کا وقت قریب آگیا ہے...... جانتے ہو اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟...... سیٹھ جواہر والا اور شہباز کے مرنے کے بعد اب وہ میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے...... میرے ساتھ مل کر وہ زاہد خان کو راستے سے ہٹانے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔''

''کیا آپ نے اس کی پیشکش قبول کرلی ہے۔''

''نہیں...... میں نے صرف ایک شرط رکھی ہے۔'' میڈم برلاس نے کہا۔''کسی سمجھوتے کے ہونے سے پیشتر اسے اپنے چہرے کا نقاب الٹنا ہوگا۔''

''کیا اس نے یہ شرط منظور کرلی ہے۔'' رحمت علی نے تیزی سے پوچھا۔

''نہیں......'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔''شاید وہ ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اب بھی اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوجاؤں۔''

''ایک سوال کرسکتا ہوں۔'' رحمت علی نے اچانک اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک خیال کی تصدیق کے پیش نظر سنجیدگی سے کہا۔

''پوچھو۔''

''ایک روز آپ نے ڈاکٹر نادر کے کلینک پر اندھا دھند فائرنگ کی تھی...... اس کی وجہ کیا تھی؟''

میڈم برلاس نے کچھ جواب دینا چاہا لیکن ٹھیک اسی وقت ہسپتال کے ڈاکٹر نے کمرے میں قدم رکھا اور میڈم برلاس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ اس کی مہربان نظریں بدستور رحمت علی کے چہرے پر منڈلا رہی تھیں!!

☆

''سی کنگ'' پر زاہد خان اور زمان خان کے قدم رکھتے ہی عملے کے تمام افراد میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، وہ پوری طرح مسلح تھے لیکن زاہد خان کی آمد نے ان کے جوش وخروش کو دوبالا کردیا تھا۔ زاہد خان کچھ دیر تک عرشے پر کھڑا اپنے کارندوں سے بات کرتا رہا پھر زمان خان اور لانچ کے ناخدا ہیبت خان کے ساتھ اپنے کیبن میں آگیا جہاں آرام وآسائش کی تمام چیزیں موجود تھیں، زاہد خان اس وقت خلاف توقع بہت خوش نظر آرہا تھا لیکن زمان خان کے چہرے

کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔

''خان۔'' ہیبت خان نے زاہد خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج آپ کے آجانے سے ہماری خوشی دوبالا ہوگئی ہے۔ یہ پھیرا ہمارے لئے ایک یادگار ثابت ہوگا۔''

''پندرہ بیس کروڑ کا پھیرا معمولی نہیں ہوتا اسی لئے میں نے خود حصہ لینے کی ضرورت محسوس کی ہے۔'' زاہد خان نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے دبنگ لہجے میں کہا پھر بولا۔

''سنہری ٹکیوں کی حفاظت کا کیا بندوبست کیا گیا ہے۔''

''آپ مطمئن رہیں خان...... ہم نے اسے آپ ہی کے اشارے پر اس طرح محفوظ کر رکھا ہے کہ کسٹم والے......''

''بدشگونی کی بات مت کرو۔'' زاہد خان نے تیزی سے کہا۔ ''لانچ پر میری موجودگی کے بعد کسی کو بھی ہمارے قریب آنے کی ہمت نہیں ہوگی۔''

''ہم اس وقت ساحل سے کتنی دور ہوں گے۔'' زمان خان نے سوال کیا۔

''تقریباً پندرہ میل۔''

''اپنے آدمیوں کو چوکس ہی رکھنا تاکہ ہم تمام حالات سے نمٹ سکیں۔'' زمان خان سنجیدگی سے بولا۔

''یہ ہمارے پیشے کا پہلا اصول ہے جناب!'' ہیبت خان نے جواب دیا۔ ''وقت پڑنے پر ہم موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قہقہہ لگانے کے عادی ہیں۔ ہماری زندگی میں کوئی بھی بڑے خان کے مال کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتا۔''

''شاباش۔'' زاہد خان نے مسکرا کر حوصلہ افزائی کی۔ ''مجھے اپنے عملے سے اسی بات کی اُمید ہے۔''

''باہر کی کیا پوزیشن ہے۔'' زمان خان نے دریافت کیا۔

''ابھی تک تو میدان صاف ہی نظر آرہا ہے۔''

''اس کے باوجود ہر قسم کی احتیاط شرط ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں جناب...... ہمارے آدمی جانتے ہیں کہ انہیں کس وقت کیا قدم اٹھانا ہے۔'' ہیبت خان نے کہا پھر بڑے خان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اگر اجازت ہو تو کچھ چائے پانی کا انتظام کیا جائے، اس خوشی میں کہ آج آپ پہلی بار ہمارے ساتھ سفر کررہے ہیں۔''

''ابھی نہیں...... میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

ہیبت خان کے لئے اشارہ ہی کافی تھا، زاہد خان کا جواب سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم نے مال کہاں وصول کیا تھا۔'' زمان خان نے تیزی سے سوال کیا۔

''کھلے سمندر میں...... یہی طریقہ پہلے سے طے ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' زمان خان نے کچھ سوچتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

''خیریت تو ہے۔'' ہیبت خان کے جانے کے بعد زاہد خان نے کہا۔ ''تم آج خلاف توقع کچھ زیادہ ہی سنجیدہ نظر آرہے ہو۔''

''میرا خیال اب یہی ہے کہ ہم نے سی کنگ پر بنفس نفیس آکر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔'' زمان خان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مال کے ساتھ ہماری موجودگی ہمارے راستے میں بہت ساری رکاوٹوں کا سبب بن سکتی ہے۔''

''کس سے خائف ہو۔'' زاہد خان نے لاپروائی سے پوچھا۔

''خطرے آواز دے کر پیش نہیں آتے۔''

''تم شاید بھول رہے ہو کہ میں خطروں سے بچنے کی خاطر ہمیشہ لالچی کتوں کو ان کی بھوک سے زیادہ خوراک قبل از وقت ہی فراہم کردیتا ہوں اور وہ دم ہلاتے ہوئے ہمارے راستوں سے کترا کر گزر جاتے ہیں۔''

''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں خان۔'' زمان خان نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''کوئی کتا ہمیں ڈبل کراس بھی کرسکتا ہے اور خود ایک کے دو بنانے کے باوجود قانون کی نگاہوں میں قابل احترام ہی رہے گا۔''

''آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' زاہد خان نے مغرور انداز میں کہا۔ ''کتے اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیر سے مقابلے کی صورت میں ان کا انجام کس قدر بھیانک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''میں خان کی بات سے انکار نہیں کروں گا لیکن اس کے باوجود میرا خیال یہی ہے کہ ہم ساحل پر دور دور رہ کر اپنے سامان کی بہتر طور پر دیکھ بھال کرسکتے تھے۔'' زمان خان دبی زبان میں بولا۔ ''آگ اور پیٹرول کا ساتھ کبھی کبھی خطرناک بھی ہوجاتا ہے۔''

''کس بات سے خائف ہو۔''

''ان نادیدہ حالات سے جو اچانک رونما ہوکر بڑے سے بڑے دانشوروں کو بھی ششدر کردیتے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''قانون کے نگہبانوں سے زیادہ دوستی اچھی نہیں ہوتی۔'' زمان خان نے کہا۔ ''آج بھی اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ ہم نے چینا اور واجد کو ڈی آئی جی کے ذریعے قانون کے حوالے کرکے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔''

''کیا ہم ایک بیکار بحث میں اپنا وقت ضائع نہیں کررہے ہیں۔'' اس بار زاہد خان کے لہجے میں ناگواری کا احساس بھی جھلک رہا تھا، زمان خان نے اس کے لہجے کی تلخی محسوس کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

''مجھے یقین ہے کہ جواہر والا اور شہباز کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد اب خلیج کے کاروباری لوگ ہم ہی سے رابطہ قائم کریں گے۔''

''ابھی ہمارے راستے کا سب سے بڑا پتھر باقی ہے۔'' زاہد خان نے کہا۔ ''پراسرار تنظیم کا سربراہ جو ابھی تک بزدلوں کی طرح منہ چھپائے ہوئے ہے۔''

''اس کے علاوہ میڈم برلاس بھی موجود ہے۔''

''وہ عورت ذات ہے...... اسے نقصان پہنچانا اور بات ہے لیکن جان سے ماردینا میری فطرت کے خلاف ہے۔''

خاصی دیر تک ان کے درمیان اسی قسم کی بات چیت ہوتی رہی، زمان خان ''سی کنگ'' کے اس بڑے پھیرے پر بہت خوش دکھائی دے رہا تھا لیکن پھر اچانک ہی اس کی خوشی کافور ہوگئی۔ رات کے سناٹے میں سمندر کی لہروں کے شور کے ساتھ ساتھ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازوں نے ماحول کو یکلخت اثر انداز کردیا تھا۔ زاہد خان نے وضاحت طلب نظروں سے زمان خان کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ زمان خان کوئی جواب دیتا ہیبت خان بھاگتا ہوا کیبن میں داخل ہوا۔

''خان...... بحریہ کی دو گن بوٹس نے سی کنگ کو گھیر لیا ہے وہ ہمیں رُکنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔'' ہیبت خان نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''انہوں نے ہمیں ہراساں کرنے کی خاطر فائرنگ بھی شروع کردی ہے، ہماری طرف سے بھی جوابی کارروائی شروع ہوگئی ہے لیکن......''

''لیکن کیا۔'' زاہد خان نے کسی زخمی درندے کی مانند بل کھاتے ہوئے تیزی سے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ کسی نہ کسی نے ہماری مخبری کردی ہے، وہ پوری طرح لیس ہوکر آئے ہیں جبکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''گولیوں کی زبان میں جواب دینے میں ہماری پوزیشن کیا ہوگی۔'' زاہد خان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''وہ راکٹ مار کر سی کنگ کو رکنے پر مجبور کرسکتے ہیں اور تباہ بھی کرسکتے ہیں۔''

زاہد خان جواب دینے کے بجائے زمان خان کے ساتھ تیزی سے کیبن سے نکل کر عرشے پر آگیا جہاں اس کے آدمی پوزیشن سنبھالے جوابی فائرنگ میں مصروف تھے۔ بحریہ کی گن بوٹس سے فائرنگ کے ساتھ ساتھ بار بار سرخ روشنی کا سگنل بھی دیا جارہا تھا، یہ اس بات کی وارننگ تھی کہ اگر سی کنگ کو نہ روکا گیا اور فائرنگ بند نہ کی گئی تو وہ انتہائی قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔

''اب کیا حکم ہے خان۔'' ہیبت خان نے خوفزدہ انداز میں پوچھا لیکن زاہد خان نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کی خونخوار نظریں بڑی سرعت سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں...... بظاہر بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا......!!

☆☆☆☆☆

زاہد خان کی حالت اس درندے سے مختلف نہیں تھی جو پوری طرح سے شکاریوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا ہو، فرار کے راستے مسدود ہوچکے تھے۔ مقابلہ کرنے کی صورت میں اس کے کارندوں کے جانی نقصان کا احتمال تھا۔ ہتھیار ڈال دینے کے نتیجے میں اسے کروڑوں کا نقصان برداشت کرنا پڑتا اور سونے کی اسمگلنگ کرنے کے جرم میں اس کی بنی بنائی ساکھ بھی خراب ہوسکتی تھی اسے اس وقت بڑی شدت سے زمان خان کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ اس نے ''سی کنگ'' پر بنفس نفیس آکر دور اندیشی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ دور رہنے کی صورت میں وہ اپنے بچاؤ کی کوشش زیادہ بہتر طور پر کرسکتا تھا لیکن اسمگلنگ کے سامان سمیت پکڑے جانے کی صورت میں اس کی پوزیشن یقینی طور پر خراب ہوسکتی تھی۔

بات اگر کسٹم یا کوسٹ گارڈز کی حد تک محدود رہتی تو وہ اپنے اثر ورسوخ استعمال کرسکتا تھا لیکن بحریہ کی گن بوٹس کی موجودگی بتا رہی تھی کہ کسی نے اس کے خلاف پکی مخبری کی ہے جس کے نتیجے میں بحریہ کو حرکت میں لایا گیا تھا، شکاریوں کا جال بہت مضبوط تھا اور زاہد خان کا ذہن بڑی تیزی سے خود کو اس جال سے بچانے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچا تھا چنانچہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کا سلسلہ جاری تھا۔ پھر بحریہ کی ایک گن بوٹ سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کہا گیا۔ ''ہم تمہیں آخری وارننگ دے رہے ہیں۔ فائرنگ بند کرکے خود کو قانون کے حوالے کردو، تمہارے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ہم چاہیں تو پل بھر میں تمہیں لانچ سمیت سمندر برد بھی کرسکتے ہیں۔''

''خان.........'' ہیبت خان نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ نے کیا فیصلہ کیا؟''

''ہم پوری طرح نرغے میں گھر چکے ہیں۔'' زمان خان بولا۔ ''بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم سنہری ٹکیوں کی پیٹیاں سمندر میں پھینک دیں۔'' ہیبت خان نے تجویز پیش کی۔

''یہ دوسری حماقت ہوگی۔'' زمان خان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بحریہ کے غوطہ خوروں کے لئے ان پیٹیوں کا برآمد کرنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''پھر...... اور کیا کیا جاسکتا ہے۔'' ہیبت خان کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔ ''ہم زیادہ دیر تک مقابلہ جاری نہیں رکھ سکتے۔''

دو منٹ بعد گن بوٹ سے دوسرا اعلان نشر کیا گیا۔

''زاہد خان...... ہم تمہیں دوسری وارننگ دے رہے ہیں، ہتھیار ڈال دو ورنہ تیسری وارننگ کے بعد تمہیں جس بھاری جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے......ہمیں معلوم ہے کہ تم سی کنگ پر موجود ہو۔''

اس مرتبہ زاہد خان کا نام لے کر وارننگ دی گئی تھی اس لئے اس کے چہرے کی درندگی دو چند ہوگئی۔

''تمہارا خیال درست ہے؟'' وہ زمان خان سے بولا۔ ''کسی نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے ہی گروہ کا کوئی آدمی ہے......''

''کون ہو سکتا ہے......؟'' زمان خان نے دریافت کیا۔

''تم اس خوبصورت اور زہریلی ناگن کو کیوں فراموش کر رہے ہو جو میڈم برلاس کی سیکرٹری ہے۔'' زاہد خان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں...... مونیکا کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

''اس معاملے سے نہ سہی لیکن اس کا تعلق ہمارے ایک کارندے سے ضرور ہے اور زر، زن اور زمین کی خاطر انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''ایسی صورت میں تو اس مخبری کی پشت پر میڈم برلاس کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔'' زمان خان نے کہا۔

''ہاں...... ممکن ہے اس نے انتقام لینے کی خاطر مجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کرانے کی کوشش کی ہو۔'' زاہد خان دانت پیستے ہوئے بولا۔ ''بحریہ کی گن بوٹس کی موجودگی کا مطلب یہی ہے کہ کسی نے اپنے خاصے اونچے اثر ورسوخ کا استعمال کیا ہے۔''

''ہمیں فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔'' ہیبت خان نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''دوسری طرف سے تیسری وارننگ کسی وقت بھی دی جا سکتی ہے اور اس کے بعد......''

''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے۔ ہم آخری سانسوں تک مقابلہ جاری رکھیں گے۔''

''ہمارا یہ عمل خودکشی کرنے کے مترادف ہوگا۔'' زمان خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے خان لیکن.........''

''بکومت......'' زاہد خان نے ہیبت خان سے حقارت سے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ وقت پڑنے پر تمہارے آدمی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قہقہہ لگانے کے عادی ہیں...... اب لگاؤ قہقہے۔''

زاہد خان کسی زخمی درندے کے انداز میں جھپٹا اور اس نے ہیبت خان کے ہاتھ سے خودکار رائفل چھین لی۔

''میں پٹھان ہوں۔'' وہ چھاتی ٹھونک کر بولا۔ ''اور پٹھان پشت پر گولی کھانے کا عادی

نہیں ہوتا۔''

زمان خان نے اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن زاہد خان نے گن بوٹس کی سمت فائرنگ شروع کردی تھی۔ ''سی کنگ'' کے عملے کے باقی افراد بھی گولیاں چلا رہے تھے لیکن مقابلے کا یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا، گن بوٹ سے تیسری وارننگ نشر کی گئی اور پھر اس کے دو منٹ بعد ہی ایسا لگا تھا جیسے ''سی کنگ'' کی حیثیت کسی حقیر تنکے سے زیادہ نہیں تھی فضا میں ایک ہولناک دھماکے کی آواز گونجی پھر اس کے ساتھ ہی ''سی کنگ'' دو ٹکڑوں میں منقسم ہوگیا۔ سمندر کے شور کے ساتھ ساتھ اب ڈوبتے ہوئے لوگوں کی چیخوں کی آوازیں بھی دُور دُور تک سنائی دے رہی تھیں......!

☆

''سی کنگ'' کی تباہی، زاہد خان کی موت اور کروڑوں روپے کے سونے کی اسمگلنگ کی گرما گرم خبروں نے پورے شہر میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اخباروں نے ان تمام خبروں کو شہ سرخیوں کے ذریعے عوام تک پہنچایا تھا اور اس کے ساتھ ایس پی رحمان کی تعریف میں بھی زمین و آسمان کے قلابے ملائے تھے جن کی اطلاع پر بحریہ کی گن بوٹس نے ناجائز تجارت اور اس میں ملوث افراد کا قلع قمع کیا تھا۔ ان خبروں نے پولیس کی بگڑتی ہوئی ساکھ کو بہت سنبھالا دیا تھا۔

آئی جی نے اس بڑے کیس کی تفصیل بتانے کی خاطر ایک پریس کانفرنس منعقد کی تھی جس میں یہ بھی بتایا تھا کہ اعلیٰ حکام کی جانب سے ایس پی رحمان کو فوری ترقی، تعریفی اسناد اور انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا ہے۔ اس پریس کانفرنس میں کئی باتوں کی وضاحت بھی اخباری نمائندوں کی جانب سے طلب کی گئی۔ ایک صحافی نے سوال کیا تھا۔

''کیا پولیس کو زاہد خان صاحب کے بارے میں پہلے سے شبہ تھا کہ وہ اسمگلنگ جیسے گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھے۔''

''جی نہیں۔'' آئی جی نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔ ''ہمیں پہلے سے اس بات کا علم نہیں تھا البتہ اس بات کا شبہ ضرور تھا کہ کروڑوں روپے کے سونے کی اسمگلنگ میں کسی نہ کسی بڑے اور صاحب حیثیت شخص کا ہاتھ کسی نہ کسی زاویے سے ضرور شامل ہوگا۔''

''سونے کی مالیت کا کیا تخمینہ لگایا گیا ہے۔''

''مقامی منڈی میں اس کی مالیت تیس کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔'' آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔

''سی کنگ نامی موٹر لانچ کس کے نام پر رجسٹر تھی۔''

''کاغذات میں درج تفصیل کے اعتبار سے وہ زمان خان کی ملکیت تھی۔''

''کیا ایس پی رحمان صاحب کو ذاتی طور پر ''سی کنگ'' کے ناجائز تجارت میں ملوث ہونے کی اطلاع تھی یا اتنا بڑا کیس کسی خاص شخص کی مخبری پر پکڑا گیا ہے۔''

''اس کیس کی کامیابی میں مسٹر رحمان کی ذاتی دلچسپی کے علاوہ ایک مخبر کا بھی ہاتھ ہے جس نے بروقت اطلاع دے کر ہماری کوششوں کو بارآور کرنے میں مدد کی ہے۔''

''کیا آپ اس مخبر کا نام بتانا پسند کریں گے۔''

''سوری......'' آئی جی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''مخبر کا نام منظر عام پر لانا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''

''اس آپریشن میں خاص طور پر بحریہ کی گن بوٹس کو کیوں استعمال کیا گیا جبکہ دوسری ایجنسیوں سے بھی مدد لی جاسکتی تھی۔''

''مخبر کی اطلاع کے مطابق اس بات کے روشن امکان تھے کہ ہمارے آپریشن کو ہر قیمت پر ناکام بنانے کی کوشش کی جائے گی۔''

''گویا آپ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ اس آپریشن میں آپ کا واسطہ کسی ایسے شخص سے ہوگا جو اگر بچ جاتا تو پولیس کے لئے اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے مشکلات بھی پیدا کرسکتا تھا اور اسی لئے ''سی کنگ'' کو مکمل طور پر تباہ کردیا گیا۔''

''یہ خیال غلط ہے۔'' آئی جی نے سنبھل کر جواب دیا۔''بحریہ کی گن بوٹس اور سی کنگ کے عملے کے درمیان خاصی دیر تک فائرنگ کا مقابلہ جاری رہا، گن بوٹس سے تین بار اس بات کی وارننگ بھی دی گئی کہ اگر فائرنگ کا سلسلہ بند نہ کیا گیا تو ''سی کنگ'' کو بھاری جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا اور تیسری وارننگ کے بعد ہی بحریہ کے تجربہ کار عملے نے انتہائی اقدام کیا تھا۔''

''کیا اس آپریشن میں کچھ افراد کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔''

''جی ہاں...... کچھ لوگ پولیس کی تحویل میں ہیں اور ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری ہے۔''

''زاہد خان کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے۔'' ایک صحافی نے پوچھا۔''کیا آپ ان پر اسمگلر ہونے کا شبہ کررہے تھے۔''

''جی نہیں......'' آئی جی نے تیزی سے کہا۔''سمندر سے ان کی لاش برآمد ہونے کے بعد ہی ہمیں اس بات کا علم ہوا تھا کہ وہ بھی اس گندے کاروبار میں نہ صرف یہ کہ ملوث تھے بلکہ اس کی پشت پناہی بھی کرتے تھے۔''

پریس کانفرنس کے اختتام کے بعد آئی جی اور پولیس کے دوسرے اعلیٰ عہدیداروں نے ایس پی رحمان کو ان کے گرانقدر کارنامے پر مبارکباد پیش کی۔ اس موقع پر انسپکٹر زیدی بھی رحمان صاحب کے ہمراہ پیش پیش تھا۔ اعلیٰ افسران کی موجودگی میں ایس پی رحمان نے خود کو بہت لئے دیئے رکھا تھا لیکن واپسی کے وقت وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ ''سی کنگ'' اور زاہد خان جیسے آدمی پر ہاتھ ڈالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، اس لئے کہ زاہد خان ڈی آئی

جی کے واقف کاروں میں سے بھی تھا اس کے علاوہ سونے کی اسمگلنگ اور زاہد خان کے بنفس نفیس ''سی کنگ'' پر موجود ہونے کی اطلاع رحمان صاحب کو فون پر کسی عورت نے دی تھی اور استفسار کے باوجود اپنا نام بتانے سے گریز کیا تھا لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ وہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور کسی ذاتی پرخاش کی بناء پر وہ گروہ کے خلاف انتقامی کارروائی کی خواہاں ہے۔ ایس پی رحمان نے اس اطلاع کے ملنے کے بعد بہت غور وخوض کیا تھا۔ پھر وہ اندھا جوا کھیلنے پر آمادہ ہوگیا، اس نے اس سلسلے میں براہ راست آئی جی سے رابطہ قائم کیا اور مخبری کی روشنی میں اس بات کی درخواست کی تھی کہ ''سی کنگ'' کے خلاف قانونی کارروائی میں کسی دوسری ایجنسی کے بجائے صرف بحریہ کی گن بوٹس استعمال کی جائیں، آئی جی کو زاہد خان کے نام کے سلسلے میں قبل از وقت کچھ نہیں بتایا گیا تھا حالانکہ مخبری کرنے والی عورت نے ایس پی رحمان کو ایک ایک بات بہت تفصیل سے بتائی تھی۔

ایس پی رحمان کو اس بات کا بھی بخوبی علم تھا کہ اگر وہ آپریشن ناکام ہوگیا تو اس کی عزت خاک میں مل جائے گی لیکن مخبری کرنے والی عورت کے لب ولہجے سے اسے انتقام اور صداقت کے ملے جلے تاثرات کا اندازہ ہوا تھا، عورت نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا تھا لیکن نہ جانے کیوں ایس پی رحمان کو رہ رہ کر اس بات کا خیال آرہا تھا کہ وہ اس آواز کو پہلے بھی کہیں سن چکا ہے...... ''کہاں......؟'' اسے یاد نہیں آرہا تھا لیکن وہ اس وقت بھی اسی آواز کے بارے میں اپنی یادداشت کے ذخیرے کو کریدرہا تھا۔

''سر......'' انسپکٹر زیدی نے جو لینڈ روور میں اس کے ساتھ ہی موجود تھا بڑی سنجیدگی سے کہا۔''میں آپ کو اس عظیم کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔''

''کامیابی کا سہرا مجھ سے زیادہ اس نامعلوم عورت کے سر ہے جس نے فون پر مخبری کی تھی۔''

''لیکن آپ نے اس کی اطلاع کو پرکھنے میں یقیناً بہت دوراندیشی اور ذہانت سے کام لیا تھا۔''

''میں اس وقت کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔'' سنجیدگی سے کہا گیا۔

''وہ کیا......؟'' انسپکٹر زیدی نے وضاحت چاہی۔

''اگر یہ آپریشن ناکامیاب ہوگیا ہوتا تو اعلیٰ افسران کی نگاہوں میں میری کیا پوزیشن ہوتی۔'' ایس پی رحمان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

اور ٹھیک اسی وقت رحمت علی ایک کیفے کے فیملی روم میں بیٹھا مونیکا سے کہہ رہا تھا۔

''کیا تمہیں قوی امید تھی کہ اس آپریشن میں زاہد خان کی شخصیت بھی کام آجائے گی۔''

''ہاں......'' مونیکا کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل کر گہری ہوتی چلی گئی۔

''جس شخص نے مجھے زاہد خان کے بارے میں یہ اطلاع دی تھی وہ اس کے بہت اعتماد کا آدمی

تھا، اس بات کا علم صرف اسی کو تھا کہ اس بار زاہد خان بذات خود ''سی کنگ'' پر موجود رہنے کی حماقت کرے گا۔''

''کیا اسے اس بات کی امید بھی تھی کہ تم اس کی اطلاع قانون کے محافظوں تک پہنچا دو گی۔''

''نہیں......'' مونیکا زہر خند سے بولی۔ ''وہ مجھ پر لٹو تھا اور اس کی دیرینہ خواہش تھی کہ میں بھی اس کے ساتھ زاہد خان کے گروہ میں شامل ہو جاؤں۔''

''کیا اس آپریشن کے بعد وہ اپنی زبان بند رکھے گا۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ......''

''اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' مونیکا نے لاپرواہی سے کہا۔ ''اس لئے کہ وہ اس آپریشن سے پہلے ہی ملک عدم کو روانہ کیا جا چکا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' رحمت علی چونکا۔

''مجھے اس کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے دکھ ضرور ہوا تھا اس لئے کہ وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا لیکن اتنی بھی نہیں جتنی کہ میں تم سے کرتی ہوں۔'' اس نے رحمت علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ''اس کے باوجود کہ تم ایک شادی شدہ مرد ہو اور کبھی میرے نہیں ہو سکتے۔''

''اب ہمارے راستے کا ایک ہی پتھر باقی رہ گیا ہے۔'' رحمت علی نے دیدہ دانستہ مونیکا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''پراسرار تنظیم کا سربراہ۔''

''میڈم کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔'' مونیکا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''اس لئے کہ تم اس کی سیکرٹری ہو۔''

''مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' مونیکا نے تیکھے انداز میں کہا۔

''نہیں......'' رحمت علی نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ ''میڈم نے برے وقتوں میں میری سرپرستی کی ہے شاید اسی لئے میں نے اس کا نام اپنی لسٹ سے خارج کر دیا ہے۔''

''کیا میں امید رکھوں کہ تم مونیکا کا نام اپنی لسٹ سے کبھی خارج نہیں کرو گے۔'' مونیکا کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

''تم میری محسنہ ہو...... میں تمہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت......''

''پراسرار تنظیم کے سربراہ کا کچھ قرض میرے اوپر واجب الادا ہے۔'' رحمت علی نے بل کھاتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''اکبر کا اغواء میری زندگی کا سب سے برا سانحہ تھا۔''

''گھبراؤ نہیں...... اس کا بھی ایک حل ہے میرے پاس......''

''وہ کیا......؟'' رحمت علی نے تیزی سے پوچھا۔

''ابھی نہیں...... کچھ دنوں اور انتظار کرو۔'' مونیکا بولی۔ ''لیکن اس بار کامیابی کا سہرا ایس پی رحمان کے سر نہیں بلکہ تمہارے سر ہو گا۔''

''ایس پی رحمان نے فون پر تمہاری آواز تو نہیں پہچانی ہو گی؟'' رحمت علی نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''پہچان بھی لی ہو تو میری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ دو آوازیں ایک جیسی بھی تو ہو سکتی ہیں۔'' مونیکا نے لاپرواہی سے کہا پھر جوس کا گلاس میز سے اٹھا کر ہونٹوں پر لگا لیا لیکن اس کی نظریں بدستور رحمت علی کے چہرے پر مرکوز تھیں اور ان نظروں میں اپنائیت اور خلوص کا ملا جلا رنگ جھلک رہا تھا......!

☆

''تنظیم'' نامی لانچ کے ناخدا فضل داد نے اس نووارد کو سر سے پاؤں تک بہت غور سے دیکھا تھا جو بظاہر کوئی غیر ملکی ہی نظر آ رہا تھا، وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک اینگلو انڈین لڑکی بھی تھی۔ دونوں ہی نشے میں تھے لیکن مرد نے غالباً کچھ زیادہ ہی چڑھا رکھی تھی، وہ پستہ قد اور مضبوط قویٰ کا مالک تھا، جس انداز میں ان دونوں نے لانچ پر قدم رکھا تھا اس سے یہی اندازہ ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی اپنی ہی ملکیت رہی ہو۔

''فرمائیے......'' فضل داد نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''ٹم...... لانچ کا ناکھدا ہوتا......'' مرد نے ٹوٹی پھوٹی اردو کا سہارا لیا۔

''جی ہاں......''

''گڈ......'' مرد نے خوشی کا اظہار کیا پھر قدرے رازداری سے بولا۔ ''ہم دونوں گرین لینڈ جانا مانگتا، وہاں ہمارا ہٹ، پہلے سے بک ہے۔''

فضل داد نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، اس کی تیز نظریں ان دونوں کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ گرین لینڈ ساحل سے آٹھ میل دور ایک تفریحی مقام تھا جہاں بڑے لوگوں کی کچھ ہٹس بھی موجود تھیں، زندہ دل افراد وہاں رنگ رلیاں منانے جایا کرتے تھے۔ شاید اسی لئے وہاں جانے کے لئے صرف عورت اور مرد کے جوڑوں ہی کو اجازت تھی، تنہا افراد کو گرین لینڈ پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی لیکن فضل داد کو گرین لینڈ سے زیادہ ان دونوں کی فکر تھی جو اس کے سامنے موجود تھے۔ فضل داد کے چوکنا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پیشتر کم از کم اس کی لانچ پر کسی اجنبی کو قدم رکھنے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔

''ٹم ہم کو ایسے کیوں گھورتا۔'' مرد نے کہا۔ ''ہم ٹم کو ہینڈسم پے منٹ کرے گا۔ تمہارا لانچ ہم کو بیوٹی فل لگا ورنہ ادھر اور بھی بہت سارا لانچ ہوتا......''

''سوری صاحب......'' فضل داد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ بھاڑے کی لانچ

نہیں ہے۔''

''ام کو مالوم ہے......'' اس بار عورت نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔''اس لانچ کا مالک ڈاکٹر نادر ہوتا اور ام لوگ ڈاکٹر کا وری اولڈ فرینڈ ہے۔''

''کیا آپ کے پاس ڈاکٹر صاحب کا کوئی لیٹر موجود ہے۔'' فضل داد نے محتاط انداز میں دریافت کیا۔

''لیٹر...... وہاٹ لیٹر۔'' مرد نے حیرت کا اظہار کیا۔''کیا تم کو امارا بات کا یکین نہیں ہے۔''

''اوپر سے یہی آرڈر ہے جناب کہ بغیر لیٹر کے کسی کو لانچ کے استعمال کی اجازت نہ دی جائے۔''

وہ تینوں لانچ کے عرشے پر ہی کھڑے بات کر رہے تھے لیکن پھر عورت ٹہلتی ہوئی ایک کیبن میں چلی گئی، فضل داد کو اچانک اس کا احساس ہوا تو وہ بھی پلٹ کر تیزی سے کیبن کے اندر آ گیا۔

''براہ مہربانی آپ لوگ لانچ سے تشریف لے جائیں۔'' فضل داد نے عورت سے کہا، اس کا لہجہ سرد اور کھردرا تھا۔

''وہاٹ...... تم امارا انسلٹ کرتا۔'' عورت نے غصے سے کہا۔

''اس لانچ پر ڈاکٹر صاحب کی پرچی کے بغیر کسی کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے......'' لیکن پھر فضل داد اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا، اسے اپنی پشت پر کسی ٹھوس اور سرد شے کے دباؤ کا احساس ہوا تھا، اس نے پلٹ کر حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن پشت پر کھڑے ہوئے مرد نے کرخت آواز میں کہا۔

''خبردار...... کسی حماقت کی کوشش نہ کرنا ورنہ مفت میں مارے جاؤ گے۔''

''مجھے پہلے ہی اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ تم لوگ وہ نہیں ہو جو نظر آ رہے تھے۔''

''ہم تمہارے شبہے کی تردید نہیں کریں گے لیکن اب وقت گزر چکا ہے۔''

''کیا چاہتے ہو......'' فضل داد نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''سی کنگ'' کے بارے میں مخبری کر کے تمہارے ڈاکٹر نے اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔'' مرد نے حقارت سے جواب دیا۔''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ ''تنظیم'' کا اگلا پھیرا کب ہوگا۔''

''میں نہیں سمجھ سکا کہ تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔''

''انجان بننے کی کوشش مت کرو، ہمیں معلوم ہے کہ ڈاکٹر اس لانچ کو خاص خاص کاموں کے سلسلے میں استعمال کرتا ہے۔'' سرد اور سفاک لہجے میں کہا گیا۔''اگر زندگی عزیز ہے تو سیدھی طرح سب کچھ اگل دو ورنہ تمہاری موت پر ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر کی کمینگی

کے سبب ہمارا بڑا خان ضرور مارا گیا ہے لیکن ابھی اس کے عزیز و رشتہ دار انتقام لینے کے لئے زندہ ہیں۔''

''مم...... میں کچھ نہیں جانتا۔'' فضل داد نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''روزی...... تم پورے لانچ کی تلاشی لو...... میں اتنی دیر میں اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' مرد نے بدستور خونخوار انداز میں کہا پھر روزی کے دوسرے کیبن میں جانے کے بعد اس نے ایک بار پھر فضل داد کو مخاطب کیا۔''کیا تم شرافت سے اپنی زبان نہیں کھولو گے۔''

''میں صرف لانچ کا ناخدا ہوں...... مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم۔''

''کیا ڈاکٹر نادر خود بھی کبھی اس لانچ پر سفر کرتا ہے۔''

''بہت کم......''

''ان لوگوں کے نام کیا ہیں جو ڈاکٹر کے حکم پر اس لانچ کو استعمال کرتے ہیں۔''

''میں کسی کے نام سے واقف نہیں ہوں۔'' فضل داد نے جواب دیا۔''لیکن ان کے پاس ڈاکٹر صاحب کا جاری کردہ لیٹر ضرور ہوتا ہے۔''

''اور اس خط کو جس کاغذ پر لکھا جاتا ہے اس پر ایک بھونرے کی ابھری ہوئی تصویر بھی ہوتی ہے...... کیوں؟''

''نن...... نہیں۔'' فضل داد نے چونکتے ہوئے کہا۔''میں نے کسی بھونرے کی تصویر نہیں دیکھی۔''

آدھے گھنٹے بعد اینگلو انڈین لڑکی دوبارہ کیبن میں نمودار ہوئی۔

''کچھ ملا......''

''ہاں...... کچھ کاغذات ایسے ملے ہیں جو ہمارے کام آ سکتے ہیں۔''

''فضل داد......'' اس بار مرد نے تنظیم کے ناخدا کو نام لے کر مخاطب کیا۔''ہم تمہیں زندہ چھوڑ کر واپس جا رہے ہیں صرف اس لئے کہ تم ڈاکٹر کو بتا سکو کہ اب اس کے دن پورے ہونے والے ہیں، ہم چاہیں تو اسے کسی وقت بھی موت سے ہمکنار کر سکتے ہیں لیکن ہم اس کی موت کے ساتھ ساتھ اس کو مالی نقصان بھی پہنچانا چاہتے ہیں۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ ہی اجنبی کے ریوالور کا دستہ پوری شدت سے فضل داد کے سر پر پڑا اور فضل داد کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دس منٹ بعد ہی مرد اور عورت ایک گاڑی میں بیٹھے شہر کی سمت واپس جا رہے تھے۔

''کیا تنظیم کے ناخدا نے تمہیں کوئی کام کی بات بتائی؟''

''نہیں......'' مرد نے لاپروائی سے جواب دیا۔''البتہ میں نے وہ پیغام اس تک پہنچا دیا ہے جس کے عوض ہمیں دس ہزار کی رقم پیشگی وصول ہو چکی ہے۔''

''اگر وہ لانچ اتنی ہی اہم ہے تو پھر اس کی نگرانی بھی ضرور کی جاتی ہوگی۔'' عورت نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ ''ہوسکتا کہ ہمارے علاوہ ہماری گاڑی بھی اُن کی نظر میں آگئی ہو۔''

''فضول باتوں سے گریز کیا کرو۔'' مرد نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''ہم نے میک اپ کا سہارا اسی لئے لیا تھا کہ پہچانے جانے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے، رہا گاڑی کا مسئلہ تو اس ماڈل کی ہزاروں گاڑیاں شہر میں موجود ہیں۔''

''لیکن گاڑی کا نمبر......''

''میں نے روانگی سے پہلے ہی اصلی نمبر پلیٹ تبدیل کردی تھی۔'' مرد نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں کس پارٹی نے اس کام پر مامور کیا تھا۔'' عورت نے پوچھا۔

''کام کی نوعیت کسی عورت کی خوبصورت آواز نے فون پر بتائی تھی...... رقم مجھے لیٹر بکس میں رکھی مل گئی تھی۔''

''لیکن......''

''بھول جاؤ اس واقعہ کو جو کام ہمیں سونپا گیا تھا وہ ہم نپٹا چکے ہیں...... دیٹ از آل۔'' مرد نے لاپرواہی سے کہا پھر سیٹی پر ایک انگریزی فلم کے بول الاپنے لگا......!

☆

استاد رضوی اس وقت خاصے اچھے موڈ میں تھا جب اس نے گیراج سے اپنی کار نکالی تھی لیکن کھلی سڑک پر آتے ہی اسے یکلخت سنجیدہ ہوجانا پڑا۔ گردن پر کسی ٹھوس شے کے دباؤ کے ساتھ ہی ایک اجنبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''گھبراؤ نہیں...... گاڑی چلاتے رہو، اس میں تمہاری بہتری ہے۔''

''کون ہو تم؟'' استاد رضوی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تم چاہو تو مجھے اپنی موت بھی سمجھ سکتے ہو۔'' سرد لہجے میں جواب ملا۔ ''لیکن میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔''

''ایک بات تم بھی ذہن نشین کرلو، موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے اس لئے استاد رضوی موت سے نہیں ڈرتا۔''

''میری اطلاع کے مطابق تم آج کل صرف پراسرار تنظیم کے سربراہ کے لئے کام کررہے ہو...... کیوں؟''

''یہ میرا ذاتی فعل ہے اور میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی دوسرے کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔'' استاد رضوی نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔

''مجھے تمہارا جواب سن کر خوشی ہوئی لیکن تمہیں ایک کام میرے لئے بھی کرنا ہوگا۔'' پشت سے بدستور سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''کام کی نوعیت بہت معمولی ہے تمہیں ہمارا ایک پیغام تنظیم کے

سربراہ تک پہنچانا ہے۔''

''کیا پیغام ہے......؟'' استاد رضوی نے خشک آواز میں دریافت کیا۔

''زاہد خان مرچکا ہے لیکن اس کے لواحقین ابھی زندہ ہیں اور وہ بڑے خان کی موت کا انتقام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے، ہمیں یہی اطلاع ملی ہے کہ ''سی کنگ'' کے بارے میں تمہارے پراسرار سربراہ ہی نے مخبری کی تھی۔'' پشت سے سرد اور سفاک لہجے میں کہا گیا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ تنظیم کا سربراہ کون ہے۔''

''وہ کوئی بھی ہو ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور پھر اس کا انجام بڑے خان سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''اگر تم اپنی ہی لائن کے آدمی ہو تو پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ تنظیم کا سربراہ ابھی تک کسی کے سامنے کھل کر نہیں آیا۔'' استاد رضوی نے کہا۔ ''ہم اور تم دونوں ہی اس کے بارے میں صرف قیاس آرائی کرسکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کیا یہ غلط ہے کہ وہ فون پر تم سے رابطہ رکھتا ہے۔''

''میں اس بات کی تردید نہیں کروں گا۔''

''تم اسے ہمارا پیغام پہنچا دینا اس کے بعد تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔''

''کیا تم زاہد خان کے کوئی قریبی عزیز دار ہو۔'' استاد رضوی نے پوچھا اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بار پھر آئینے میں پشت کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن پچھلی سیٹ پر جو شخص بھی موجود تھا وہ اس اینگل سے بیٹھا تھا کہ اس کی صورت آئینے کی زد سے باہر تھی۔

''تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔'' سختی سے جواب دیا گیا۔ ''صرف اپنے کام سے کام رکھو۔''

''تم مجھے اس پیغام رسانی کا کیا معاوضہ دو گے۔'' استاد رضوی نے اس بار کاروباری انداز میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہوگا کہ میں بغیر معاوضے کے کام نہیں کرتا۔''

''تمہارے معاوضے کی صورت میں اس وقت میں تمہاری کھوپڑی بھی اڑا سکتا ہوں لیکن ہمیں مجبوراً تمہیں پیغام رسانی کا کام سرانجام دینے کے لئے زندہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تمہاری حیثیت بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے۔'' استاد رضوی نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

''گاڑی سڑک کے کنارے کرکے روک دو لیکن پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ پھر میں تمہارے زندہ رہنے کی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

استاد رضوی کے پاس سوائے تعمیل حکم کے کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں تھا چنانچہ اس نے گاڑی کو کنارے کرکے پارک کردیا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کی توقع کے خلاف ہی

تھا، پشت سے اس کے سر پر کسی وزنی اور ٹھوس شے سے ضرب لگائی گئی تھی جس کے نتیجے میں اس کی نگاہوں کے سامنے لاتعداد سورج طلوع ہو کر تیزی سے غروب ہوتے چلے گئے تھے، اس کا سر اسٹیئرنگ پر جھک گیا تھا۔

☆

حسب وعدہ رحمت علی نے ٹھیک ساڑھے دس بجے رات کو ایک پبلک فون بوتھ سے مونیکا کو کال کیا تھا، دوسری جانب سے فون خود مونیکا نے ریسیو کیا پھر احتیاطی کوڈ کے حوالے کے بعد اس نے بڑے موڈ میں رحمت علی کو ان تمام حالات کی تفصیل بتائی تھی جو اس کے اشارے پر "تنظیم" نامی لانچ کے ناخدا افضل داد اور استاد رضوی کو پیش آ چکے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا اس طرح وہ لوگ زیادہ چوکنا نہیں ہو جائیں گے۔"

"تم شاید اس بات کو فراموش کر رہے ہو کہ ہمارا مقابلہ ایک نادیدہ دشمن سے ہے اور میرے تجربے کے مطابق ایسے مجرموں کو منظر عام پر لانے کے لئے ان کے ٹھکانوں اور خاص خاص کارندوں پر تابڑ توڑ حملے بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔" مونیکا نے کہا۔ "ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہمارے شبہے کے مطابق ڈاکٹر نادر ہی ہمارا مطلوبہ شخص ہوسکتا ہے۔"

"کوئی ثبوت......؟" رحمت علی نے تیزی سے دریافت کیا۔

"میں نے ایک فرضی سی آئی ڈی انسپکٹر کے ذریعے غزالہ سے بھی کچھ اہم معلومات حاصل کرلی ہیں۔"

"وہ کیا......"

"اس کو اغواء کرنے کے بعد اسی فارم ہاؤس میں رکھا گیا تھا جس کا قلع قمع ہو چکا ہے۔" مونیکا نے کہا۔ "غزالہ کے بیان کے مطابق اسے اغواء کرنے والے افراد میں سے ایک نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسی وقت کمرے میں پوشیدہ طور پر لگے ہوئے اسپیکر جاگ اٹھے تھے پھر کسی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور اسی کے اشارے پر ایک کارندے نے اس شخص کو گولی مار دی تھی جو زیادتی کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کو بے دردی سے گھسیٹ کر لے جایا گیا تھا۔"

"لیکن اس واقعہ سے......"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" مونیکا نے رحمت علی کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "جس طرح شائلہ کے خلاف مواد جمع کر کے اسے بلیک میل کیا گیا تھا اسی طرح غزالہ کو بھی استعمال کیا جاسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

"آئی سی..." رحمت علی نے چونکتے ہوئے کہا۔ "گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکٹر قانون کی

نگاہوں میں خود کو مظلوم ظاہر کر سکے اور اس کے پس پردہ اپنا کاروبار جاری رکھ سکے۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچی ہوں۔"

"مگر اس بات کو ثابت کس طرح کیا جاسکتا ہے؟"

"فارم ہاؤس جس شخص کے نام پر ہے اگر اس کا پتہ مل جائے تو ڈاکٹر کی بساط پلٹی جاسکتی ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ محض ایک فرضی نام ہے جسے فرضی نام ہی سے ریکارڈ میں درج کرایا گیا ہوگا۔"

"میرے پاس تمہارے لئے ایک اہم اطلاع اور بھی ہے۔" ریسیور پر مونیکا کی آواز ابھری۔ "غزالہ کے اغواء کے سلسلے میں تاوان کی رقم ڈاکٹر نادر نے اپنے اکاؤنٹ سے نکلوائی تھی لیکن اس کے ٹھیک پندرہ دن بعد اتنی ہی رقم اس نے اپنے ہی نام سے ایک دوسرے بینک میں جمع کرائی تھی جس کا ریکارڈ بینک سے طلب کیا جاسکتا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ڈاکٹر اتنی بڑی غلطی کرسکتا ہے۔" رحمت علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ فرشتہ نہیں انسان ہے اور انسان اکثر ایسی غلطیاں بے دھیانی میں کر جاتا ہے جو اس کے جرم کا ثبوت بن جاتی ہیں۔"

"تمہاری اطلاع بہت اہم اور کارآمد ہے لیکن میں کچھ اور چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا......؟"

"ڈاکٹر کو بھی اسی طرح رنگے ہاتھوں گرفتار کرلیا جائے جس طرح زاہد خان کا انجام ہوا تھا۔"

"اس کے لئے تمہیں ایس پی رحمان کو اپنے حق میں ہموار کر کے رسک لینا پڑے گا۔"

"میں سمجھا نہیں......"

"ڈاکٹر اثر ورسوخ والا شخص ہے پھر غزالہ کے اغواء کے بعد اس نے قانون کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لی ہیں، ایسی صورت میں کیا اس امکان پر غور نہیں کیا جاسکتا کہ فارم ہاؤس کے نظر میں آجانے کے بعد وہ ناجائز تجارت کا کچھ قیمتی مال اپنے گھر پر بھی رکھتا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ایس پی رحمان ڈاکٹر کے گھر پر ریڈ کرنے سے گریز کرے گا اور خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ وہ ڈاکٹر کا پرانا واقف کار بھی ہے اس کے علاوہ مجھے ڈاکٹر کو ٹریپ کرانے کی خاطر کھل کر سامنے آنا پڑے گا۔"

"اور ناکام ہو جانے کی صورت، وہ تمہیں کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا...... کیوں؟"

"اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی اپنے دشمن کو معاف نہ کرتا۔"

"تم صرف ایک بار اشارہ کر کے دیکھو۔" مونیکا نے اس بار جذباتی لہجے میں کہا۔

"تمہاری خاطر میں سامنے آنے کو تیار ہوں، زاہد خان والی مخبری کی کامیابی کے بعد ایس پی

رحمان کو میرے بیان میں کچھ نہ کچھ وزن تو ضرور محسوس ہوگا۔''

''نہیں......'' رحمت علی نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں تمہاری زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا......''

''میری زندگی بھی تمہاری ہے اور میں بھی تمہاری ہی ہوں۔'' مونیکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''تمہارے نام پر آنے والی موت بھی میرے لئے حسین ثابت ہوگی۔''

''اس وقت بہت زیادہ موڈ میں معلوم ہوتی ہو۔'' رحمت علی نے بے تکلفی سے کہا۔

''چراغ کی لو بجھنے سے پیشتر کپکپاتی ضرور ہے۔'' مونیکا نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''زندگی کا کیا بھروسہ......کون جانے کب موت آجائے۔''

''اچھا...... زیادہ جذباتی بننے کی کوشش نہ کرو...... یہ بتاؤ اس وقت کیا کر رہی ہو۔''

''کچھ بھی نہیں......''

''کیا میں تمہاری طرف آسکتا ہوں...... میرا مطلب ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر ہی کوئی آخری فیصلہ کر سکتے ہیں۔''

''ضرور آجاؤ...... نہ جانے کیوں اس وقت تم سے ملنے کو دل بہت بے چین ہو رہا ہے۔'' مونیکا بولی۔ ''کچھ عجیب سے کیفیت طاری ہو رہی ہے۔''

''یہ تم نے شاعری کب سے شروع کر دی ہے۔''

''جب سے تم میرے اوپر مہربان ہوئے ہو۔'' مونیکا کے لہجے میں پیار کی کسک شامل تھی۔

''ٹھیک ہے...... میں سیدھا تمہاری ہی طرف آرہا ہوں۔''

''میں بڑی شدت سے تمہارا انتظار کروں گی...... کہو تو ابھی سے تمہاری راہوں میں پلکیں بچھا دوں اور......''

پھر ریسیور پر گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی مونیکا کی کربناک چیخ ابھری تھی۔

''مونیکا......مونیکا......'' رحمت علی نے دیوانگی سے پوچھا۔ ''تم خیریت سے تو ہو؟''

دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا البتہ مونیکا کے کراہنے کی مدھم مدھم آواز ضرور سنائی دے رہی تھی......!!

☆☆☆☆☆

رحمت علی بوتھ سے نکل کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف جھپٹا تھا پھر دوسرے ہی لمحے اس کی گاڑی طوفانی رفتار سے مونیکا کی رہائش گاہ کی جانب دوڑ رہی تھی۔ ریسیور پر سنائی دینے والی گولی کی آواز اور اس کے ساتھ ہی مونیکا کی ابھرنے والی کربناک چیخ سے صاف ظاہر تھا کسی نے اسے اچانک گولی ماری تھی......

''وہ کون ہوسکتا تھا جس نے مونیکا پر فائر کیا تھا۔'' رحمت علی کے ذہن میں بگولے رقص کر رہے تھے، مونیکا نے پراسرار تنظیم کے سربراہ کو منظر عام پر لانے کی خاطر یکے بعد دیگرے اس پر تابڑ توڑ وار کئے تھے۔ مختلف زاویوں سے اسے اندھیرے سے اجالے میں لانے کی کوشش کی تھی۔ فضل داد اور استاد رضوی دونوں ہی تنظیم سے وابستہ افراد تھے لیکن مونیکا نے یقیناً ان کے خلاف سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھایا ہوگا...... ہوسکتا ہے مونیکا نے جن افراد کو استعمال کیا ہو ان ہی میں سے کسی ایک نے اسے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ایس پی رحمان کے عملے میں کوئی ایسی کالی بھیڑ موجود ہو جس کا تعلق کسی نہ کسی زاویئے سے تنظیم کے سربراہ سے ہو اور اس نے زاہد خان اور ''سی کنگ'' کی تباہی کے سلسلے میں کسی عورت کی جانب سے ملنے والی اطلاع کا راز فاش کر دیا ہو۔ ''سی کنگ'' کی بربادی اور زاہد خان کی شخصیت بے نقاب ہونے کے بعد فضل داد اور استاد رضوی پر ہونے والے ایک ہی نوعیت کے حملے نے تنظیم کے سربراہ کو چوکنا کر دیا ہو اور پھر انتقامی کارروائی کے تحت اس نے مونیکا کو راہ سے ہٹا دینے کے احکامات جاری کر دیئے ہوں۔

رحمت علی کا ذہن تیز رفتاری سے پیش آنے والے حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ریسیور پر آخری لمحے تک مونیکا کے کراہنے کی مدھم مدھم آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پوری طور سے مری نہیں تھی۔ رحمت علی کے ذہن میں ایک موہوم سی امید ٹمٹما رہی تھی۔ اسی وجہ سے وہ برق رفتاری سے ڈرائیونگ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ کچھ باتیں ایسی تھیں جو اس کے علم میں آنی ضروری تھیں تاکہ وہ اندازہ لگا سکتا کہ مونیکا پر فائرنگ کرنے والے افراد کا تعلق کس گروہ سے ہوسکتا ہے۔ رہ رہ کر رحمت علی کے ذہن میں ڈاکٹر نادر کا نام ابھر رہا تھا لیکن اس کے پاس ڈاکٹر کے خلاف ایسا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ مونیکا پر ہونے والے قاتلانہ حملے کا حساب بے باق کرسکتا۔ مونیکا نے اس کے بارے میں جو معلومات فراہم کی تھیں وہ اہم ضرور تھیں لیکن کچھ درمیانی کڑیوں کا ملنا بھی ضروری تھا۔

مونیکا کی رہائش پر پہنچنے کے بعد ہی اسے علم ہوا تھا کہ اسے فوری طور پر زخمی حالت میں ایک قریبی ہسپتال میں لے جایا گیا ہے۔ اس نے مطلوبہ ہسپتال تک پہنچنے میں خاصی تیزی دکھائی تھی۔ وہ پہلی فرصت میں اس تک پہنچنا چاہتا تھا، مونیکا نے اس کی محبت میں جو قربانیاں پیش کی تھیں وہ اسے فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اس کے قاتلوں کو معاف نہیں کرے گا لیکن ان تک پہنچنے کی خاطر اسے مونیکا سے کچھ اہم سوالات کرنے ضروری تھے...... مثلاً یہ کہ اس نے فضل داد اور استاد رضوی پر حملہ کرانے کے سلسلے میں کن افراد کو استعمال کیا تھا۔ ان ہی لوگوں میں سے کوئی ایک مونیکا پر ہونے والے حملے کا ذمہ دار بھی ہوسکتا تھا۔ خود مونیکا کی اپنی شخصیت اور اس کے کردار کے مختلف پہلو بھی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ میڈم برلاس کے ادارے سے منسلک ہونے کے سبب ناجائز تجارت کرنے والے سرکل کے تمام لوگ اچھی طرح اس بات سے واقف تھے کہ برلاس انٹر پرائز میں مونیکا کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی سے کم نہیں تھی۔ خود مونیکا نے بھی اُسے بتایا تھا کہ اُس کے میڈم برلاس کے ادارے میں شامل ہونے سے پہلے وہی تمام خطرناک کام انجام دیا کرتی تھی، اسے میڈم کے دست راست ہونے کا اعزاز حاصل تھا اور دوسرے گروہ کے افراد بھی اس کی پوزیشن سے ناواقف تو نہیں ہوسکتے تھے؟

رحمت علی نے ہسپتال کے پارکنگ لاٹ میں پہنچ کر گاڑی پارک کی پھر تیزی سے لپکتا ہوا ریسپشن کی طرف گیا لیکن یہ دیکھ کر اسے حیرت ہی ہوئی تھی کہ ایس پی رحمان، انسپکٹر زیدی کے ساتھ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ ایس پی رحمان نے بھی رحمت علی کی اچانک آمد کو محسوس کیا تھا۔ دونوں کے ذہنوں میں ایک ہی سوال ابھر رہا تھا کہ مونیکا پر قاتلانہ حملے کی اطلاع پہلے کیسے ملی تھی؟ ایک لمحے تک وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو نگاہوں نگاہوں میں گھورتے رہے پھر گفتگو کی پہل رحمت علی نے ہی کی تھی۔

''مونیکا کی حالت اب کیسی ہے؟''

''تمہیں اس واردات کا علم کس طرح ہوا؟'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میں نے فون پر گولی چلنے کی آواز سنی تھی۔'' رحمت علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آئی سی...... گویا جس وقت مونیکا پر قاتلانہ حملہ ہوا تم اس سے فون پر گفتگو کر رہے تھے۔'' رحمان صاحب نے چونکتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں......''

''گولی اس کی پشت پر لگی ہے۔'' رحمان صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے لیکن ڈاکٹر اور سرجن اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔''

''کیا مونیکا نے کوئی بیان دیا ہے۔''

''نہیں......'' رحمان صاحب نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ ''جس وقت وہ ہسپتال لائی

گئی اس وقت وہ کاما کی حالت سے دوچار تھی۔''

''آپ کو اس حملے کی اطلاع کس نے دی تھی۔'' رحمت علی نے سوال کیا، اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

''اسی سوال کا جواب میرے لئے بھی قابل غور ہے۔'' رحمان صاحب نے رحمت علی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے خشک آواز میں کہا۔

''میں سمجھا نہیں......''

''تم ابھی اس بات کا اقرار کر چکے ہو کہ تم وہ آخری آدمی ہو جو فون پر مونیکا سے بات کر رہے تھے...... اور جس نے ہمیں اس حادثے کی اطلاع دی اس نے بھی اپنا نام رحمت علی ہی بتایا تھا...... کیا وہ تم نہیں تھے۔''

''جی نہیں......'' رحمت علی نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں ریسیور پر گولی اور مونیکا کی آخری چیخ سنتے ہی اس کی رہائش گاہ پر گیا تھا اور پھر وہاں سے اطلاع ملنے پر یہاں پہنچا ہوں...... ہوسکتا ہے کسی نے جان بوجھ کر میرا نام درمیان میں گھسیٹنے کی کوشش کی ہو۔''

''اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔'' رحمان صاحب کا لہجہ معنی خیز تھا...... ''تمہارا ہی نام خاص طور پر کیوں لیا گیا؟''

''اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے جس نے فون کیا تھا۔'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ آواز بھی سو فیصد تمہاری آواز سے ملتی جلتی تھی تو......؟''

''میں فی الحال اس سلسلے میں کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکتا۔''

''تمہارے اور مونیکا کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی۔'' رحمان صاحب نے پوچھا۔

''ہماری گفتگو قطعی نجی نوعیت کی تھی۔''

''ممکن ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اب یہ کیس پولیس کی فائل پر آچکا ہے۔''

''کیا آپ یہ شبہ کر رہے ہیں کہ مونیکا کو پیش آنے والے حادثے میں میرا ہاتھ ہے اور اس کے بعد پولیس کو اطلاع دینے کی حماقت بھی میں نے کی ہوگی۔'' رحمت علی کے لہجہ میں بھرپور طنز تھا۔

''اس کا جواب تو تفتیش کے بعد ہی سامنے آئے گا لیکن تم بہرحال اب اس کیس کا ایک اہم حصہ بن چکے ہو۔''

رحمت علی نے جواب میں گھور کر رحمان صاحب کو دیکھا پھر ہونٹ کاٹنے لگا۔

''تمہیں شاید میرا جواب پسند نہیں آیا لیکن پولیس کا اپنا ایک علیحدہ طریقہ کار ہوتا ہے۔'' رحمان صاحب کا لہجہ سرد تھا۔ ''ایسے ان گنت کیس میرے مشاہدے میں آئے ہیں جہاں مجرم نے ہر موقع پر پولیس کے شانہ بشانہ چل کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس کا جرم سے کوئی

تعلق نہیں لیکن آخر میں اسی کو اپنے جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔''

''آپ کو اختیار ہے جو چاہے سوچ سکتے ہیں۔'' رحمت علی نے بدستور ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''بات صرف اختیار کی نہیں ہے...... کچھ ایسی باتوں کی بھی ہے جس کی وضاحت ابھی باقی ہے۔''

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''اطلاعاً عرض ہے کہ جس وقت میری اور مونیکا کی آخری ملاقات ہوئی تھی اس وقت اس نے ڈوبتی ہوئی سانسوں کے درمیان دو نام لئے تھے۔'' رحمان صاحب نے اسے گھورتے ہوئے مشکوک انداز میں کہا۔''ان میں سے ایک نام تمہارا تھا۔''

''اور دوسرا......'' رحمت علی نے تیزی سے پوچھا۔

''کچھ باتیں ٹاپ سیکریٹ ہوتی ہیں جو قبل از وقت نہیں بتائی جاسکتیں۔''

رحمت علی کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ایک ڈاکٹر نے آکر ایس پی رحمان کو اس بات کی اطلاع دی کہ مونیکا موت سے ہمکنار ہوچکی ہے۔ رحمان صاحب نے ایک بار پھر رحمت علی کو معنی خیز انداز میں گھورا جو بڑے جذباتی انداز میں کھڑا مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ مونیکا کی موت کی اطلاع سنتے ہی اس کے خون کی گردش تیز ہوگئی تھی، چہرے کے تاثرات اس کے جذبات کی ترجمانی کررہے تھے......!!

''میرے لئے کیا حکم ہے؟'' اس نے ایک لمحے بعد رحمان صاحب سے سپاٹ اور خشک لہجے میں پوچھا۔''کیا میں جاسکتا ہوں۔''

''جاسکتے ہو...... فی الحال میں تمہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا لیکن ہماری دوسری ملاقات بہت جلد ہوگی۔''

''مجھے بھی آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں...... لیکن ابھی نہیں۔'' رحمت علی نے جذباتی انداز میں جواب دیا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ریسپشن سے باہر چلا گیا......!

☆......☆......☆

مونیکا کی موت کی اطلاع نے میڈم برلاس کے ذہن کو ماؤف کردیا تھا، وہ اس کے ادارے کی ایک اہم اور سرگرم کارکن تھی اور رحمت علی سے پہلے وہی تمام کام سرانجام دیا کرتی تھی۔ میڈم کے لئے اس کی موت کی اطلاع ایک ناقابل تلافی نقصان اور کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں تھا۔ کسی زخمی شیرنی کی مانند وہ اپنے ڈرائنگ روم میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل رہی تھی۔ اس کا ذہن مونیکا کی موت کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کررہا تھا۔ پہلے رحمت علی نے اپنے حالات سے مجبور ہوکر اس سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور اب مونیکا بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ دونوں ہی اس کے قوت بازو تھے لیکن کسی دشمن نے اسے بے

بس کرنے کی خاطر اس کے دونوں بازو کاٹ دیئے تھے، وہ مونیکا کی موت کے ساتھ ساتھ زاہد خان کے بارے میں بھی غور کررہی تھی۔ خفیہ تنظیم کے نادیدہ سربراہ نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ دونوں مل کر راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرسکتے ہیں۔ میڈم نے اس کے ساتھ شامل ہونے کی خاطر دو شرطیں رکھی تھیں لیکن اس نے ان شرائط کو ماننے سے قطعی طور پر انکار کردیا تھا۔ اس کے بعد پہلے زاہد خان ''سی کنگ'' سمیت غرق آب ہوا تھا اور اب مونیکا کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

میڈم برلاس کے ذہن میں تنظیم کے سربراہ کی مکروہ آوازیں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں اگر سربراہ کی شخصیت اس کے علم میں ہوتی تو وہ اپنی زندگی کی پروا کئے بغیر پہلی فرصت میں اس کا جسم گولیوں سے چھلنی کردیتی چاہے اس کے عوض اسے پھانسی کا پھندہ ہی کیوں نہ گلے میں ڈالنا پڑتا۔ بڑی دیر تک وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی پھر کچھ سوچ کر اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور رحمت علی کے نمبر ڈائل کرنے لگی، دوسری جانب سے کال رحمت علی ہی نے ریسیو کی تھی۔

''کیا تمہیں مونیکا کی موت کا علم ہوچکا ہے۔'' میڈم نے تیزی سے پوچھا۔

''میں ابھی ہسپتال سے آرہا ہوں۔'' رحمت علی نے جواب دیا پھر کہا۔''آپ کو اس حادثے کی اطلاع کس نے دی ہے۔''

''رحمان نے......''

''کیا رحمان صاحب نے میرے بارے میں بھی کچھ کہا ہے۔''

''نہیں...... کیوں؟'' میڈم نے استفسار کیا۔

''ان کا کہنا ہے کہ مونیکا نے مرنے سے پہلے دو نام لئے تھے جس میں سے ایک میرا تھا اور اسی کے پیش نظر وہ مجھے بھی اس حادثے میں گھسیٹنے کے بارے میں غور کررہے ہیں۔''

''تمہارے خیال میں مونیکا کے قتل کی ذمہ داری کس پر عائد کی جاسکتی ہے۔''

''تنظیم کے نادیدہ اور بزدل سربراہ پر۔'' رحمت علی کی سرد آواز ریسیور پر ابھری۔''ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض کررہا ہوں کہ جس وقت مونیکا کو گولی ماری گئی اس وقت وہ مجھ سے فون پر گفتگو کررہی تھی...... اس کا اقرار میں ایس پی رحمان صاحب سے بھی کرچکا ہوں۔''

''تمہارے اور مونیکا کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہورہی تھی۔''

''سوری...... یہ میرا نجی معاملہ ہے۔'' رحمت علی نے خشک اور ناگوار انداز میں کہا۔

''کیا ہم دوست نہیں ہیں......'' میڈم کے لہجے میں شکایت تھی۔

''ہماری دوستی اب ایک ہی شرط پر قائم رہ سکتی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''آپ کھل کر اس شخص کا نام بتادیں جس پر آپ کو تنظیم کے سربراہ ہونے کا شبہ ہے۔''

''تم اس کا کیا کرو گے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ اس کا انجام بھی زاہد خان سے مختلف نہ ہو۔'' رحمت علی کا لہجہ سفاک ہوگیا۔ ''وہ اگر رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے تو میں قانون کے نگہبانوں کے سامنے بھی اسے موت سے ہمکنار کر کے مونیکا کی موت کا حساب چکتا کرسکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے......'' میڈم نے ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ ''مونیکا کی خاطر میں تمہاری یہ آرزو ضرور پوری کروں گی، مجھے جس شخص پر شبہ ہے وہ ہیروئن کی اچھی خاصی مقدار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا خواہ اس کے لئے مجھے کوئی بھی راستہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔''

''کیا آپ اب بھی مجھے اس کا نام بتانا پسند نہیں کریں گی۔'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔

''ابھی نہیں...... وقت کا انتظار کرو لیکن اس کا انجام وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو۔'' میڈم برلاس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر کے خلاء میں گھورنے لگی، اُس کی آنکھیں کسی آدم خور چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اُس کے چہرے پر حقارت اور انتقام کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہو رہے تھے، وہ اپنے ذہن میں کوئی پروگرام مرتب کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر اس طرح چونکی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔

''ہیلو......'' اس نے ریسیور اٹھا کر سپاٹ آواز میں کہا۔

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم اس وقت مونیکا کی موت کا سوگ منا رہی ہوگی۔'' دوسری جانب سے تنظیم کے سربراہ کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''فون کرنے کا مقصد بیان کرو۔'' میڈم نے حقارت سے کہا۔

''میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مونیکا کے پر نکل آئے تھے، وہ بہت اونچا اڑنے کی کوشش کر رہی تھی اس لئے مجھے مجبوراً اس کی موت کے احکامات صادر کرنے پڑے۔''

''اور تم ایک عورت کی موت پر خوشی منا کر اپنی مردانگی کا اظہار کر رہے ہو۔'' میڈم کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

''پریشان مت ہو، تمہیں بھی کسی کی موت پر جشن منانے کا موقع فراہم کرنا چاہتا ہوں۔'' دوسری جانب سے ٹھوس آواز میں جواب ملا۔ ''میں تمہیں رحمت علی کی موت کی ذمہ داری سونپ رہا ہوں۔''

''تم...... شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو۔'' میڈم غرائی۔

''میں جانتا ہوں کہ کوئی محبوبہ اپنے چاہنے والے پر گولی نہیں چلا سکتی لیکن تمہیں یہ کام بہرحال کرنا ہوگا...... میرے حکم پر اور اگر تم نے انکار کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا اس لئے

کہ محبت اور جنگ میں ہر حربے کا استعمال جائز ہوتا ہے۔''

''رحمت علی نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔'' میڈم نے تلخ آواز میں پوچھا۔

''بات کچھ بگاڑنے کی نہیں...... اصول کی ہے۔'' ریسیور پر پراسرار سربراہ کی مکروہ آواز ابھری۔ ''مثلاً یہ کہ اگر کوئی پالتو کتا پاگل ہوجائے اور مالک پر غرانے لگے تو اسے پہلی فرصت میں گولی ماردینی چاہئے۔''

''اور اگر کتے کے بجائے اس کے مالک پر دیوانگی کے دورے پڑنے لگیں تو تمہارا اصول کیا کہتا ہے۔''

''تم...... تم شاید اپنی اوقات بھول رہی ہو۔'' دوسری جانب سے سفاک لہجہ اختیار کیا گیا۔ ''یہ مت بھولو کہ میری طرف سے اگر کوئی جوابی کارروائی ہوئی تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی، تمہاری ساکھ اور شہرت دونوں پل بھر میں مٹی میں مل جائے گی۔''

''تمہاری اس بکواس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔'' میڈم نے نفرت سے کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چند ساعت تک وہ اپنی جگہ کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہی پھر اس نے ریسیور اٹھایا اور ایس پی رحمان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆......☆......☆

کمرے میں ایس پی رحمان اور رحمت علی کے علاوہ کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ انسپکٹر زیدی ہرچند کہ اعتماد کا آدمی تھا لیکن اسے بھی رحمت علی کی درخواست پر اُٹھ کر جانا پڑا تھا۔ گیٹ پر موجود سپاہی کو اس بات کی بہت سخت ہدایت کردی گئی تھی کہ کسی پرندے کو بھی بغیر اجازت اندر نہ آنے دیا جائے۔

''کیا تمہیں علم ہے کہ میں نے اس وقت تمہیں کیوں بلایا ہے؟''

''مونیکا کی موت کے سلسلے میں۔'' رحمت علی نے سپاٹ لہجے آواز میں کہا۔

''تم وہ آخری شخص ہو جس نے موت سے پیشتر مونیکا سے گفتگو کی تھی اور تم نے فون پر ہی گولی چلنے اور مقتولہ کی چیخ کی آوازیں سنی تھیں۔''

''میں اس کا اقرار پہلے بھی کرچکا ہوں۔''

''مونیکا کی موت کے سلسلے میں تم اپنے شبہات کے پیش نظر کسے موردالزام سمجھتے ہو۔''

''اس کی موت کا ایک سبب آپ بھی ہو سکتے ہیں۔'' رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' ایس پی رحمان نے چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''مونیکا کے بیان کے مطابق اسی نے زاہد خان کے سلسلے میں آپ کو گمنام حیثیت سے اطلاع دی تھی، ہوسکتا ہے مجرموں کو اس بات کا علم ہوگیا ہو۔''

''ون منٹ......'' ایس پی رحمان نے تیزی سے کہا پھر خلاء میں گھورنے لگے، اسے اس

بات کا پہلے ہی شبہ تھا کہ جس عورت نے فون پر مخبری کی تھی وہ اس کی آواز پہلے بھی کہیں سن چکا ہے۔ رحمت علی کا جواب سننے کے بعد اب اسے یقین آ گیا تھا کہ مونیکا ہی کی بدولت اس نے زاہد خان کے سلسلے میں ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ ہر طرف اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں، وہ اس کی محسنہ تھی لیکن اب اس دنیا میں نہیں تھی، ایک ثانئے تک وہ اپنے خیالوں میں محو رہا پھر بولا۔ ''کیا تمہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ زاہد خان غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھا۔''

''جی ہاں...... میں اس بات سے بھی انکار نہیں کروں گا۔'' رحمت علی نے جواب دیا۔ ''میں زاہد خان کے علاوہ اور بھی بہت سارے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں...... اس لئے کہ میرا اپنا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے رہ چکا ہے لیکن اب میں نے اپنی زندگی کے دھاروں کا رخ موڑ دیا ہے۔''

''آئی سی۔'' رحمان صاحب نے رحمت علی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو تم ہمارے لئے بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہو۔''

''ایک شرط پر......''

''وہ کیا......؟''

''آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ مونیکا نے میرے علاوہ دوسرا نام کس کا لیا تھا۔''

''اس نے نام نہیں لیا تھا۔'' رحمان صاحب محتاط انداز میں بولے...... ''صرف دو لفظ کہے تھے...... ڈاکٹر...... اور...... رحمت علی۔''

''لفظ ڈاکٹر سے آپ کا شبہ کس کی طرف جاتا ہے۔'' رحمت علی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔'' رحمان صاحب نے پہلو بدل کر کہا۔ ''کچھ اور ذریعے سے بھی مجھے اطلاع ملی ہے لیکن بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ہم کسی معزز شخص پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔''

''زاہد خان کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔ ''کیا وہ بھی ایک معزز شخص نہیں تھا جس کے خلاف آپ نے محض ایک عورت کے فون پر اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن..........''

''ہمیں بہرحال رسک تو لینا ہوگا اس لئے کہ ڈاکٹر کا لفظ بھی اسی عورت کی زبان سے نکلا ہے جس نے زاہد خان کے بارے میں مخبری کی تھی۔''

''میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں مگر مونیکا نے ڈاکٹر کے ساتھ کوئی نام نہیں لیا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کا اشارہ اس ڈاکٹر کی طرف نہ ہو جسے ہم مشکوک سمجھ رہے ہیں۔''

''آپ میڈم برلاس پر ہونے والے قاتلانہ حملے کو کیوں فراموش کر رہے ہیں۔'' رحمت

علی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''کیا اس وقت میں نے آپ سے اس بات پر حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا کہ میڈم برلاس کا علاج وہی مشکوک ڈاکٹر کیوں کر رہا تھا۔''

''مجھے یاد ہے مگر..........''

''میں آپ کی مجبوری سمجھ رہا ہوں لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جو ثبوت کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔''

''مثلاً..........''

''غزالہ کا اغواء اور بازیابی۔'' رحمت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجرموں نے اسے صرف تاوان لے کر رہا کر دیا تھا جبکہ اگر وہ چاہتے تو اسے بھی شمائلہ کی طرح اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر سکتے تھے۔''

''ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کا اغواء دو مختلف آدمیوں نے کیا ہو۔''

''مرنے سے پیشتر مونیکا نے ایک بات اور بھی کہی تھی۔'' رحمت علی نے کہا۔ ''غزالہ کے سلسلے میں تاوان کی جتنی رقم ڈاکٹر نے ایک کھاتے سے نکلوائی تھی اتنی ہی رقم ٹھیک پندرہ دن بعد اپنے ہی نام کے دوسرے اکاؤنٹ میں جمع کرادی تھی۔''

''یہ بات قابل غور ہے۔'' رحمان صاحب نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''کیا تم مجھے تفصیل کے ساتھ مونیکا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنا سکتے ہو...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمام باتیں صرف میری ذات تک محدود رہیں گی۔''

رحمت علی نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر اس نے پوری تفصیل مغربی گھاٹ والے حادثے سے لے کر استاد رضوی پر کئے جانے والے حملے تک دہرادی۔ رحمان صاحب پوری توجہ سے اس کی ایک ایک بات ذہن نشین کر رہے تھے، رحمت علی نے اپنا بیان ختم کیا تو رحمان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم نے غلطی سے مغربی گھاٹ والے حادثے کی تفصیل سنا کر خود کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔''

''جی نہیں...... میں نے جو کچھ کہا ہے پوری دیانت داری سے کہا ہے۔'' رحمت علی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اکبر کی بازیابی کی خاطر میں تنظیم کے سربراہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے مجبور تھا...... خواہ مجھے کسی کو گولی ہی کیوں نہ مارنی پڑتی۔''

''مجھے تمہاری صاف گوئی پسند آئی۔'' رحمان صاحب نے کہا پھر تھوڑے توقف سے بولے۔ ''تمہارا کیا مشورہ ہے، ہم پہلے استاد رضوی اور فضل داد کو نہ اٹھالیں ہوسکتا ہے کہ وہ ڈاکٹر کے سلسلے میں ہماری معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔''

''تنظیم کا سربراہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا عادی ہے، استاد رضوی اور فضل داد کی گرفتاری کے بعد عین ممکن ہے کہ وہ ان تمام ثبوتوں کو مٹا ڈالے جن کی فی الحال ہم توقع

کر سکتے ہیں۔''

''میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔'' رحمان صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارا کیا مشورہ ہے۔''

''ہمیں ڈاکٹر کی رہائش گاہ اور تنظیم نامی لانچ پر ایک ساتھ ریڈ کرنی پڑے گی اس کے ساتھ ہی استاد رضوی کو بھی حراست میں لینا پڑے گا۔''

رحمان صاحب ایک بار پھر اپنے خیالوں میں محو ہوگئے، شاید وہ اپنے ذہن میں کوئی اسکیم مرتب کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں مکمل خاموشی طاری رہی۔ پھر انہوں نے رحمت علی سے بڑی رازداری سے پوچھا۔

''میڈم برلاس کے سلسلے میں کیا کہو گے؟''

''ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔'' رحمت علی نے جواب دیا۔ ''میں خود کو بھی مجرموں کا شریک کار ہونے سے انکار نہیں کروں گا۔''

''تمہاری حیثیت اب سلطانی گواہ کی ہوگی لیکن میڈم برلاس......'' رحمان صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے پھر ایک ثانئے کی خاموشی کے بعد بولے۔ ''میرے پاس تمہاری تمام معلومات ہیں مگر میڈم برلاس کی پوزیشن اب ذرا مختلف صورت اختیار کر گئی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔

''کیا گزشتہ رات میڈم برلاس نے تم سے مونیکا کے سلسلے میں گفتگو کی تھی۔''

''جی ہاں......'' رحمت علی نے کہا پھر میڈم سے ہونے والی گفتگو بھی دہرادی۔

''میڈم برلاس نے تم سے گفتگو ختم کرنے کے بعد فوراً ہی مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔'' رحمان صاحب نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہاری گفتگو نے اسے بہت زیادہ جذباتی بنا دیا ہے...... وہ تمہاری خاطر نہ صرف یہ کہ ایک بڑی قربانی دینے کو آمادہ ہوگئی ہے بلکہ اس نے اپنے جرائم کا بھی اعتراف کرلیا ہے۔''

''قربانی سے آپ کی کیا مراد ہے۔''

''ابھی نہیں لیکن تمہیں اس کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا۔''

''کیا آپ میڈم برلاس کے ساتھ بھی مجرموں والا برتاؤ کریں گے۔''

''ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... یہ تمام باتیں پیش آنے والے حالات پر منحصر ہوں گی، ویسے میں کوشش کروں گا کہ تم دونوں ہی کو بطور سلطانی گواہ قانون کے سامنے پیش کیا جائے۔'' رحمان صاحب نے کہا پھر تیزی سے بولے۔ ''لیکن میری ایک بات کا سختی سے خیال رکھنا، تم ان باتوں کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے ورنہ بنا بنایا کھیل چوپٹ بھی ہوسکتا ہے اور اگر ایک بار بساط پلٹ گئی تو پھر مجرم کا ہمارے جال میں پھنسنا بہت مشکل ہو جائے گا۔''

رحمت علی نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اٹھ گیا تھا......!!

☆......☆......☆

ڈاکٹر نادر نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو میڈم وہاں پہلے ہی سے اس کی منتظر تھی۔ صوفوں کے درمیان گول شیشے کی میز پر خوبصورت پیکنگ میں ایک چوکور ڈبہ موجود تھا۔ ڈاکٹر نے ایک سرسری نظر اس ڈبے پر ڈالی جو بظاہر کوئی گفٹ پیک لگ رہا تھا۔ پھر میڈم سے بولا۔

''آئی ایم سوری...... دراصل آپ جس وقت تشریف لائیں اس وقت میں نہا رہا تھا، آپ کو میرے انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔''

پھر وہ دونوں صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میڈم نے کہا۔ ''مشہور و معروف ڈاکٹر اور سرجن اسی انداز میں مریضوں کو انتظار کراتے ہیں۔''

''لیکن کلینک پر...... گھر پر نہیں۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس وقت آپ میری مریضہ نہیں بلکہ مہمان ہیں۔''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں اس وقت کس مقصد سے آئی ہوں۔'' میڈم برلاس نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آپ کا اپنا گھر ہے۔ جب چاہیں بڑے شوق سے تشریف لاسکتی ہیں۔'' ڈاکٹر نے بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''اور اگر میں مستقل یہیں ڈیرہ جمالوں تو......'' میڈم نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔''

''جانتے ہیں آپ اس وقت میں کیوں آئی ہوں۔''

''میں ڈاکٹر ہوں کوئی نجومی نہیں ہوں جو کسی کے دل کا بھید جان سکوں۔'' ڈاکٹر نادر نے میڈم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ''آج میں خود کو مکمل طور پر صحت مند محسوس کر رہی ہوں اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ صحت کی بحالی آپ کے ساتھ سیلی بریٹ کروں۔''

''وہائی ناٹ......'' ڈاکٹر نے بے تکلفی سے کہا۔ پھر گفٹ پیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ زحمت آپ نے غالباً اسی جشن صحت کے لئے کی ہے۔''

''جی نہیں......'' میڈم نے ایک خاص ادا سے جواب دیا۔ ''یہ تحفہ ایک مریضہ کی طرف سے ایک مسیحا کے لئے ہے۔''

''گویا آپ مجھے شرمندہ کرنے کا ارادہ کر کے آئی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیں۔'' میڈم نے ایک بار پھر اپنی دستی گھڑی کو دیکھا پھر پہلو بدل کر سنجیدگی سے بولی۔ ''ڈاکٹر ایک بار آپ نے میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ آج میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے آئی ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں......'' ڈاکٹر نے حیرت سے دریافت کیا۔ لیکن اس کا چہرہ اندرونی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

''میرا خیال ہے کہ زاہد خان کے بعد اب ہمارے راستے کے تمام کانٹے نکل چکے ہیں۔''

میڈم بدستور سنجیدگی سے بولی۔ ''ہمارا گٹھ جوڑ ہم دونوں ہی کے لئے بہت کارآمد اور فائدہ مند ثابت ہوگا۔''

''مم...... میں سمجھا نہیں۔'' اس بار ڈاکٹر محض ایک لمحے کے لئے چونکا تھا۔

''اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ڈاکٹر...... آپ کیا ہیں یہ میں خوب جانتی ہوں۔''

''مطلب......؟'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے وضاحت چاہی۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں تفصیل میں جا کر وقت برباد کرنے کے بجائے یہ طے کر لینا چاہئے کہ پرافٹ پر ڈسٹری بیوشن کس ریٹ سے ہوگا۔''

''آئی ایم سوری...... میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''تم شاید بھول رہے ہو ڈاکٹر کہ میں بھی اسی راستے کی مسافر ہوں جس پر تم چل رہے ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں کھل کر ہر کام کرنے کی عادی ہوں جبکہ تم نے اپنی شخصیت پر ایک نادیدہ پراسرار شخصیت کا خول چڑھا رکھا ہے۔'' میڈم نے اسے گھورتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''پراسرار تنظیم کا دور اندیش سربراہ جس نے قانون کو دھوکہ دینے کی خاطر دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔ ہزاروں افراد کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور خود اپنی بیٹی کو اغواء کرا کے قانون کی نگاہوں میں اس لئے دھول جھونکنے کی کامیاب کوشش کی کہ قانون کے محافظ تمہاری شخصیت کو شبہے سے بالاتر سمجھیں اور تم آسانی سے اپنا کام جاری رکھ سکو لیکن مونیکا کو موت کے گھاٹ اتار کر تم نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ تم اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ میری دست راست تھی......''

''میڈم برلاس۔'' ڈاکٹر کے اعصاب میں یکلخت تناؤ پیدا ہو گیا۔ ''آپ اس وقت کچھ بہکی بہکی باتیں کر رہی ہیں۔''

''جانتے ہو تم نے سب سے بڑی حماقت کیا کی ہے......'' میڈم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تاوان کی وہ رقم جو تم نے اپنے ایک اکاؤنٹ سے نکلوائی تھی ٹھیک پندرہ دن بعد دوسرے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی...... ویسے میرے علم میں یہ بات بھی ہے کہ تم نے اپنی بیٹی کو غلط ہاتھوں سے بچانے کی خاطر خود اپنے ہی ایک آدمی کو اپنے اشارے پر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔''

ڈاکٹر نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میڈم برلاس کو بڑی خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''مجھے اس بات کا اندازہ بھی ہے کہ تم نے فارم ہاؤس پر ہونے والی ریڈ کے بعد اب اپنا کچھ مال اپنے گھر پر رکھنا شروع کر دیا ہے جسے قانون کی نظریں کسی وقت بھی تلاش کر سکتی ہیں...... لیکن میں ایسا نہیں کروں گی...... مجھے اب تمہاری دوستی اور مشترکہ کاروبار والی شرط

منظور ہے لیکن سکسٹی اور فارٹی کے حساب سے...... بولو کیا تمہیں میری شرط منظور ہے۔''

''تم نے شیر کی کچھار میں آ کر اسے شکار کرنے کی حماقت کی ہے۔'' ڈاکٹر نے تیزی سے کہا پھر اس کے ساتھ ہی اس نے بڑی پھرتی سے اپنی جیب سے سائلنسر لگا ہوا آٹومیٹک ریوالور نکال کر اس کا رخ میڈم برلاس کی جانب کرتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔ ''میرے ڈرائنگ روم کا قالین خاصا قیمتی ہے اس لئے میں اسے تمہارے خون سے گندا نہیں کروں گا...... کیا تم خود اپنے قدموں پر کھڑی ہو کر میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی یا مجھے اپنے پالتو کتوں کو زحمت دینی ہوگی۔''

''مجھے مارنے کی خاطر تم نے کس جگہ کا انتخاب کیا ہے؟'' میڈم نے لاپروائی سے پوچھا۔

''اسی جگہ جہاں تمہاری اطلاع کے بموجب میں نے اپنا مال رکھنا شروع کیا ہے۔'' ڈاکٹر نے بدستور خطرناک لہجے میں کہا۔ ''ویسے کیا تم مرنے سے پہلے یہ بتانا پسند کرو گی کہ تمہیں میرے بارے میں کس نے اطلاع دی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس کا نام سن کر حیرت سے اچھل پڑو گے۔''

''کون ہے وہ......؟''

''ڈاکٹر نادر......'' میڈم نے زہرخند سے کہا۔ ''جس نے نیلے رنگ کے لفافے اور بھونرے کی ابھری ہوئی تصویر کو اپنا سمبل بنا رکھا ہے۔''

''نہیں...... تم اتنی آسانی سے مجھے ڈاج نہیں دے سکو گی۔''

''جانتے ہو اس گفٹ پیک میں کیا ہے۔'' میڈم برلاس نے گول میز پر رکھے ہوئے پیکٹ کی جانب اشارہ کیا۔ ''اس میں ہیروئن پیک ہے جسے بیرون ملک لے جانے کے عوض تم نے میری خدمات حاصل کرنے کے لئے مجھے اس وقت یہاں طلب کیا تھا۔''

جواب میں ڈاکٹر نادر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میڈم کا آخری جملہ سننے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ اسے پھانسنے کی خاطر بڑی خوبصورتی سے ماؤس ٹریپ تیار کیا گیا ہے لیکن پیشتر اس کے وہ نکاسی کا کوئی راستہ تلاش کر سکتا، مدھم سی ''پچ'' کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی آٹومیٹک ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ بائیں جانب سے چلائی جانے والی گولی نے اس کا ہاتھ بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ پھر اس نے ایس پی رحمان، انسپکٹر زیدی اور رحمت علی کو تیزی سے سامنے سے آتا دیکھا۔

''تم پوری طرح سے چاروں اطراف سے گھیرے جا چکے ہو ڈاکٹر۔'' ایس پی رحمان نے خشک لہجے میں کہا۔ ''پولیس کے خفیہ لباس والوں نے تمہارے بنگلے کا محاصرہ کر رکھا ہے اور وہ پوری طرح اسلحہ سے لیس بھی ہیں۔''

''لیکن میرا جرم کیا ہے۔'' ڈاکٹر نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

''یہ ہیروئن جو تم نے میرے ذریعے باہر بھجوانے کی پیشکش کی تھی۔'' میڈم برلاس نے

کہا پھر جب ایس پی رحمان کے اشارے پر انسپکٹر زیدی نے گفٹ پیک کھولا تو اس کے اندر سے بڑے سلیقے سے بنی ہوئی ہیروئن کی تھیلیاں ہی برآمد ہوئی تھیں۔

''اب تم کیا کہو گے......؟'' رحمان صاحب نے ڈاکٹر نادر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ...... یہ گفٹ پیک میرا نہیں ہے...... میڈم برلاس اپنے ساتھ لائی تھی۔'' ڈاکٹر نے ہاتھ ملتے ہوئے غصے سے کہا اور رحمت علی کے ذہن میں میڈم کا وہ جملہ گونج اٹھا جس میں اس نے وعدہ کیا تھا کہ اسے جس پر شبہ ہے وہ اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کرانے سے دریغ نہیں کرے گی خواہ اُسے کوئی قربانی بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس نے اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کی خاطر ڈاکٹر نادر کے لئے بڑا خوبصورت جال بنا تھا۔

''ہم چھپ کر تمہاری گفتگو سن چکے ہیں ڈاکٹر نادر!'' ایس پی رحمان نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تمہارے بنگلے کی تلاشی لینے کے بعد تمہاری شخصیت بھی ضرور بے نقاب ہو جائے گی۔''

اور پھر ہوا بھی وہی تھا جس کا اندازہ لگایا گیا تھا۔ ڈاکٹر کی کوٹھی والے حصے سے کچھ برآمد نہ ہو سکا لیکن اس کے گیراج سے جس میں دو ٹرک بیک وقت پارک ہو سکتے تھے اور جس کے نیچے اتنے ہی بڑے رقبے کا گودام بنا ہوا تھا، بڑی مقدار میں ہیروئن، اعلیٰ قسم کی چرس اور بیرونی کرنسی برآمد ہوئی تھی۔ گودام کے اندر بنی ہوئی الماری سے نیلے رنگ کے ایسے لفافے اور لیٹر ہیڈ بھی برآمد ہوئے تھے جن پر بھونرے کی ابھری ہوئی تصویر بنی تھی جو پر اسرار تنظیم کے سربراہ کا ٹریڈ مارک تھا۔

ڈاکٹر نادر نے شروع شروع میں گھر کی تلاشی لینے کے سلسلے میں خاصا واویلا مچایا تھا لیکن پھر ناجائز تجارت کے ساز و سامان کے برآمد ہونے کے بعد وہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ گیراج کے جس زمین دوز حصے سے چیزیں برآمد ہوئی تھیں اس کا ایک دروازہ ڈاکٹر کے ریڈنگ روم میں بھی کھلتا تھا۔ طریقہ کار نہایت سادہ مگر سائنٹفک تھا، جن ٹرکوں میں سامان آتا جاتا تھا ان پر زندگی بچانے والی ادویات کے بڑے بڑے اشتہار ہوتے تھے۔ ٹرک کو گیراج میں پارک کر کے باہر سے بند کر دیا جاتا تھا۔ پھر ڈاکٹر کے اعتماد کے خاص خاص افراد ٹرکوں سے یہ سامان اتار کر اندر ہی اندر زمین دوز حصے میں منتقل کر دیتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ ازاں بعد اسی مال کو بیرونی منڈیوں میں بھاری قیمت پر فروخت کر دیا جاتا تھا۔

ناجائز اشیاء کے برآمد ہونے کے بعد ہی ڈاکٹر کو ہتھکڑی پہنا دی گئی تھی۔ اس نے پولیس کے اس ایکشن پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا لیکن وہ جن نظروں سے میڈم برلاس اور رحمت علی کو گھور رہا تھا، ان میں انتقام کے شعلے لپک رہے تھے۔ قانونی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ایس پی رحمان نے ڈاکٹر سے کہا تھا۔

''آئی ایم سوری ڈاکٹر...... میں تمہاری واقفیت کو اپنے فرائض پر ترجیح نہیں دے

سکتا، تمہیں ہر قیمت پر اپنے کئے کی کڑی سزا بھگتنی پڑے گی۔''

''آئی نو مائی ڈیئر۔'' ڈاکٹر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مگر یہ بات شاید تم بھی جانتے ہو گے کہ ہر جرم کی ایک سزا اور ہر سزا کی ایک مدت مقرر ہوتی ہے اور اس مدت کو پورا کرنے کے بعد میں ایک بار پھر کھلی فضا میں سانس لینے کو آزاد ہوں گا۔''

''لیکن تم ہمارے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرنے کے قابل نہیں ہو گے۔'' میڈم برلاس نے کہا۔ پھر اس نے نہایت پھرتی سے اپنے پرس سے لیڈیز آٹومیٹک ریوالور نکالا اور پے در پے دو فائر کئے، ڈاکٹر نادر لڑکھڑا کر فرش پر گرا تھا، اس کے دونوں گھٹنوں کی ہڈیاں کرچیوں میں بٹ گئی تھیں۔ ''اب تم آزادی کے بعد بھی اپاہجوں کی طرح زندگی کے کرب سے دو چار رہو گے۔'' میڈم نے حقارت سے کہا۔

''میڈم......!'' رحمت علی نے تیزی سے کہا۔ ''یہ آپ نے کیا کیا؟''

''میں نے ڈاکٹر سے مونیکا کی موت کا ایک معمولی سا انتقام لیا ہے...... کیا تم نے بھی یہی نہیں سوچا تھا؟'' میڈم برلاس نے بڑی لاپرواہی مگر اپنائیت سے جواب دیا پھر اس نے ازخود اپنا ریوالور ایس پی رحمان کے حوالے کر دیا۔

ایس پی رحمان نے ڈاکٹر نادر کو فوراً ہی ہسپتال کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر اسے قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر میڈم برلاس کو بھی گرفتار کرنا پڑا تھا البتہ رحمت علی کو حسب وعدہ تمام قانونی دستاویزات میں بطور سلطانی گواہ کے ظاہر کیا گیا تھا۔

میڈم برلاس نے پولیس کی گاڑی میں بیٹھتے وقت رحمت علی کو جن الوداعی نظروں سے دیکھا تھا اس میں ایک پیغام بھی تھا جیسے وہ نگاہوں نگاہوں میں کہہ رہی ہو۔'' رحمت علی، میں نے تمہیں دل و جان سے اپنا سمجھا تھا اسی لئے خود کو حالات کے بھنور کے حوالے کر دیا اور تم...... اور تم کھلی ہوا میں سانس لینے کے لئے آزاد ہو......''

(ختم شد)